قرآن وحدیث کے حوالہ جات سے مزین، فکرِ رضا کے موافق،
حالات وواقعات کے مناسب، علماء وخطبا میں مقبول
اور اکابر کے پسند فرمودہ

خطباتِ نظامیہ ۱۴۴۵ھ



مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

مرکزی دفتر

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

علم و حکمت سے بھرے خطبات ہیں	تاجِ رفعت سے سجے خطبات ہیں
مسلکِ غوث و رضا کے ترجماں	اہلِ سنت کے لیے خطبات ہیں

جملہ حقوق بحقِ مجلسِ علماءِ نظامیہ محفوظ ہیں

نام کتاب:	خطباتِ نظامیہ 1445ھ
مرتّبین:	مجلسِ خطباتِ نظامیہ
شرعی راہ نمائی:	مولانا مفتی محمد اکمل قادری، دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ
پروف ریڈنگ:	مولانا محمد اویس رضا قادری مولانا محمد واصف رضا قادری
ڈیزائنگ / اشاعت:	مولانا محمد اعظم، مطیع الرحمٰن، مولانا محمد معین الدین
اشاعت بارِ اول:	جمادی الاُولیٰ ۱۴۴۶ھ / نومبر 2024ء
تعداد:	1100
ناشر:	مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

درج ذیل مقامات سے طلب فرمائیں

مرکزی دفتر مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور	0315-7374429
مکتبہ اہلِ سنت جامعہ نظامیہ رضویہ	0333-4910886
سیالوی پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور	0344-4466549
مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور	0321-7226193
نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر، اُردو بازار، لاہور	0301-4377868
فضلِ حق پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور	0300-4798782

اجمالی فہرست

⇐ منظوم خراجِ تحسین iv
⇐ معروضہ vi
⇐ فہرستِ خطبات xii
⇐ خطباتِ نظامیہ 1445ھ 1
⇐ فہرستِ آیاتِ کریمہ 530
⇐ فہرستِ احادیثِ نبویہ 538
⇐ مصادر و مراجع 548

خطباتِ نظامیہ 1445ھ

کلام: شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی[1]

چودہ سو پنتالیس کے شائع ہوئے خطبات ہیں
جو اہلِ دانش کے لیے عِرفان کی سوغات ہیں

سیر اب جس سے بایقیں ہوں عالم و واعظ سبھی
یہ خُطبے علم و وَعظ کی ایسی حسیں برسات ہیں

شُکرِ خُدا ہے لازمی جس نے ہمیں گویائی دی
مجلس کی یہ سب کاوشیں اُس کے ہی اِحسانات ہیں

جو اَفصحِ کُل حشر میں ہوں گے خطیبِ اِنس و جاں
اُن کی عطا کے فیض سے مجلس کی تصنیفات ہیں

زینت ہیں ہر مضمون کی اِن میں فرامینِ نبی
بنیاد ہر عنوان کی قرآن کی آیات ہیں

اِس دَور کے ہیں مسئلے بھی اِن میں زیرِ گفتگو
مذکور اِن میں عالَمِ اِسلام کے حالات ہیں

خُطبات کی تدوین میں اَحباب جو شامل ہوئے
اُن کے لیے تبریک میں ثاقب کے یہ اَبیات ہیں

---

[1] مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے 2001ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے فراغت حاصل کی اور جامعہ برکات العلوم، گلبرگ لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اِک راہِ ہدایت ہیں خطباتِ نظامیہ

نتیجۂ فکر: مولانا علی رضا فخری [1]

فیضانِ شریعت ہیں خطباتِ نظامیہ		گلزارِ خطابت ہیں خطباتِ نظامیہ
مقبول و مُسلّم ہیں عرفان کا مَخزن ہیں		اللہ کی نعمت ہیں خطباتِ نظامیہ
آیات کی کلیاں ہیں تفسیر کے گلشن ہیں		توحید کی دولت ہیں خطباتِ نظامیہ
قرآن کے، سنّت کے درج اِن میں حوالے ہیں		ہر ایک کی چاہت ہیں خطباتِ نظامیہ
سرکارِ مدینہ کی سیرت سے منوّر ہیں		اِک راہِ ہدایت ہیں خطباتِ نظامیہ
ابحاثِ عقائد ہیں احکام و مسائل ہیں		اسلام کی خدمت ہیں خطباتِ نظامیہ
افکارِ رَضا کے بھی یہ عین موافق ہیں		بے شک رہِ جنت ہیں خطباتِ نظامیہ
تحقیقِ اکابر کو تسلیم کیا جائے		اِس دَور کی حاجت ہیں خطباتِ نظامیہ
الفاظ و معانی ہیں جملوں کی روانی ہے		اشعار کی بہجت ہیں خطباتِ نظامیہ
پُر لطف کتابت ہے پُر حُسن طباعت ہے		تحریر کی زینت ہیں خطباتِ نظامیہ
ہر سال اِشاعت ہے اِعزاز یہ حاصل ہے		ہر روز کی محنت ہیں خطباتِ نظامیہ
مسجد میں، مدارس میں، تبلیغ و خطابت میں		واعظ کی ضرورت ہیں خطباتِ نظامیہ
تقدیر سے چمکانی وابستہ رہو اِن سے		فخریؔ کی نصیحت ہیں خطباتِ نظامیہ

[1] مولانا علی رضا فخری نے 2024ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے فراغت حاصل کی۔

معروضہ

انسان پر ربِّ کریم کے بے شمار انعامات واحسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے انسان کو قوّتِ گویائی سے نوازا ہے۔ یہ حضرتِ انسان ہی ہے جو اپنے دل کی بات کو حسین و فصیح الفاظ کی لڑی میں پرو کر دوسروں تک پہنچا دیتا ہے۔

اِظہار مافی الضمیر کے مختلف ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ "خطبہ" ہے۔ خطابت کی تاریخ اُتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانیت کی ہے۔ ہر دَور میں خطابت کی تاثیر واہمیّت معروف و مسلّم رہی ہے اور اسلام نے اِس کی عظمت واِفادیت کو مزید چار چاند لگائے ہیں۔

انواعِ خُطَب میں سب سے اہم "خطبہ جُمعۃ المبارک" ہے۔ اِس کی منزلت ووُقعت کا اندازہ درج ذیل اُمور سے کیا جاسکتا ہے:

- جمہور مفسرین کے نزدیک "ذکر اللہ" سے مراد خطبہ جُمعہ ہی ہے جس کے لیے قرآنِ عزیز نے اذانِ جمعہ ہوتے ہی مسجد میں جلد حاضر ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔[1]
- خطیبِ محشر ﷺ کا اپنے متعدّد ارشاداتِ عالیہ کے ذریعے خطبہ جُمعہ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق راہ نمائی فرمانا بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ مہتمّ بالشان امر ہے۔
- امام الانبیا ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا التزام کے ساتھ خود خطبہ جُمعہ ارشاد فرمانا بھی اِس کی رِفعت پر دالّ ہے۔
- خطبہ جُمعہ دعوتِ دین کا ایسا ذریعہ ہے جس سے بلا تفریق و تخصیص ہر عمر... جملہ درجات... تمام شعبہ ہائے زندگی... جمیع ممالک... اور سبھی ذوات وقبائل کے مسلمان فیض یاب ہوتے ہیں۔
- شریعتِ مطہرہ نے خطبہ جُمعہ کو ہر ہفتے میں ایک مرتبہ مشروع قرار دیا ہے۔ یوں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کرنے والے ہر مسلمان کو سال میں تقریباً پچاس مرتبہ اِس کے ذریعے اپنی دینی معلومات میں اِضافہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔
- کیفیت کوئی بھی ہو... حال جیسا بھی ہو... مقام کہیں کا بھی ہو... بہر صورت اقامتِ جمعہ ہو تو خطبہ جُمعہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی اِس کی افادیت ومنفعت کی بیّن دلیل ہے۔
- خطبہ جُمعہ کا وقت وہ ہوتا ہے جو ہفتہ بھر کے اوقات میں سے افضل ہے اور اِس کا مقام بھی زیادہ تر وہ ہوتا ہے جو روئے زمین پر ربِّ کریم کی سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے۔ اِس سے بھی خطبۂ جُمعہ کی منزلت واضح ہوتی ہے۔
- حکومتی سروے سے تصدیق ہوتی ہے کہ جدید ذرائع کی کثرت کے باوجود عوام کی بڑی تعداد آج بھی خطبۂ جُمعہ سے دین سیکھتی ہے۔

---

[1] دیکھیے الجمعۃ 9:62 مع خزائن العرفان

کوئی چیز جس قدر اہم ہو اُس کے تقاضے بھی اُتنے ہی زیادہ نازک ہوتے ہیں۔ خطبۂ جمعہ کی اہمیّت بھی چند اُمور کا تقاضا کرتی ہے، جن میں سے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ خطیب بھرپور تیاری کے ساتھ خطبہ دے۔ چنانچہ:

⟸ بامقصد، مؤثّر اور مقتضی الحال کے مطابق موضوع کا انتخاب کرے۔

⟸ منتخب موضوع پر قرآن وسنّت کے دلائل، اہم فقہی مسائل، پُرکشش امثلہ، پُرمغز اشعار اور اثر انگیز واقعات پر مشتمل مستند مواد جمع کرے۔

⟸ مواد کو سامعین کی استعداد، وقت کی گنجائش، خطبہ کے اہداف اور دیگر متعلقہ اُمور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بہترین انداز سے ترتیب دے... جو مفید تمہید، عمدہ صُلب اور حُسنِ ختام کی صورت میں تلخیصِ موضوع کو محیط ہو۔

مسندِ خطابت کے نازک تقاضوں کا اندازہ اِس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ علما نے فرمایا: وعظ کی اِجازت فقط عالم کو ہے، غیر عالم کسی عالم کی کتاب پڑھ کر سنا سکتا ہے، مگر اُس کا اپنے پاس سے وعظ کرنا حرام ہے اور اُس کا وعظ سننا بھی حرام ہے۔ (فتاوٰی رضویہ: 23/409)

بلاشبہ دورِ حاضر میں ایسے علما موجود ہیں جو خطبۂ جمعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، مگر ایک بڑی تعداد ایسے خطبا کی بھی ہے جنھوں نے خطابت کو پیشہ بنا رکھا ہے اور اِس کے ذریعے ابلاغِ دین کے بجائے اپنی دکان چمکا رہے ہیں۔ ایسے ہی خطبا سے متعلق شارحِ مشکوٰۃ حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (1894–1971ء) نے لکھا: فی زمانہ واعظین "عمل" کا وعظ ہی نہیں کرتے... شعر خوانی، خوش اِلحانی، قصّے کہانی میں وقت پورا کرتے ہیں۔ عام جلسے گویا حلال سینما ہیں؛ کہ سننے والے بھی تماشائی ذہن، عیاش ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب مسلمان علما کے وعظ سن کر بعد میں یاد کرتے تھے، کہ مولوی صاحب نے آج فلاں فلاں مسئلہ بیان کیا ہے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: مررتُ لیلۃَ أُسرِیَ بی بقومٍ، رقم: 4800)

یہ بات بھی واضح ہے کہ عصرِ حاضر انحطاط و بے برکتی کا دَور ہے۔ علمی وُسعت و ثقاہت اور رُسوخ بھی روز بروز کم ہوتے چلے جارہے ہیں، ذوقِ مطالعہ بھی تیزی سے ناپید ہوتا جارہا ہے اور وقت میں بے برکتی کا عالَم بھی کسی سے مخفی نہیں۔

معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ و تنظیم المدارس اہلِ سنت، مفتیٔ اعظم پاکستان، علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (م: 2003ء) نے 1994ء میں مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جس کے بنیادی مقاصد میں ابنائے جامعہ نظامیہ کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ عوام وخواص کے عقائد کا تحفّظ اور فکرِ رضا کی ترویج واِشاعت بھی تھا۔

۲۰ صفر ۱۴۴۱ھ / 20 اکتوبر 2019ء کو مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے سالانہ علماء کنونشن میں راقم کو مجلس کا مرکزی ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا، پھر تاحال "چھٹی" نہیں ملی۔ خطبۂ جمعہ کی اہمیّت اور اُس کے تقاضوں کی تکمیل کے حوالے سے نَوخیز خطبا کی غفلت کے پیشِ نظر مختصر مشاورت کے بعد طے پایا کہ مجلس کی طرف سے درج بالا خوبیوں کا حامل خطبۂ جمعہ بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

یہ بات باعثِ تشویش تھی کہ ایسا کرنے سے کتب بینی اور محنت سے تیاری کرنے کا جذبہ متاثر ہو سکتا ہے، مگر دوسری طرف خطبا کی ناگفتہ بہ صورتِ حال کے پیشِ نظر رائے ٹھہری کہ اِس سلسلہ کی افادیّت کا پہلو راجح ہے۔

چنانچہ 13 دسمبر 2019ء کو "حواس کا صحیح استعمال" کے عنوان سے سوشل میڈیا کے ذریعے پہلا خطبہ نظامیہ نشر ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ بغیر تعطل کے یہ سلسلہ جاری ہے اور تادمِ تحریر 250 سے زائد خطبات نشر ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے سرورِ عالم ﷺ کے طفیل خطباتِ نظامیہ کو قبولِ عام سے نوازا۔ علماء و خطبا بھی خطبۂ جمعہ وغیرہ میں اِن سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور دیگر علمی شعبوں / عصری تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد... جو مسندِ خطابت پر فائز نہیں... وہ بھی اِس کے مطالعہ سے اپنے علم و دانش میں اِضافہ کرتے ہیں اور دُنیا بھر سے مرکزی دفتر کو داد و تحسین کے پیغامات موصول ہوتے رہتے ہیں۔

تصنیف و تالیف کے شعبہ سے تعلّق رکھنے والے افراد بخوبی جانتے ہیں کہ خطبۂ نظامیہ جیسی "معیاری تحریر" کی تیاری نہایت محنت طلب امر ہے، جس کے لیے کئی مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ موضوع کا انتخاب، مستند علمی مواد کی جمع آوری، پھر اُس کی تحریر و ترتیب، عرق ریزی کے ساتھ مکرّر پروف ریڈنگ اور مہارت کے ساتھ تزیین... یہ سب مراحل دشوار گزار ہیں، جو محض رحمتِ الٰہی سے طے ہوتے ہیں۔

مجلسِ خطباتِ نظامیہ میں شامل علمائے ذی شان کی تعداد کو دیکھ کر شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1981ء) کا یہ حوصلہ افزا قول یاد آتا ہے: بڑے کاموں کی بنیاد ہمیشہ مختصر جماعت کے ہاتھوں سے قائم ہوتی چلی آئی ہے اور یہ سنتِ مستمرّہ الٰہیہ ہے۔[1]

اِظہارِ تشکّر اور قارئین سے دُعاؤں کے حصول کی خاطر چند افراد کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ استاذ العلما مولانا قاری احمد رضا سیالوی (سینئر مدرس و نائب ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و ناظمِ مالیات مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)، استاذ العلما ابو داؤد مولانا محمد فاروق شریف قادری (سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و ناظمِ نشر و اشاعت مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)، نوجوان محقّق مولانا محمد اویس رضا قادری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ و مدرّس جامعۃ الحبیب ایجوکیشنل سسٹم، لاہور) اور نَو خیز مدقق مولانا محمد واصف رضا قادری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ و مدرّس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، لاہور) کی خصوصی اِعانت ہر خطبہ میں شامل رہتی ہے۔ موضوع کے انتخاب سے متعلق گاہے گاہے زُود نویس لکھاری مولانا محمد طاہر عزیز باروی (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ و خطیب اوسلو، ناروے) اور فاضل محقّق مولانا محمد عاصم محبوب

---

[1] فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:4، ص:126، ملخصاً، ناشر: انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی

رضوی (مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) کی گراں قدر آرا بھی خطبہ کی افادیت میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ خطبہ کی اشاعت اور دیگر دفتری اُمور سے متعلق مولانا محمد سمیع اللہ سیالوی (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ وناظم دفتر مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان) کی کارکردگی بھی لائقِ تحسین ہے۔ باری تعالیٰ سب کی کاوشوں کو شرفِ قبول سے نوازے۔

ایک عرصہ سے علماء وخطبا کا پُرزور اِصرار تھا کہ اِفادیت میں اِضافہ کے لیے خطباتِ نظامیہ کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ حافظِ اماناتِ مفتیٔ اعظم پاکستان، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ (پ:1949ء) کی دُعاؤں اور صدرِ مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان شیخ الحدیث ڈاکٹر فضلِ حنان سعیدی مدظلہٗ (پ:1967ء) کی اجازت وتائید سے خطباتِ نظامیہ 1444ھ کی اشاعت ہوئی، جنھیں قارئین نے بہت تعریف وتحسین سے نوازا۔ اِس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اب خطباتِ نظامیہ 1445ھ نظرِ ثانی اور دیگر مراحل طے کرنے کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

خطباتِ نظامیہ کی تیاری میں درج ذیل اُمور کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے:

⟸ موضوعات کے انتخاب سے تحریر وترتیب تک تمام مراحل میں اِصلاحِ عقائد واعمال کو مطمحِ نظر رکھا گیا ہے، تاہم ذکرِ فضائل سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا گیا۔

⟸ تمام خطبات میں فقط اُنہی اُمور کو ذکر کیا گیا ہے جن کا منتخب موضوع سے براہِ راست یا بالواسطہ تعلق ہے۔

⟸ خطبات کو آیاتِ کریمہ، احادیثِ طیبہ اور کلماتِ اکابر کے ساتھ ساتھ اثر انگیز واقعات اور پُرمغز اشعار سے بھی مزیّن کیا گیا ہے۔

⟸ آیاتِ کریمہ کو قرآنی رسم الخط کے عین مطابق تحریر کیا گیا ہے۔

⟸ احادیثِ طیبہ کے الفاظ پر تحقیق کے ساتھ حرکات وسکنات اور اعراب کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ حسبِ ضرورت متعدد مقامات پر احادیثِ کریمہ کی فنّی حیثیت کو بھی تحریر کیا گیا ہے۔

⟸ اگر کسی حدیثِ مبارک کے الفاظ کتبِ احادیث میں مختلف تھے تو حوالہ میں پہلے اُس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے الفاظ خطبہ میں درج ہیں۔

⟸ آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیبہ کے لفظی ترجمہ کے بجائے تراجم وتفاسیر اور شروح کے گہرے مطالعہ کے بعد اُن کی روشنی میں مفہومی تراجم ذکر کیے گئے ہیں۔

⟸ آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیبہ کے تراجم کو واوین (“”) کے درمیان رکھا گیا ہے۔

⟸ تراجم وتشریحات کے لیے جن تفاسیر وشروح سے راہ نمائی لی گئی اُن کے حوالہ جات بھی مذکور ہیں اور بہت سے مقامات پر حاشیہ میں اُن کی عربی عبارات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

⟸ فقط مستند، راجح اور معمول بہا اُمور کو ذکر کیا گیا ہے، ناقابلِ اعتماد، مرجوح اور منسوخ اُمور کو ذکر نہیں کیا گیا۔

⟸ عوام میں فقہی شعور کی بیداری کے لیے موضوعات کی مناسبت سے کثیر مسائلِ شرعیہ کو بھی دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی تصدیق کے بعد باحوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

⟸ ہر خطبہ میں ابتدا سے اختتام تک کلام کو مربوط رکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ ہر خطبہ کے آخر میں "حرفِ آخر" کے عنوان سے موضوع کے مناسب واہم اُمور کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مضمونِ خطبہ کی تلخیص کی گئی ہے۔

⟸ ہر خطبہ کے شروع میں تاریخِ اِشاعت مسطور ہے؛ تاکہ حالات کی مناسبت سے ذکر کردہ اُمور کا پسِ منظر سمجھنے میں آسانی ہو۔

⟸ درج ذیل طریقے سے تمام اُمور کے مکمل حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں:

- آیاتِ کریمہ کے حوالہ جات میں قوسین کے درمیان سورت کا نام اور نمبر، پھر نقطتین کے بعد آیت نمبر مسطور ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ایک سو پچیس کا حوالہ یوں درج ہے: [البقرۃ2:125]۔
- صحاحِ ستہ اور دیگر مشہور کتبِ احادیث کے حوالہ جات میں کتب کے اسما اور عالمی ترقیم کے مطابق احادیث کے ارقام ذکر کیے گئے ہیں، دیگر کتب کے حوالہ جات میں کتب کے اسما کے ساتھ مجلدات اور صفحات کے نمبرز بھی مذکور ہیں۔

⟸ تسہیلِ استفادہ کے لیے حتّی الامکان آسان الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور مشکل اصطلاحات واشعار کی حاشیہ میں تشریح کر دی گئی ہے۔

⟸ قلیل الاستعمال اور غلط العوام الفاظ کی درست ادائیگی کے لیے اُنھیں اعراب سے مزیّن کیا گیا ہے۔

⟸ اُردو کے جدید رسم الخط کے مطابق اِملا، رُموزِ اوقاف اور پیرابندی کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ مکرّر پروف ریڈنگ کی گئی ہے؛ تاکہ اغلاط کا اِمکان نہ ہونے کے برابر ہو۔

⟸ مواد تک رسائی آسان بنانے کے لیے شروع میں خطبات کی تفصیلی فہرست کے ساتھ ساتھ آخر میں آیاتِ کریمہ اور اور احادیثِ نبویہ کی فہارس ترتیبِ ہجائی کے مطابق شامل کر دی گئی ہیں۔

⟸ مصادر ومراجع کی فہرست مع اسمائے مؤلفین وتفصیلِ مطابع شامل کر دی گئی ہے؛ تاکہ محوّلہ عبارات تک رسائی میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

احباب کافی اِصرار کے ساتھ یہ تجویز دیتے رہتے ہیں کہ بہتر انداز میں تیاری کے لیے خطبۂ نظامیہ بدھ یا جمعرات کو دن کے وقت سوشل میڈیا کے ذریعے بھیجنے کا معمول بنایا جائے، ہماری ٹیم اِس تجویز سے متفق ہے اور ایسا کرنا چاہتی ہے، مگر بوجوہ تاحال اِس پر عمل ممکن نظر نہیں آتا۔ علماء وخطبا سے قبولِ عذر کی درخواست ہے۔

خطبہ سمیت ہر امر محض رضائے اِلٰہی کی خاطر ہونا چاہیے۔ رحمتِ عالَم ﷺ سے مرسلاً مروی ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ يَخْطُبُ خُطْبَةً إِلَّا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ سَائِلُهُ عَنْهَا مَا أَرَادَ بِهَا؟ "جو شخص بھی خطبہ دے اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا کہ کس لیے خطبہ دیا تھا؟" (رضائے اِلٰہی اور دعوتِ دین مقصود تھی یا جوشِ خطابت کی دھاک جمانا مطلوب تھا؟) یہ ارشادِ نبوی روایت کر کے حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ اتنا روتے کہ اُن میں مزید گفتگو کی ہمت باقی نہ رہتی۔[1] راقم بھی دُعا گو ہے اور قارئین سے بھی التماسِ دُعا ہے کہ باری تعالیٰ سب کو اخلاص کی توفیق سے نوازے۔

خطباتِ نظامیہ کے تمام محاسن رحمتِ الٰہی، نگاہِ مصطفوی اور عنایتِ اکابر سے ہیں، تاہم اگر کوئی خامی رہ گئی ہے تو وہ ہماری کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ قارئینِ گرامی قدر اِن کے حُسن میں اِضافہ یا اصلاح کے لیے تجاویز دینا چاہیں یا سوشل میڈیا کے ذریعے ہر جمعرات کو خطبۂ نظامیہ حاصل کرنا چاہیں تو مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے مرکزی دفتر سے رابطہ کریں۔[2]

غبارِ راہِ پیر سیال

شکور احمد ضیاء سیالوی

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

وناظمِ اعلیٰ مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

۱۸ ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ / 22 اکتوبر 2024ء

---

[1] "الزهد" للإمام أحمد بن حنبل، ص:262، رقم الحديث: 1889، دار الكتب العلمية۔ "شعب الإيمان" للبيهقي، ج:3، ص:280، رقم الحديث: 1649، مكتبة الرشد

[2] بذریعہ واٹس ایپ یا کال کے لیے آفیشل رابطہ نمبر: 0315-7374429

فہرستِ خطبات

۲ محرم الحرام	تذکیرِ ایّام اللہ	21جولائی
• مختلف تقویمات کا تعارف اور قمری تقویم کی ترجیح		1
• تذکیرِ ایّام اللہ		2
• تذکیرِ ایّام اللہ اور محرم الحرام (محرم کے اہم واقعات)		3
• تذکیرِ ایّام اللہ... عبادت وتوبہ اور اِنفاق کا شوق		4
• تذکیرِ ایّام اللہ... نافرمانی سے اجتناب		5
○ سوگ کی ممانعت		5
○ نوحہ، سیاہ لباس اور دیگر جاہلانہ کاموں کی ممانعت		6
• تذکیرِ ایّام اللہ... صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی یاد		7
○ تاج دارِ کربلا رضی اللہ عنہ اور تمام نسبتوں کا ذکرِ خیر		7
○ فقط مستند روایات کا ذکر... رونے کے لیے نہیں، استقامت کے لیے		8
○ بدمذہبوں کی مجالس سے اجتناب		8
• حرفِ آخر... محرم الحرام کے اہم کام		9
۹ محرم الحرام	"عالی شان اُمور" اور سیرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ	28جولائی
• مخدومِ کائنات "انسان" کا عالی شان اُمور اختیار کرنے سے رشکِ ملائک بننا		11
• امام حسین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ		12
• محبتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ		13
• عالی شان اُمور کی وضاحت وفضیلت		14
○ عالی شان اُمور اور سیرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ		14
• عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت		15
• عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور عاجزی ودل جوئی		16
• عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور تعلیم وتعلّم		17

- عالی شان امور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور رِضا بقضا 18
- حرفِ آخر.... حسینی کردار کی ضرورت 19

۱۶ محرم الحرام	سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ	04 اگست

- اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت عطا فرمائے 21
- سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 22
- مقبولِ بارگاہِ الٰہی 23
- منظورِ نگاہِ نبوی 24
- سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے ماتحتوں کے حقوق کی وضاحت 25
- جنت اور اُس میں خدمت گزاری کی بشارت 27
- مؤذّنِ اوّل 28
- حرفِ آخر... تذکرۂ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ نکات 29

۲۳ محرم الحرام	پاکستان کی منزلِ مقصود اور اُس تک رسائی کے ذرائع (یومِ آزادی کی مناسبت سے)	11 اگست

- یومِ آزادی با مقصد طریقہ سے منانے کی اہمیت 31
- پاکستان کی منزلِ مقصود 32
  - لفظِ "پاکستان" اور فرمانِ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ 32
  - فرمانِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی قرارداد 33
- منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... دوست اور دشمن کی پہچان 34
  - متوسلینِ اعلیٰ حضرت بریلوی اور شیخ الاسلام سیالوی رحمۃ اللہ علیہما کی مخالفین سے بیزاری 34
- منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... قیادت کا صحیح انتخاب 36
  - قائد / لیڈر کے اوصاف... اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی آرزو 36
- منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... فکری آزادی 38
- حرفِ آخر... نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ 39

۳۰ محرم الحرام	**جنگِ آزادی 1857... اسباب ونتائج اور اسباق** (یومِ وصالِ علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے موقع پر... یومِ آزادی کی مناسبت سے)	18 اگست

- ماضی سے سیکھنے کی اہمیت 41
- برصغیر میں اسلامی حکومتوں کی مختصر تاریخ 42
- ایسٹ انڈیا کمپنی... تجارت سے قبضہ تک 43
- جنگِ آزادی کے اسباب... انگریزوں کے مختلف مظالم 44
  - ریاستوں پر قبضہ اور معیشت کی تباہی 44
  - نظامِ تعلیم کی تبدیلی 45
  - مذہب میں مداخلت 46
- جنگِ آزادی کی مختصر داستان 46
- جنگِ آزادی کے بعد برطانوی مظالم 47
- حرفِ آخر... برطانوی قبضہ کے اسباب سے عبرت کی ضرورت 48
  - غیر مسلموں پر اندھا اعتبار 48
  - معیشت کی کمزوری 49
  - باہمی اختلافات 49

۷ صفر المظفّر	**لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر** (یومِ فتحِ مبین اور یومِ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے)	25 اگست

- مسلمانوں کا شاندار ماضی 51
- اسلاف کا پسندیدہ وصف... حق گوئی 52
  - حضرتِ بُنان واسطی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی 52
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی 53
- اسلاف کا پسندیدہ وصف... خدمتِ دینِ اسلام 55
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات 55
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ اور خدمتِ دین کی تلقین 56
  - تاج دارِ گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ دین اور فتحِ مُبین 57

- اسلاف کا پسندیدہ وصف...وقت کی قدر 58
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کا معمول 58
- حرفِ آخر...اتباعِ اسلاف کی اہمیت اور صفر کا منحوس نہ ہونا 59

۱۴ صفر المظفّر	فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض (عرسِ فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر...یومِ دفاع اور یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت کی مناسبت سے)	یکم ستمبر

- اطاعت گزاروں کی شانِ محبوبیت 61
- یومِ دفاع و شہدا...جنگِ ستمبر کی یاد 62
- جنگِ ستمبر میں نُصرتِ الٰہی کے مظاہر 63
  - نُصرتِ الٰہی کے ذرائع 63
- جنگِ ستمبر اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض 64
  - ”ابدال“ علیہم الرحمہ اور اُن کی برکات 64
  - جنگِ ستمبر میں رُوحانی مدد 65
- یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض 66
- تکریمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض 67
- مشکل معاشی حالات اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض 68

۲۱ صفر المظفّر	تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات	08 ستمبر

- گمراہی کے خاتمہ کے لیے ہر صدی میں مجدّد کی آمد 71
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ 72
- مُجدِّد کا مفہوم اور تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات 73
- تجدید دین کا اجر 74
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور اِحیائے سنّت و شریعت 75
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور ردِّ بدعات و منکرات 76
  - سجدۂ تعظیمی کی حرمت اور قوّالی کا حکم 76
  - اعراسِ مبارکہ اور غیر شرعی اُمور 77
  - ایک مُشت داڑھی کا وجوب اور دعوتِ میت کی ممانعت 77

- آخری چہار شنبہ کی حقیقت اور انگوٹھی وغیرہ کا حکم 78
- حرفِ آخر... فکرِ رضا پر استقامت کی ضرورت 79

۲۸ صفر المظفّر	حسنِ مُجتبیٰ سیّد الاسخیا رضی اللہ عنہ	15 ستمبر

- بارگاہِ الٰہی سے نسبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی 81
- امام حسن رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 82
- سیادتِ امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ 83
  - وراثت وبشارتِ سیادت 83
  - اِظہارِ سیادت و تفویضِ خلافت 84
  - سیادتِ اہلِ جنت 85
- سید الاسخیا رضی اللہ عنہ اور حلم وبُردباری 86
- حلِّ مشکلات کے لیے سید الاسخیا رضی اللہ عنہ کا بتایا ہوا قرآنی وظیفہ 87
- دُنیا سے متعلق ارشادِ نبوی کی حسین تشریح 88
- حرفِ آخر... سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نسبتوں کی تعظیم 89

۵ ربیع الاوّل	اِک ترے رُخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی (تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم... پہلا حصہ)	22 ستمبر

- سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں اسبابِ محبت کا اجتماع 91
- تذکرۂ حُسن کے ذریعے محبت میں اِضافہ 92
- تذکرۂ حُسن کے ذریعے تصوّرِ حُسن کا حصول 93
  - صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور تصوّرِ حُسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 93
- گزشتہ آسمانی کتابوں میں حُسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ 94
- حُسنِ اقدس... دلیلِ نبوّت 96
  - سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 96
  - سیدنا ابو رافع اور سیدنا ثُمامہ رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام 97
- حرفِ آخر... ماہِ ولادت میں کرنے کے کام 98

۱۲ ربیع الاوّل	وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں (تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ... دوسرا حصہ)	29 ستمبر

- حُسنِ مصطفیٰ ﷺ کا چرچا کرنا 101
- سرِ اطہر کا حُسن و عظمت 102
- موئے مبارک کی زیبائی و برکت 103
  - تبرکاتِ نبویہ کے بارے میں احتیاط 104
- پیشانیِ انور کی تابناکی 105
- چشمانِ مقدس کا حُسنِ ظاہر 106
- چشمانِ اقدس کا کمالِ باطن 107
  - نعت: لوح و قلم سے ہم کنار آنکھیں مرے حضور کی 108
- حرفِ آخر... محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کی ضرورت 109

۱۹ ربیع الاوّل	مَہ و خورشید کو چمکاتی ہے طلعت تیری (تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ... تیسرا حصہ)	06 اکتوبر

- رضائے الٰہی کی اہمیت اور اُسے پانے کے لیے غلامیٔ رسول ﷺ کی ضرورت 111
- گوشِ مبارک کا حُسن و کمال 112
- چہرۂ انور کی رعنائی و زیبائی 113
  - بینیِ مبارک اور رُخسارِ پُر وقار 113
  - لبہائے لَعلیں اور دہنِ مقدس 114
  - دندانِ عالی شان اور ریشِ مبارک 115
  - حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو موہائے ریشِ مبارک کی عطا اور آپ کی صحت یابی 116
- دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ! 117
- حرفِ آخر... سانحۂ مستونگ: حکومتی غفلت اور علما کے مطالبات 118

۲۶ ربیع الاول	مسجدِ اقصیٰ اور طوفانِ اقصیٰ	13 اکتوبر

- شجاعتِ مصطفیٰ ﷺ اور طوفان الاقصیٰ آپریشن 121

- بیت المقدس کی قدیم تاریخ 122
- مسجدِ اقصیٰ... روئے زمین پر دوسری مسجد 123
- مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی فضیلت 123
- بیت المقدس پر اسلامی حکومت 124
- بیت المقدس... فتحِ فاروقی کے بعد 125
- فلسطین پر ناجائز قبضہ سے اسرائیل کا قیام 126
- طوفان الاقصیٰ آپریشن اور اُس کی ضرورت 127
- حرفِ آخر... طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں 128

۴ ربیع الآخر	**قوّتِ مذہب سے مُستحکَم ہے جمعیّت تری** (اسرائیلی درندگی پر اُمّتِ مسلمہ کی بے حسی کے تناظر میں)	20 اکتوبر

- مسلمان پر لازم مختلف حقوق 131
- ایمانی تعلق کی اہمیت 132
- ایمانی تعلق کی قدر کرنے کی فضیلت 134
  - اُسوۂ نبوی 134
  - کامل مسلمان کا وصف 134
  - سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا حسین عمل 134
  - حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد 135
- ایمانی تعلق کی ناقدری پر وعید 136
- ایمانی تعلق کی قدر سے متعلق ہماری صورتِ حال 137
- حرفِ آخر... یہودیوں کی فطرت اور جہاد کی ضرورت 138

۱۱ ربیع الآخر	**اُفقِ نور پہ ہے مِہر ہمیشہ تیرا** (تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حسین نکات)	27 اکتوبر

- حفاظت و غلبۂ اسلام کا وعدہ اور اُس کی تکمیل کے لیے افراد کی پیدائش 141
- غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ 142

- تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... بزرگانِ دین کی تعظیم 143
- تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... شکوہ و شکایت سے اجتناب 144
- تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... علمِ دین کی اِشاعت اور دینی اداروں کا قیام 146
  - اِشاعتِ دین کے لیے مال خرچ کرنے کی فضیلت 147
- حرفِ آخر... اُمّتِ مسلمہ کا امتحان اور مجاہدینِ بیت المقدس کی فضیلت 148

۱۸ ربیع الآخر	**عزائم کو سینوں میں بیدار کردے** (مجاہدینِ غزوۂ ذی قَرَد رضی اللہ عنہم و محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتوں سے راہ نمائی)	03 نومبر

- اکابر کا جذبہ حاصل کرنے کی ضرورت 151
- مسلمانوں کے عیبوں کی پردہ پوشی اور سیرتِ محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ 152
- حرام سے پرہیز اور سیرتِ محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ 154
- غزوۂ ذی قَرَد کا درس... خوفِ خدا اور غیر خدا سے بے خوفی 155
- غزوۂ ذی قَرَد کا درس... دُنیا سے بے رغبتی اور شوقِ شہادت 157
  - اُمّت کے محبتِ دُنیا اور خوفِ موت میں مبتلا ہونے کی غیبی خبر 158
- حرفِ آخر... موجودہ حالات میں خود سپردگی کی ضرورت 159

۲۵ ربیع الآخر	**موبائل فون کا استعمال اور شرعی تقاضے**	10 نومبر

- نت نئی ایجادات اور تسخیرِ کائنات 161
- نقصانات سے بچنے کے لیے شرعی تقاضوں پر عمل کی ضرورت 162
- شرعی تقاضا... بے حیائی و بدنگاہی سے اجتناب 163
  - فحاشی پھیلانے اور گناہِ جاری کا انجام 163
  - بدنگاہی اور اُس سے بچنے کی فضیلت 163
- شرعی تقاضا... جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے اجتناب 164
- شرعی تقاضا... وقت کے ضیاع سے اجتناب 165
- شرعی تقاضا... تمام حقوق کی ادائیگی 166
- شرعی تقاضا... عقائدِ حقہ پر استقامت 167
- حرفِ آخر... فون کے استعمال سے متعلق اہم اُمور اور جہاد کی ضرورت 168

۲ جمادی الاُولیٰ	تعمیرِ "خودی" کراثرِ آہِ رَسا دیکھ! (عرسِ امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے)	17 نومبر

- "خودی" کا مفہوم اور اہمیت 172
- خودی کی پہلی منزل... خود شناسی 173
- خودی کی دوسری منزل... خودداری 174
- خودی کی تیسری منزل... خود اعتمادی 175
- مسئلۂ فلسطین کا حل... تعمیرِ خودی 176
- حرفِ آخر... تعمیرِ خودی اور امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ 178

۹ جمادی الاُولیٰ	زندگی ہو مری پروانے کی صورت یاربّ! (عالمی یومِ اطفال (World Children's Day) کی مناسبت سے)	24 نومبر

- زندگی کے مختلف ادوار اور بچپن کی نزاکت واہمیت 181
- بچوں پر شفقت 182
- بچوں کی تربیت 183
- بچوں کی تربیت سے متعلق اہم نکات 184
  - عقائد کی تربیت اور تعلیمِ قرآنِ حکیم 184
  - تلقینِ محبتِ خدا تعالیٰ و مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم 184
  - القائے واقعاتِ اکابر 185
  - آداب کی تعلیم اور بُری عادتوں سے بچانا 185
- بچوں کی تربیت سے متعلق ہماری حالتِ زار 186
- بچوں کے حقوق 187
- حرفِ آخر... بچوں سے متعلق اہم نکات اور جنگوں میں بچوں کے حقوق 188

۱۶ جمادی الاُولیٰ	حصولِ رحمت کے اسباب	یکم دسمبر

- رحمتِ الٰہی کی محتاجی 191
- حصولِ رحمت کا سبب... رواداری / آسانی کرنا 192

- حصولِ رحمت کا سبب... صبر ورِضا 193
- حصولِ رحمت کا سبب... مسلمانوں کے درمیان اصلاح 194
- حصولِ رحمت کا سبب... مخلوقِ خدا پر مہربانی کرنا 195
- حصولِ رحمت کا سبب... اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد 196
- حصولِ رحمت کا سبب... حجِ بیت اللہ 197
  - حج کس پر اور کب فرض ہے؟ 197
  - خاتون کے سفرِ حج کے لیے محرم کی شرط 198
- حرفِ آخر... اسبابِ رحمت کی تلخیص 198

۲۳ جمادی الاُولیٰ	**رحمت سے محرومی کے اسباب** (عالمی یومِ انسدادِ بدعنوانی کی مناسبت سے)	08 دسمبر

- رحمتِ الٰہی کی محتاجی 201
- محرومی کا سبب... قطع رحمی 202
- محرومی کا سبب... بدعنوانی 203
  - دیانت داری کی تربیت، نیز خائن کے ساتھ دیانت داری 204
- بدعنوانی کی ایک بُری صورت... عدالتی بدعنوانی 205
  - مُنصِف کے لیے ہدایات 205
  - وُکلا کے لیے ہدایات 206
- بدعنوانی کی بدترین صورت... حکمرانوں کی بدعنوانی 206
- محرومی کا سبب... ترکِ جہاد 207
- حرفِ آخر... ذرائعِ رحمت واسبابِ محرومی کی تلخیص 208

یکم جُمادی الاُخریٰ	**پیارے آقا شہِ بطحا کی ہے بولی عربی** (عالمی یومِ عربی زبان کی مناسبت سے)	15 دسمبر

- نسبتوں سے محبت 211
- عربی کی فضیلت واہمیت 212

- عربی الفاظ کو دُرُست طریقے سے ادا کرنا 213
- عربی الفاظ کو دُرُست لکھنا اور پڑھنا 214
- روزمرہ گفتگو میں مأثور عربی الفاظ بولنا 215
- فہمِ قرآن وسنت کے لیے تشریحاتِ اکابر کی ضرورت 217
- حرفِ آخر... محبتِ رسول ﷺ کے چند تقاضے 218

۸ جمادی الاُخریٰ	عقیدۂ توحید اور ولادتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام (کرسمس کے تناظر میں)	22 دسمبر

- عقیدۂ توحید کی اساسیت اور اُمّتِ مسلمہ کی شرک سے حفاظت 221
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ 223
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقائد 224
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت 224
- عقیدۂ توحید کی مختصر وضاحت 226
- حرفِ آخر... کرسمس کی حقیقت اور کفار کے تہواروں میں شرکت کی ممانعت 228

۱۵ جمادی الاُخریٰ	حقیقت میں عقل مند شخص کون ہے؟ (نئے شمسی سال کے آغاز کی مناسبت سے)	29 دسمبر

- عقل کی اہمیت اور عقل مندی کی نشانی 231
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "ماضی" سے سبق حاصل کرنا 232
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "حال" کو سنوارنا 234
  - وقت کی قدر اور سیرتِ اعلیٰ حضرت ومفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہما 235
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "مُستَقبِل" کے لیے تیاری 236
  - سب سے بڑا عقل مند 236
  - سالِ نَو کی آمد پر دُعا اور ایذائے مسلم کی حرمت 237
- حرفِ آخر... سب سے بڑی دانائی اور سب سے بڑی حماقت 238

۲۲ جمادی الاُخریٰ	افضل البشر بعد الأنبیا رضی اللہ عنہ کی شانِ خشیت	05 جنوری

- قربِ الٰہی کی فضیلت اور مقرّبینِ بارگاہ کی بے خوفی وخشیت 241

- اسلامی عقیدہ کے مطابق ترتیبِ افضلیت 242
- افضلیتِ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ 243
- افضل البشر بعد الانبیا رضی اللہ عنہ اور خشیتِ الٰہی 245
  - آیتِ کریمہ سننے پر کیفیت 245
  - لقمۂ حرام سے پرہیز 246
  - انتخابِ خلیفہ اور اِحساسِ جواب دہی 247
- حرفِ آخر... خشیتِ اِلٰہی کی ضرورت اور جہاد سے متعلق ارشادِ صدیقی 248

۲۹ جُمادی الاُخریٰ	بنی ہیں مومنوں کا موسمِ بہار سردیاں	12 جنوری

- مخلوق کے احوال کی تبدیلی اور قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کی اہمیت 251
- سخت سردی کا حقیقی سبب 252
- سخت سردی میں دُعا اور رُجوع الی اللہ 253
- موسمِ سرما... نیکیوں میں اِضافہ کا سنہری موقع 254
- سردی میں مَشقّت پر اجر اور بعض اُمور کی رُخصت 256
- سردی سے متعلق مزید اہم اُمور 257
- حرفِ آخر... موسمِ سرما سے متعلق اہم اُمور کی تلخیص اور جنت کا موسم 258

۷ رجب المرجّب	تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں اور ہماری حالتِ زار	19 جنوری

- اعانتِ دین اور معین الدین رحمۃ اللہ علیہ 261
- خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ و منقبت 262
- تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... تعظیمِ صحابۂ کرام کی تاکید 263
- تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... علمِ دین اور علمائے حق کی تعظیم کا درس 264
- تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... اتباعِ سنت کی ترغیب 265
  - خواجہ اجلّ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنت 266
  - وُضو میں ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ 266
- تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... حکمرانوں کی اِصلاح 267

۱۴ رجب المرجّب	مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت (الیکشن 2024ء کی مناسبت سے....یومِ ولادتِ مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کے موقع پر)	26 جنوری

- سابقہ حکمرانوں کی دیانت اور ہمارے حکّام کی بد دیانتی 271
- مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 272
- ذمہ داروں کے انتخاب میں دیانت داری کا حکم 273
- ذمہ داروں کے انتخاب میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت 274
- ذمہ داریوں کو نبھانے میں دیانت داری کا حکم 276
- ذمہ داریوں کو نبھانے میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت 277
- حرفِ آخر...ووٹ کے استعمال میں دیانت داری 278

۲۱ رجب المرجّب	سِدرہ سے دیکھتی ہیں پار آنکھیں مِرے حضور کی (الیکشن 2024ء کی مناسبت سے...معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر)	02 فروری

- چشمانِ عالی شان کا خصائص سے ہونا 281
- چشمانِ عالی شان کی قوّت وطاقت 282
- شبِ معراج چشمانِ عالی شان کے مشاہدات 283
  - مشاہداتِ مخلوق اور دیدارِ خالق 283
  - نعت: لوح و قلم سے ہم کنار آنکھیں مرے حضور کی 284
- سیاست اور خلافت وملوکیت سے متعلق مشاہداتِ نبویہ 285
- خیانت وبد دیانتی سے متعلق مشاہداتِ نبویہ 287
- حرفِ آخر...چند اہم غیبی خبریں 288

۲۸ رجب المرجب	حکومت کی تبدیلی پر حکمرانوں اور عوام کی ذمہ داریاں	09 فروری

- حکومت کی تبدیلی میں حکمرانوں اور عوام کی آزمائش 291
- حکمرانوں کی ذمہ داری...عہدے کے تقاضوں کا احساس 292
- حکمرانوں کی ذمہ داری...نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ 293
- حکمرانوں کی ذمہ داری...رعایا کی خیر خواہی وخدمت گزاری 294

- عوام کی ذمہ داری... حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت 295
- عوام کی ذمہ داری... قدرتِ الٰہیہ کا احساس 296
- عوام کی ذمہ داری... ربّ تعالیٰ سے خیر کی دُعا 297
- حرفِ آخر... مُلکِ خدا و نیابتِ مصطفیٰ ﷺ کا دوام اور ہماری ذمہ داریاں 298

۵ شعبان المعظّم	حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بحیثیتِ مصلحِ اعظم	16 فروری

- خاتم النبیین ﷺ کے فیضانِ اصلاح کے تسلسل کے لیے اُمّت میں مصلحین کی پیدائش 301
- مُصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 302
- اِصلاح کی فضیلت اور اُس کی مختلف صورتیں 303
- اِفساد کی مذمت اور اُس کی مختلف صورتیں 304
- مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ عقائد و اعمال 305
- مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ معاملات 306
- مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ حکّام 307
- حرفِ آخر... کثرتِ مفسدین کے دور میں تقلیدِ مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ضرورت 308

۱۲ شعبان المعظم	مثبت تبدیلی اور دینی ترقّی (شبِ براءت کی مناسبت سے)	23 فروری

- ترقّی کی آرزو اور دینی ترقّی کا اہم موقع 311
- مثبت تبدیلی کیسے آتی ہے؟ 312
- مثبت تبدیلی کا سبب... گناہوں کے نتائج پر غور 313
- مثبت تبدیلی کا سبب... نعمتوں کی کثرت کا اِدراک 314
  - حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت پر ایک نوجوان کی توبہ کا حسین واقعہ 314
- مثبت تبدیلی کا سبب... موت کو یاد کرنا 315
- شبِ براءت... مثبت تبدیلی کا سنہری موقع 316
  - شبِ براءت میں ندائے ربّانی 317
- شبِ براءت میں محروم لوگ 317
- حرفِ آخر... شبِ براءت میں کرنے کے کام اور سپریم کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ 318

۱۹ شعبان المعظّم	فتنوں سے متعلق نبوی تعلیمات	یکم مارچ

- آزمائش کی مختلف صورتیں اور دین میں آزمائش سے بچنے کی دُعا 321
- فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... ربّ تعالیٰ سے دُعا 322
- فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... فتنوں سے دُور رہنا 323
- فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... علمائے حق کی طرف رجوع اور عقائدِ حقہ پر استقامت 325
- حالیہ فتنہ... تفسیر بالرائے 326
- حالیہ فتنہ... عربی الفاظ والا لباس 327
- حرفِ آخر... استقامت میں مشکلات اور فتنوں سے بچنے کے ذرائع 328

۲۶ شعبان المعظّم	کس قدر شان سے آتا ہے مبارَک رمضان! (مع تبصرہ بر "عورت مارچ")	08 مارچ

- بندگی کی اہمیت اور رمضان المبارک کی برکات 331
- کس قدر شان سے آتا ہے مبارَک رَمَضان (نظم) 332
- آمدِ رمضان پر خوشی کا اِظہار 333
- آمدِ رمضان پر گناہوں سے توبہ 334
- آمدِ رمضان پر قرآنِ حکیم سے تعلق کی پختگی 335
  - صحتِ تلفّظ، ذوقِ تلاوت اور توجہ سے سماعت 335
  - سمجھنے کی کوشش اور احکام پر عمل 336
- آمدِ رمضان پر اعمالِ صالحہ میں کثرت کی پختہ نیت 337
  - نیت کی اہمیت 337
- حرفِ آخر... آمدِ رمضان سے متعلق اہم اُمور اور "عورت مارچ" 338

4 رمضان المبارک	سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مِینا دے! (روزہ اور زکوٰۃ کے ذریعے دلوں کی پاکیزگی... مع مسائلِ زکوٰۃ)	15 مارچ

- نفسِ مطمئنہ کی فضیلت اور اُسے حاصل کرنے کے ذرائع 341
- روزہ کے ذریعے دل کی پاکیزگی 342
- زکوٰۃ کے ذریعے دل کی پاکیزگی 343

- مسائلِ زکوٰۃ جاننے کی ضرورت 343
  - زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟ 343
  - کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟ 345
  - زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟ 346
  - زکوٰۃ کتنی ادا کرنا فرض ہے؟ 347
  - زکوٰۃ کسے دینی ہے؟ 347
- حرفِ آخر... تزکیہ کی اہمیت اور اُس کے لیے اہم اُمور 348

۱۱ رمضان المبارک	**اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے** (پہلا حصہ) (مع تذکرۂ اُمّہات المؤمنین: سیدتنا خدیجہ وسیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہما)	22 مارچ

- محبتِ باری کی اہمیت اور اُس کا مفہوم 351
- پسندیدہ بندے.... صبر کرنے والے 352
  - بے مثال صابرہ سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 353
- پسندیدہ بندے... خوب پاک رہنے والے 354
  - چیزوں کو پاک کرنے کا شرعی طریقہ 355
  - کردار کی پاکیزگی اور سیرتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 355
- پسندیدہ بندے... کثرت سے توبہ کرنے والے 356
- پسندیدہ بندے... توکّل کرنے والے 357
- حرفِ آخر... پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش 358

۱۸ رمضان المبارک	**اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے** (دوسرا حصہ) (مع تذکرۂ مولیَ المسلمین ومجاہدینِ بدر وفتحِ مکّہ رضی اللہ عنہم)	29 مارچ

- محبوبیتِ خالق کی برکت سے محبوبیتِ خلق 361
- پسندیدہ بندے... باہمی اتفاق کے ساتھ ڈٹ کر جہاد کرنے والے 362
  - صف بستہ جہاد کی اعلیٰ مثال... غزوۂ بدر 362
- پسندیدہ بندے... غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 364

- فتحِ مکہ میں غلامِ رسول ﷺ کے مظاہر 364
- پسندیدہ بندے... انصاف کرنے والے 366
  - سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور منصبِ قضا 367
  - سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مثالی فیصلہ 367
- حرفِ آخر... پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش 368

۲۵ رمضان المبارک	رحمتیں بانٹ کے رخصت ہوا ماہِ رمضان	05 اپریل

- جمعۃ الوداع کے موقع پر قلبی کیفیت 371
- "صلاۃ الوداع" کی تربیت 372
- رمضان المبارک کا اچھا اختتام 373
  - اختتامِ رمضان پر نبوی معمولات 374
  - شبِ عید اور نبوی تعلیمات 374
- رمضان المبارک کے بعد اعمالِ خیر پر استقامت 375
- صدقۂ فطر کے احکام 377
- حرفِ آخر... رمضان المبارک کی قدر شناسی 378
- رحمتیں بانٹ کے رُخصت ہوا ماہِ رَمضاں (نظم) 379

یکم شوّال المکرم	خالقِ کل عطاؤں سے سجا ہے عید کا دن (خطبۂ عید الفطر)	10 اپریل

- عید الفطر کی خوشی 381
- روزِ عید... بارگاہِ الٰہی سے انعام پانے کا دن 382
  - سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک چرواہا 383
- روزِ عید... اِحسان مند ہونے کا دن 384
- روزِ عید... فکرِ قبولیت کا دن 385
- صدقۂ فطر کے احکام 386
- روزوں کی قضا 387
- رمضان کے بعد چھ روزے 387

- مصافحہ ومعانقہ سے متعلق ایک اہم بات 388
- نمازِ عید کا طریقہ 389

3 شوّال المکرم	رسول اللہ ﷺ کی پانچ نصیحتیں	12 اپریل

- رسول اللہ ﷺ کی پُر حکمت دعوتِ دین اور خاص نصیحتیں 391
- پہلی نصیحت... مُحَرَّمات سے اجتناب 392
- دوسری نصیحت... تقدیر پر راضی رہنا اور قناعت اختیار کرنا 394
- تیسری نصیحت... پڑوسیوں سے حسنِ سلوک 395
- چوتھی نصیحت... دوسروں کی خیر خواہی 396
- پانچویں نصیحت... زیادہ ہنسنے سے اجتناب 397
  - تبسم، ضحک اور قہقہہ 397
- حرفِ آخر... نبوی نصیحتیں اور فلسطین سے متعلق اُمّت کی ذمہ داریاں 398

۱۰ شوّال المکرم	علمِ دین... ضرورت وفضیلت، ازالۂ شبہات اور فروغ میں کردار (دینی مدارس کے نئے تعلیمی سال کے آغاز پر)	19 اپریل

- قابلِ رشک افراد 401
- علمِ دین میں ترقّی کے لیے نبوی دُعائیں 402
  - سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے فہمِ دین کی دُعا 403
- دینی تعلیم اور مدارس سے متعلق شبہات کا اِزالہ 405
  - دین پڑھے گا تو کھائے گا کہاں سے؟ 405
  - مدرسہ میں گیا تو انتہا پسند ہو جائے گا! 406
  - اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے گا! معیارِ تعلیم اچھا نہیں ہو گا! 406
  - عزت نہیں ملے گی! 407
- حرفِ آخر... فروغِ علمِ دین کے لیے کردار 408
  - دینی محافل کو فروغِ علمِ دین کا ذریعہ بنائیے! 409

۱۷ شوّال المکرم	**جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں** (غزوۂ اُحد کا تعارف اور دُروس... حالاتِ غزہ کے تناظر میں)	26 اپریل

- حکمتِ باری تعالیٰ کے مطابق حالات کی تبدیلی 411
- غزوۂ اُحد کا تعارف 412
- جلوہ نُما سرکار تھے میدانِ اُحد میں (نظم) 414
- غزوۂ اُحد کا درس... اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا 415
  - ہلاکو خان، برطانیہ اور امریکہ کے مظالم 415،416
- غزوۂ اُحد کا درس... ہر حال میں اِطاعت 417
- حرفِ آخر... غزوۂ اُحد سے حاصل ہونے والے دروس 418

۲۴ شوّال المکرم	**عُشر کے فضائل و مسائل اور ادا نہ کرنے کا وبال**	03 مئی

- رزق کا وعدۂ الٰہیہ اور زمین سے رزق کی عطا 421
- کاشت کاری کی فضیلت و اہمیت 422
- عشر ادا کرنے کا حکم 423
- مسائلِ عشر 424
  - عشر کس پر فرض ہے؟ 424
  - کس پیداوار سے ادا کرنا ہے؟ 424
  - کتنی مقدار میں ادا کرنا ہے؟ 425
  - کب ادا کرنا ہے؟ 426
  - کس کو دینا ہے؟ 426
- عشر ادا نہ کرنے کا وبال 427
- حرفِ آخر... کاشت کاری سے متعلق اہم اُمور 428

یکم ذوالقعدہ	**ایمان کی مٹھاس... تعارف، علامات اور ذرائع**	10 مئی

- ایمان کی قدر اور اُس میں ترقّی کی کوشش 431
- حلاوتِ ایمان کا تعارف، علامات اور اہمیّت 432
- حلاوتِ ایمان کا پہلا ذریعہ... محبتِ خدا تعالیٰ و عشقِ مصطفیٰ کریم ﷺ 433

- حلاوتِ ایمان کا دوسرا ذریعہ... رضائے اِلٰہی کی خاطر بندگانِ خدا سے محبت 434
- حلاوتِ ایمان کا تیسرا ذریعہ... کفر سے نفرت 435
- حلاوتِ ایمان کا چوتھا ذریعہ... اللہ، رسول اور اسلام پر خوش رہنا 436
- حلاوتِ ایمان کا پانچواں ذریعہ... بدنگاہی سے اجتناب 437
- حرفِ آخر... عصرِ حاضر میں اُمّت کی بے ضمیری 438

۸ ذوالقعدہ	**حیاتِ عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے حسین نقوش**	17 مئی

- محبتِ دُنیا سے بے زاری کی اہمیت و فضیلت 441
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ 442
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا علماء و مشائخ سے راہ نمائی حاصل کرنا 443
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بَہرُوپیا 444
- مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی 445
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور غیر اسلامی تہواروں پر پابندی 448
- حرفِ آخر... سیرتِ سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے لائقِ تقلید پہلو 449

۱۵ ذوالقعدہ	**حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام** (صلحِ حدیبیہ کا تعارف اور حاصل شدہ چند دُروس)	24 مئی

- ہر حال میں اِطاعت 451
- صلحِ حدیبیہ کا اجمالی تذکرہ 452
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... عقل قُرباں کُن بہ پیشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم 454
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... جاہلانہ ضد سے اجتناب 456
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... خونِ مُسلم کی حرمت 457
- حرفِ آخر... صلحِ حدیبیہ سے حاصل شدہ نکات کی تلخیص 458

۲۲ ذوالقعدہ	**بندہ ہونے کے تقاضے اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام**	31 مئی

- اِعزازِ بندگی 461
- بندہ ہونے کا مفہوم، فضیلت اور تقاضے 462

- بندگی کا پہلا تقاضا... "شکر" اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام 463
  - شکر کی مختلف صورتیں 464
- بندگی کا دوسرا تقاضا... صبر اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام 465
- بندہ ہونے کا تیسرا تقاضا... معافی مانگنا اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام 467
- حرفِ آخر... لطفِ بندگی 468

۲۹ ذوالقعدہ	**تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ** (عشرۂ ذوالحجہ و حجِ بیت اللہ کی تعظیم اور اُس کے تقاضے)	07جون

- تعظیمِ حُرُمات کا مفہوم اور فضیلت 471
- تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور عشرۂ ذوالحجہ 472
- تعظیمِ عشرۂ ذوالحجہ کے تقاضے 473
- تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور حجِ بیت اللہ 474
- تعظیمِ حَرَم و حج کے تقاضے 475
  - تعظیم و محبت اور یکسوئی 475
  - گناہوں سے اجتناب اور حَرَم کی بے حرمتی پر وعید 476
- حج کی فرضیّت سے متعلق اہم اُمور 477
- حرفِ آخر... تعظیمِ خداوندی سے تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ کا حصول 478

۷ ذوالحجہ	**یومِ عرفہ اور قربانیاں اللہ کریم کی نشانیاں**	14جون

- "شعائر اللہ" کا مفہوم اور اُن کی تعظیم 481
- یومِ عرفات... ذریعۂ برکات 482
- قربانی... دینِ اسلام کی نشانی 483
- مسائلِ قربانی 484
  - قربانی کی اقسام 484
  - قربانی کس پر واجب ہے؟ 484
  - قربانی سے متعلق مزید اہم مسائل 487
- حرفِ آخر... ایّامِ ذوالحجہ میں تعظیمِ شعائر اللہ کے تقاضے 488

۱۰ ذوالحجہ	قربانی...ذریعۂ قُربِ اِلٰہی (خطبہ عید الاضحیٰ)	17جون

- قُربِ الٰہی کا مفہوم اور اُس کے ذرائع 491
- قرآنِ حکیم میں قُربانی کا ذکر 492
- "قربانی" کے ذریعے قربِ الٰہی 493
- قربانی کے ذریعے طلبِ قرب کی تربیت 494
- خدا کے قرب کا مژدہ سناتی ہے یہ قربانی (نظم) 495
- مسائلِ قربانی 496
- نمازِ عید کا طریقہ اور مصافحہ و معانقہ کے وقت دُرودِ پاک پڑھنے کی فضیلت 499

۱۴ ذوالحجہ	خصائلِ سیدنا ذوالنورَین رضی اللہ عنہ	21جون

- تقدیر میں خصائل کا فیصلہ اور سیدنا ذوالنورَین رضی اللہ عنہ کے خصائل 501
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 502
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور مخلوق کی حاجت روائی 503
  - دُعا و استغاثہ کی برکت سے سیدنا ذوالنورَین رضی اللہ عنہ کا حاجت پوری فرمانا 503،504
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور دل کی مال داری 505
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور ایمانی فراست 507
  - آنکھوں کے ذریعے گناہ کو جان لینا 507
  - ظالمانہ ٹیکس کی خبر 507
  - ٹیکس کا شرعی حکم اور ظالمانہ ٹیکس کا گناہ 508
- حرفِ آخر...خصائلِ سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اپنانے کی ضرورت 509

۲۱ ذوالحجہ	حیاتِ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لائقِ تقلید پہلو	28جون

- اچھے نام کے ساتھ ساتھ اچھے کردار کی اہمیت اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا نام و کردار 511
- سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اور اُس کی برکات 512

- غزوۂ بدر کے موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری 513
- غزوۂ خندق میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دلیری 514
- بنو قُرَیظہ کے بارے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ 515
- شہادتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ 516
- وقتِ آخر سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازیاں 516
- جنازہ و قبر کی کیفیت اور جنت میں شان و شوکت 517
- ربّ تعالیٰ کی نوازشات 518
- حرفِ آخر... سیرتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اسباق و دُروس 518
- قادیانیوں کی حیثیت اور اُن کے حمایتیوں کی مذمت 519

۲۸ ذوالحجہ	سیرتِ فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ اور ہماری حالتِ زار	05 جولائی

- سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخَین کریمَین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گزشتہ آسمانی کتابوں میں ذکر 521
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 522
- بیت المقدس کی طرف اسلامی لشکر کی روانگی 523
- پادری کی گفتگو اور مجاہدینِ بیت المقدس کی ثابت قدمی 523
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا بابرکت و بے تکلّف سفر 524
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کی جلوہ گری اور پادری کا اعلان 526
- فاتحِ بیت المقدس اور دیگر مجاہدین رضی اللہ عنہم کی دُنیا سے بے رغبتی 527
- حرفِ آخر... تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں 528

۲ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ / 21 جولائی 2023ء

تذکیر ایّام اللہ

مشمولات

- مختلف تقویمات کا تعارف اور قمری تقویم کی ترجیح
- تذکیر ایّام اللہ
- تذکیرِ ایّام اللہ اور محرم الحرام
- عبادت و توبہ اور اِنفاق کا شوق
- نافرمانی سے اجتناب
  - سوگ، نوحہ، سیاہ لباس اور دیگر جاہلانہ کاموں کی ممانعت
- صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی یاد
  - فقط مستند روایات کا ذکر... استقامت کے لیے
  - بدمذہبوں کی مجالس سے اجتناب
- محرم الحرام کے اہم کام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ وَذَکِّرۡہُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ۔ [ابراہیم 05:14]

انسان کو زندگی کے مختلف اُمور سرانجام دینے کے لیے نظام الاوقات / ٹائم ٹیبل کی ضرورت ہوتی ہے، اِس کے بغیر اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ وقت کی تقسیم کاری، یعنی سیکنڈ سے منٹ... منٹ سے گھنٹہ... اور گھنٹوں سے دنوں، مہینوں اور سال کا جدول ترتیب دینے کو "تقویم"، "جنتری" یا "کیلنڈر" وغیرہ کہا جاتا ہے۔

عالمی سطح پر مختلف تقویمات / کیلنڈرز رائج ہیں، جیسے شمسی، قمری اور بکرمی۔ "شمسی تقویم" میں مہینوں اور سال کا حساب سورج کے ذریعے ہوتا ہے۔ اِس تقویم کے مطابق ہر رات بارہ بجے تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ جنوری، فروری وغیرہ اِسی تقویم کے مہینے ہیں... جب کہ قمری تقویم میں مہینوں اور سال کا حساب چاند کی چال سے کیا جاتا ہے۔ اِس نظام میں ہر روز سورج غروب ہونے اور چاند طلوع ہونے سے تاریخ تبدیل ہوتی ہے اور اِس میں مہینوں کے نام محرم، صفر وغیرہ ہیں۔

اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے لوگ چاند کے مہینوں سے ہی اپنے معاملات طے کرتے تھے، تاہم باقاعدہ طور پر کوئی کیلنڈر نہیں تھا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب ریاستِ مدینہ کی زمینی سرحدیں وسیع تر ہوئیں تو ضرورت محسوس کی گئی کہ ریکارڈ کو بہتر طور پر محفوظ کرنے کے لیے کسی کیلنڈر کو رواج دیا جائے، چنانچہ مشاورت سے طے پایا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت والے سال سے آغاز کرتے ہوئے سالوں کا شمار کیا جائے۔ چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ کیلنڈر کے مطابق 1445 واں سال شروع ہو چکا ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے اکثر دینی احکام کی بنیاد قمری حساب پر رکھی ہے۔ حج، زکوۃ، روزے، خواتین کی عدت وغیرہ... سبھی احکام قمری تقویم کے مطابق ہی سرانجام پاتے ہیں۔ دُنیاوی معمولات کا نظام الاوقات شمسی حساب کے مطابق بنانا گناہ نہیں، البتہ قمری حساب کو ترجیح دینی چاہیے، تاہم دینی معاملات میں قمری حساب لازم ہے، یہ شمسی تقویم کے مطابق ادا نہیں کیے جاسکتے۔

قمری تقویم کے پہلے مہینے "محرم الحرام" کے شب و روز اُن اوقات میں سے ہیں، جنھیں بارگاہِ الٰہی میں بہت مرتبہ حاصل ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی اِس ماہِ مبارک کی تعظیم کی جاتی تھی، جسے اسلام نے مزید چار چاند لگا دیے۔ روایت کے مطابق یہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا مہینہ ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اِس مہینے کی تعظیم ظاہر کرنے کے لیے اِسے "اللہ کا مہینہ" فرمایا گیا ہے۔ "مُحَرَّم" کے ساتھ لفظِ "اَلْحَرَام" استعمال کیا جاتا ہے، اِس لفظ کا معنی ہے: "حُرمت و تعظیم والا"، چنانچہ جب ہم لفظِ "محرم الحرام" بولتے ہیں تو گویا ہم کہتے ہیں: "حُرمت و تعظیم والا مہینہ محرم"۔

اِس مہینے سے ہمارے آقا کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سمیت بے شمار محبوبانِ خدا کی یادیں وابستہ ہیں، تاہم مقامِ افسوس ہے کہ عموماً نہ صرف اِس مہینے کی بے قدری کی جاتی ہے، بلکہ اِسے غیر شرعی کاموں میں گزار دیا جاتا ہے۔

آج کے خطبہ میں تذکرہ ہو گا کہ اِس عظیم الشان مہینے کی برکتیں حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

تذکیرِ ایّام اللہ

ربّ تعالیٰ نے اپنے کلیم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: وَذَكِّرۡهُم بِأَيَّٰمِ ٱللَّهِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَٰتٖ لِّكُلِّ صَبَّارٖ شَكُورٖ۔

"اُنھیں (اپنی قوم کو) اللہ کے دن یاد دلایئے، بلاشبہ اِس (نصیحت / یاد دلانے) میں ہر بڑے صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔" [ابراہیم 05:14]

آیتِ کریمہ سے متعلق دو باتوں کا سمجھنا بہت ضروری ہے:

1) "ایّام اللہ" سے کیا مراد ہے؟ ایک تفسیر کے مطابق وہ دن مراد ہیں:

- جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی خصوصی انعام فرمایا یا کسی بڑی مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔
- جن میں اپنے نافرمانوں کو عذاب و سزا میں گرفتار کیا۔
- جن میں ایسے اہم واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لیے عبرت و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

جیسے: طوفانِ سیدنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے موقع پر اہلِ ایمان کی نجات اور کفار کی ہلاکت کا دن، بنو اسرائیل کے لیے مَن و سلویٰ اُتارے جانے کا دن، سیدِ عالم ﷺ کی ولادت و معراج کے مواقع، سیدنا امام حسین رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ کی شہادت کا دن اور دیگر صحابۂ کرام و اولیائے عظام علیہم الرضوان سے منسوب ایّام۔

2) "ایّام اللہ" کو "یاد دِلانے" کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے لکھا "یاد دِلانے" سے مراد ہے: 1) اِن میں فرماں برداروں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ کر کے اِطاعت کا شوق دلایا جائے۔ 2) نافرمانوں پر ہونے والے عذاب کے ذریعے خوف بڑھایا جائے۔ 3) نیز جن محبوبانِ خدا سے اِن دنوں کو نسبت ہے اُن کی یاد قائم کر کے ایصالِ ثواب کیا جائے اور اُن کی سیرت سے روشنی حاصل کی جائے۔[1]

(مفاتیح الغیب [تفسیر کبیر]، لباب التأویل فی معانی التنزیل [تفسیر خازن]، تفسیر خزائن العرفان، تحت الآیۃ، ملخصاً)

---

[1] يُعَبَّرُ بِالْأَيَّامِ عَنِ الْوَقَائِعِ الْعَظِيمَةِ الَّتِي وَقَعَتْ فِيهَا... إِذَا عَرَفْتَ هٰذَا فَالْمَعْنٰى عِظْهُمْ بِالتَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيدِ. فَالتَّرْغِيبُ وَالْوَعْدُ أَنْ يُذَكِّرَهُمْ مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى مَنْ قَبْلَهُمْ مِمَّنْ آمَنَ بِالرُّسُلِ فِي سَائِرِ مَا سَلَفَ مِنَ الْأَيَّامِ. وَالتَّرْهِيبُ وَالْوَعِيدُ: أَنْ يُذَكِّرَهُمْ بَأْسَ اللهِ وَعَذَابَهُ وَانْتِقَامَهُ مِمَّنْ كَذَّبَ الرُّسُلَ مِمَّنْ سَلَفَ مِنَ الْأُمَمِ فِيمَا سَلَفَ مِنَ الْأَيَّامِ، لِيَرْغَبُوا فِي الْوَعْدِ فَيُصَدِّقُوا وَيَحْذَرُوا مِنَ الْوَعِيدِ فَيَتْرُكُوا التَّكْذِيبَ... (مفاتیح الغیب، تحت الآیۃ)

تذکیرِ ایّام اللہ اور محرم الحرام

آیتِ کریمہ کی تفسیر سے واضح ہوا کہ محرم الحرام کے ایّام، خصوصاً دس محرم، اُن دنوں سے ہیں جنہیں قرآن میں "أَيَّامُ اللهِ" (اللہ تعالیٰ کے دن) فرمایا گیا ہے۔ اِس میں کئی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے واقعات رُونما ہوئے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے:

⟸ سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی توبہ قبول فرماتے ہوئے آپ کو قُربِ خاص اور مزید عزتوں سے نوازا۔

⟸ سیدنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات اور اہلِ ایمان کو طوفان سے نجات دی اور دُنیا بھر کے کفار کو اُس میں غرق کر دیا۔

⟸ فرعون کے تکبّر و غرور کو خاک میں ملاتے ہوئے اُسے اور اُس کے تمام لشکروں کو دریا میں غرق کیا، جب کہ سیدنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات اور آپ کی قوم پر کرم فرماتے ہوئے اُنھیں دریا میں راستہ عطا فرمایا۔

⟸ انسانوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے سیدنا ابراہیم اور سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو پیدا فرمایا۔[1]

نیز اِس ماہِ مبارک سے ہمارے آقا کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی بھی کئی یادیں وابستہ ہیں، مثلاً:

- اعلانِ نبوت کے ساتویں سال مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوف زدہ ہو کر محرم الحرام میں کفار نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تمام خاندانِ عالی شان کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، جسے "شِعۡبِ ابی طالب" کہا جاتا ہے اور تین سال تک مکمل معاشرتی مقاطعہ / بائیکاٹ رکھا، جو اعلانِ نبوت کے دسویں سال اختتام پذیر ہوا۔
- سواریوں اور دیگر ضروریات کی شدید کمی کے باوجود ہجرت کے پانچویں سال محرم الحرام میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ ذاتُ الرِّقاع کے لیے تشریف لے گئے، البتہ باری تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا، وہ پہاڑوں میں چھپ گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اِس موقع پر جانِ عالم ﷺ نے نمازِ خوف بھی ادا فرمائی۔
- اِسی ماہ 7ھ میں آپ ﷺ خیبر کے یہود سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے، جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد سے شاندار فتح نصیب ہوئی۔
- مشہور قول کے مطابق ہجرت کے چوبیسویں سال یکم محرم الحرام کو امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، جس کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔
- 61ھ کو اِسی مہینے میں نواسۂ رسول ﷺ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے جاں نثار رفقا نے کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا۔[2]

اِن سبق آموز عظیم واقعات کے تناظر میں محرم الحرام "ایّام اللہ" سے ہے اور اِس کے ذریعے نصیحت کرنے اور اپنانے کا حکم ہے۔

---

[1] يُوۡنُس علیہ السلام أُنۡجِیَ فِیۡہِ مِنۡ بَطۡنِ الۡحُوۡتِ... يُوۡسُف علیہ السلام فَإِنَّهٗ أُخۡرِجَ مِنَ الۡجُبِّ فِیۡہِ... دَاوٗد علیہ السلام فِیۡہِ تَابَ اللهُ عَلَیۡہِ... يَعۡقُوۡب علیہ السلام فِیۡہِ رُدَّ بَصَرُهٗ... (عمدۃ القاری، باب صیام یوم عاشوراء، ج:11، ص:117، 118)

[2] محرم الحرام کے واقعات پر مدلل مضمون کے لیے www.alukah.net پر ملاحظہ کریں: حدث فی شهر المحرم عبر القرون۔

تذکیرِ ایّام اللہ... عبادت و توبہ اور اِنفاق کا شوق

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مذکور ہوا کہ ایّامِ خداوندی سے نصیحت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُن میں ربّ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ کرکے اطاعت کا شوق بڑھایا جائے۔ چنانچہ محرم الحرام کی رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اِس میں ربّ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کیے جائیں۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے رحمت کی بھیک مانگی جائے؛ کہ اِس میں توبہ قبول ہونے کی اُمّید زیادہ ہے۔ نیز رضائے الٰہی کے لیے راہِ خدا میں خوب مال خرچ کیا جائے۔

مُحرّم میں عبادت: متعدد احادیثِ کریمہ میں محرم الحرام کے اندر عبادت کا شوق دلایا گیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: فرض نمازوں کے بعد افضل نماز کون سی ہے؟ اور رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل روزے کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللهِ الْمُحَرَّمِ۔»[1] یعنی "فرض نمازوں کے بعد رات کی نماز افضل ہے اور فرض روزوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1163)

سیدنا ابو قتادہ حارث بن رِبعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے یہ الفاظ بھی روایت کیے: وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔ یعنی "مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھنے پر گزشتہ سال کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1162) یعنی صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے، صغیرہ نہ ہوں تو کبائر میں تخفیف کی اُمّید ہے، کبیرہ بھی نہ ہوں تو درجات بلند کیے جائیں گے۔[2]

مُحرّم میں توبہ: مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے محرم کے روزوں کی ترغیب دلانے کے بعد فرمایا: فَإِنَّهُ شَهْرُ اللهِ فِيهِ يَوْمٌ[3] تَابَ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ وَيَتُوبُ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ آخَرِينَ۔ یہ اللہ کا مہینہ ہے، اِس میں ایک ایسا دن (یوم عاشورا) ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور وہ اُس دن میں کئی لوگوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (جامع ترمذی، حدیث: 741)

---

[1] اَلظَّاهِرِ أَنَّ الْمُرَادَ جَمِيعُ شَهْرِ الْمُحَرَّمِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 2039)

[2] اَلْمُرَادُ بِالذُّنُوبِ الصَّغَائِرُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الصَّغَائِرُ يُرْجَى تَخْفِيفُ الْكَبَائِرِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُفِعَتِ الدَّرَجَاتُ۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، تحت الحدیث: 2044)

[3] وَالظَّاهِرُ أَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ الْمُبْهَمَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج: 3، ص: 34، المکتبۃ التجاریۃ)

مُحرّم میں انفاق: محرم الحرام میں دیگر اُمورِ خیر کے ساتھ ساتھ راہِ خدا میں زیادہ سے زیادہ حلال مال خرچ کرنا چاہیے، اُمّید ہے کہ اِس کی برکت سے سال بھر رزق میں وُسعت و فراخی نصیب رہے گی۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح ربّ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے غُرباء و مساکین پر خرچ کرنا ثواب کا کام ہے، اِسی طرح رضائے الٰہی کے لیے اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے سے بھی برکتیں اور رحمتیں عطا ہوتی ہیں۔

روایت میں ہے: مَنْ وَّسَّعَ عَلٰی عِیَالِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ یَزَلْ فِیْ سَعَۃٍ سَائِرَ سَنَتِہٖ۔ یعنی "جو شخص دس محرم الحرام کو اپنے اہل و عیال پر وُسعت کے ساتھ خرچ کرے اُسے پورا سال فراخی نصیب رہے گی۔"

(المعجم الکبیر، الحدیث: 10007۔ قال الھیثمی فی مجمع الزوائد (189/3): وَفِیْہِ الْھَیْصَمُ بْنُ الشَّدَّاخِ وَھُوَ ضَعِیْفٌ جِدًّا)

خلاصہ یہ کہ محرم الحرام میں اطاعت کا جذبہ بڑھانا چاہیے، زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، توبہ و استغفار کی کثرت کرنی چاہیے اور راہِ خدا میں خوب خرچ کرنا چاہیے۔ یہ سیدنا فاروقِ اعظم اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہما اور دیگر کے ایصالِ ثواب کا بہترین طریقہ ہے۔

تذکیرِ ایّام اللہ... نافرمانی سے اجتناب

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مذکور ہوا کہ "ایّامِ الٰہی" سے نصیحت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اِن میں نافرمانوں کو ملنے والی سزا کے ذریعے خوفِ خدا میں اِضافہ کیا جائے اور گناہوں سے بچنے کی عادت پختہ کی جائے۔ چنانچہ محرم الحرام کی رحمتیں سمیٹنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن تمام کاموں سے مکمل اجتناب کیا جائے جن سے شریعتِ مطہرہ نے منع فرمایا ہے۔

محرم میں کئی ایسے کاموں کا رواج ہے جو ناجائز و گناہ ہیں، مگر جہالت کی وجہ سے لوگ بعض اوقات اُنھیں ثواب سمجھتے ہیں۔

سوگ کی ممانعت: امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رُفقا پر ہونے والے ظلم کی وجہ سے بہت سے لوگ اِس مہینہ کو "سوگ کا مہینہ" سمجھتے ہیں، کہا جاتا ہے: امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر پورا عالَمِ اسلام سوگوار ہے۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ نے کسی بھی شخص کے وصال / وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اِجازت نہیں دی، تاہم بیوہ اپنی عدّت پوری کرے گی۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا اُمّ حبیبہ رَمْلَہ رضی اللہ عنہا کے والدِ ماجد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اُمّ المؤمنین نے تیسرے دن خوشبو اور زرد رنگ منگوا کر استعمال کیا، یعنی زینت کی، پھر ارشاد فرمایا: إِنِّيْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا لَغَنِيَّةً، لَوْلَا أَنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔» یعنی مجھے زینت کی ہرگز حاجت نہیں تھی، صرف اِس لیے ایسا کیا ہے کہ مَیں نے جانِ جہاں ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جو خاتون اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اُس کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ بیوہ اپنے شوہر پر

چار مہینے دس دن سوگ کرے گی۔" (صحیح بخاری، حدیث:1280)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوٰی کا خلاصہ ہے کہ محرم الحرام کے ابتدائی 10 دنوں میں کسی بھی طرح سوگ منانا حرام ہے، مثلاً روٹی نہ پکانا، گھر میں جھاڑو نہ دینا، میلے کپڑے نہ اُتارنا (صاف ستھرے کپڑے نہ پہننا)۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:488، رضا فاؤنڈیشن)

نوحہ کی ممانعت: محرم الحرام میں بہت سے لوگ رکشوں، دکانوں، گھروں اور دفاتر وغیرہ میں نوحہ سنتے ہیں اور اِسے اہل بیت سے محبت کا اِظہار سمجھتے ہیں، حالانکہ نوحہ / بین کرنا اور سننا، چلّا کر رونا، گریبان پھاڑنا، چہرہ پیٹنا اور سینہ کُوبی کرنا... یہ سب دورِ جاہلیت کے کام ہیں اور ناجائز و حرام ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے متعدد احادیث میں سختی کے ساتھ اِن سے منع فرمایا۔

سیدنا ابو سعید سعد خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ۔»[1] یعنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نوحہ کرنے والوں اور (توجّہ سے) اُسے سننے والوں پر لعنت فرمائی۔ (سنن ابو داؤد، حدیث:3128)

سیاہ لباس کی ممانعت: ویسے تو مَرد کے لیے سیاہ رنگ کا لباس پہننا ممنوع نہیں، البتہ سوگ اور ماتم کے تناظر میں سیاہ لباس پہننا یا کسی اور طرح سے اپنی وضع تبدیل کرنا حرام ہے؛ لہٰذا محرم کے ابتدائی دنوں میں تین رنگوں کا لباس ہرگز نہ پہنا جائے: 1) سیاہ، یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ 2) سبز، یہ تعزیہ داروں کا طریقہ ہے۔ 3) سُرخ، یہ خارجیوں کا طریقہ ہے۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:185، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ بہارِ شریعت، ج:3 (الف)، ص:416، مکتبۃ المدینہ، ملخصًا)

مزید جاہلانہ کام: بعض لوگ ہاتھ یا پاؤں میں چھلے / کڑے پہن لیتے ہیں یا گلے میں زنجیر یا کان میں بالی وغیرہ ڈال لیتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے مَرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن میں چاندی کی ایک نگ والی ایک انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہے، اِس کے علاوہ سونے یا کسی بھی دھات کے لاکٹ، چھلے / کڑے، بالی اور انگوٹھی وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔ مَرد کو لوہے، پیتل یا کسی بھی دھات کا کڑا پہن کر نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، یعنی اِسے پہن کر نماز ادا کرنا گناہ ہے اور اگر ادا کر لی تو دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔ (فتاوٰی رضویہ: 7/307، ملخصًا)

بد عقیدہ لوگ شہدائے کربلا بالخصوص امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی مبارک قبروں کی نقل بناتے ہیں اور اُس کا جلوس نکالتے ہیں، دیکھا دیکھی کم علم صحیح العقیدہ سُنّی بھی اُن کے کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ شرعی حکم یہ ہے کہ تعزیے بنانا، اُنھیں دیکھنا، اُن کی تعظیم کرنا، اُن سے مُرادیں مانگنا، اُن پر شیرینی چڑھانا، عَلَم (جھنڈا) چڑھانا، مہندی چڑھانا (7 محرم کو حضرت امام قاسم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی یاد میں مہندی لگائی اور چڑھائی جاتی ہے)، امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا فقیر بننا اور مرثیے پڑھنا... یہ سب اُمور ناجائز ہیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:489، 498، 508)

---

[1] وَالْمُسْتَمِعَةَ أي: اَلْمُصْغِيَةَ إِلَيْهِ وَالْمُتَوَجِّهَةَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا أُنِّثَ لِأَنَّهُ فِعْلُ النِّسَاءِ غَالِبًا أَوِ الْمُرَادُ الْجَمَاعَةُ أَوِ النَّفْسُ۔ (لمعات التنقیح)

تذکیرِ ایّام اللہ... صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی یاد

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مذکور ہوا کہ "اللہ تعالیٰ کے دنوں" سے نصیحت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ یہ دن جن محبوبانِ خدا سے نسبت رکھتے ہیں اُنھیں ایصالِ ثواب کیا جائے اور اُن کی سیرتِ مبارکہ سے روشنی حاصل کی جائے۔ بحمد اللہ محرم الحرام میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان کے ذکرِ خیر کے لیے شہر شہر، قریہ قریہ محافل کا انعقاد ہوتا ہے، یہ بہت ایمان افروز اور اُمّید افزا بات ہے، مگر اِس میں کچھ پہلوؤں پر غور اور اِصلاح کی ضرورت ہے۔

ہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیوں نہ کریں، جب کہ ربّ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں اُن کی تعریف فرمائی ہے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مرتبہ اُن کے فضائل بیان کیے ہیں، چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ تعریف وتوصیفِ صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان حکمِ خدا بھی ہے اور سنتِ مصطفیٰ بھی ہے، جلّ وعلا وصلّی اللہ علیہ وسلّم۔

تاج دارِ کربلا کا ذکرِ خیر: امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تاج دارِ کربلا رضی اللہ عنہ اور اُن کی کربلا کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنین سیدتنا اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ایک مرتبہ حَسَنَیْنِ کریمَین رضی اللہ عنہما میرے حجرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے، جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور شہیدِ کربلا کی طرف اِشارہ کرکے عرض کی: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ هٰذَا مِنْ بَعْدِكَ۔ یعنی یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! آپ کے وصال کے بعد آپ کی اُمّت آپ کے اِس شہزادے کو شہید کردے گی۔ چنانچہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے اور آپ نے شہزادے کو سینے سے لگالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مٹی سونگھی اور مجھے (اُمّ المؤمنین کو) عطا کی اور کربلا کو یاد کرکے فرمایا: يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِذَا تَحَوَّلَتْ هٰذِهِ التُّرْبَةُ دَمًا فَاعْلَمِي أَنَّ ابْنِيْ قَدْ قُتِلَ۔ "اُمّ سلمہ! جب یہ مٹی خون ہوجائے تو جان لینا کہ میرا بیٹا شہید ہوگیا ہے۔" اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے وہ مٹی محفوظ کرلی اور بار بار اُسے دیکھ کر کہتیں: إِنَّ يَوْمًا تَحَوَّلِيْنَ دَمًا لَيَوْمٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی جس دن یہ مٹی خون بن جائے گی وہ بہت بڑا (ہولناک) دن ہوگا۔ (المعجم الکبیر، حدیث: 2817)

تمام نسبتوں کا ذکرِ خیر: محرم الحرام کی محافل میں شہیدِ کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیتِ عظام کا ذکرِ خیر بلاشبہ باعثِ برکت وعلامتِ سعادت ہے، تاہم بزرگوں نے فرمایا: بدعقیدہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ فقط امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ صحیح العقیدہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی محافل میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نسبتوں کی تعریف وتوصیف کریں... خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکرِ خیر بھی کریں، اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کو بھی خراجِ تحسین پیش کریں اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی جرأت واستقامت کے تذکرہ سے بھی ایمان کو ترقّی دیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:739-741، ملخصًا) سلامِ رضا میں ہے:

اُن کے ہر نام ونسبت پہ نامی دُرود — اُن کے ہر وقت وحالت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا اُنھیں اِک نظر — اُس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

فقط مستند روایات کا ذکر: محرم الحرام ہو یا کوئی دوسرا مہینہ، امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا تذکرہ ہو یا کوئی اور موضوع، بہر حال یہ ضروری ہے کہ صرف اُنہی روایات کو بیان کیا اور سنا جائے جو مستند ہیں، دین کے اُصولوں کے مطابق ہیں اور محتاط علما نے اُنھیں اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں سے جھوٹی روایات کو بیان کرنا اور سننا حرام ہے۔[1] اِسی طرح ایسی باتیں بیان کرنا اور سننا جن سے عوام کے عقائد خراب ہوں اور بھی زیادہ زہرِ قاتل ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:514، ملخصًا)

شہادتِ مبارکہ سے متعلق ہمیشہ مستند علما کی گفتگو سننی چاہیے اور محتاط علما کی تحریرات پڑھنی چاہییں، جیسا کہ شاہ عبد العزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی "سِرُّ الشَّهَادَتَيْن"، نائبِ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی "سوانحِ کربلا" اور اُستاذِ زمن، برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی "آئینۂ قیامت"۔

رونے کے لیے نہیں، استقامت کے لیے: امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادتِ مبارکہ کا ذکر کرنے اور سننے والوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کا مقصد فقط رونا اور رُلانا ہوتا ہے، یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو نہایت بے کس اور بے چارہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ تو تمام بہادروں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے وارث ہیں، شیرِ خدا جناب حیدرِ کرّار کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے شہزادے ہیں، اُن کا ذکر ایسے انداز میں کرنا چاہیے کہ بزدل بھی بہادر ہو جائیں اور کم ہمّت لوگوں کی ہمت بھی بلند ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ اگر تذکرۂ شہادت سے مقصود غم پروری، بناوٹ اور رونا دھونا ہو تو یہ نیت پسندیدہ نہیں؛ کیونکہ شریعت مطہرہ نے غم میں صبر کرنے، اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے اور حتی الامکان اُس غم کو دُور کرنے کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہ تکلّف کر کے غم لایا جائے اور اِسے ثواب سمجھا جائے... ہاں! اگر اہلِ بیت عظام علیہم الرضوان کے فضائل و مناقب سے متعلق فقط صحیح روایات بیان کی جائیں اور ضمناً اُن کے صبر و استقامت کا ذکر کرنے کے لیے شہادت کا تذکرہ ہو اور محبت کے تقاضے سے بے اختیار آنسو آجائیں تو حرج نہیں، البتہ اگر کسی کا دل واقعۂ کربلا سے نرم نہیں ہوتا تو اُسے غمگین ہونا چاہیے، کہ اُس کی محبت ناقص ہے اور جب تک محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کامل نہ ہو ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:487، 515، ملخصًا)

بد مذہبوں کی مجالس سے اجتناب: یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ بد مذہبوں کی مجالس میں جانا اور اُن کی تقریریں سننا ناجائز ہے اور ایمان کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔
"اے سننے والے! جب تُو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں تو اُن سے منہ پھیر لے جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" [الانعام6:68]

---

[1] واقعۂ کربلا سے متعلق چند جھوٹی روایات جاننے کے لیے مطالعہ کریں کتاب "چند واقعاتِ کربلا کا تحقیقی جائزہ"، از عبد مصطفیٰ محمد صابر قادری۔

حرفِ آخر... محرم الحرام کے اہم کام

دینی احکام و معاملات قمری تقویم کے مطابق سرانجام پاتے ہیں، اِس تقویم کا پہلا مہینہ "محرم الحرام" ہے۔ نئے قمری سال 1445ھ کا آغاز ہو چکا ہے اور آج اُس کا دوسرا دن ہے۔

محرم الحرام کے شب و روز اُن اوقات میں سے ہیں، جنھیں بارگاہِ الٰہی میں بہت مرتبہ حاصل ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی اِس ماہِ مبارک کی تعظیم کی جاتی تھی، جسے اسلام نے مزید چار چاند لگا دیے۔ رمضان المبارک کے بعد اِس مہینے کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اِسے "اللہ کا مہینہ" فرمایا گیا ہے، اِس کے نام سے ہی اِس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ "محرم الحرام" کا معنی ہے "حُرمت و تعظیم والا مہینہ محرم"، قرآنِ حکیم میں جن دنوں کو "ایّام اللہ" (اللہ کے دن) فرمایا گیا اُن میں محرم کے دن بھی شامل ہیں۔

اِس مہینے سے ہمارے آقا کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سمیت بے شمار محبوبانِ خدا کی یادیں وابستہ ہیں، چنانچہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرنے کے لیے ہمیں:

⟸ فرائض کی خوب پابندی کرنی چاہیے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرائض سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

⟸ روزوں اور دیگر نفلی عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کہ رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کے روزے بہت فضیلت والے ہیں، بالخصوص نو اور دس محرم کا روزہ بے شمار رحمتوں کا ذریعہ ہے۔

⟸ اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے؛ کہ اِس مہینے میں توبہ قبول ہونے کی اُمّید زیادہ ہے۔

⟸ اپنے گھر والوں سمیت راہِ خدا میں فراخی کے ساتھ حلال مال خرچ کرنا چاہیے، اُمّید ہے کہ اِس کی برکت سے سال بھر وسیع رزق عطا کیا جائے گا۔

⟸ نافرمانی اور جاہلانہ کاموں سے مکمل طور پر بچنا لازم ہے، جیسے کسی بھی طرح سے سوگ منانا، سوگ کے تناظر میں سیاہ لباس پہننا، نوحہ کرنا یا سننا، چھلے / کڑے پہننا اور بدمذہبوں والے دیگر کام کرنا۔

⟸ سیدِ عالم ﷺ اور آپ کی تمام نسبتوں کا خوب تذکرہ کرنا چاہیے، اِس سلسلے میں لازم ہے کہ فقط مستند روایات کو پڑھا اور سنا جائے، صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی عظیم الشان جرأت و استقامت سے سبق حاصل کرنا مقصود ہو، نیز بدمذہبوں کی مجالس سے دُور رہا جائے۔

آقا کریم ﷺ سے مروی ہے: مَنۡ کَثَّرَ سَوَادَ قَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ۔ یعنی "جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ بھی اُنہی میں شمار ہو گا۔" (جامع الاحادیث، امام سیوطی، حدیث: 23699)

افسوس ہے کہ عموماً نہ صرف اِس عظیم الشان مہینے کی بے قدری کی جاتی ہے، بلکہ اِسے غیر شرعی کاموں میں گزار دیا جاتا ہے۔

۹ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ / 28 جولائی 2023ء

”عالی شان اُمور“ اور سیرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

مشمولات

- ”انسان“ کا عالی شان اُمور سے رشکِ ملائک بننا
- امام حسین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- محبتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
- عالی شان اُمور کی وضاحت و فضیلت
- امام حسین رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت
- امام حسین رضی اللہ عنہ اور عاجزی و دل جوئی
- امام حسین رضی اللہ عنہ اور تعلیم و تعلّم
- امام حسین رضی اللہ عنہ اور رِضا بقضا
- حسینی کردار کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۔ [البقرۃ2:195]

خالقِ کائنات نے نہ جانے کتنے جہان پیدا کیے اور نہ جانے ہر جہان میں کیا کیا کچھ موجود ہے۔ قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ بے حساب مخلوقات کا مقصود "انسان" ہے اور بقیہ کائنات کو خدا نے انسان کے کام میں لگایا ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۔ "وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے (فائدے کے) لیے بنایا۔" [البقرۃ2:29]

اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تُو نہیں جہاں کے لیے

کائنات بھر کا "مخدوم" یہ انسان اگر ربّ ذوالجلال کے کرم سے پسندیدہ اوصاف اور "عالی شان اُمور" کا خُوگر ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اتنی بلند شان پاتا ہے کہ فرشتے بھی اُس کے نصیب پر رشک کرتے ہیں، لیکن اگر اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں اُسے "گھٹیا اُمور" کی عادت پڑ جائے اور بُرے کاموں میں مبتلا ہو تو جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کا مستحق ہو جاتا ہے اور جانوروں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔

بلاشبہ ہر خیر و بھلائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی نصیب ہوتی ہے، تاہم عموماً اچھا ماحول و عمدہ تربیت اور نسبی شرافت وغیرہ کرم نوازیوں کا ذریعہ اور ظاہری سبب بن جاتے ہیں۔

اچھے اوصاف اور اعلیٰ کردار میں مَنارۂ نور اور مَشعلِ راہ بننے والے خوش نصیبوں کی فہرست میں ایک نمایاں نام سیدِ عالم ﷺ کے نواسے اور حیدرِ کرّار کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے شہزادے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔ اُنھیں نسبی شرافت واِعزاز بھی ایسا نصیب تھا کہ وہ کسی دوسرے کے لیے ممکن نہیں اور اُنھوں نے ماحول بھی ایسا پایا جس کی مثال کہیں تلاش نہیں کی جاسکتی۔ پھر ربّ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُنھوں نے بھلائیوں کے ایسے نقوش چھوڑے اور خدمتِ اسلام کے لیے وہ کارنامے سرانجام دیے کہ قیامت تک اُن کے ذکرِ خیر سے ایمان کو تازگی ملتی رہے گی اور اہلِ ایمان کو اپنا کردار حسین بنانے کا موقع ملتا رہے گا۔

امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہماری محبت کی بنیادی وجہ اُن کا ہمارے آقا کریم ﷺ کے ساتھ تعلّق ہے، لیکن اُن کا کردار ایسا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم انصاف کی نظر سے اُن کی سیرت پڑھے تو اُس کے دل میں بھی اُن کی محبت گھر کر جائے۔ یقیناً موجودہ حالات میں ہمیں اُن کے اوصاف اختیار کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

سِبطِ مصطفیٰ، سید الشہدا، اِمام ہُمام،[1] ابو عبد اللہ سیدنا حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہجرتِ نبویہ کے چوتھے سال پانچ شعبان المعظم کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے گھٹی عنایت کی، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر سنائی۔ ساتویں روز عقیقہ کرنے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ مولی المسلمین کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جعفر نام تجویز کیا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اُسے تبدیل کر کے "حُسین" منتخب فرمایا۔[2]

امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقریباً سات سال سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ اقدس میں آپ کا پیار پایا... کبھی گود میں بیٹھتے، کبھی سینۂ اقدس سے چمٹتے، کبھی کاندھوں پر سوار ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اُنھیں چومتے، کبھی سونگھتے اور ایسی محبت سے نوازتے کہ اُسے پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ وصالِ نبوی کے بعد خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی آنکھوں کا تارا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ عزتوں سے نوازا، اُن کی ظاہری شکل وصورت میں بھی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی جھلک نظر آتی تھی اور اچھے اوصاف واعلیٰ کردار سے بھی اُسوۂ حسنہ کی خوشبو مہکتی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف 36 برس تھی جب رمضان المبارک، 40ھ میں مولی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت ہوئی۔ پھر تقریباً 20 سال سلطانِ اسلام سیدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منظورِ نظر رہے۔

رجب المرجّب 60ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو یزید پلید نے حکومت سنبھالی، اُس کے کرتوتوں کی وجہ سے امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا، دوسری طرف اہلِ عراق نے آپ کو بے شمار خطوط بھیجے کہ آپ عراق تشریف لے آئیں اور اُمّتِ مسلمہ کی انتظامی ذمہ داری سنبھال کر اسلامی احکام کو نافذ کریں۔ چنانچہ آپ اسلام کی سربلندی کی خاطر عراق کی طرف تشریف لے گئے، مگر اہلِ عراق نے بے وفائی کی اور آپ کا ساتھ نہ دیا، جس کے بعد بدبخت یزیدی فوج نے زبردستی آپ سے یزید کی بیعت لینا چاہی، مگر آپ نے اِس بات کو قبول نہ کیا۔ بالآخر 56 سال، 5 ماہ اور 5 دن کی عمر مبارک میں 10 محرم الحرام 61ھ کو جمعۃ المبارک کے دن عراق کے شہر کوفہ کے قریب میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا۔

---

[1] ہاء پر پیش، میم شد کے بغیر۔ اہلِ علم نے لکھا بہادروں کے چار درجے ہیں: (1) ہُمام۔ (2) مِقْدَام۔ (3) بَاسِل۔ (4) بَطَل۔ (الفروسیۃ لابن القیم، ص:469)

[2] عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمَّى ابْنَهُ الْأَكْبَرَ بِاسْمِ عَمِّهِ حَمْزَةَ، وَسَمَّى حُسَيْنًا بِعَمِّهِ جَعْفَرٍ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: «إِنِّي قَدْ أُمِرْتُ أَنْ أُغَيِّرَ اسْمَ هٰذَيْنِ» فَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَمَّاهُمَا حَسَنًا وَحُسَيْنًا۔ (المستدرك، رقم الحديث:7734)

محبتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب شہزادے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے محبت کا حکم دیا ہے۔ سیدنا یعلیٰ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے کی دعوت میں شرکت کے لیے جارہے تھے، اچانک ایک گلی میں شہزادۂ والا تبار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کھیلتے ہوئے نظر آئے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے آگے بڑھے اور (شہزادے کو پکڑنے کے لیے) اپنے ہاتھ پھیلائے۔ فرماتے ہیں: فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَفِرُّ هَاهُنَا وَهَاهُنَا، وَيُضَاحِكُهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَخَذَهُ، فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقَنِهِ وَالْأُخْرَى فِي فَأْسِ رَأْسِهِ، فَقَبَّلَهُ۔ شہزادۂ والا شان (بچوں کی عادت کے مطابق) دائیں بائیں بھاگنے لگے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اُنھیں ہنساتے رہے حتّٰی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں پکڑ لیا، تو ایک دستِ مبارک اُن کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا اُن کے سر کے پیچھے (گردن کے پاس) رکھ کر اُن کا بوسہ لیا اور فرمایا: «حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ۔»[1] ”حسین مجھ سے ہیں اور مَیں حسین سے ہوں (ہمارے ساتھ محبّت میں تفریق نہیں، میرا محبّ حسین سے ضرور پیار کرے گا اور حسین سے پیار کرنے والا ضرور مجھ سے بھی محبت کرے گا)، جو حسین سے پیار کرے اللہ تعالیٰ اُسے اپنا محبوب بنائے، حسین پیارے نواسے ہیں (میری نسل حسین سے چلے گی اور اولادِ حسین بہت زیادہ ہوگی)۔“

(سنن ابن ماجہ، حدیث:144۔ سنن ترمذی، حدیث:3775)

سچی محبت: بلاشبہ امام عالی مقام سمیت تمام اہلِ بیت عظام علیہم الرضوان کی محبت دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ محبت اُس طرح کی جائے جس طرح کرنے کا حکم ہے۔ جو شخص امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوٰی کرے، مگر اُن کے محبوبوں، مثلاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بُغض رکھے تو اُس کی محبت دُنیاوی مفادات کے لیے ہے اور وہ سچی محبت سے محروم ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «مَنْ أَحَبَّنَا لِلدُّنْيَا فَإِنَّ صَاحِبَ الدُّنْيَا يُحِبُّهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، وَمَنْ أَحَبَّنَا لِلَّهِ كُنَّا نَحْنُ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَاتَيْنِ» وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔ جو شخص دُنیاوی مفادات کے لیے ہمارے ساتھ محبت کا دعوٰی کرے تو (اُسے فائدہ نہیں ہوگا) دُنیا والوں سے نیک و بد سبھی محبت کا رشتہ جوڑ لیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے ہمارے ساتھ محبت کرے تو روزِ قیامت وہ اور ہم یوں اکٹھے ہوں گے، آپ نے اپنی شہادت کی اُنگلی اور بڑی اُنگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

(المعجم الکبیر، حدیث:2880۔ مجمع الزوائد، حدیث:18032)

---

[1] سِبْط وہ درخت جس کی جڑ ایک ہو اور شاخیں بہت، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ”اَسباط“ کہلاتے تھے کہ اُن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل شریف بہت چلی... ایسے ہی میرے حسین سے میری نسل چلے گی اور اِن کی اولاد سے مشرق و مغرب بھرے گی۔ دیکھ لو! آج ساداتِ کرام مشرق و مغرب میں ہیں اور یہ بھی دیکھ لو کہ حسنی سید تھوڑے ہیں، حسینی سید بہت زیادہ ہیں۔ اِس فرمانِ عالی کا ظہور ہے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث:6169)

عالی شان اُمور کی وضاحت و فضیلت

خطبہ کے آغاز میں ذکر ہوا کہ انسان اگر ربّ ذوالجلال کے پسندیدہ کاموں اور "عالی شان اُمور" کا عادی بنے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اُسے دونوں جہان میں عزتیں نصیب ہوتی ہیں، لیکن اگر اُسے گھٹیا اُمور کی عادت پڑ جائے اور بُرے کاموں میں مبتلا ہو تو جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کا مستحق ٹھہرتا ہے اور حیوانوروں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کن عادات واوصاف کو پسند فرماتا ہے؟ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَأَشْرَافَهَا، وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا۔» یعنی "اللہ تعالیٰ عالی شان اور عمدہ اُمور کو پسند فرماتا ہے، جب کہ گھٹیا اُمور اُسے ناپسند ہیں۔" (المعجم الکبیر، حدیث:2894۔ مسند الشہاب القضاعی، حدیث:1076) محدثین نے لکھا:

⇐ "عالی شان اُمور" سے شرعی اخلاق اور دینی عادات مراد ہیں... جیسے عاجزی، مسلمانوں کی دل جوئی، سچائی، دیانت داری، علم سیکھنا اور سکھانا، حیادار ہونا، برداشت کرنا، سخاوت، بہادری اور ربّ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا... خلاصہ یہ کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا۔ جس خوش نصیب کو اِن پسندیدہ اوصاف کی توفیق ملے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔

⇐ "گھٹیا اُمور" سے دینی تعلیمات کے خلاف کام مراد ہیں، جیسے تکبّر، دل آزاری، جہالت، بے حیائی و بے پردگی، بدکاری و بدنگاہی، ناحق جھگڑا، جھوٹ، ظلم، بے جا غصہ اور لالچ و حسد... جو شخص اِن اُمور میں مبتلا ہو جائے اللہ تعالیٰ اُسے ناپسند فرماتا ہے۔[1]

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ اِس حدیث مبارک کی قرآنِ مجید سے بھی تائید ہوتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ "بھلائی والے ہو جاؤ، بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔" [البقرۃ2:195]

عالی شان اُمور اور سیرتِ امام حسین: اگر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و کردار کو آپ کی روایت کردہ حدیث مبارک کی روشنی میں دیکھا جائے تو انسان بلا اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے نانا جان سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث روایت کی اُس پر پوری طرح عمل کر کے بھی دکھایا... اپنے نانا جان کی سنت پر عمل کرنا اُن کا شعار تھا، عاجزی اُن کی رگ رگ میں رچی بسی ہوئی تھی، دل جوئی، غریب نوازی و بندہ پروری اُن کی خاندانی ریت تھی، علم سیکھنا اور سکھانا اُن کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور ربّ تعالیٰ کی رضا و تقدیر پر راضی رہنا اُن کا شیوہ تھا۔ بالفرض اگر کسی کو اُن کی نسبی وجاہت معلوم نہ بھی ہو تو وہ اُن کے عالی شان اوصاف کو جان کر کہہ اُٹھے گا کہ یہ شخصیت اِس قابل ہے کہ اُس سے محبت کی جائے اور اُسے راہ نما و پیشوا بنایا جائے۔

---

[1] "معالِيَ الأمورِ وأشرافَها" وهي الأخلاقُ الشرعيةُ والخصالُ الدينيةُ، لا الأمورُ الدنيويةُ؛ فإنّ العُلُوَّ فيها نزولٌ۔ "ويكره سفسافها" أي حقيرَها ورَدِيئَها۔ فَمَن اتَّصفَ مِن عبيدِهِ بالأخلاقِ الزكيّةِ أحبَّهُ ومَن تحلّى بالأوصافِ الرَّديئةِ كَرِهَهُ۔ (فيض القدير: 295/2)

عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت

سرورِ عالم ﷺ کا ہر فعل "عالی شان اُمور" میں سے ہے، بلکہ عالی شان اُمور کی پہچان ہی آقا کریم ﷺ کے افعال سے ہوتی ہے، چنانچہ اللہ کریم کے پسندیدہ عالی شان اُمور کی عادت ڈالنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان سنتِ نبویہ کی پیروی کرے۔

شہزادۂ امام زین العابدین حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ایک زمین کی طرف پیدل تشریف لے جارہے تھے، راستے میں سیدنا نُعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات ہوئی، وہ خچر پر سوار تھے، اُنھوں نے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی سواری پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ سواری پر تشریف رکھیے! امام عالی مقام نے فرمایا کہ آپ ہی سوار رہیں۔ اُنھوں نے نہایت اِصرار کرتے ہوئے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دی کہ آپ سواری پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ آپ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کے پُرزور اصرار کو قبول کیا اور فرمایا: فَارْكَبْ عَلَى صَدْرِ دَابَّتِكَ، فَسَأُرْدِفُكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ تَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلرَّجُلُ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهِ وَصَدْرِ فِرَاشِهِ[1] وَالصَّلَاةِ فِي مَنْزِلِهِ إِلَّا إِمَامًا يَجْمَعُ النَّاسُ عَلَيْهِ۔» آپ اپنی سواری پر آگے بیٹھیں، مَیں آپ کے پیچھے بیٹھوں گا؛ کیونکہ مَیں نے اپنی والدہ ماجدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سیدِ عالَم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بیان کرتے ہوئے سنا ہے: (مفہوم) "سواری والے کا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی سواری پر آگے سوار ہو، بستر والے کا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے بستر کی اِعزازی جگہ پر بیٹھے، نیز (گھر میں باجماعت نماز پڑھی جائے تو اہلیت موجود ہونے کی صورت میں) گھر والا امامت کا زیادہ حق دار ہے، تاہم حاکمِ وقت موجود ہو تو اُس کا حق زیادہ ہے۔"

یہ حدیثِ مبارک سن کر سیدنا نُعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صَدَقَتْ بِنْتُ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ ﷺ، سَمِعْتُ أَبِي بَشِيرًا يَقُولُ كَمَا قَالَتْ فَاطِمَةُ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِلَّا مَنْ أَذِنَ۔» خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سچ فرمایا اور مَیں نے بھی اپنے والدِ گرامی سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشادِ نبوی بیان کرتے ہوئے سنا، آقا کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: (مفہوم) "تاہم اگر سواری والا اِجازت دے تو دوسرا شخص بھی آگے بیٹھ سکتا ہے۔" امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَرَكِبَ حُسَيْنٌ عَلَى السَّرْجِ وَرَدِفَهُ الْأَنْصَارِيُّ۔» نانا جان کا یہ ارشادِ عالی سن کر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری پر آگے تشریف فرما ہوگئے اور سیدنا نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے بیٹھ گئے۔ (المعجم الکبیر، ج:22، ص:414۔ معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ج:1، ص:398، حدیث:1116۔ مجمع الزوائد، حدیث:13231[2])

---

[1] بِأَنْ يُجْلَسَ فِي أَرْفَعِ تَكْرِمَتِهِ۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج:2، ص:339، المكتبة التجارية)

[2] في إسناده ضعفٌ، لكن طرقهُ متعددةٌ۔ ويؤيّدهُ حديثُ سيدِنا بُريدةَ رضي الله عنه: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمْشِي جَاءَ رَجُلٌ وَمَعَهُ حِمَارٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: «لَا، أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ مِنِّي إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي». قَالَ: فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُهُ لَكَ، فَرَكِبَ۔ (سنن أبي داود، رقم الحديث:2572)

عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور عاجزی و دل جوئی

انسان کا خود کو دوسروں سے بڑا سمجھتے ہوئے غرور و تکبّر کرنا انتہائی "گھٹیا امر" ہے، جب کہ دوسروں کو اپنے سے اچھا قرار دیتے ہوئے عاجزی کرنا "عالی شان اُمور" میں سے ہے۔ نیز کسی مسلمان کی دل آزاری کرنا اور کچھ دے کر احسان جتلانا یا تذلیل کرنا بہت "گھٹیا امر" ہے، جب کہ عزت افزائی کرنا، دل رکھنا اور حوصلہ بڑھانا "عالی شان اُمور" سے ہے اور ربّ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ عاجزی و دل جوئی کا سلیقہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھنا چاہیے۔

ایک مرتبہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند مسکینوں کے پاس سے گزرے، وہ کچھ کھا رہے تھے، انھوں نے آپ سے کہا: اَلْغِدَاءَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "ابو عبد اللہ (شہزادۂ رسول ﷺ)! آپ بھی کچھ تناول فرمایئے۔" امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری سے اُتر کر اُن کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے اور یہ آیتِ کریمہ پڑھی: إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔" [النحل 16:23]

کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے اُنھیں فرمایا: قَدْ أَجَبْتُكُمْ فَأَجِيْبُوْنِيْ۔ "میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے، اب تم بھی میری دعوت قبول کرو (اور میرے گھر میں آکر کھانا کھاؤ)۔" چنانچہ وہ تمام مسکین آپ کے ساتھ آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے، آپ نے اُنھیں کھلایا، پلایا اور تحائف عطا کیے، جس کے بعد وہ واپس روانہ ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن [تفسیر قرطبی]، تحت النحل:23)

کسی کو کچھ دینا اور بات ہے، مگر عزتِ نفس کا خیال رکھنا، بلکہ دے کر عزت افزائی کرنا اور بات ہے۔ ہمارے دَور میں دینے والے تو ہیں، اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہی ہیں، مگر دل جوئی کرنے والے اور عزت افزائی کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

تکبر کی وضاحت: تکبر "گھٹیا امر" ہے اور عاجزی "عالی شان اُمور" میں سے ہے۔ تکبر کیا ہوتا ہے؟[1] امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ماجدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: کیا خوب صورت و اعلیٰ لباس پہننا تکبر سے ہے؟ فرمایا: "نہیں۔" عرض کی: کیا عمدہ اُونٹنی پر بیٹھنا تکبر سے ہے؟ فرمایا: "نہیں۔" سوال کیا: کیا یہ تکبر سے ہے کہ مَیں کھانا تیار کر کے لوگوں کو دعوت دوں اور وہ میرے پیچھے چلتے ہوئے میرے پاس کھانے کے لیے آئیں؟ فرمایا: "نہیں۔" اُنھوں نے پوچھا: پھر تکبر کیا ہے؟ فرمایا: «أَنْ تُسَفِّهَ الْحَقَّ وَتَغْمِصَ النَّاسَ۔» یعنی "تکبر یہ ہے کہ تم حق کو قبول نہ کرو اور لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھو۔" (المعجم الکبیر، ج:3، ص:132، حدیث:2898)

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ۔ قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنَةً۔ قَالَ: إِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔» (صحیح مسلم، رقم الحدیث:91)

عالی شان اُمور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور تعلیم و تعلّم

علم سیکھنا اور سکھانا "عالی شان اُمور" سے ہے، جب کہ جہالت اور علم سے دُوری بہت "گھٹیا امر" ہے۔ باوجود یکہ آپ ﷺ مخلوق میں سب سے بڑے عالم ہیں، آپ کو حکم دیا گیا: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ "اور (اے محبوب!) دُعا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اِضافہ فرما!" [طٰہٰ 20:114] علما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کسی بھی چیز کے بارے میں اِضافہ کی چاہت رکھنے کا حکم نہیں دیا، فقط علم ہی وہ نعمت ہے جس میں اِضافہ کی دُعا تلقین فرمائی ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اِس عالی شان امر کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے اور اُمّت کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے نانا جان ﷺ کی مسجد شریف میں اُن کی نظرِ عنایت کے زیرِ سایہ حلقہ سجاتے تھے۔ ایک قریشی شخص کو مدینہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی، اُس نے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا تھا، جب کہ اِس سے پہلے اُس نے آپ کی زیارت نہیں کی تھی۔ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہچان کراتے ہوئے فرمایا: إِذَا دَخَلْتَ مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ، فَرَأَیْتَ حَلْقَةً فِیْهَا قَوْمٌ كَأَنَّ عَلٰی رُؤُوْسِهِمُ الطَّیْرَ فَتِلْكَ حَلْقَةُ أَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ مُؤَنَّزِرًا عَلٰی أَنْصَافِ سَاقَیْهِ، لَیْسَ فِیْهَا مِنَ الْهُزَیْلَا شَیْءٌ۔ جب تم مسجدِ نبوی شریف میں حاضر ہوگے تو ایک حلقہ نظر آئے گا جس میں لوگ یوں باادب بیٹھے ہوں گے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے ہیں، یہی ابو عبد اللہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلقہ ہوگا، مزید نشانی یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنا اِزار نصف پنڈلی تک اُونچا کیا ہوگا اور اُن کی محفل میں لہو و لعب کی کوئی معمولی سی بات بھی نہیں ہوگی۔

(تاریخ دمشق، ج:14، ص:179۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:1، ص:412)

معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پسندیدہ مشغلہ اور معمول تھا۔ جہاں ہم آپ سے اِظہارِ محبت کے لیے واقعۂ کربلا کا تذکرہ کرتے ہیں اور آپ کے نام کی محافل سجاتے ہیں، وہیں آپ کے ایصالِ ثواب کے لیے علمی محافل اور تربیتی نشستوں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے اور اِن میں شرکت کی سعادت بھی پانی چاہیے۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!

عالی شان امور... امام حسین رضی اللہ عنہ اور رِضا بقضا

بلاشبہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور اللہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ نہایت "گھٹیا امر" ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، جب کہ "عالی شان اُمور" میں سے ہے کہ انسان کہے: میرے ربّ نے میرے حق میں جو بھی مقدّر فرمایا ہے وہ بہتر ہے اور میں اُس پر دل و جان سے راضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی بہت خوب صورت مثال واقعۂ کربلا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ابھی بہت چھوٹی تھی کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی شہادت کا تذکرہ بھی فرمایا اور محبت کے سبب چشمانِ مبارک سے آنسو بھی جاری ہوئے، مولَی المسلمین سمیت تمام خاندان اور صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان کو معلوم تھا کہ شہزادۂ والا شان کو شہید کیا جائے گا، مگر نہ تو نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دُعا کی کہ واقعۂ کربلا ٹل جائے، نہ بابا جان نے کبھی یہ درخواست کی اور نہ ہی والدہ ماجدہ نے اِس خواہش کا اِظہار کیا، آخر کیوں؟

امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقا کو کربلا میں پیاس سے ستایا گیا، مگر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں اِس مشکل سے آسانی کے لیے دُعا نہیں کی، حالانکہ عراق کی طرف روانگی سے پہلے جب آپ مدینہ منوّرہ سے کوچ کر کے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو راستے میں حضرت عبد اللہ بن مُطیع رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، وہ اپنی زمین میں کنواں کھود رہے تھے، اُنھوں نے پوچھا: أَيْنَ؟ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے اپنا اِرادہ بتایا۔ پھر اُنھوں نے عرض کی: مَیں نے یہ کنواں کھودا ہے، مگر پانی بہت کم ہے، آپ دُعائے برکت فرما دیجیے۔ فرمایا: اُس کے پانی میں سے کچھ لاؤ۔ پانی پیش کیا گیا۔ مروی ہے: فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ مَضْمَضَ ثُمَّ رَدَّهُ فِي الْبِئْرِ، فَأَعْذَبَ وَأَمْهَى۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کچھ پانی نوش فرمایا، پھر اُس پانی سے کلّی کر کے اُسے کنویں میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کنویں کا پانی میٹھا بھی ہو گیا اور زیادہ بھی ہو گیا۔[1] دوسروں کے لیے یوں پانی کا انتظام کر دیتے ہیں تو اپنے لیے کیوں نہیں کیا؟

دراصل ربّ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ وہ اپنے پیارے بندے حسین رضی اللہ عنہ کی استقامت و ثابت قدمی کا امتحان لے اور اُسے دُنیا کے لیے سبق بنا دے۔ عبودیت و بندگی کا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کی مشیت و رِضا کے سامنے اپنی چاہت و مرضی کو ختم کر دے اور کہے: مالک! جو تیری مرضی ہے وہی میری چاہت ہے۔ عارفِ کھڑی میاں محمد بخش علیہ الرحمہ (م: ۱۳۲۴ھ / 1907ء) نے خوب کہا:

ہوندی قُوّت زور نہ لایا، بیٹھے مَن رِضائیں
پانی باجھ پیاسے چلّے، دِین دُنی دے سائیں[2]

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:5، ص:110، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:14، ص:182، دار الفکر۔

[2] کلامِ میاں محمد بخش علیہ الرحمہ، ص:67، چشتی کتب خانہ۔ شعر کا مفہوم: طاقت و قدرت ہونے کے باوجود اُسے استعمال نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے، پانی (اختیار میں) ہونے کے باوجود دین و دُنیا کے مالک دُنیا سے پیاسے تشریف لے گئے۔

امتحان کے وقت جان دینے سے ڈرنا بہادروں کا کام نہیں، دُعا کے ذریعے تقدیرِ معلّق بدل جاتی ہے، مگر ایسا کرتے تو قیامت تک مخلوقِ خدا کے لیے ربّ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی یہ بہترین مثال سامنے نہ آتی۔ یوں یہ پیاس بھی اپنی پسند سے تھی اور یہ شہادت بھی اپنے اختیار سے تھی۔ استاذِ زمن برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا بریلوی علیہما الرحمہ نے خوب کہا:

نہ ہوتے گر حسین ابن علی اِس پیاس کے بھوکے
نکل آتی زمینِ کربلا سے نہر جنت کی

مگر مقصود تھا پیاسا گلا ہی اُن کو کٹوانا
کہ خواہش پیاس سے بڑھتی رہے رُویت کے شربت کی

حرفِ آخر... حسینی کردار کی ضرورت

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَأَشْرَافَهَا، وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا۔» یعنی "اللہ تعالیٰ عالی شان اور عمدہ اُمور کو پسند فرماتا ہے، جب کہ گھٹیا اُمور اُسے ناپسند ہیں۔"

"عالی شان اُمور" میں عاجزی، مسلمانوں کی دل جوئی، سچائی، دیانت داری، علم سیکھنا اور سکھانا، حیادار ہونا، برداشت کرنا، سخاوت، بہادری اور ربّ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا وغیرہ شرعی اخلاق وعادات شامل ہیں... جب کہ تکبّر، دل آزاری، جہالت، بے حیائی و بے پردگی، بدکاری وبدنگاہی، ناحق جھگڑا، جھوٹ، ظلم، بے جا غصہ اور لالچ وحسد وغیرہ "گھٹیا اُمور" سے ہیں۔

جس خوش نصیب کو "عالی شان اُمور" کی توفیق عطا ہو ربّ تعالیٰ خود بھی اُس سے محبت فرماتا ہے اور مخلوق کے دلوں میں بھی اُس کا پیار ڈال دیتا ہے، جب کہ گھٹیا اُمور کو اپنانے والا اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہوتا ہے اور لوگ بھی اُس سے نفرت کرتے ہیں۔

شہزادۂ رسول، جگر پارۂ بتول سالارِ کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اُن کی محبتوں کے چراغ روشن ہیں، اِس نسبت کے ساتھ ساتھ حُسینِ پاک کا کردار بھی اتنا حَسین ہے کہ اگر اُن کی سیرت کو اپنایا جائے تو انسان "عالی شان اُمور" کا عادی ہو کر ربّ تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے۔ وہ اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا پیکر بھی ہیں، غریب پرور و بندہ نواز بھی ہیں، معلّم ومربّی بھی ہیں اور دیگر بے شمار خوبیوں کے علاوہ اُنھوں نے کربلا میں اپنے ربّ کریم کی رضا پر راضی رہنے کی ایسی مثال قائم کی ہے جو قیامت تک اہلِ ایمان کے ایمان کو تازگی اور جلا بخشتی رہے گی۔

اگر ہم نے اپنی نئی نسل کو امام حسین اور دیگر صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی سیرت سے روشناس کروایا ہوتا تو اسلامیہ یونی ورسٹی (بہاولپور) کے سانحہ جیسے شرم ناک واقعات سامنے نہ آتے، بلکہ ہمارے نوجوان جذبۂ ایمان اور دولتِ حیا سے سرشار ہوتے۔

۱۶ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ / 04 اگست 2023ء

مقبولِ بارگاہِ الٰہی، منظورِ نگاہِ نبوی، مؤذّنِ اوّل، خازنِ رسول ﷺ

سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ

مشمولات

- اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت عطا فرمائے
- سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- مقبولِ بارگاہِ الٰہی
- منظورِ نگاہِ نبوی
- سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے ماتحتوں کے حقوق کی وضاحت
- جنت اور اُس میں خدمت گزاری کی بشارت
- مؤذّنِ اوّل
- تذکرۂ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ نکات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰىکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ۔ [الحجرٰت49:13]

اللہ تعالیٰ تمام عزتوں کا مالک ہے، وہ جسے چاہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے عزت سے محروم کر دیتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ مفہومِ آیت یہ کہ "اے حبیب! بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیجیے: اے اللہ! مُلک کے مالک! تُو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تُو جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذِلّت میں مبتلا کرتا ہے، تمام بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:26]

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو لوگ اہمیت نہیں دیتے؛ کیونکہ اُس کی حالت پُرکشش دکھائی نہیں دیتی، اُس کے پاس ظاہری حُسن وجمال اور دَولت ومنصب وغیرہ نہیں ہوتے، جب کہ وہ شخص بارگاہِ الٰہی میں ایسا مقبول ہوتا ہے کہ وہ جیسے عرض کر دے ربّ تعالیٰ ویسے ہی کرم فرما دیتا ہے؛ کیونکہ اللہ کریم کے ہاں عزت کا معیار دُنیاوی دَولت ومنصب نہیں، وہاں دل کا تقویٰ منظور ومقبول ہوتا ہے۔

وہ خوش نصیب جنھیں عام لوگ تو نہیں پہچان پائے، مگر ربّ تعالیٰ نے اُنھیں بہت اُونچا مقام بخشا اُن میں ایک بہت خوب صورت نام سید المؤذنین حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ناقدر شناسوں کی نظر اُن کی ظاہری رنگت اور نسب ونسل تک ہی رہی، جب کہ اُن کے نورِ باطن کا عالم یہ تھا کہ متعدد قرآنی آیات اور دسیوں احادیثِ نبویہ اُن کی عزت افزائی کرتی ہیں، حتّٰی کہ امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «أَبُوْ بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا۔»[1] یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سردار ہیں اور اُن کے آزاد کردہ پیارے بلال بھی اُمّت کے سر کا تاج ہیں۔ (صحیح بخاری، رقم:3754)

سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کو بہت سے اوصافِ حمیدہ عطا ہوئے تھے: آپ کا دل محبتِ الٰہی سے یوں آباد تھا کہ جب اسلام قبول کرنے پر اُنھیں بے حد ستایا جاتا تب بھی اُن کی زبان پر أَحَد أَحَد (ایک ہی خدا ہے، ایک ہی خدا ہے) ہی جاری رہتا... عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی ایسی نصیب تھی کہ وقتِ وصال بھی آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خوشی میں مچل رہے تھے... مجاہد ایسے کہ کسی بھی غزوہ میں غیر حاضری نہیں ہوئی... اور نماز وروزہ کی پابندی ایسی تھی کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی برکت سے جنت میں اُن کے چلنے کی آواز سماعت فرمائی۔

بلاشبہ آج بھی دُنیا کو آپ کی سیرتِ مبارکہ سے روشنی حاصل کرنے کی بے حدّ ضرورت ہے۔ چنانچہ یومِ وصال کی مناسبت سے آج خطبہ میں آپ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] اَلسَّيِّدُ الْأَوَّلُ حَقِيْقَةٌ وَالسَّيِّدُ الثَّانِيْ مَجَازٌ؛ لِأَنَّهٗ قَالَهٗ تَوَاضُعًا. وَيُقَالُ: مَعْنَاهُ أَنَّهٗ مِنْ سَادَةِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ (عمدۃ القاری)

سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

مؤذنِ رسولِ مکرّم، خازنِ نبیِ اکرم ﷺ، سیدنا بلال بن رَباح حَبَشی رضی اللہ عنہ کی ولادت یمن اور عرب کے درمیان واقع علاقہ سَرَاۃ میں ہوئی، ننھیالی علاقہ حبشہ ہے؛ اِس لیے حَبَشی کہا جاتا ہے۔ اندازہ ہے کہ میلادِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔

باری تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ اعلانِ نبوّت کے بعد پہلے پہل اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔ قبولِ اسلام کے بعد سخت تکلیفیں دی گئیں، مگر ثابت قدم رہے، پھر کچھ عرصہ بعد سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کر کے خریدا اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا۔ آپ کی آزادی سے متعلق ربّ تعالیٰ نے کلامِ مجید کی آیاتِ کریمہ بھی نازل فرمائیں۔[1]

آپ کی والدہ ماجدہ سیدتنا حَمامہ، بھائی سیدنا خالد اور ہمشیرہ سیدتنا غُفرہ (یا عُفرہ) رضی اللہ عنہم... سبھی غلام، باندیاں تھے، مگر ربّ تعالیٰ کے کرم سے تمام کو اسلام کی توفیق عطا ہوئی اور بے پناہ عزتیں ملیں۔[2] کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی نے حقارت کی نظر سے دیکھا تو اللہ کریم نے آیت نازل فرما کر یارِ رحمتِ عالم ﷺ نے کچھ ارشاد فرما کر آپ کی عزت افزائی کی اور تحقیر کرنے والوں کی اِصلاح فرمائی۔[3]

ہجرت کے بعد جب نمازِ باجماعت کے لیے اذان کا آغاز ہوا تو آقا کریم ﷺ کے حکم سے پہلی اذان آپ نے ہی کہی، پھر جب تک مدینہ منورہ میں رہے یہ اعزاز حاصل رہا۔ تمام غزوات میں شرکت کی اور دیگر کارہائے خیر میں بھی پیش پیش رہے۔ اُن کا زیادہ تر وقت، بلکہ تقریباً سارا وقت سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں گزرتا تھا۔

وصالِ نبوی کے بعد جُدائی میں بے تاب رہتے، دورِ صدیقی میں جہاد کے لیے شام جانے کا ارادہ کیا، مگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِصرار پر مدینہ طیبہ میں ہی رہے، اُن کے وصالِ مبارک کے بعد شام تشریف لے گئے۔

ساٹھ سال سے زیادہ عمر پانے کے بعد دورِ فاروقی میں 20ھ کو شام کے دار الحکومت دِمَشق میں وصال ہوا اور نمازِ جنازہ کے بعد وہیں تدفین ہوئی۔[4] تاریخِ وصال 20 محرم الحرام مشہور ہے۔[5]

---

[1] دیکھیے: اللیل 92:17 تا 21

[2] المستدرک علی الصحیحین، رقم: 5236

[3] دیکھیے: الحجرٰت 49:13۔ الکہف 18:28، 29۔ صحیح بخاری، حدیث: 6050

[4] توفّی بلالٌ بدمشقَ سنةَ عشرین، ودُفن عند باب الصغیرِ فی مقبرةِ دمشق، وھو ابنُ بضعٍ وستینَ سنةً، وذلك فی خلافةِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ (طبقات کبریٰ، ج:7، ص:270، دار الکتب العلمیۃ) نیز دیکھیے "جمالِ بلال" از مولانا محمد علی رضاء القادری، مطبوعہ اکبر بک سیلرز

[5] تاریخ وسالِ وصال میں دیگر روایات بھی ہیں۔ مقصود شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہوتا ہے، خواہ تاریخ وماہِ وصال کوئی بھی ہو۔

مقبولِ بارگاہِ الٰہی

یہ حقیقت ہے کہ معزّز وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت ووجاہت حاصل ہے، خواہ دُنیادار لوگ اُسے کچھ بھی نہ سمجھیں، اِس کے برعکس جسے اُس بارگاہ سے اِعزاز نصیب نہیں، وہ دُنیا کے تمام اسباب جمع کرلے تو بھی بے وُقعت ہے۔

سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ الٰہی میں کس قدر مقبولیت حاصل ہے؟ اِس کا اندازہ آیتِ قرآنیہ سے کیا جاسکتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر جب رسولِ مکرّم ﷺ کے حکم سے سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبۂ مشرّفہ کی چھت پر اذان دینے کے لیے چڑھے تو جاہلیت کے تکبّر میں مست لوگوں کو بہت عجیب لگا کہ عرب وعجم کے مرکز میں ایک عجمی کا ایسا اعزاز! بلند نسب والے عربوں کی موجودگی میں ایک حبشی کی ایسی عزت افزائی! حسینوں کے جھرمٹ میں ایک سیاہ فام کو کعبے کی چھت پر چڑھادیا گیا ہے!

اِسی اثنا میں عتّاب بن اَسید نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَبَضَ أَبِیْ حَتّٰی لَا یَرٰی هٰذَا الْیَوْمَ۔ یعنی شکر ہے کہ میرا باپ یہ دن دیکھنے سے پہلے مر گیا ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں نے بھی ایسی ہی باتیں کیں۔ ابوسفیان (فتحِ مکہ کے موقع پر ہی آپ نے اسلام قبول کیا تھا) کہنے لگے: إِنِّیْ لَا أَقُوْلُ شَیْئًا، أَخَافُ أَنْ یُّخْبِرَ بِهٖ رَبُّ السَّمَاءِ۔ یعنی مَیں کچھ نہیں کہتا، اگر مَیں نے کچھ کہا تو آسمان کا ربّ اُنھیں بتادے گا۔ اتنے میں خادمِ سلطانِ عرب سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام نے حاضر ہوکر سرورِ عالم ﷺ کے سامنے سب باتوں کے بارے میں عرض کردیا، آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو بلاکر فرمایا: قَدْ عَلِمْتُ الَّذِیْ قُلْتُمْ۔ ”تم نے جو کچھ کہا ہے مجھے سب پتا چل گیا ہے۔“

چنانچہ اُنھوں نے اپنی باتوں کا اِقرار کیا، حضرت عتّاب بن اَسید اور حارث بن ہِشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل کی دنیا بدل گئی، کہنے لگے: نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ مَا اطَّلَعَ عَلٰی هٰذَا أَحَدٌ كَانَ مَعَنَا، فَنَقُوْلَ أَخْبَرَكَ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، قسم بخدا! اُس وقت ہمارے پاس کوئی اور شخص تھا ہی نہیں کہ ہم کہیں اُس نے ہماری باتیں سن کر مُخبری کی ہے۔

ایک روایت کے مطابق اِسی موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ [الحجرٰت 49: 13] ”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔“ (الجامع لاحکام القرآن [تفسیر قرطبی]، تحت الآیۃ۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:4، ص:347، دار احیاء التراث العربی)

شانِ نزول کے تناظر میں آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے رنگ ونسب پر تکبّر کرتے ہوئے بلال رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی پر تعجّب کرنے والو! اُسے دل کا تقوٰی نصیب ہے اور پاکیزہ دل والوں کو مَیں دونوں جہان کی عزتوں سے نوازتا ہوں۔

اِس روایت میں ہمارے لیے یہ بھی سبق ہے کہ جاہلانہ سوچ کو ختم کرتے ہوئے تقوٰی کو عزت کا معیار سمجھنا چاہیے۔

منظورِ نگاہِ نبوی

نگاہِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی عظمت وشان کا تذکرہ کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا　　اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

خواجہ غلام قطب الدین فریدی نے فرمایا:

اُس طرف بارشِ انوار مسلسل ہو گی
جس طرف چشمِ محمد کے اِشارے ہوں گے

اُٹھ گئی جب تری جانب وہ کرم بار نظر
اُس گھڑی قطب ترے وارے نیارے ہوں گے

سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں، جو ہر گھڑی منظورِ نگاہِ نبوی تھے اور اب بھی ہیں۔

امام الانبیا ﷺ کی کرم نوازی تھی کہ اپنی بلند شان کے باوجود سیدنا بلال حبشی اور دیگر معاشی طور پر خستہ حال صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو اپنی بارگاہ سے دُور نہیں فرماتے تھے۔ ایک موقع پر کافر سرداروں نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر کہا: اِن کمزور لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے، اگر آپ اِنھیں اپنے پاس سے اُٹھادیں اور ہمارے لیے الگ نشست کا اہتمام کریں تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ اِس پر ربّ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ... یعنی "(اے حبیبِ مکرّم!) اور اپنی جان کو اُن لوگوں کے ساتھ مانوس رکھیے جو صبح وشام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں، اُس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ اپنی آنکھیں (توجّہ) اِن سے نہ ہٹائیں۔۔۔" [الکہف 28:18]

مزید فرمایا: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ... یعنی "(اے حبیبِ مکرّم!) اور آپ فرمادیجیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے (بہر حال تمہاری خاطر اِن کو اپنے پاس سے نہیں اُٹھاؤں گا)۔" [الکہف 29:18] معلوم ہوا کہ سیدنا بلال حبشی اُن افراد میں سے ہیں جنھیں نگاہ میں رکھنے کا حکم باری تعالیٰ نے دیا ہے۔

لمحۂ فکریہ: بعض بدبخت خصوصاً محرم الحرام میں خلفائے راشدین علیہم الرضوان اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخیاں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ باری تعالیٰ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازیبا بات پر آیتِ کریمہ نازل فرما کر تحقیر کرنے والوں کو تنبیہ فرماتا ہے تو خود صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین پر اُس کے غضب وجلال کا کیا عالم ہو گا!

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے ماتحتوں کے حقوق کی وضاحت

دَورِ جاہلیت میں کمزوروں کی حق تلفی اور اُن پر ظلم و ستم معمول کی بات تھی؛ کیونکہ وڈیرے کہتے تھے کہ یہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں! ہمارے دَور میں بھی یہ جاہلانہ سوچ اور رویّہ عروج پر ہے۔ آج بھی طاقت وَر لوگ، خواہ وہ سیاست دان ہوں، جاگیر دار ہوں یا کسی اور طبقہ سے تعلّق رکھنے والے... سبھی اِس گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کمزور ہمارا کیا بگاڑ لے گا!

ایک صاحب نے کسی موقع پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کہا: ”اے حبشی خاتون کے بیٹے!“، اِس جملے سے اُن کی بہت دل آزاری ہوئی۔ اُنھوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بات کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہنے والے صاحب کو فرمایا: ”کیا تم نے فلاں شخص (بلال) کو ماں کی گالی دی ہے؟“ اُن صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ۔ ”تمہارے اندر (ابھی تک) جاہلیت (کی ایک عادت) موجود ہے۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 30، 6050)

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت فرماتے ہی اُنھوں نے فوراً اپنی غلطی سے توبہ کی اور نہایت عاجزی کا اِظہار کرتے ہوئے زمین پر لیٹ کر اپنا چہرہ زمین پہ رکھا اور کہنے لگے: اب مَیں اپنا چہرہ زمین سے تب اُٹھاؤں گا جب بلال رضی اللہ عنہ میرے رُخسار پر اپنا پاؤں رکھیں (تاکہ میرے دل سے تکبّر کا مکمل خاتمہ ہو جائے)۔[1]

اُن صاحب نے وہ سخت جملہ اُس وقت کہا جب اُنھیں معلوم نہیں تھا کہ ایسے الفاظ کہنا ممنوع ہے۔[2] بعد میں اُنھوں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے نہایت عالی شان اوصاف اختیار کیے، عبادت و زُہد اور تقوٰی و طہارت میں ایسی اعلیٰ شان پائی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِي ذَرٍّ۔»[3] یعنی ”ابو ذر (جُندب غِفاری) آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر حدّ درجے کا سچا انسان ہے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 3801)

جب سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے وہ سخت جملہ کہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تربیت کرتے ہوئے اُنھیں یہ بھی فرمایا تھا: هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ،[4] فَمَنْ جَعَلَ اللهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ،

---

[1] فَأَلْقَى أَبُو ذَرٍّ نَفْسَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ وَضَعَ خَدَّهُ عَلَى التُّرَابِ، وَقَالَ: وَاللهِ لَا أَرْفَعُ خَدِّيْ مِنَ التُّرَابِ حَتّٰى يَطَأَ بِلَالٌ خَدِّيْ بِقَدَمِهِ، فَوَطَأَ خَدَّهُ بِقَدَمِهِ۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب المعاصی من أمر الجاهلیة، ج:1، ص:88، مکتبة الرشد)

[2] وَيَظْهَرُ لِيْ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ مِنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَبْلَ أَنْ يَعْرِفَ تَحْرِيْمَهُ۔ (فتح الباری لابن حجر، ج:1، ص:87)

[3] يُرِيْدُ بِهِ التَّأْكِيْدَ وَالْمُبَالَغَةَ فِيْ صِدْقِهِ، يَعْنِيْ هُوَ مُتَنَاهٍ فِي الصِّدْقِ، لَا أَنَّهُ أَصْدَقُ مِنْ غَيْرِهِ مُطْلَقًا۔ (فیض القدیر، ج:5، ص:423)

[4] هُمْ: اَلْخَدَمُ، سَوَاءٌ كَانُوْا أَرِقَّاءَ أَوْ لَا۔ إِخْوَانُكُمْ: فِي الْإِسْلَامِ أَوْ مِنْ أَوْلَادِ آدَمَ۔ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ: بِالْمِلْكِ وَالْاِسْتِئْجَارِ۔ (إرشاد الساری)

وَلَا يُكَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ،[1] فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ۔ یعنی ”(تمہارے غلام وخُدّام) تمہارے (دینی) بھائی ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے (تمہاری آزمائش کے لیے) تمہارے ماتحت کیا ہے (اگر ربّ تعالیٰ چاہتا تو تم ماتحت اور وہ افسر ہوتے)، لہٰذا جس کے بھائی کو اللہ نے اُس کا ماتحت بنایا تو (بہتر ہے کہ) وہ اُسے اُس میں سے کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اُس میں سے پہنائے جو خود پہنتا ہے اور (لازم ہے کہ) اُسے ایسے کام کی ذمہ داری نہ دے جو اُس کے بس میں نہیں، اگر طاقت سے زیادہ کام ذمے لگائے تو اُس کی مدد کرے۔“

سیدنا ابوذرّ جُندب رضی اللہ عنہ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس حکم پر یوں عمل کیا کہ حضرت مَعْرور بن سُوَید علیہ الرحمہ نے اُنھیں اور اُن کے ایک غلام کو دیکھا کہ دونوں نے ایک ہی طرح کی عمدہ چادریں پہن رکھی تھیں۔ معرور علیہ الرحمہ نے مالک اور غلام کا لباس یکساں ہونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے مذکورہ حدیث مبارک سنائی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6050) گویا فرمایا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ماتحتوں کے ساتھ ناانصافی سے روکا تھا، اب زندگی بھر اُس حکمِ عالی کو نبھاتے ہوئے اپنے غلاموں کو بھی وہی پہناؤں گا جو خود پہنتا ہوں۔

لمحۂ فکریہ: موجودہ دَور کو ترقّی یافتہ دَور کہا جاتا ہے، مگر اخلاقی صورتِ حال وہی دَورِ جاہلیت والی ہی ہے۔ ”منی پور“ سمیت مختلف بھارتی ریاستوں میں ذات پات کی بنیاد پر لڑائیوں کی صورت حال ہو یا پاکستان میں ایک جج کی بیوی کی طرف سے گھریلو ملازمہ پر تشدد کا واقعہ... امریکہ اور اتحادیوں کی طرف سے مخالف قیدیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہو یا اسلامیہ یونی ورسٹی جیسے غیر اخلاقی سانحات... بلامبالغہ آج بھی اُن حسین کلمات پر عمل کی ضرورت ہے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق فرمائے تھے۔

کمزور کی حق تلفی کرتے ہوئے نہ جانے لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اگرچہ یہ کمزور کچھ نہیں کر سکتا، مگر اِس کا ربّ سب کچھ کر سکتا ہے۔ سیدنا ابو مسعود عُقبہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَیں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا (شاید غصّے میں آپ نے اُسے اُس کی غلطی سے کچھ زیادہ مار دیا تھا)، مَیں نے اپنے پیچھے کسی کو یہ بات کہتے سنا: اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ۔ یعنی ”ابو مسعود! جان لو، جتنی تمہیں اِس غلام پر قدرت ہے، اِس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تجھ پر قادر ہے۔“

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَیں نے مُڑ کر دیکھا تو یہ کہنے والی شخصیت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ (سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم اور اِرشادِ پاک کی برکت سے میرا غصہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا اور) مَیں نے (اپنی غلطی کا اِزالہ کرنے کے لیے) کہا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ۔ یارسول اللہ! مَیں نے اِسے اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے آزاد کیا۔ جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ۔ ”سنو! اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں آگ جلاتی۔“ (کیونکہ ظلم کا انجام استحقاقِ جہنم ہے، تاہم غلام کو آزاد کرنے سے غلطی کا کفّارہ ہو گیا)۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1659)

---

[1] أَيْ: لَا يُكَلِّفُهُ مَا لَا يُطِيْقُ۔ (عمدۃ القاری)

جنت اور اُس میں خدمت گزاری کی بشارت

عام لوگ اِطاعت و بندگی کے تقاضے پورے کرنے میں سست ہوتے ہیں، اِنھیں اگر خوش خبری ملے تو سمجھتے ہیں کہ کامیابی کا مُژدہ سن لیا ہے، اب محنت کی کیا ضرورت ہے... جب کہ محبوبانِ خدا کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اُنھیں جس قدر بشارتیں عطا ہوں وہ شکرانے کے طور پر اُتنی ہی زیادہ فرماں برداری و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اُن افراد میں سے ہیں جنھیں صرف جنت ہی نہیں، بلکہ جنت میں خادمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بھی بشارت ملی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ۔ یعنی "اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے (از خود) جو اچھے اعمال کیے ہیں اُن میں سے کس عمل کے سبب (آپ کو رحمتِ الٰہی کی) سب سے زیادہ اُمّید ہے؟ مَیں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔"[1] اُنھوں نے عرض کی: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي: أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اُمّید افزا عمل یہ ہے کہ مَیں رات یا دن کسی بھی لمحے میں طہارت (وضو، غسل یا تیمّم) کروں تو اُس کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہوں، جتنی مقدر میں لکھی گئی ہے۔

(صحیح بخاری، حدیث: 1149)

سیدنا بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب عرض کیا تھا: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا۔ یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! سب سے زیادہ اُمّید افزا عمل یہ ہے کہ مَیں جب بھی اذان کہتا ہوں تو دو رکعات ادا کر لیتا ہوں اور جب بھی وضو ٹوٹتا ہے تو (دوبارہ) وضو کر لیتا ہوں۔ اُن کے اِس جواب پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بِهِذَا» "اِسی عمل کی برکت سے (اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ اعزاز دیا ہے کہ مَیں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے چلنے کی آواز سنی ہے)۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 5245)

علمائے کرام نے لکھا: وضو کے بعد وقتِ مکروہ نہ ہو تو اعضا خشک ہونے سے پہلے دو رکعات ادا کرنا مستحب ہے، اِن نوافل کو تَحِيَّةُ الْوُضُوْء کہا جاتا ہے، البتہ وضو کے بعد فرض وغیرہ ادا کرے تو وہ اِن نوافل کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ اِسی طرح غسل کے بعد بھی دو رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔ (بہارِ شریعت، ج: 1، ح: 4، ص: 675، ملخصًا)

---

[1] سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جانا ایسے ہی ہے جیسے خدمت گزاری کے لیے بادشاہوں کے آگے خدام چلتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح)

مؤذّنِ اوّل

مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ طلب فرمایا کہ نماز باجماعت کا اعلان کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ عرض کی گئی: "باجا بجالیا جائے"، آپ ﷺ نے یہ تجویز مسترد کر دی؛ کیونکہ باجا بجانا یہودیوں کا طریقہ تھا۔ یہ بھی عرض کی گئی: "ناقُوس (بڑی گھنٹی جو عموماً عصری تعلیمی اِداروں میں چھٹی کے وقت بجائی جاتی ہے) بجانے کا انتظام کر لیا جائے"، مگر یہ تجویز بھی قبول نہ ہوئی؛ کیونکہ عیسائی ناقوس بجاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتے نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں اذان سکھائی۔[1] اُنھوں نے صبح بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنا خواب سنایا تو جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللهُ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ، فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ، فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ؛ فَإِنَّهُ أَنْدَى صَوْتًا مِنْكَ۔[2] یعنی "اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یہ ضرور سچا خواب ہے، اُٹھو اور جو خواب میں دیکھا ہے وہ بلال کو سکھاؤ، وہ اِن کلمات کے ساتھ اذان کہے؛ تمہاری بنسبت اُس کی آواز بلند اور خوب صورت ہے۔" (سنن ابو داؤد، حدیث:499)

چنانچہ پہلی اذان سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہی اور پھر سرکارِ دوعالم ﷺ کے وصالِ اقدس تک، بلکہ وصالِ اقدس کے بعد بھی وہ مسجدِ نبوی کے مؤذّن رہے۔[3]

اِس حدیثِ مبارک میں یہ بھی تربیت ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کفار کے ساتھ مشابہت سے بچنا چاہیے؛ اِسی لیے تو اعلانِ نماز کے لیے باجا اور ناقوس قبول نہیں ہوا تھا۔

نیز اِس ارشادِ نبوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان میں لکنت یا آواز میں عیب نہیں تھا۔ یہ روایت بے اصل ہے کہ زبان میں لکنت کی وجہ سے بعض لوگوں نے اُن کی اذان پر اعتراض کیا تھا، چنانچہ اُنھوں نے اذان نہیں دی تھی تو اُن کے اذان کہنے تک صبح نہیں ہوئی۔

---

[1] عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَشَارَ النَّاسَ لِمَا يُهِمُّهُمْ إِلَى الصَّلَاةِ، فَذَكَرُوا الْبُوقَ، فَكَرِهَهُ مِنْ أَجْلِ الْيَهُودِ، ثُمَّ ذَكَرُوا النَّاقُوسَ، فَكَرِهَهُ مِنْ أَجْلِ النَّصَارَى، فَأُرِيَ النِّدَاءَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَطَرَقَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَيْلًا، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِلَالًا بِهِ، فَأَذَّنَ۔» (متفق علیہ واللفظ لابن ماجہ، حدیث:707)

[2] فَإِنَّهُ أَنْدَى صَوْتًا مِنْكَ: قِيلَ مَعْنَاهُ أَرْفَعُ صَوْتًا، وَقِيلَ أَطْيَبُ۔ (شرح النووی علی مسلم)

[3] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود عینی علیہ الرحمہ نے لکھا: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفا کے ادوار میں اذان نہ کہنا دلیلِ صحیح سے ثابت نہیں۔ (نخب الافکار، ج:3، ص:40)

حرفِ آخر... تذکرۂ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ نکات

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ فیض اور تربیت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ بلند مراتب پائے کہ قیامت تک خیر کے کاموں میں اُن کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔ شاعرِ دربارِ اقدس سیدنا حسّان رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ایک حبشی شعر کا عربی میں ترجمہ کرتے ہوئے کہا:

إِذَا الْمَكَارِمُ فِيْ آفَاقِنَا ذُكِرَتْ
فَإِنَّمَا بِكَ فِيْنَا يُضْرَبُ الْمَثَلُ[1]

(یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب بھی آفاق میں قابلِ تکریم باتوں اور اعلیٰ اخلاق کا ذکر ہوگا تو آپ کی برکت سے ہماری ہی مثالیں دی جائیں گی)

سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ مبارکہ بھی بلاشبہ لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔ آج کے خطبہ میں ذکر کی گئی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے تربیت ملتی ہے کہ:

⟸ حُسن وجمال، دولت ومنصب اور رنگ ونسل کو عزت کا معیار سمجھنا جاہلانہ سوچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت وتکریم اُس کی ہے جسے تقویٰ وپرہیزگاری کی توفیق نصیب ہے۔ دل ستھرا تھا تو بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کو سردارانِ عرب کی موجودگی میں کعبہ کی چھت پر چڑھایا گیا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلال رضی اللہ عنہ اُمّت کے سرداروں میں سے ہیں۔

⟸ اخلاص کے ساتھ نمازِ پنج گانہ باجماعت ادا کرنے والے خوش نصیبوں کو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہِ کرم میں رکھتے ہیں، اِس کا خود باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا،[2] سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کا منظورِ نظر ہونا آیتِ کریمہ کی عملی تفسیر ہے۔

⟸ کمزوروں، ماتحتوں اور ملازمین کو بے بس سمجھ کر اُن کی حق تلفی کرنے والا جاہلانہ عادت میں مبتلا ہے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی حق تلفی پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِظہارِ جلال فرمایا اور ماتحتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی۔

⟸ باوضو رہنا اور تحیۃ المسجد ادا کرنا بہت پسندیدہ عمل ہے، اِس کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز سماعت فرمائی۔

⟸ غیر مسلموں کا طریقہ اپنانا اور اُن کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا نہایت بُرا عمل ہے، مشابہت سے بچنے کے لیے ہی باجے اور ناقوس کو ردّ کیا گیا، پھر ربّ تعالیٰ کے کرم سے اذان سکھائی گئی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اذان دی۔

⟸ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں بدزبانی کرنے والے پر ربّ تعالیٰ غضب فرماتا ہے، جیسا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی تحقیر کرنے والوں کی تردید کے لیے آیات نازل ہوئیں۔

---

[1] الکشکول، بہاء الدین محمد ہذانی، ج:1، ص:237، دار الکتب العلمیہ۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس پر حبشی زبان میں یہ شعر اب بھی لکھا ہوا ہے۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیرِ تبیان القرآن، تحت الأنعام 6:52

۲۳ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ/11 اگست 2023ء

پاکستان کی منزلِ مقصود اور اُس تک رسائی کے ذرائع

(یومِ آزادی کی مناسبت سے)

مشمولات

- یومِ آزادی بامقصد طریقہ سے منانے کی اہمیت
- پاکستان کی منزلِ مقصود... اسلامی نظام کا نفاذ
- دوست اور دشمن کی پہچان
- متوسلینِ اعلیٰ حضرت بریلوی اور شیخ الاسلام سیالوی رحمۃ اللہ علیہما کی مخالفین سے بیزاری
- قائد/لیڈر کے اوصاف... اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی آرزو
- فکری آزادی
- نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ
- قیادت کا صحیح انتخاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ [المائدۃ 5:45]

ربّ تعالیٰ کے احسانات پر اُس کا شکر ادا کرنا بندگی کا تقاضا بھی ہے اور نعمتوں میں اِضافہ کا بہترین ذریعہ بھی ہے، اِسی تناظر میں ہر سال 14 اگست کو "یومِ آزادیٔ پاکستان" کے طور پر منایا جاتا ہے اور اِس سلسلے میں مختلف تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔

یومِ آزادی کو اگر بامقصد طریقے سے منایا جائے تو بلاشبہ یہ رسمی تہوار نہیں، بلکہ قوم کو ایک لڑی میں پرونے اور اُن کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرنے کا حسین موقع ہے، لیکن افسوس! اِس عظیم دن کو دانستہ یا نادانستہ طور پر رسمی کاموں میں ضائع کر دیا جاتا ہے۔ تقریباً 99٪ پاکستانیوں کا یومِ آزادی یوں ہی گزرتا ہے کہ چند نغمے سن لیتے ہیں اور لیڈر وطن سے زبانی محبت پر مبنی تقریریں کر دیتے ہیں، نیز کچھ تقریبات کے انعقاد کے ساتھ ساتھ سیر و تفریح اور ہلّا گلّا ہو جاتا ہے۔

ہونا یہ چاہیے کہ یومِ آزادی کے موقع پر نئی نسل کی تربیت کی جائے کہ:

⇐ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور اگر ہم آزاد نہ ہوتے تو ہماری صورتِ حال کیا ہوتی؟

⇐ برصغیر کی تاریخ کیا ہے؟ پاکستان کی منزلِ مقصود کیا تھی؟ یہ ملک بنانے کے لیے بے پناہ قربانیاں کیوں دی گئیں؟ اور کیا ہم نے اپنی منزلِ مقصود حاصل کر لی؟ اگر نہیں تو اُسے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

⇐ وہ کون سی کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کا خاتمہ ہوا؟ آج ہم اُنہی کمزوریوں میں کیوں مبتلا ہیں اور اُن کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟

⇐ انگریز نے ہماری تہذیب و ثقافت اور نظامِ تعلیم کو کس طرح تبدیل کر کے ہمیں فکری طور پر غلام بنایا اور آج ہمیں اپنی اصل اقدار کی طرف لوٹنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

اربابِ اقتدار اور میڈیا کے ذمہ داران قوم کی تربیت تب کریں گے جب وہ خود منزلِ مقصود سے آگاہ ہوں اور اُس تک پہنچنے کے لیے مخلص ہوں... اگر اُن کا مقصود فقط کرسی اور کاروبار ہے تو اُنھیں قوم کی تربیت سے کیا غرض!

یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پاکستان بنانے والوں میں سے کچھ اِس وطن کے قیام کے بعد جلد ہی وفات پا گئے، کچھ حکومت کے خواہش مند نہیں تھے تو گوشہ نشین ہو گئے اور کچھ کو منصوبہ بندی کے ساتھ اقتدار سے الگ رکھا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت اخلاص کے ساتھ بنائے گئے اِس وطن کا اقتدار مفاد پرستوں کے ہاتھ میں آیا... منزل اُنھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے... اور اُنھوں نے اِس کے ساتھ سوتیلی ماں والا سلوک کیا، جس کے سبب موجودہ صورتِ حال سب کے سامنے ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں گفتگو ہو گی کہ پاکستان کی منزلِ مقصود کیا تھی؟ اور اُسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

پاکستان کی منزلِ مقصود

پاکستان کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اِس بارے میں اُنہی حضرات کی رائے معتبر ہو گی جنھوں نے اِس وطن کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ آج کے نام نہاد دانشور بیرونی اِشاروں پر کچھ بھی کہیں، مگر پاکستان بنانے والوں کے بقول اُن کی منزلِ مقصود یہ تھی کہ اِس خطے میں قرآن و سنت کا نظام نافذ ہو اور مسلمان عزت و وقار کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل کر سکیں۔

اِس حوالے سے اگر پاکستان کے نعرے کو ہی دیکھا جائے "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلّا اللہ" تو واضح ہو جاتا ہے کہ اِس وطن کی منزلِ مقصود کیا ہے!

لفظِ پاکستان: لفظِ پاکستان بھی اپنی منزلِ مقصود کی خبر دیتا ہے؟ "پاکستان" دو الفاظ سے مرکب ہے: 1) پاک۔ 2) ستان۔ "پاک" کا ایک معنی ہے: پاکیزہ، طیّب، طاہر اور مقدس... اور "ستان" فارسی کا لفظ ہے جو اُردو میں بطور لاحقہ استعمال ہوتا ہے، اِس کا معنٰی ہے: جگہ۔ جیسے قبرستان (قبروں کی جگہ)، گُلستان (جسے گُلِستان بھی پڑھا جاتا ہے، پھولوں کی جگہ / باغ)، کوہستان (پہاڑی علاقہ)۔ چنانچہ پاکستان کا معنی ہے: پاک جگہ / پاک لوگوں کا مقام۔ اِسی معنٰی میں "پاک سرزمین" اور "پاک دھرتی" وغیرہ الفاظ بھی بولے جاتے ہیں۔[1] ربّ تعالٰی نے اِس خطے کو ایسا نوازا ہے کہ دشمن بھی اِس کا نام لے تو "پاکستان"، یعنی "پاکیزہ جگہ" ہی کہے گا۔

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی خاطر اللہ تعالٰی نے پوری زمین کو پاک (نماز کے قابل) بنا دیا ہے (سوائے اُن مقامات کے جہاں کوئی نجاست موجود ہو)۔ (صحیح بخاری، حدیث: 438، ملخصًا) جب پوری زمین پاک ہے تو فقط اِس ملک کو "پاکستان" کیوں کہا جائے؟ جواب بہت پُر لطف ہے کہ یہ ملک قرآنِ پاک کا نظام نافذ کرنے کے لیے، نبیِ پاک ﷺ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اور دینِ پاک کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے بنایا گیا۔ جیسے ایک پلاٹ کو عبادت کے لیے خاص کر دیا جائے تو اُس کا نام بھی جداگانہ ہو جاتا ہے، اُسے "مسجد" کہا جاتا ہے... اور اُس کی حیثیت بھی امتیازی ہو جاتی ہے؛ کہ وضو کر کے نماز کے لیے اُس کی طرف جانے سے قدم قدم پر گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، نیکیاں بھی ملتی ہیں... ایسے ہی یہ خطہ بے پناہ قربانیوں کے ساتھ قرآنِ پاک کا نظام نافذ کرنے کے لیے خاص کیا گیا، چنانچہ اِس کا نام بھی سب سے جدا ہے اور اِس کی حیثیت بھی امتیازی ہے۔

فرمانِ قائد: بانیٔ پاکستان محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے 11 اکتوبر 1947ء کو کراچی میں حکومتی افسران سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا بذاتِ خود منزلِ مقصود نہیں، بلکہ منزل کو پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہماری منزلِ مقصود یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی ریاست حاصل ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جسے ہم اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کے مطابق فروغ دیں

---

[1] عربی میں لفظِ پاکستان کا ترجمہ "اَلْأَرْضُ الْمُقَدَّسَة" ہے، قرآنِ حکیم میں بیت المقدس والے علاقے کو "ارضِ مقدسہ" ارشاد فرمایا گیا۔ (المائدۃ 5:21)

اور جہاں اسلامی اُصولوں کے مطابق معاشرتی انصاف کا بول بالا ہو۔"

(قائدِ اعظم اور پاکستان میں اسلامی نظام، از ڈاکٹر محمد سلیم، نوائے وقت، 25 دسمبر 2009ء۔ رَوِش رَوِش روشن، ص:28، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ)

فرمانِ اقبال: مصوّرِ پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: اِس آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں، بلکہ ہمارا اوّلین مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقت وَر بن جائیں۔ اِس لیے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مدد گار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں اُن ہی اُصولوں پر قائم ہوں جن پر انگریز حکومت قائم ہے، ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟۔۔۔ اگر آزادیٔ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارِ کفر ہے ویسا ہی رہے یا اُس سے بھی بدترین ہو جائے تو مسلمان ایسی آزادیٔ وطن پر ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔ (مقالاتِ اقبال، از سید عبد الواحد معینی، ص:279، القمر انٹر پرائزز، لاہور)

آل انڈیا سنّی کانفرنس کی قرارداد: مارچ 1925ء کو مراد آباد (بھارت) میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حامد رضا خان علیہما الرحمہ کی زیرِ صدارت پورے ہندوستان سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخِ اہلِ سنت و جماعت کی چار روزہ کانفرنس منعقد ہوئی، اِس کانفرنس میں ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام "اَلْجَمْعِيَّةُ الْعَالِيَةُ الْمَرْكَزِيَّة" / "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" طے پایا۔ تنظیم کے صدر امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اور ناظمِ اعلیٰ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی مقرر ہوئے۔ تنظیم کے تحت پورے ہندوستان میں مختلف اجلاس / جلسے منعقد ہوئے، جن میں کانگریس کی بھرپور مخالفت اور دو قومی نظریہ کی پُرزور حمایت کی گئی۔[1]

آل انڈیا سنّی کانفرنس کا ایک اہم اجلاس 27 تا 30 اپریل 1946ء کو بنارس / وارانسی (بھارتی ریاست اتر پردیش کا ایک شہر) میں منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً دو ہزار علماء و مشائخ اور ساٹھ ہزار عوامِ اہلِ سنت شریک تھے۔ کانفرنس میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی: آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اِعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخِ اہلِ سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر اِمکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اُصول کے مطابق ہو۔[2]

لمحۂ فکریہ: پاکستان کے نام اور نعرے سے لے کر اکابرِ تحریکِ پاکستان کے ارشادات تک، سبھی گواہی دیتے ہیں کہ منزلِ مقصود اسلامی حکومت کو قائم کرنا اور نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نافذ کرنا ہے، مگر افسوس نہ تو یومِ آزادی پر قوم کو یہ منزل بتائی جاتی ہے اور نہ ہی ذمہ دار لوگ اِس منزل کو پانے کے لیے سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر بانیانِ پاکستان سے بے وفائی کیا ہو سکتی ہے!

---

[1] تنظیم سے متعلق مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے "خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس"، از مفتی جلال الدین قادری۔ یہ کتاب انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔

[2] دیکھیے "تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الأعظم"، از پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری، ص:257، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... دوست اور دشمن کی پہچان

منزلِ مقصود تک رسائی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دوست اور دشمن کی پہچان ہو؛ تاکہ وہ دشمن کی شرارتوں سے محفوظ رہے اور دوست کے تعاوُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے مسلمانانِ برِّصغیر کے لیے ایک نہایت خطرناک بات یہ بھی تھی کہ بہت سے مسلمان دوست اور دشمن میں فرق نہیں کر پا رہے تھے۔ اُس وقت دوست اور دشمن کی پہچان کے حوالے سے دو طرح کے افراد نے ٹھوکر کھائی:

1) ایک طرف وہ مفاد پرست لوگ تھے جو انگریز کی گود میں کھیل رہے تھے اور اُن سے عہدے حاصل کر کے برطانوی سامراج کو مضبوط کرنے میں کردار ادا کر رہے تھے، افسوس کہ آج بھی اِنہی انگریز نواز لوگوں کی اولاد ہم پر مسلّط ہے۔

2) دوسری طرف انڈین نیشنل کانگریس (Indian National Congress) کے لیڈر گاندھی نے اپنی سیاسی چالوں کے ذریعے بہت سے مسلم راہ نماؤں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ ابوالکلام آزاد سمیت مکتبۂ فکر دیوبند سے تعلّق رکھنے والے تقریباً سبھی علما کانگریس کے حامی اور دو قومی نظریہ کے مخالف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ گاندھی اور اُس کی کانگریس مسلمانوں کے مفادات کا تحفّظ کریں گے۔

اِس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے امامِ اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ اور اُن کے خلفاء و معتقدین نے منزلِ مقصود کو بھی سمجھا اور اُس تک رسائی کے صحیح طریقہ کی بھی نشان دہی کی۔ اہلِ سنت و جماعت نے انگریز کو بھی اپنا دشمن سمجھ کر اُس کے خلاف جہاد کیا اور کانگریس کے "مُتّحدہ قومیت" کے نظریہ / "یک قومی نظریہ" / "اکھنڈ بھارت" کی بھی سخت مخالفت کی۔[1]

انگریز کی مخالفت اور دو قومی نظریہ کی حمایت کے لیے قربانیاں دینے والے علماء و مشائخِ اہلِ سنت کی فہرست بہت طویل ہے، فقط ایک شخصیت پر ہی نظر ڈال لیجیے! شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (14 جولائی، 1906ء تا 20 جولائی 1981ء) تحریکِ پاکستان کے نام وَر قائد ہیں، اُس دَور میں آپ مسلم لیگ ضلع سرگودھا کے صدر رہے، آپ آستانہ عالیہ سیال شریف (سرگودھا) کے سجادہ نشین ہونے کے ناطے لاکھوں مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ آپ نے تحریکِ پاکستان میں تمام مفادات کو پسِ پشت رکھ کر انگریز حکومت کی بھی سخت مخالفت کی اور کانگریس کو بھی نیچا دکھایا۔ اِس حوالے سے چند اُمور پیشِ خدمت ہیں:

⟸ ایک انگریز فوجی نے آپ کی پسندیدہ گھوڑی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: اب یہ میرے قابل نہیں رہی؛ کیونکہ اِسے ایک فرنگی (برطانوی حکومت کے) ملازم کا ہاتھ لگ گیا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: "تحریکِ پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا کا کردار 1920ء سے 1947ء تک" (تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، جامعہ کراچی)۔
نیز ملاحظہ کیجیے: "امام احمد رضا محدّثِ بریلوی اور تحریکِ پاکستان"، از سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: بزمِ رضا پاکستان، جامعہ نظامیہ رضویہ

⟸ اگر انگریز حکومت کا کوئی ملازم سیال شریف کے لنگر خانہ کے کسی برتن کو ہاتھ لگاتا تو آپ حکم دیتے کہ یہ برتن توڑ دیا جائے۔

⟸ انگریز حکومت کی طرف سے نوٹیفکیشن جاری کیا گیا کہ آپ کو ہز ہولی نس (His Holiness) کا خطاب دیا جاتا ہے (حکومتِ برطانیہ کی طرف سے مذہبی شخصیات کو دیا جانے والا یہ سب سے بڑا اِعزاز تھا)۔ آپ نے غصے سے اُس نوٹیفکیشن کو پھاڑ کر آگ میں ڈال دیا اور فرمایا: حضور ﷺ کی غلامی اور پیر پٹھان خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ سے وابستگی میرے لیے سب سے بڑا اِعزاز ہے (مَیں انگریز کے نام نہاد اِعزاز کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں)۔

⟸ قیامِ پاکستان سے پہلے انگریز دور میں آپ نے رائفل کا لائسنس بنوانے کے لیے ڈپٹی کمشنر سرگودھا سے رابطہ کیا، اسلحہ کی ضرورت اور انگریز حکومت کے لیے خدمات پوچھی گئیں تو فرمایا: آپ شاید میرے والدِ محترم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی علیہ الرحمہ کے نامِ نامی اور اُن کے کارناموں سے واقف ہوں گے، مَیں اُنہی کا فرزند ہوں، جس قسم کی خدمات اُنہوں نے سرانجام دی ہیں اُنہی خدمات کی مجھ سے توقع رکھیں۔ میری بھی آرزو ہے کہ موقع ملے تو کسی انگریز کے سینہ میں گولی پار کر دوں۔ آپ نے فرمایا: ایمانی تقاضے کے مطابق میں نے جواب تو لکھ بھیجا مگر لائسنس کی توقع باقی نہ رہی۔ اُسی رات خواب میں والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ ملے اور فرمایا: قمر الدین! تم کیوں مایوس ہوتے ہو؟ پھر ایک مکان، جس میں ہر قسم کی رائفلوں کا انبار تھا، کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اِس میں سے جو چاہو چُن لو۔ چند دن بعد انگریز ڈپٹی کمشنر نے خود ہی لائسنس بنا کر بھیج دیا۔ (فوز المقال، ج:4، ص:150 تا 152، ملخصاً، انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ)

انگریز سے نفرت کے ساتھ ساتھ آپ کھل کر کانگریس کی مخالفت اور آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت بھی فرماتے تھے، آپ نے حکم دیا تھا کہ جو شخص مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیتا وہ آستانہ عالیہ سیال شریف کی طرف رُخ نہ کرے، اُس کا سیال شریف سے کوئی تعلّق نہیں۔ آپ مسلم لیگ کی حمایت نہ کرنے والوں سے ملاقات بھی نہیں فرماتے تھے۔ (فوز المقال، ج:9، ص:154) آپ کو تحریکِ پاکستان کی حمایت سے روکنے کے لیے لالچ بھی دیا گیا، جاگیر بھی ضبط کی گئی اور جیل میں بھی ڈالا گیا، مگر آپ استقامت کے ساتھ آزادئ پاکستان تک مسلم لیگ کے نہایت متحرک قائد رہے۔ (دیکھیے فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:5، ص:176 تا 255، انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ)

لمحۂ فکریہ: تحریکِ پاکستان میں علماء و مشائخ اہلِ سنت نے دوست اور دشمن کی صحیح پہچان کی اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پاکستان معرضِ وجود میں آگیا، اب بھی قائم ہے اور اِن شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔

کاش کہ پاکستان بننے کے بعد اقتدار سنبھالنے والے بھی دوست اور دُشمن کی پہچان کرتے تو آج ملک کی یہ صورتِ حال نہ ہوتی، برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی، مگر آج کسی بھی اہم معاملے پر فیصلہ کرنے کے لیے سیاست دان برطانیہ میں جا کر میٹنگ کرتے ہیں۔ ہندوستان سے الگ ہونے کے لیے قربانیاں دی تھیں، مگر اب بھی فلموں، ڈراموں کے ذریعے نوجوان نسل کو بھارتی کلچر سکھایا جا رہا ہے۔ دُشمنانِ اسلام کی تہذیب کے اثرات سے بچنے کے لیے آزاد ہوئے تھے، مگر اب اُنہی کی تہذیب کو فروغ دے رہے ہیں۔ شاعر نے کہا:

شکوہ کس کس سے کریں سب ہی ستم گر نکلے　　نئے دشمن تو پرانے سے بھی بڑھ کر نکلے

منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... قیادت کا صحیح انتخاب

منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے باصلاحیت قائد / لیڈر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر قائد نہ ہو تو بڑے ہجوم کا کامیاب ہو جانا بھی مشکل، بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے، لیکن قائد باصلاحیت ہو تو چند افراد بھی اجتماعی کوشش سے کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔

قائد کے اوصاف: لیڈر میں کیا اوصاف ہونے چاہییں؟ اِس بارے میں قرآنِ حکیم سے بہترین راہ نمائی ملتی ہے۔

بنو اسرائیل نے اپنے نبی سیدنا شَمویل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلام سے درخواست کی کہ کسی شخص کو ہمارا بادشاہ / قائد مقرر کر دیں، آپ نے حکمِ الٰہی سے طالُوت کو بادشاہ بنا دیا، اُنھوں نے اعتراض کیا کہ طالوت نہ تو شاہی خاندان سے ہے اور نہ ہی اُس کے پاس مال و دَولت ہے، اُسے حکمران / لیڈر بنانا درست نہیں۔ سیدنا شَمویل عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُسے (طالوت کو) تم پر منتخب فرمایا ہے اور اُسے علم و جسم میں زیادہ کشادگی / فراخی عطا فرمائی ہے۔“ [البقرۃ2:247] آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیادت و حکومت نہ تو خاندانی وراثت ہیں... جیسا کہ برِّصغیر میں خاندانی سیاست کا راج ہے... اور نہ ہی مال و دولت کا قیادت سے کوئی تعلّق ہے۔ قیادت کا حق دار وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم و قوّت سے نوازا ہو... وہ دین کو سمجھتا بھی ہو اور دینی احکام کو نافذ کرنے کا پختہ عزم و قابلیت بھی رکھتا ہو۔

فاروقِ اعظم کی آرزو: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم حضرت اسلم علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ایک موقع پر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: «تَمَنَّوْا۔» اپنی اپنی آرزو بتاؤ۔ ایک صاحب نے کہا: أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّ هٰذِهِ الدَّارَ مَمْلُوْءَةٌ ذَهَبًا أُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَتَصَدَّقُ۔ میری آرزو ہے کہ یہ گھر سونے سے بھرا ہو اور مَیں وہ تمام سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دوں۔ دوسرے صاحب نے کہا: أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوْءَةٌ زَبَرْجَدًا وَجَوْهَرًا، فَأُنْفِقَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَتَصَدَّقَ۔ میری تمنّا یہ ہے کہ یہ گھر موتیوں سے بھرا ہو، مَیں اُن سب کو راہِ خدا میں صدقہ کر دوں۔ (سبحان اللہ! پاکیزہ لوگ تھے اور پاکیزہ آرزوئیں تھیں۔ ہماری آرزوئیں دُنیاوی ضروریات تک ہی محدود ہوتی ہیں، اُن کی اُمیدیں بھی اُن کی شایانِ شان تھیں۔ اللہ تعالیٰ نیک کام کی سچی آرزو پر بھی وہ کام کرنے کا ثواب عطا کرتا ہے)

سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا: أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوْءَةٌ رِجَالًا مِثْلَ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰى أَبِيْ حُذَيْفَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ وفي روايةٍ فَأَسْتَعْمِلَهُمْ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ میری تمنا ہے کہ یہ گھر افراد سے بھرا ہو، وہ تمام ابوعُبیدہ بن جرّاح، مُعاذ بن جبل، سالم بن عتبہ اور حُذیفہ بن یمان (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ) جیسے ہوں؛ تاکہ مَیں اُن سے دین کا کام لوں (مثلاً ایک سے کہوں آپ مجاہدین کی کمان سنبھالیں، دوسرے کو قاضی بنا دوں، تیسرے کو دین پڑھانے پر مقرر کر دوں، چوتھے کو سماجی خدمت پر مامور کر دوں)۔

دوسرے حضرات نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے وسائل کی آرزو کی، مگر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے دل میں وسائل کے بجائے

باصلاحیت و دیانت دار قائدین کی تمنّا تھی، اِس سے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی دُور اندیشی بھی معلوم ہوتی ہے۔ قیادت ہو تو وسائل نہ ہونے کے باوجود بھی منزل حاصل ہو جاتی ہے اور پاکستان بن جاتا ہے، جب کہ وسائل ہوں، مگر قیادت نہ ہو تو مقصود کو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

پھر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اُن کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اُن کی طرف باری باری چار چار سو دینار بھیجے اور قاصد کو فرمایا: واپس آکر بتانا کہ وہ اِنھیں کیسے استعمال کرتے ہیں؟ تمام حضرات نے کچھ ہی دیر میں امیر المؤمنین کی طرف سے بھیجا ہوا تمام مال (راہِ خدا میں) تقسیم کر دیا۔ قاصد نے واپس پہنچ کر آپ کو بتایا تو فرمایا: قَدْ قُلْتُ لَكُمْ۔[1] مَیں نے کہہ دیا تھا (کہ یہ سچے اور سُچے مسلمان ہیں)۔

(المستدرک علی الصحیحین، رقم:5005۔ التاریخ الأوسط للبخاری، رقم:201، دار التراث۔ اسد الغابہ، ج:1، ص:706، دار الکتب العلمیۃ)

لمحۂ فکریہ: تحریکِ پاکستان کی کامیابی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اُس وقت قیادت باصلاحیت اور مخلص افراد کے ہاتھوں میں تھی، صفِّ اول (Front line) میں محمد علی جناح تھے تو اُن کی پُشت پر اکابر علماء و مشائخِ اہلِ سنت علیہم الرحمہ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ مخلص و باصلاحیت قیادت کی کاوشیں رنگ لائیں اور وہ ہو گیا جسے دُنیا اَن ہونی (ناممکن بات) سمجھتی تھی۔

آج پاکستان مشکلات کا شکار ہے تو اِس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ طویل عرصے سے ہم نااہل افراد کو منتخب کرتے چلے آرہے ہیں، ہمارے ذہنوں پر خاندانی سیاست کا بھوت سوار ہے، ہماری ریت ہے کہ علاقے کے وڈیرے (مال دار) کو ووٹ دیتے ہیں، صلاحیت کو نہیں پرکھتے۔ اگر ہم قرآنِ مجید کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے "علم" اور "قوّت" والے افراد کو قائد / لیڈر منتخب کریں... الیکشن میں اُنھیں ووٹ دیں جو دین کو سمجھتے بھی ہیں اور اُسے نافذ کرنے کا پختہ عزم و جذبہ بھی رکھتے ہیں تو وہ دن دُور نہیں جب پاکستان نہ صرف ترقّی کی راہ پر گامزن ہو گا، بلکہ ایک مثالی ملک بن جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بانیٔ پاکستان نے 11 جولائی 1946ء کو حیدر آباد میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: لیڈروں کے انتخاب میں ہمیشہ احتیاط کریں؛ کیونکہ آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب سے ہی جیت لی جاتی ہے۔

(فرموداتِ قائدِ اعظم رَوِش رَوِش روشن، ص:41، نظریہ پاکستان ٹرسٹ)

پاکستان میں عام انتخابات قریب ہیں، منزلِ مقصود کو پانے کے لیے ہمیں الیکشن میں صرف اہل افراد کو ووٹ دینا چاہیے۔

---

[1] ثُمَّ بَعَثَ بِمَالٍ إِلَى حُذَيْفَةَ، قَالَ: اُنْظُرْ مَا يَصْنَعُ؛ قَالَ: فَلَمَّا أَتَاهُ قَسَمَهُ۔ ثُمَّ بَعَثَ بِمَالٍ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، فَقَسَمَهُ۔ ثُمَّ بَعَثَ بِمَالٍ يَعْنِي إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ، قَالَ: اُنْظُرْ مَا يَصْنَعُ؛ فَقَالَ عُمَرُ: قَدْ قُلْتُ لَكُمْ۔ (التاریخ الأوسط للبخاری، رقم:201) دیگر کتابوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِن حضرات کی طرف چار ہزار دینار (سونے کے سکّے) بھیجے اور اُنھوں نے چند لمحوں میں تمام کو تقسیم کر دیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج:20، ص:33، رقم:46۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:58، ص:436، دار الفکر۔ حلیۃ الأولیاء، ج:1، ص:237، دار السعادۃ)

منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ... فکری آزادی

منزلِ مقصود پانے کے لیے یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ قوم فکری طور پر آزاد ہو، یعنی اپنی اقدار سے واقف ہو اور اُن پر ناز کرے، اپنے نظریات وافکار اور تہذیب وتمدّن کو پہچانے اور فخر کرے۔ جو قوم فکری طور پر غلام ہو... اُسے اپنی اقدار سے زیادہ دوسروں کی باتیں پسند ہوں، دوسروں سے مرعوب ہو کر خود کو کم تر اور دوسروں کو برتر سمجھنے لگے... ایسی قوم کو منزل کیسے مل سکتی ہے!

مصوّرِ پاکستان اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں [1]

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالَم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے آج تک سینکڑوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب مسلمان نہتے، بے سروسامان اور تعداد میں بھی بہت کم تھے، مگر سچے جذبات کے ساتھ اسلام کی سربلندی کے لیے ڈٹ گئے تو ربّ تعالیٰ نے ایسی شان دار فتح عطا فرمائی کہ دشمنوں کی آنکھیں کھلی رہ گئیں... اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ایمانی جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور بے یقینی غالب آئی تو کثرت وطاقت کے باوجود ذلّت کا سامنا کرنا پڑا اور غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

تحریکِ پاکستان کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ قوم اگرچہ انتظامی طور پر محکوم تھی، مگر فکری شعور بیدار ہو چکا تھا، قائدین اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کا درس دے رہے تھے، غیر مسلموں سے مرعوب کرنے کے بجائے اپنی تہذیب پر فخر کا سبق پڑھا رہے تھے، ربّ تعالیٰ نے لاج رکھی اور بے سروسامانی کے باوجود آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ کاش! یومِ آزادیٔ پاکستان پر قوم کے ذمہ دار فکری آزادی کو بھی پروان چڑھائیں اور غیروں کی نقّالی کے بجائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیاروں کی پیروی کا درس دیں۔

---

[1] شمشیر: تلوار۔ یعنی جب کوئی قوم ذہنی طور پر غلام ہو تو نہ اسلحہ کام آتا ہے، نہ تدبیریں اور نہ ہی منصوبہ بندیاں کام آتی ہیں، البتہ ذوقِ یقیں پیدا ہو جائے تو زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

حرفِ آخر... نظامِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نفاذ

آزادی بلاشبہ ربّ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، جس پر شکر ادا کرنے کے لیے 14 اگست کو یومِ آزادی منایا جاتا ہے۔ یہ دن اہلِ وطن میں ایک نیا جذبہ پیدا کرتا ہے، اِس دن کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ قوم میں شعور بیدار کیا جائے کہ پاکستان کی منزلِ مقصود کیا ہے؟

پاکستان کے نام اور نعرے سے لے کر بانیانِ پاکستان کے بیانات تک، سب گواہی دیتے ہیں کہ پاکستان کا مقصود یہ تھا کہ اِس خطے میں قرآن و سنت کا نظام نافذ ہو اور مسلمان عزت و وقار کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل کر سکیں۔

علماء و مشائخِ اہلِ سُنّت نے اِسی مقصد کی خاطر مسلم لیگ کی حمایت کی تھی۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے ایک جلسہ میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: دو جھنڈے ہیں، ایک اسلام کا، دوسرا کفر کا... تم کس جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو گے؟ سب نے کہا: اسلام کے جھنڈے کے نیچے۔ فرمایا: کفر کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے والوں میں سے کوئی مر جائے تو اُس کا جنازہ پڑھو گے؟ سب نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو گے؟ سب نے کہا: ہرگز نہیں۔ فرمایا: اِس وقت سیاسی میدان میں اسلامی جھنڈا مسلم لیگ کا ہے، ہم بھی مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور سب مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے۔

(خطباتِ آل انڈیا سنّی کانفرنس، ص:39)

جولائی 1947ء کے آغاز میں جب برطانوی حکومت نے برِّصغیر کی تقسیم کا اعلان کر دیا تو 17 جولائی 1947ء کو شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بانیٔ پاکستان کو ایک خط لکھا، جس میں ملک کے اندر قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ بھی ذکر کی: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ "اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔" [المائدۃ 5:45] دوسری آیاتِ کریمہ میں ایسے لوگوں کو کافر اور فاسق بھی فرمایا گیا ہے۔ بانیٔ پاکستان نے اپنے جوابی خط میں آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایسا کرنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔

(دیکھیے فوز المقال، ج:5، ص:250 تا 253)

پاکستان کی منزلِ مقصود کو جاننے کے ساتھ ساتھ اُس تک رسائی کے ذرائع بھی اختیار کرنے چاہییں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم:

⟸ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانیں۔ دشمنانِ اسلام ہمارے دشمن ہیں، ہم پر لازم ہے کہ اُن سے اور اُن کی تہذیب سے دُور رہیں۔

⟸ الیکشن میں صحیح قیادت کا انتخاب کریں۔ خاندانی سیاست کو چھوڑ کر اُن افراد کا انتخاب کریں جو دینی احکام کا علم بھی رکھتے ہیں اور اُنھیں نافذ کرنے کا سچا جذبہ بھی۔

⟸ قوم کی فکری آزادی کے لیے کوشش کریں۔ بلاشبہ ہمارا دین، ہماری تاریخ اور ہماری تہذیب لائقِ فخر ہے، ہمیں دوسروں سے ہرگز مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔

۳۰ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ / 18 اگست 2023ء

جنگِ آزادی 1857ء...

اسباب و نتائج اور اسباق

(یومِ وصالِ علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر... یومِ آزادی کی مناسبت سے)

مشمولات

- ماضی سے سیکھنے کی اہمیت
- جنگِ آزادی کی مختصر داستان
- برصغیر میں اسلامی حکومتوں کی مختصر تاریخ
- جنگِ آزادی کے بعد برطانوی مظالم
- ایسٹ انڈیا کمپنی... تجارت سے قبضہ تک
- برطانوی قبضہ کے اسباب سے عبرت کی ضرورت
- جنگِ آزادی کے اسباب... انگریزوں کے مختلف مظالم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ [اٰلِ عمران 13:3] فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ [الحشر 2:59]

افراد اور اقوام کی زندگی میں کچھ دن اور واقعات ان کے لیے فخر کا باعث ہوتے ہیں، جب کہ کچھ ایّام واُمور احساسِ ندامت بیدار کرتے ہیں... کچھ لمحات تعمیری اور تاریخی ہوتے ہیں، جب کہ کچھ ایک سانحہ کی حیثیت سے یاد رکھے جاتے ہیں۔ زندہ قوموں کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایّام وواقعات سے کچھ نہ کچھ سیکھتی ہیں... اپنی کامیابیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ترقّی کا سفر جاری رکھتی ہیں، جب کہ سانحات اور ناکامیوں کے اسباب وعوامل پر غور کرکے آئندہ اُن سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔

ماضی سے سبق سیکھنا جہاں عقل ودانائی کا تقاضا ہے وہیں حکمِ ربّانی بھی ہے۔ ربّ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں گزشتہ قوموں کے کرتوتوں اور اُن کو دی جانے والی سزاؤں کا جگہ جگہ ذکر فرمایا، جس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ لوگ اُن کی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور اپنا کردار بہتر بنائیں۔

غزوۂ بدر کا تذکرہ کرکے مالکِ قدیر جلّ جلالہٗ نے فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ ”بے شک اِس میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔“ [اٰلِ عمران 13:3]

اِسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں بنو نَضِیر کی جلاوطنی کا تذکرہ کرکے ارشاد فرمایا: فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ ”اے نگاہ والو! عبرت حاصل کرو۔“ [الحشر 2:59]

برِّصغیر میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان بھی یقیناً سبق آموز ہے۔ ایک عرصہ تک یہاں بہت کرّوفرّ کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر اپنی نااہلی کے سبب محکومی وغلامی کا وقت بھی گزارنا پڑا، پھر ربّ تعالیٰ کی رحمت سے ایک آزاد وطن نصیب ہوا، مگر اُس کا ایک حصہ ہم اپنے ہاتھوں سے گنوا چکے ہیں، باقی کو اللہ تعالیٰ شہیدوں کے لہو کے صدقے اپنی حفظ وامان میں رکھے!

اِس خطے کی تاریخ میں جنگِ آزادی 1857ء کو بہت اہمیت حاصل ہے، جہاں اِس جنگ کے مجاہدین کے جذبات کا تذکرہ کرکے ایمان کو تازگی ملتی ہے، وہاں جنگ کے اسباب ونتائج پر غور کرنے سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ جنگِ آزادی کی تاریخ پڑھ کر انسان چونک جاتا ہے کہ آج بھی ہم اُنہی غلطیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں جن کے سبب مسلمانانِ ہند کا بے پناہ جانی ومالی نقصان ہوا تھا۔

یومِ آزادی اپنے ماضی سے سیکھنے کا ایک بہترین موقع ہوتا ہے۔ نیز 20 اگست، ایک ایسے فاروقی شہزادے کا یومِ وصال ہے جس نے جنگِ آزادی 1857ء میں نمایاں کردار ادا کیا اور آخری سانس تک باطل کے مقابلے میں ڈٹا رہا، یعنی بطلِ حُرّیت علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں جنگِ آزادی 1857ء کے اسباب ونتائج اور اسباق سے متعلق کچھ گفتگو ہوگی۔

برصغیر میں اسلامی حکومتوں کی مختصر تاریخ

برِّصغیر کو اگرچہ سیدِ عالم ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں آپ کے قدم چومنے کا شرف نہیں ملا، مگر اِس دھرتی کو ربّ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مصطفیٰ کریم ﷺ کا خصوصی فیضان نصیب ہے۔ روایت ہے کہ مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہُ تعالیٰ وجہہٗ نے فرمایا: أَطْيَبُ رِيحٍ فِي الْأَرْضِ الْهِنْدُ۔ یعنی سرزمینِ ہند کی ہوا روئے زمین کی بہت پاکیزہ ہوا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین: 3995) تاریخ میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سرزمین ہند میں تشریف لائے ہوں، اِس کے باوجود اِس خطے کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کے اِن کلمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے آقا کریم ﷺ سے کچھ سنا ہوگا۔

برِّصغیر کے مختلف علاقوں میں ایسی قبورِ مبارکہ موجود ہیں جو صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے منسوب ہیں، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انفرادی طور پر مسلمانوں کی آمد بہت پہلے سے ہی شروع ہو چکی تھی، تاہم مسلم حکومت کا آغاز ۹۳ھ / 711ء میں ہوا، جب عماد الدین محمد بن قاسم علیہ الرحمہ ایک مسلمان خاتون کی پکار پر عرب سے لشکر کے ہمراہ تشریف لائے اور سندھ کو فتح کرنے کے بعد ملحقہ کئی علاقوں میں اسلامی حکومت کا پرچم لہرایا۔ آپ کی وفات کے بعد کچھ علاقوں میں مسلم حکومت باقی رہی۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں یمین الدولہ ابو القاسم سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ (م:1030ء) نے یہاں کے بہت سے علاقوں کو فتح کیا، جو اِس وقت پاکستان کا حصہ ہیں، بعد میں جلد ہی آپ کی وفات ہو گئی۔

1206ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کی افواج کے جنرل قطب الدین ایبک رحمۃ اللہ علیہما نے ہندوستان میں ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی، جو 1526ء تک مختلف مسلم خاندانوں میں منتقل ہوتی رہی، مشترکہ طور پر اِس حکومت کو "دہلی سلطنت" کہا جاتا ہے۔

پھر سلطان ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں دہلی سلطنت کے آخری سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی جو 1857ء تک قائم رہی، اگرچہ آخری سالوں میں یہ حکومت برائے نام ہی تھی۔

1858ء سے 1947ء تک یہ خطہ حکومتِ برطانیہ کے ماتحت رہا، ازاں بعد 14 اگست، 1947ء کو اِس خطے میں ایک نئی اسلامی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا، جسے "پاکستان" کے حسین نام سے پکارا جاتا ہے۔

برِّصغیر میں حکومتوں کی تبدیلی کے دوران یہاں کے مسلمانوں اور دوسری اقوام پر بہت ظلم بھی کیا گیا، تاہم برطانوی دَور کے مظالم سب سے بڑھ کر ہیں۔ انگریز یہاں نہایت چالاکی کے ساتھ تجارت کے بہانے آئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قبضہ کر کے مالک بن بیٹھے، جب مسلمانوں نے 1857ء میں اپنا دین و وطن بچانے کے لیے اُن کے خلاف جہاد کیا تو اُنھوں نے اُسے "بغاوت" کا نام دے کر وہ ظلم کیا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر انصاف پسند انسان کا بدن لرز جاتا ہے۔ یہ جنگ "آزادیٔ پاکستان" کا پیش خیمہ تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی... تجارت سے قبضہ تک

انگریزوں نے ایک تجارتی کمپنی بنائی جسے برطانوی شرق الہند کمپنی (British East India Company) کا نام دیا گیا۔ اِس کمپنی کو 1600ء میں ملکہ الزبتھ کی طرف سے ہندوستان میں تجارت کے لیے اِجازت دی گئی۔ ابتدائی طور پر یہ کمپنی بحری جہازوں کے ذریعے مختلف اشیا ہندوستان سے برطانیہ برآمد اور برطانوی چیزیں یہاں درآمد کرتی تھی۔

تاریخ کے مطابق اُس وقت باقی یورپی ممالک کی طرح برطانیہ بھی ایک غریب ملک تھا، جب کہ ہندوستان کی معیشت مضبوط تھی۔ انگریزوں نے یہاں دولت کی کثرت دیکھ کر اُسے لوٹنے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی املاک اور سٹاف کی حفاظت کے نام پر سپاہیوں کو بھرتی کرنا شروع کیا، پھر اِن کے ذریعے 1689ء میں ہندوستان پر حکومت کے لیے باقاعدہ طور سے کام شروع کر دیا۔

شاہِ ہند ابو المُظفّر محمد اورنگ زیب عالَم گیر نقشبندی علیہ الرحمہ کے دَور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کچھ سرکاری جہازوں کو لُوٹا تو سلطان کے حکم سے کمپنی کے خلاف کارروائی کی گئی، جس کے بعد کمپنی نے سترہ ہزار پاؤنڈ جرمانہ ادا کر کے معافی حاصل کی۔ 1707ء میں سلطان کی وفات کے بعد حکمرانوں کی نااہلی سے مغلیہ سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی۔ کئی نوّابوں اور مہاراجوں نے مقامی سطح پر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، جس کے بعد کمپنی کے لیے یہاں پر قبضہ کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ:

⇐ 1765ء میں کمپنی نے شاہِ عالَم ثانی (سولہویں مغل بادشاہ، متوفّٰی: 1806ء) سے کئی صوبوں کی دیوانی حاصل کر لی، یعنی عوام سے ٹیکس وصول کرنے اور اُن کو کنٹرول کرنے کا حق حاصل کر لیا، اِسے "معاہدۂ اِلٰہ آباد" کہا جاتا ہے۔

⇐ وہ علاقے / ریاستیں جن کے نوابوں کے پاس طاقت وَر فوج نہیں تھی، اُن پر کمپنی نے زبردستی قبضہ کر لیا۔

⇐ کئی علاقوں کے حکمرانوں کی آپسی لڑائیوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن کے خاندانوں سے کچھ افراد کو اپنی چالوں میں پھنسایا اور اُنھیں اقتدار کا لالچ دے کر آپس میں لڑا دیا، یوں اپنے وفاداروں کو حکومت دے کر علاقوں کو لُوٹا، بعد میں اُن سے بھی حکومت چھین لی۔

⇐ جن علاقوں کے نوّاب طاقت وَر تھے اور انگریز کی چالوں کو بھانپ چکے تھے، اُن کے خلاف غدّاروں کا سہارا لیا۔ مثلاً 1757ء کو بنگال (بنگلہ دیش) کے نواب مرزا محمد سراج الدولہ کے ساتھ جنگ کی، جسے "جنگِ پلاسی" کہا جاتا ہے، اِس جنگ میں نواب کی فوجی طاقت انگریزوں سے کئی گنا زیادہ تھی، مگر کمپنی نے نواب کے آرمی چیف میر جعفر کو خرید کر نواب کو شکست دی اور پھر شہید کروا دیا، بعد میں کچھ عرصہ کے لیے میر جعفر کو حکومت دے کر پورے بنگال کی دولت لوٹی، پھر اُسے بھی حکومت سے ہٹا دیا۔

⇐ میسور (کرناٹک) کے حکمران سلطان حیدر علی اور اُن کے فرزند سلطان فتح علی ٹیپو علیہما الرحمہ طاقت وَر اور دُور اندیش حکمران تھے، اُنھوں نے تین جنگوں میں انگریزوں کو شکست دی، بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1799ء میں میر صادق جیسے لوگوں کو خرید کر ایک جنگ میں سلطان ٹیپو کو قلعہ میں محصور کر دیا، جہاں اُنھوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا: شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی

سے بہتر ہے۔ چنانچہ سلطان کو شکست ہوئی اور ریاستِ میسور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔ انگریزوں کی نظر میں یہ اتنی بڑی فتح تھی کہ انگلینڈ میں اِس فتح کا جشن منایا گیا۔ اپنوں کی غداری سے متعلق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا:

جعفر از بنگال و صادق از دکن

ننگِ آدم ننگ دیں ننگِ وطن

⟸ بنگال، میسور، ٹونک اور دیگر کئی اہم ریاستوں پر قبضہ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے باقی ماندہ علاقوں کے حکمرانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے کمپنی کی فوج رکھیں اور اُس کے اخراجات برداشت کریں، جن نوابوں نے ایسا نہیں کیا اُن کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا گیا اور جنھوں نے انگریز فوج کو قبول کیا وہ اُس کے اخراجات پورے نہ کر سکے، چنانچہ اُن سے بھی حکومت ہتھیالی گئی۔

یوں 1857ء کے اوائل تک اگرچہ رسمی طور پر دہلی کے تخت پر مغل حکومت قائم تھی، مگر عملی طور پر ہندوستان کے بیشتر حصے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔

جنگِ آزادی کے اسباب... انگریزوں کے مختلف مظالم

1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمان بے سروسامانی کے باوجود ایمانی جذبات کے ساتھ انگریز کے خلاف جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اِس کی وجہ یہ تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے گزشتہ ایک سو سال میں جو ظلم کیے تھے، اُن کے بعد لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ تجارت کے بہانے آنے والوں کا مقصد تجارت نہیں، بلکہ قبضہ کرنا اور یہاں کے لوگوں کا مذہب بدلنا ہے۔

ریاستوں پر قبضہ: سلطان اورنگزیب محمد عالم گیر علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس چالاکی کے ساتھ مختلف ریاستوں پر قبضہ کیا تھا اُس سے واضح تھا کہ گوروں کا اصل مقصد کیا ہے۔

معیشت کی تباہی: یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی گئی تب برطانوی معیشت کے مقابلے میں ہندوستانی معیشت بہت مضبوط تھی، مگر انگریزوں نے اِس خطے کو سونے کی چڑیا سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لُوٹا اور یہاں کی دولت برطانیہ منتقل کی، جس کے بعد برطانوی معیشت مضبوط اور ہندوستانی معیشت کمزور ہوتی چلی گئی۔ انگریزوں نے:

⟸ جن جن ریاستوں پر قبضہ کیا وہاں کے خزانے سمیٹے، مثلاً بنگالی نواب سراج الدولہ کو قتل کرنے کے بعد انگریزوں کے وفادار میر جعفر نے لارڈ کلائیو کو دو لاکھ چونتیس ہزار پاؤنڈ نقد دیے، جاگیر اِس کے علاوہ تھی، نیز ہر فوجی افسر کو تین تین ہزار پاؤنڈ انعام میں دیا۔

⟸ کمپنی ہندوستانی عوام سے بھاری ٹیکس وصول کرتی۔ ہندوستان میں دو ہزار سالوں کے اندر تقریباً سترہ مرتبہ قحط سالی ہوئی تھی، مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے 120 سالہ دَور میں 34 مرتبہ قحط پڑا؛ کیونکہ کسانوں سے اتنا ٹیکس لیا جاتا تھا کہ زراعت تباہ ہو گئی۔

⟸ یہاں سے بنیادی ضرورت کی اشیا کو بھی ایکسپورٹ کیا، حتّٰی کہ قحط سالی کے وقت بھی کمپنی یہاں سے غلہ بر آمد کرتی تھی۔

⟸ برطانوی اشیا کی درآمد بڑھانے کے لیے یہاں کی صنعت کو تباہ کیا۔ برطانیہ کے ہاؤس آف کامنز نے 1813ء میں رپورٹ طلب کی کہ برطانوی کپڑے ہندوستان میں کیوں نہیں بک رہے؟ افسر نے رپوٹ دی کہ ہندوستانی کپڑے کہیں زیادہ بہتر معیار کے ہیں، مَیں ایک ہندوستانی شال سات سال سے استعمال کر رہا ہوں مگر وہ آج بھی نئی جیسی ہے، اگر کوئی مجھے یورپ کی بنی شال تحفے میں بھی دے تو مَیں اُسے استعمال نہیں کروں گا۔ چنانچہ برطانوی کپڑے کی درآمد بڑھانے کے لیے یہاں کے پارچہ بافوں / کپڑا بننے والوں پر جُرمانے عائد کیے گئے، کوڑے لگائے جاتے، حتّٰی کہ بعض جولاہوں کے انگوٹھے کاٹ دیے گئے؛ تاکہ وہ زندگی بھر کپڑا نہ بُن سکیں۔

نظامِ تعلیم کی تبدیلی: ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی مسلمانوں کا اُن کے بزرگوں سے تعلق کمزور کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ یہاں پر صدیوں سے رائج دینی مدارس کا نظامِ تعلیم تبدیل کر کے جدید اداروں کے ذریعے انگریزی زبان اور برطانوی انداز میں تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ یہاں تک کہ یہ اعلان بھی کیا گیا: جو شخص انگریزی میں امتحان دے کر سند حاصل کرے اُسے ملازمت میں ترجیح دی جائے گی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سازش کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

اِک لُردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سَیر [1]

سینے میں رہے رازِ مُلوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر [2]

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اِس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اِسے پھیر [3]

تاثیر میں اِکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر [4]

---

[1] لردِ فرنگی: انگریز لارڈ۔ یعنی ایک انگریز لارڈ نے اپنے بیٹے سے کہا: وہ نظّارہ تلاش کر کہ تیری آنکھ سیر نہ ہو، بلکہ تُو دیکھتا ہی جائے۔

[2] رازِ ملوکانہ: شاہی کا راز۔ یعنی بادشاہی اور قبضہ کا راز دل میں رکھنا چاہیے (جو اگلے دو اشعار میں ہے)، محکوموں کو تلواروں کے ذریعے غلام نہیں رکھا جا سکتا۔

[3] یعنی اِس کی خودی اور خودداری کو تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر نرم کرو، جب یہ اپنی پہچان کو بھول جائے گا تو جدھر چاہو پھیر لینا۔

[4] اِکسیر: کیمیا / وہ شے جو تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔ یعنی تعلیم کے ذریعے لوگوں کو ذہنی غلام بنانا اتنا مؤثر ہے کہ اکسیر بھی اتنا اثر نہیں رکھتی۔ جب تعلیم کے ذریعے ذہن بدل دیں گے تو سونے کا ہمالہ پہاڑ ہونے کے باوجود مٹی کا ڈھیر ثابت ہو گا۔

چنانچہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو علمِ دین سے دُور کیا گیا، تعلیم کے لیے مختص تمام حکومتی فنڈز کو جدید اِداروں پر صَرف کیا گیا، حتّٰی کہ برین واشنگ کے لیے الفاظ بھی نئے رائج کیے... "مدرسہ" کی جگہ "اسکول" اور "کالج"... "دار العلوم" اور "جامعہ" کی جگہ "یونی ورسٹی"... "معلّم" اور "استاذ" کی جگہ "ماسٹر" اور "ٹیچر" کا لفظ عام کیا گیا... بلکہ علمِ دین سے وابستہ افراد کے لیے "مولوی جی" اور "ملّا جی" کے الفاظ جو اِعزاز و تکریم کے لیے بولے جاتے تھے اُن کے تقدّس و تکریم کو توہین میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔

مذہب میں مداخلت: ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی لوگوں کو مستقل طور پر محکوم رکھنے کے لیے اُن کے مذہبی جذبات کو کمزور کرنے کی کوشش کی؛ تاکہ وہ ذہنی طور پر بھی انگریز حکومت کو قبول کرلیں۔ مثلاً:

1) کمپنی کے خرچ پر برطانیہ سے پادری بلائے جاتے جو ہندوستان میں آکر عیسائیت کی تبلیغ کرتے اور علما کو مناظروں کا چیلنج دیتے۔
2) صدیوں سے یہاں کے لوگ مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد و نظریات پر قائم تھے، انگریز نے اُن کے عقائد تبدیل کرنے کے لیے نئے فرقے ایجاد کیے۔
3) مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو سور کی چربی کھانے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی کھانے پر مجبور کیا گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے یہ وہ مظالم ہیں جن کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں انگریز کے خلاف ایک لاوا پک رہا تھا اور وہ یہ حقیقت سمجھنے لگے تھے کہ انگریز تاجر نہیں، قابض ہے اور دوست کے روپ میں بدترین دشمن ہے۔

جنگِ آزادی کی مختصر داستان

انگریز کے خلاف غم وغصہ کی آگ تو ایک عرصے سے بھڑک رہی تھی، اُس کے اِظہار کا سبب یہ بنا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں شامل "دیسی فوجیوں" کا یہ گمان تھا کہ اُنھیں جو کارتوس چلانے کے لیے دیے جاتے ہیں اُن پر سور کی چربی ہوتی ہے، اِس بنیاد پر میرٹھ چھاؤنی کے پچاس مسلمان فوجیوں نے وہ کارتوس چلانے سے انکار کر دیا، اُنھیں حکم عدولی پر سزائے موت سنائی گئی اور 9 مئی 1857ء کو اُن کی پریڈ کرتے ہوئے اُن پر حد درجہ ظلم کیا گیا۔

اِس کارروائی کے بعد 10 مئی 1857ء کو میرٹھ چھاؤنی کے دیسی فوجیوں نے اپنے انگریز افسروں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ جیسے جیسے یہ خبر پھیلی پورے ہندوستان میں جہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اِس موقع پر بطلِ حُریّت مجاہدِ اسلام علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتوٰی جاری کیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد فرض ہے، اِس فتوٰی پر اکابر علمائے اہلِ سنت نے بھی دستخط کیے، فتوٰی شائع ہوتے ہی علماء ومشائخِ اہلِ سنت کی سربراہی میں تمام شہروں کے مجاہدین انگریز فوج کے خلاف جہاد کرنے لگے۔

بریلی میں مجاہدین کی سرپرستی امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے دادا محترم مولانا رضا علی خان (م:1869ء) اور آپ کے والدِ گرامی مولانا نقی علی خان (م:1880ء) علیہم الرحمہ کر رہے تھے۔ مراد آباد میں جنرل بخت خان کے شانہ بشانہ مولانا

سید کفایت علی کافی علیہ الرحمہ (م:1858ء) بر سرِ پیکار تھے۔ مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی (م:1858ء)، مولانا صدر الدین آزردہ (م:1868ء) اور مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی (م:1863ء) رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کئی مقامات پر انگریزوں کو شکست دی۔

کچھ ہی دنوں میں بہت سے علاقے انگریز فوج کے قبضے سے چھڑا لیے گئے۔ حالات سے ایسا لگتا تھا کہ مزید ایک دو ماہ میں انگریز یہاں سے بھاگ جائے گا، مگر اِس نازک وقت میں بھی اسلام و وطن کے غدّاروں اور نام کے مسلمانوں نے انگریز سے وفا کی اور مجاہدین کی مخبریاں کر کے اُنھیں شہید کروادیا۔ یوں ایک مرتبہ پھر انگریز کو یہاں اپنا قبضہ باقی رکھنے اور حکومت کرنے کا موقع ملا۔

جنگِ آزادی کے بعد برطانوی مظالم

جنگ میں اپنوں کی غدّاری کی وجہ سے مجاہدین کو شکست ہوئی، کچھ ماہ میں انگریز فوج نے تمام علاقوں سے مجاہدین کو پسپا کر کے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اب انگریزوں نے ایک طرف اسلام اور وطن کے غدّاروں، یعنی اپنے وفاداروں کو جاگیروں اور اعزازات سے نوازا... دوسری طرف اِس جہاد کو بغاوت قرار دے کر مجاہدین پر بے حد ظلم کیا:

- دہلی میں تین دن تک لُوٹ مار کی اِجازت دی گئی۔
- آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے سامنے اُن کے چاروں بیٹوں کے سر ایک تھال میں رکھ کر بطور تحفہ دیے گئے۔ اِسی طرح اُن کے تمام خاندان کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔
- خوف و ہراس پھیلانے کے لیے بے شمار گاؤں جلا دیے گیے اور کئی جگہ تو پورے دیہات کے لوگوں کو پھانسی دی گئی۔
- شہروں میں اُمرا کی حویلیاں بموں کے ذریعے اُڑادی گئیں، پھر زمین کھود کر وہاں دفن تمام خزانہ لوٹ لیا گیا۔
- دہلی کے ہر درخت پر کسی مسلمان کی نعش لٹک رہی تھی اور سینکڑوں علما کو توپوں کے ساتھ باندھ کر گولوں سے اُڑایا گیا۔
- ایک تحقیق کے مطابق پانچ لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔
- خلیج بنگال میں واقع جزائر انڈمان (Andaman Islands) میں جنگِ آزادی کے دوران نمایاں کردار ادا کرنے والے علما اور مجاہدین کے لیے ایک جیل بنائی گئی، جیسے امریکہ نے گوانتاناموبے میں جیل خانہ بنایا، وہاں مجاہدین کو نہایت اذیت کے ساتھ رکھا جاتا۔

جنگِ آزادی میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد تجارت کے بہانے آنے والے انگریز کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور برِّصغیر پر اُن کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کر کے ہندوستان کو براہِ راست برطانوی حکومت کے ماتحت کر دیا گیا۔[1]

---

[1] اِن تاریخی حقائق کے بارے میں مزید جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے: ”برطانوی مظالم کی کہانی عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری کی زبانی“، مطبوعہ فرید بک اسٹال۔ نیز وکی پیڈیا پر دیکھیے: ”برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی“۔

حرفِ آخر... برطانوی قبضہ کے اسباب سے عبرت کی ضرورت

ماضی سے سبق سیکھنا عقل و دانائی کا تقاضا بھی ہے اور ربّ تعالیٰ کا حکم بھی۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں عبرت حاصل کرنے اور غلطیوں سے سبق سیکھ کر خود کو سنوارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ.» ”مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6133۔ صحیح مسلم، حدیث: 2998) یعنی کامل مومن بیدار مغز اور چوکس ہوتا ہے، پہلی غلطی پر ہی سنبھل جاتا ہے، اگر کسی سے ایک مرتبہ دھوکا کھائے تو آئندہ کے لیے اُس سے محتاط رہتا ہے، شیطان اُسے گناہ میں پھنسا دے تو سچی توبہ کرتا ہے اور آئندہ اُس گناہ سے بچتا ہے، دین کے دشمن اُسے نقصان پہنچائیں تو درگزر کرنے کے بجائے رضائے الٰہی کے لیے اُن سے انتقام لیتا ہے اور آئندہ نقصان پہنچانے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ (مرقاۃ ولمعات، ملخصاً، زیرِ حدیث: 5052)

جنگِ آزادی 1857ء کے تذکرہ کا اصل مقصود کسی قوم کے خلاف نفرت پھیلانا نہیں، اصل مقصد یہ ہے کہ قرآن و سنت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسلمان اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور دوبارہ دشمن کو نقصان پہنچانے کا موقع نہ دیں۔

اگر ہم اِس بات پر غور کریں کہ تجارت کے لیے آنے والے انگریز کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ یہاں کا مالک بن بیٹھے؟ وہ کیا اسباب تھے جن کے سبب سمندر پار سے آنے والے تاجروں نے یہاں قبضہ کرکے نہ صرف دولت کو لُوٹا اور معیشت کو تباہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا بے پناہ جانی نقصان بھی کیا اور پھر یہاں سے جاتے ہوئے مسلم ریاست کا ایک بڑا حصہ ہندوؤں کے حوالے کرکے اُلٹا مسلمانوں کو آزاد ریاست دینے کا احسان بھی جتلایا؟ اسباب پر غور کرنے سے انسان چونک جاتا ہے کہ ہماری جن غلطیوں اور کمزوریوں نے انگریز کو اتنا دلیر کیا تھا، آج بھی ہم اُنہی کمزوریوں اور غلطیوں میں مبتلا ہیں۔

غیر مسلموں پر اندھا اعتبار: قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر غیر مسلموں کو اپنا راز دار بنانے، اُن سے دوستیاں بڑھانے اور اُن پر اندھا اعتبار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ ”اے ایمان والو! غیروں کو راز دار نہ بناؤ، وہ تمہیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ بلاشبہ (اُن کا) بغض تو اُن کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے کھول کر آیتیں بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔“ [اٰلِ عمران 3:118]

انگریزوں کے قبضہ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے بعض نادان مسلمانوں نے دینی و قومی مفادات کو پسِ پُشت ڈال کر جاگیر

اور نوّابی حاصل کرنے کے لالچ میں انگریزوں سے وفا کی، اُن کی فوج میں بھرتی ہوئے، اُن کے اقتدار کو مضبوط کیا، حتّٰی کہ اُن کی خاطر مسلمانوں کو شہید کیا، جس کے نتیجے میں انگریز کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ یہاں کا مالک بن بیٹھا۔ افسوس کہ آج بھی ہمارا رویّہ وہی ہے، اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے پاکستانی حکمران کن کی بولی بولتے ہیں اور کن کے مفادات کا تحفّظ کرتے ہیں؟ یہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

معیشت کی کمزوری: دینِ متین سکھاتا ہے کہ مسلمان کو اپنی حیثیت کے مطابق اِقدامات واخراجات کرنے چاہییں، کفایت شعاری اور میانہ روی اختیار کرنا چاہیے؛ تاکہ معاشی طور پر دوسروں کے محتاج نہ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ یعنی "(اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں، نہ کنجوس بنتے ہیں اور اُن کا شعار اِن دونوں (بخل اور اِسراف) کے درمیان میانہ روی ہوتا ہے۔" [الفرقان 67:25]

برِّصغیر پر قبضہ کے لیے انگریزوں نے یہاں کی معیشت کو کمزور کیا، بھاری ٹیکسوں کے ذریعے زراعت تباہ کی، امپورٹ بڑھانے کے لیے صنعتوں کا کباڑ کیا، جس کے نتیجے میں لوگ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انگریز کے محتاج ہوئے اور اُسے قبضے کا موقع ملا۔ افسوس کہ آج پاکستانی حکمرانوں کی نااہلی سے معاشی صورتِ حال بہتر نہیں اور ہم شہ خرچیاں پوری کرنے کے لیے اتنا قرض لے چکے ہیں کہ اب معیشت کے فیصلے ہم نہیں کرتے، کوئی اور کرتا ہے۔ اِس کے باوجود فخر کے ساتھ قرض لینے کا سلسلہ جاری ہے اور رواں سال پاکستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ قرض لیا گیا ہے۔

باہمی اختلافات: دینِ متین سکھاتا ہے کہ مسلمانوں کو ذاتی مفادات کے لیے آپس میں اختلاف نہیں کرنا چاہیے، باہمی انتشار سے طاقت ٹوٹ جاتی ہے رُعب ختم ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نااتفاقی نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا (قوّت) اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" [الأنفال 46:8]

انگریز کو برِّصغیر پر قبضہ کی جرأت اِس لیے بھی ہوئی کہ سلطان اورنگزیب محمد عالم گیر علیہ الرحمہ (م:1707ء) کی وفات کے بعد ریاستوں کے مقامی نوابوں نے اپنے مفاد اور اقتدار کے لالچ میں مرکزی حکومت سے بغاوت کرتے ہوئے خود مختاری کا اعلان کر دیا، پھر اُن کے باہمی خاندانی اختلافات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انگریز نے اُنھیں آپس میں لڑوایا، بالآخر ایک ایک کر کے ریاستوں پر قبضہ کرتے گئے اور ایک دن پورا ہندوستان محکوم بن گیا۔ افسوس کہ آج بھی سیاست دان ملکی و قومی مفادات پسِ پُشت ڈال کر کرسی چھیننے اور بچانے کے چکر میں رہتے ہیں اور اپنے اقتدار کی خاطر جو بھی کرنا پڑے کر گزرتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے قرآنی حکم پر عمل کریں، ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں، بزرگوں کے کارنامے آنے والی نسل کو بتائیں، بالخصوص آنے والے الیکشن میں اسلام اور ملک کے وفاداروں کا انتخاب کریں۔

۷ صفر المظفّر ۱۴۴۵ھ / 25 اگست 2023ء

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

(یومِ فتحِ مبین اور یومِ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے)

مشمولات

- مسلمانوں کا شان دار ماضی
- اسلاف کا پسندیدہ وصف... حق گوئی
  - حضرتِ بُنان واسطی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی
- اسلاف کا پسندیدہ وصف... خدمتِ دینِ اسلام
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات
  - تاج دارِ گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ دین اور فتحِ مُبین
- اسلاف کا پسندیدہ وصف... وقت کی قدر
- اتباعِ اسلاف کی اہمیت اور صفر کا منحوس نہ ہونا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ... [محمد 7:47]

بلامبالغہ مسلمان ہی وہ واحد قوم ہے جو پوری دُنیا کے سامنے اپنے اسلاف کی سیرت اور اپنے بزرگوں کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کر سکتی ہے۔

اگرچہ آج ہم پستی کا شکار ہیں اور ہمارا حال بے حال ہے، مگر ہمارے بزرگوں کا عُروج اور ہمارا ماضی اتنا شان دار ہے کہ اپنے اکابر اور اپنے ماضی پر نظر دوڑانے سے مایوسی دُور ہو جاتی ہے اور اِس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اگر آج بھی ہم اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلیں تو پھر سے دُنیا ہمارے قدموں میں ہو گی۔ اقبال علیہ الرحمہ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی تھی:

عطا اَسلاف کا جذبِ دَرُوں کر
شریکِ زُمرۂ لَا یَحۡزَنُوۡں کر![1]

خرد کی گتھیاں سُلجھا چُکا مَیں
مِرے مَولا مجھے صاحبِ جُنوں کر![2]

نبیِ کریم ﷺ کے فیضان سے آپ کی اُمّت میں قیامت تک لائقِ تقلید و قابلِ فخر لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی رہی اور بعد میں بھی کم ہوتی جائے گی۔

ماضی قریب کی جلیل القدر شخصیات میں ایک خوب صورت نام مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم قادری رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ آپ نے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے لائقِ تقلید زندگی گزاری اور گراں قدر دینی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کا وصال 26 اگست 2003ء (28ویں شبِ جمادی الاُخری ۱۴۲۴ھ) کو ہوا۔

آج کے خطبہ میں تاج دارِ گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال فتح اور مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے حسین کردار و واقعات کا ذکر ہو گا۔

---

[1] جَذۡبِ دَرُوں: اندر کا جوش / ایمانی جذبہ۔ زُمرہ: جماعت۔ یعنی اے اللہ! میرے دل کو بھی بزرگوں والے ایمانی جذبات عطا فرما اور مجھے بھی اُن لوگوں میں شامل فرما جن سے تو نے قرآنِ مجید میں وعدہ فرمایا ہے کہ "نہ اُنھیں کوئی خوف ہے نہ کوئی غم"۔

[2] خِرَد: عقل و دانش۔ گُتھیاں: مشکلات / اُلجھنیں۔ یعنی اے اللہ! مَیں عقل کی تمام اُلجھنیں حل کر چکا ہوں (مگر عقل کے پاس میری مشکلات کا حل نہیں ہے)، اب مجھے بزرگوں والے ایمانی جذبات سے سرشار کر کے مصطفیٰ کریم ﷺ کا دیوانہ بنا دے (اِسی دیوانگی میں میری مشکلات کا حل ہے)۔

اسلاف کا پسندیدہ وصف... حق گوئی

اللہ تعالیٰ کو حق بات بہت پسند ہے اور باطل اُس کی بارگاہ میں کبھی قبول نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ حق ارشاد فرماتا ہے اور حق کو سربلند کرتا ہے، اُسے اپنے بندوں کے بارے میں بھی یہی پسند ہے کہ وہ حق بات کہیں اور حق کی سربلندی کے لیے کوشش کریں۔

غزوۂ بدر میں اپنی غیبی مدد عطا کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ○ ”اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے○ تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے، اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو۔“ [الانفال 8:7، 8]

دین سکھاتا ہے کہ سلیقے کے ساتھ، بہترین انداز میں حق بیان کرنا چاہیے، اگر حق کہنے اور اُس کی حمایت کرنے میں مشکلات پیش آئیں تو اُنھیں سعادت سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔

سیدنا ابو سعید سعد خُدری رضی اللہ عنہ نے سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: «أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔» ”ظالم حکمران کے سامنے حق و انصاف کی بات کہنا افضل جہاد ہے۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 4011۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 4344)

حضرتِ بُنان کی حق گوئی: چوتھی صدی ہجری کے مستند علما میں ایک نمایاں نام شیخ الاسلام ابو الحسن بُنان بن محمد حمّال واسطی علیہ الرحمہ (م: 316ھ) کا ہے۔ آپ بہت بڑے محدث بھی تھے اور سچے صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد بھی تھے... ڈنکے کی چوٹ پر اسلامی احکام کا پرچار کرتے تھے۔ آپ نے حضرتِ جنیدِ بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی تربیت پائی تھی۔[1]

آپ کے دور میں مصر کا حکمران خُمارَوَیہ تھا، اُس نے ایک عیسائی شخص کو وزیر بنا دیا، وزیر کی حیثیت سے اُسے پروٹوکول حاصل تھا، حالانکہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو عدل و انصاف تو حاصل ہوتا ہے، مگر اِعزاز فقط غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

ایک مرتبہ وہ عیسائی وزیر عالی شان سواری پر پروٹوکول کے ساتھ جا رہا تھا، حضرت بُنان نے اُسے روک کر فرمایا (مفہوم): نیچے اُترو اور عام سواری پر بیٹھو، آئندہ اعلیٰ سواری پر نہ بیٹھنا۔ حاکمِ مصر کو معلوم ہوا تو اُسے بہت غصہ آیا، چنانچہ اُس نے سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ آپ کو گرفتار کر کے کسی درندے کے سامنے ڈال دیا جائے (تاکہ اِس دردناک موت سے لوگ عبرت حاصل کریں اور آئندہ کسی کو حکومتی معاملات میں مداخلت کی جرأت نہ ہو)، چنانچہ سرکاری اہلکاروں نے گرفتار کر کے درندے کے سامنے ڈال دیا... ایک رات گزرنے کے بعد جب اہلکار خبر لینے آئے تو اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ صحیح و سلامت قبلہ شریف کی طرف چہرہ کیے

---

[1] دیکھیے سیر أعلام النبلاء، الطبقة الثامنة عشر، ج: 14، ص: 488، رقم: 274، مؤسسة الرسالة

موجود تھے اور درندہ آپ کے (پاؤں کے بوسے لیتے ہوئے) جسمِ مبارک کو چاٹ رہا تھا۔ چنانچہ حاکم نے آپ کو چھوڑ دیا اور معافی بھی مانگی۔

بعد میں کسی نے پوچھا کہ جب آپ پر درندے کو چھوڑا گیا تھا اور وہ آپ کے پاس پہنچ کر آپ کو سونگھنے لگا تھا تب آپ کیا سوچ رہے تھے؟ (اُس وقت موت آنکھوں کے سامنے تھی، دل بہت خوف زدہ ہو گا؟) فرمایا: كُنْتُ أَتَفَكَّرُ فِيْ سُؤْرِ السِّبَاعِ وَلُعَابِهَا۔ یعنی (موت کا تو ذرہ بھر بھی خوف نہیں تھا) مَیں یہ سوچ رہا تھا کہ شرعی اعتبار سے درندے کا جوٹھا پاک ہوتا ہے یا ناپاک؟ (درندے نے میرا جسم چاٹا ہے، اب جسم پاک ہے یا مجھے پاؤں وغیرہ دھونا پڑیں گے)۔[1]

غیر مسلموں کے لیے انصاف ہے، اعزاز نہیں: اِس حسین واقعہ میں ضمنی طور پر ایک شرعی حکم کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں امن سے رہنے والے غیر مسلموں کو مسلمانوں کی طرح مکمل طور پر انصاف دیا جاتا ہے، کسی کو بھی اُن پر ظلم کی اِجازت نہیں، بلکہ ذِمّی (اسلامی ریاست میں ٹیکس ادا کر کے امن واِطاعت کے ساتھ رہنے والے) کافر پر ظلم کرنے والے کو حدیثِ پاک میں سخت وعید سنائی گئی ہے، مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اعزاز وتکریم صرف مسلمانوں کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کے دین کا انکار کر کے اسلام سے بغاوت کرنے والوں کے لیے کوئی عزت نہیں۔[2]

گزشتہ دنوں پنجاب کے شہر فیصل آباد کی تحصیل جڑانوالہ میں ایک ناخوش گوار واقعہ رُونما ہوا، جس میں توہینِ قرآنِ مجید پر مشتعل افراد نے عیسائیوں کی بستی کی کئی عمارات کو نذرِ آتش کر دیا۔ یقیناً یہ واقعہ قابلِ مذمت ہے، مگر یہ پہلو بھی افسوس ناک ہے کہ اِس کے بعد کئی حکومتی ذمہ داران نے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے۔ یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ غیر مسلموں کو انصاف فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، مگر غیر مسلموں کے لیے اعزاز وتکریم نہیں ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کی حق گوئی: بزرگانِ دین جس انداز میں ہر محاذ اور ہر مقام پر حق بات بیان کرتے تھے، ماضی قریب میں اُس کی حسین جھلک مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ میں نظر آتی ہے۔ آپ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے، مگر ہمیشہ حکمرانوں کے سامنے حق بات کہی اور ضرورت پڑنے پر اُنھیں ڈانٹ بھی دیتے۔

---

[1] أَنَّ بُنَانًا الْحَمَّالَ قَامَ إِلَى وَزِيْرِ خُمَارَوَيْه - صَاحِبِ مِصْرَ - وَكَانَ نَصْرَانِيًّا، فَأَنْزَلَهُ عَنْ مَرْكُوْبِهِ، وَقَالَ: لَا تَرْكَبِ الْخَيْلَ وَعِيْرٌ كَمَا هُوَ مَأْخُوْذٌ عَلَيْكُمْ فِي الذِّمَّةِ۔ فَأَمَرَ خُمَارَوَيْه بِأَنْ يُؤْخَذَ، وَيُوْضَعَ بَيْنَ يَدَيْ سَبُعٍ، فَطُرِحَ فَبَقِيَ لَيْلَةً، ثُمَّ جَاؤُوْا وَالسَّبُعُ يَلْحَسُهُ، وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ، فَأَطْلَقَهُ خُمَارَوَيْه، وَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ... فَلَمَّا أُخْرِجَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ السَّبُعِ قِيْلَ لَهُ: مَا الَّذِيْ كَانَ فِيْ قَلْبِكَ حَيْثُ شَمَّكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَتَفَكَّرُ فِيْ سُؤْرِ السِّبَاعِ وَلُعَابِهَا۔ (سير أعلام النبلاء) یہ واقعہ تاریخ بغداد اور دیگر متعدد کتب میں بھی موجود ہے۔

[2] جزیہ سے متعلق خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ یعنی "غیر مسلموں سے جہاد کرتے رہو حتّٰی کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔" [التوبۃ 9:29]

امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذِ گرامی مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی پر ہمیشہ اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرتے تھے، بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ اُنھوں نے مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ سے ہی حق گوئی سیکھی تھی۔

2003ء (مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی) میں امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون تحریر کیا، جس کا عنوان تھا: ''حق بات وہ سرِ دار بھی کہتے رہے''۔ مضمون میں اکابر کی حق گوئی کے متعدد واقعات نقل کیے اور آخر میں لکھا: یہ مردانِ خدا تو قرونِ اُولیٰ کے تھے، چودہ سو سال بعد بھی اُن کے غلام سلسلۂ حق گوئی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چند دن پہلے وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے ساتھ میٹنگ کے لیے مختلف مکاتبِ فکر کے افراد موجود تھے، بعض لوگ وزیرِ اعلیٰ کی خوشامد وجی حضوری کرتے ہوئے اُسے مبارک باد دینے لگے کہ آپ پتنگ بازی کے پروگرام میں شریک نہیں ہوئے۔ اِس موقع پر پاسبانِ مسلکِ رضا قبلہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی زید مجدہٗ کھڑے ہوئے اور خوشامد کرنے والوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: وزیرِ اعلیٰ کا پتنگ بازی میں شریک نہ ہونا کون سی خوبی ہے؟ اِس موقع پر شرم وحیا اور غیرتِ ایمانی کا جس طرح جنازہ نکالا گیا، وہ سب وزیرِ اعلیٰ کی سرپرستی میں ہوا، اُن کی ذمہ داری تھی کہ وہ اِن بے ہودہ کاموں کو روکتے، وہ شریک نہیں بھی ہوئے تو سب خرافات کے ذمہ دار ہیں۔ آپ کی حق گوئی پر وزیرِ اعلیٰ اور خوشامدیوں میں سے کسی کو بھی ٹوکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(ماہنامہ النظامیہ، اپریل 2003ء، ص:33، ملخصاً، مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)

ایک مرتبہ سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب (جو بعد میں وزیرِ اعظم پاکستان بھی رہ چکے ہیں) کے ساتھ میٹنگ کے بعد جب مفتی صاحب واپس تشریف لائے تو وزیرِ اعلیٰ نے ایک سرکاری عہدے دار کے سامنے خوشی کا اِظہار کرتے ہوئے کہا (شکر ہے کہ) آج مَیں مفتی صاحب کی ڈانٹ سے بچ گیا ہوں۔

(مجلہ النظامیہ [خصوصی شمارہ]، اگست / ستمبر 2021ء، ص:291، ملخصاً)

کچھ سال پہلے ایک فوجی آمر [1] نے علما کو جمع کر کے دھمکی دی کہ میں مدارس کو بند کروادوں گا۔ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے نہایت دلیری سے فرمایا: اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ عمارت کا نام ہے تو اُسے تالا لگوادیں، مَیں دریائے راوی کے کنارے بیٹھ کر دین پڑھانا شروع کردوں گا اور اللہ تعالیٰ وہیں مدرسہ بنادے گا۔ (ماہنامہ النظامیہ [مفتیٔ اعظم نمبر]، اگست 2018ء، ص:133)

لمحۂ فکریہ: اِس وقت حق گوئی کے حوالے سے بہت اِفراط وتفریط پائی جاتی ہے، بعض لوگ حق گوئی کے نام پر فساد اور گمراہی پھیلا رہے ہیں، جب کہ بے شمار لوگ دُنیاداری میں اتنے مگن ہیں کہ حق بات کہنے اور حق کی حمایت کرنے کی جرأت ہی نہیں رکھتے۔ ہمیں چاہیے کہ بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سلیقے کے ساتھ ہمیشہ حق بات کہیں اور حق کی حمایت کریں۔

---

[1] سابق چیف آف آرمی سٹاف وسابق صدر جنرل پرویز مشرف

اسلاف کا پسندیدہ وصف... خدمتِ دینِ اسلام

اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اِسے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے بہت نوازنا چاہے اُسے خدمتِ دینِ اسلام کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے خاتم النبیین ﷺ کی مدد کریں گے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔[1] ”اور اے محبوب! یاد کیجیے، جب اللہ نے انبیا سے پختہ وعدہ لیا کہ مَیں تمھیں کتاب و حکمت عطا کروں گا پھر تمہارے پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا عظیم الشان رسول تشریف لائے گا تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور (دینِ حق کی سربلندی کے لیے دشمنوں کے خلاف) اُس کی مدد کرنا۔“ [اٰلِ عمران 3:81]

رحمتِ عالم ﷺ نے اعلانِ نبوّت سے وصالِ اقدس تک اسلام کی سرفرازی کے لیے ہر طرح سے کوششیں فرمائیں۔ کفار کے طعنے سنے، اذیتیں برداشت کیں، ہر ممکن مقام پر پہنچ کر اسلام کی دعوت دی، میدانِ جہاد میں تشریف فرما ہو کر دشمنانِ اسلام کو زیر کیا، شاہانِ وقت کو خطوط لکھ کر اسلام کا پیغام پہنچایا، اپنے ارشادات و کردار کے ذریعے مجاہدینِ اسلام کی کھیپ تیار کی اور قیامت تک کے لیے اُمّت کو خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار فرمایا۔

نبیِ کریم ﷺ کی اُمّت میں ربّ تعالیٰ کی محبوبیت اور اُس کا قُرب پانے والے بھی اُسی مقصد کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کرتے ہیں جس کا انبیائے ذی شان سے وعدہ لیا گیا اور جس کے لیے سیدِ عالم ﷺ اپنی پوری ظاہری حیاتِ طیبہ میں کوشش فرماتے رہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کی دینی خدمات: مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے 1955ء میں خدمتِ دین کا آغاز کیا اور زندگی کے آخری دن (26 اگست 2003ء)، بلکہ آخری لمحہ تک اُسے جاری رکھا۔ آپ نے مختلف شعبوں میں نمایاں دینی خدمات سرانجام دیں، مثلاً:

- مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ جس اِدارے کے مہتمم اور مدرّس تھے اُس کا نام جامعہ نظامیہ رضویہ ہے۔ یہ جامعہ بلاشبہ اہلِ سنت کے سب سے بڑے اِداروں میں ایک ہے، جہاں سے فیض پانے والے افراد پوری دُنیا میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، بالخصوص پاکستان میں کوئی بھی ایسا بڑا دینی اِدارہ نہیں جس میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ افراد موجود نہ ہوں۔ اِس وقت جامعہ کے نیٹ ورک میں تقریباً آٹھ ہزار طلبہ و طالبات دینی و عصری تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

---

[1] وَلَتَنْصُرُنَّهٗ: عَلٰى أَعْدَائِهٖ لِإِظْهَارِ دِيْنِ الْحَقِّ۔ (روح البیان، تحت الآیۃ)

- اہلِ سنت وجماعت کے دینی اِداروں کی تنظیم کا نام ''تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان'' ہے، یہ تنظیم عالم کورس کی سند جاری کرتی ہے اور ہائر ایجوکیشن کمیشن اُس سند کو ایم۔اے (عربی، اسلامیات) کے برابر تسلیم کرتا ہے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ تقریباً 28 سال تک تنظیم المدارس کے ناظمِ اعلیٰ اور دو سال تک مرکزی صدر رہے اور اِسے عروج تک پہنچایا۔
- اُردو میں فقہِ حنفی کا سب سے بڑا اور مستند ذخیرہ فتاوٰی رضویہ ہے، جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی پر مشتمل ہے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے ''رضا فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے اُس کے زیرِ اہتمام فتاوٰی رضویہ کو عالمی معیار کے مطابق شائع کروایا۔ وہ لوگ جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کرتے تھے، آج وہ بھی اِس فتاوٰی کو اپنی لائبریریوں کی زینت بناتے ہیں اور اِس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔
- اِن کے علاوہ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف سرکاری وغیر سرکاری عہدوں پر فائز رہتے ہوئے دُنیا بھر میں کام کرنے والی سُنّی تنظیمات اور اِداروں کی سرپرستی فرمائی۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے آپ کے لیے ہی یہ شعر کہا تھا:

مِری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
مَیں اِسی لیے مسلماں، مَیں اِسی لیے نمازی

مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی مدظلہ العالی (صدر تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان) نے اپنے استاذِ گرامی مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا: حضرت مفتی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی اِخلاص وایثار، سعیِ پیہم، جُہدِ مسلسل اور عزمِ صمیم سے عبارت تھی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک دین کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔ اُن کی حیاتِ مبارکہ کو اگر ہم الفاظ میں سمیٹ کر کوئی عنوان دینا چاہیں تو وہ یہی ہے: ''کام، کام اور صرف کام''۔

(النظامیہ [مفتیٔ اعظم نمبر]، اگست 2018ء، ص:37، مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان)

خدمتِ دین کی تلقین: مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نمایاں خوبی تھی کہ آپ نہ صرف خود ہمہ وقت خدمتِ دین میں مصروف رہتے، بلکہ اپنے تلامذہ و متعلقین، حتّٰی کہ ملاقات کے لیے آنے والوں میں بھی یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرتے تھے۔

آپ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ ایک شخص اگر کسی کے ہاں نوکری کرے اور صاحب اپنے ملازم کے کھانے، لباس ورہائش وغیرہ کی ذمہ داری لے لے تو ملازم اِن تمام چیزوں سے بے فکر ہو کر اپنا کام کرے گا۔ ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کے دین کا نوکر بن جائے اُس کی تمام ضروریات باری تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہوتی ہیں، اُسے چاہیے کہ اِن اُمور سے بے فکر ہو کر اپنی تمام توجّہ دین کی خدمت پر مرکوز رکھے۔

(النظامیہ [مفتیٔ اعظم نمبر]، اگست 2018ء، ص:126، 127)

آپ کے اِس ارشاد کی تائید قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ... ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔“ [محمد 47:7] میدانِ جنگ میں بھی ڈٹے رہو گے، اسلام پر بھی استقامت نصیب ہو گی اور پُل صراط پر بھی تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

تاج دارِ گولڑہ کی خدمتِ دین اور فتحِ مُبین: 25 اگست کی تاریخ تاج دارِ گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ سیالوی گولڑوی علیہ الرحمہ کی دینی خدمات یاد دلاتی ہے۔ 20 جولائی 1900ء کو نبوّت کے جھوٹے دعوے دار مرزا قادیانی دجّال نے آپ کو مناظرے کا چیلنج دیا، اُس کا خیال تھا کہ اتنے بڑے پیر کو کہاں فُرصت ہو گی کہ میرے ساتھ مناظرے کے لیے وقت نکال سکے، مگر اُسے معلوم نہ تھا کہ سچے پیر ہوتے ہی وہ ہیں جو ہر وقت دین کی خدمت کے لیے تیار رہیں۔ چنانچہ علمائے اہلِ سنت کی تائید سے یہ چیلنج قبول کیا گیا اور طے پایا کہ 25 اگست 1900ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں مناظرہ ہو گا۔

مقررہ دن قریب آتے ہی ملک بھر سے لوگ جمع ہونے لگے، گلیوں اور بازاروں میں ہجوم ہو گیا، 25 اگست کو بادشاہی مسجد عوام سے کھچا کھچ بھر گئی، دو دن تک کانے مرزے کا انتظار جاری رہا، مگر وہ مناظرے کے لیے نہ پہنچا اور تاج دارِ گولڑہ کو فتحِ مبین عطا ہوئی۔

اِس موقع پر قادیانیوں کا ایک وفد تاج دارِ گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: آپ مرزا صاحب سے مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے، ایک اندھے اور ایک اپاہج کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں، دوسرے اندھے اور لنگڑے کے لیے آپ دعا کریں، جس کی دعا سے اندھا اور لنگڑا ٹھیک ہو جائیں وہ سچا ہو گا، اس طرح حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا: یہ بھی منظور ہے اور قادیانی سے کہہ دو کہ اگر مُردے زندہ کرنے ہوں تو بھی آجائے، مَیں اُس کے لیے بھی تیار ہوں۔

مرزا کے ساتھ تحریری مناظرہ کی بات ہوئی تو آپ نے عاجزی کے طور پر اپنا نام لیے بغیر فرمایا: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں اِس وقت بھی دین کے ایسے خادم موجود ہیں جو قلم پر توجّہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیرِ قرآنِ مجید لکھے۔

بعد میں فرمایا کرتے: مَیں نے یہ دعوٰی از خود نہیں کیا تھا، بلکہ عالمِ مُکاشفہ میں جناب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ باکمال سے میرا دل اِس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقینِ کامل تھا کہ اگر (مَیں تحفّظِ ختمِ نبوّت کے لیے) اِس سے بھی کوئی بڑا دعوٰی کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتا۔ (مہرِ منیر، از مولانا فیض احمد فیض، ص: 233، 234)

لمحۂ فکریہ: قرآن و سنت اور اکابر کے ارشادات و کردار سے معلوم ہوتا ہے خدمتِ دین کی توفیق خوش نصیبوں کو عطا ہوتی ہے، ہمیں چاہیے کہ دین اور دین والوں سے اپنا تعلّق پختہ کریں اور اپنی طاقت کے مطابق بڑھ چڑھ کر دین کی خدمت کریں۔

اسلاف کا پسندیدہ وصف... وقت کی قدر

اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا "وقت" نہایت قیمتی چیز ہے، یہ ایسی دولت ہے جو صرف ایک بار ملتی ہے اور ضائع ہو جائے تو نقصان کا اِزالہ اور تلافی ممکن نہیں ہوتی... دوسری نعمتیں ضائع ہو جائیں تو دوبارہ بھی مل سکتی ہیں، بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ صحت عطا کر دیتا ہے، غربت واِفلاس کے بعد پھر سے مال میسر ہو جاتا ہے، لیکن جو گھڑیاں گزر جاتی ہیں ساری دُنیا کے اسباب جمع ہو کر بھی ان کو واپس نہیں لا سکتے... تجارتی زبان میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "وقت" اصل سرمایہ ہے جسے صحیح استعمال کر کے انسان دینی اور دنیاوی کامیابی حاصل کرتا ہے، لیکن اگر اصل سرمایہ ہی ضائع ہو جائے تو نفع حاصل ہونا ممکن نہیں رہتا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ [1] إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ.» یعنی "لوگ کہیں بیٹھیں، مگر اِس نشست میں نہ ربّ تعالیٰ کا ذکر کریں، نہ ہی اپنے نبیِ کریم پر دُرود و سلام بھیجیں (پورا وقت فضول باتوں اور کاموں میں گزار دیں) تو یہ نشست اُن کے لیے نقصان و حسرت کا باعث ہو گی، اللہ تعالیٰ چاہے تو اُنھیں عذاب دے اور چاہے تو اُنھیں بخش دے۔" (جامع ترمذی، حدیث:3380)

مفتیٔ اعظم پاکستان کا معمول: مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ اکابر کی طرح وقت کے بہت قدر دان تھے۔ آپ اپنے وصال کے دن (26 اگست 2003ء کو) معمول کے مطابق جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تشریف فرما تھے اور لوڈشیڈنگ کے سبب اپنے دفتر کے دروازے کے قریب بیٹھ کر فتوٰی تحریر فرما رہے تھے۔ آپ کے رفیقِ خاص مولانا غلام فرید ہزاروی دامت برکاتہٗ نے کہا: کچھ دیر لائٹ آنے کا انتظار کر لیجیے۔ فرمانے لگے: اِس وقت میں جو کام ہو سکتا ہے اُسے کر لینا چاہیے (اگلے لمحے کا کیا اعتبار ہے)۔ پورا دن اِسی طرح بھرپور طریقے سے دینی مصروفیات میں گزار کر نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد وصال فرما گئے۔

(ماہنامہ النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر [اگست 2018ء]، ص:199، ملخصًا)

آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے: کام زیادہ ہے، زندگی مختصر ہے، لمبے چوڑے منصوبے بنانے میں وقت ضائع نہ کریں، جو کام ہو سکتا ہے شروع کر دیں۔ (مجلہ النظامیہ، اگست ستمبر 2021ء، ص:262)

ایک مرتبہ سفر پر روانگی کے لیے روڈ پر پہنچے، کچھ انتظار کے بعد ایک خستہ حال بس میں سوار ہونے لگے جس میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی تو خادم نے کہا: اِس میں سیٹ نہیں ہے، دوسری بس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ آپ خادم کا ہاتھ پکڑ کر بس میں سوار ہو گئے اور فرمایا: (دوسری بس کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کر سکتا) اِن بسوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر پورا سفر کھڑے ہو کر طے کیا۔ (ایضاً، ص:162)

---

[1] وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ: أَيْ مَعَ السَّلَامِ عَلَيْهِ. (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج:5، ص:312، دار المعرفة)

حرفِ آخر... اتباعِ اسلاف کی اہمیت اور ماہِ صفر کا منحوس نہ ہونا

ماہِ صفر المظفّر میں فیضِ عالَم حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش علیہ الرحمہ سمیت کئی جلیل القدر علماء ومشائخ کا وصال ہوا، اُن کے ایّامِ وصال کی مناسبت سے اِس مہینے میں اُن کے اعراسِ مبارکہ منائے جاتے ہیں۔

ماضی قریب کے عالمِ ربّانی مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ اکابر کے کردار وسیرت کی خوب صورت نشانی تھے۔ آپ نے دینی خدمات سے بھرپور لائقِ تقلید زندگی گزاری، آپ بلامبالغہ ہزاروں علما کے استاذ ہیں، آپ نے دُنیائے اسلام کے قابلِ فخر دینی اِدارے جامعہ نظامیہ رضویہ کو بامِ عروج تک پہنچایا، مدارسِ اہلِ سنّت کو ایک لڑی میں پروتے ہوئے تنظیم المدارس اہلِ سنّت پاکستان کو ملک گیر تنظیم بنایا، اعلیٰ حضرت بریلوی کے فتاوٰی رضویہ کو عالمی معیار پر شائع کروایا اور ہر محاذ پر حق گوئی کا حق ادا کیا۔ آپ 26 اگست 2003ء کو دارِ فانی سے کوچ کر کے ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

آپ جیسے اسلاف کی پیروی کا سبق دیتے ہوئے اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا: ”لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر“۔

یومِ مفتیٔ اعظم پاکستان کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کے کچھ اوصاف کا ذکر ہوا، جن سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں:

⟸ ہمیشہ حق بات کہنی چاہیے اور حق کی ہی حمایت کرنی چاہیے۔

⟸ اپنی بساط کے مطابق زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرنی چاہیے۔

⟸ وقت کو عظیم نعمت سمجھتے ہوئے اُسے بامقصد کاموں میں صَرف کرنا چاہیے۔

- یہ بات بھی یاد رہے کہ صفر المظفر کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا عَدْوٰى[1] وَلَا طِيَرَةَ[2] وَلَا هَامَةَ[2] وَلَا صَفَرَ[3]» یعنی ”بیماری (خود) متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدفالی کوئی چیز ہے، نہ اُلّو کے بولنے کا کوئی بُرا اثر ہے اور نہ ہی ماہِ صفر منحوس ہے۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 5757)

---

[1] ایک تحقیق کے مطابق ایک شخص سے دوسرے کو جراثیم لگ جاتے ہیں۔ اِس حوالے سے غور طلب بات ہے کہ یہ جراثیم کس نے پیدا کیے؟ وہ پہلے شخص سے دوسرے تک کس کے حکم سے پہنچے؟ اُن میں بیمار کرنے کی صلاحیت کس نے پیدا کی؟ بلاشبہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوا، تو دوسرے شخص کو بیماری جراثیم سے نہیں، بلکہ اُسی ذاتِ قدیر کے حکم سے لگی جس کے حکم سے پہلے شخص کو لگی تھی۔

[2] دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کا نظریہ تھا کہ اگر کسی شخص کو قتل کر دیا جائے تو اُس کی کھوپڑی سے ایک جانور نکلتا ہے جس کا نام ھامہ ہے، وہ ہمیشہ اِن الفاظ میں فریاد کرتا رہتا ہے: ”مجھے پانی دو“، جب تک قاتل کو قتل نہ کر دیا جائے فریاد کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ ھامہ سے مراد اُلّو ہے، اہلِ عرب سمجھتے تھے کہ اگر اُلّو کسی گھر پر بیٹھ کر بولے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے یا اُس گھر والوں سے کوئی مر جاتا ہے۔

[3] حضرت محمد بن راشد علیہ الرحمہ نے فرمایا: أَنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ يَسْتَشْئِمُونَ بِصَفَرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا صَفَرَ.» (سنن ابی داود، حدیث: 3915)

۱۴ صفر المظفّر ۱۴۴۵ھ / یکم ستمبر 2023ء

فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

(عرسِ فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر... یومِ دفاع اور یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت کی مناسبت سے)

مشمولات

- یومِ دفاع و شہدا... جنگِ ستمبر کی یاد
- جنگِ ستمبر میں نُصرتِ الٰہی کے مظاہر
- جنگِ ستمبر اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض
  - ”ابدال“ علیہم الرحمہ اور اُن کی برکات
  - جنگِ ستمبر میں رُوحانی مدد
- یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض
- تکریمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض
- مشکل معاشی حالات اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۔[مریم96:19]

قدرت کا دستور ہے کہ جو بندہ دل وجان سے باری تعالیٰ کی اِطاعت کرے اُس پر انعاماتِ خداوندی کی برسات ہوتی ہے، ایک انعام یہ بھی ہوتا ہے کہ اُسے درجۂ محبوبیت عطا کر دیا جاتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۔ ”بلاشبہ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے عن قریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔“[مریم96:19] اُنھیں اپنا محبوب بھی بنالے گا اور اپنے بندوں کے دلوں میں بھی اُن کا پیار ڈال دے گا۔

رحمٰن جلّ جلالہٗ نے جن پیاروں کو درجۂ محبوبیت عطا فرمایا اُن میں ایک نمایاں نام فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ خاص وعام، سبھی آپ کے دیوانے نظر آتے ہیں اور آپ کے بارے میں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر فرمایا:

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہ نما

اِس سال آپ کا 980واں عرسِ مبارک ۱۸، ۱۹، ۲۰ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ/ 5، 6، 7 ستمبر 2023ء، بروز منگل، بدھ، جمعرات کو منعقد ہو رہا ہے۔

فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض حاصل کرنے کے مختلف ذرائع ہیں:

- کارہائے خیر کے ذریعے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرنا۔
- آپ کی سیرتِ طیّبہ کا مطالعہ اور آپ کا تذکرہ کر کے محبت کی چاشنی بڑھانا۔
- آپ کے مزارِ پُر انوار پر حاضر ہونا۔[1]
- آپ کی مایہ ناز تصنیف کَشۡفُ الۡمَحۡجُوۡب شریف کا مطالعہ کر کے آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا۔

آپ کی تصنیف نہ صرف عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے اکسیر ہے، بلکہ اُمّتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں کشف المحجوب سے کچھ راہ نمائی حاصل کی جائے گی۔

---

[1] حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس شخص کے پاس مدینہ منوّرہ پہنچنے کے لیے خرچ نہ ہو وہ لاہور جا کر داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرے۔ (چشمۂ فیض گنج بخش، ص:44، مکتبہ حنفیہ)

یومِ دفاع و شہدا... جنگِ ستمبر کی یاد

ہر سال چھ ستمبر کو پاکستان میں قومی سطح پر "یومِ دفاع و شہدا" منایا جاتا ہے۔ اِس دن کو منانے کا مقصد یہ ہے کہ جاں باز شہیدوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اُن ایمانی جذبات کو تازہ کیا جائے جن کے ذریعے پاکستانی افواج نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور عوامی تائید سے دشمن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملایا تھا۔

جنوبی سندھ اور بھارتی ریاست گجرات کے درمیان ایک علاقے کا نام "رَن کچھ" ہے، اپریل، 1965ء کو بھارتی فوج نے اِس متنازعہ علاقے پر حملہ کر کے قبضہ کی کوشش کی، جس کے بعد پاکستانی اور بھارتی فورسز کے درمیان لڑائی ہوئی اور بالآخر افواجِ پاکستان نے بھارت کو شکست دی۔ پھر اگست 1965ء کو مقبوضہ کشمیر میں بھی پاکستانی اور بھارتی افواج کا آمنا سامنا ہوا۔

اِن واقعات کے بعد بھارت نے اپنی ہزیمت کو چھپانے اور اپنا رُعب جمانے کے لیے 6 ستمبر، 1965ء کو رات کے وقت اچانک بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی کی اور بھاری توپ خانے کے ساتھ لاہور پر تین اطراف سے حملہ کیا، اِسی طرح سیالکوٹ محاذ پر بھی 600 ٹینکوں کے ذریعے حملہ کیا، کہا جاتا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی افواج کی نفری، جنگی ساز و سامان اور فوجی تنصیبات بھارتی فوج کے مقابلے میں ایک تہائی سے بھی کم تھیں، مگر 17 دن تک جاری رہنے والی اِس جنگ میں پاکستان نے بھارتی اِرادوں کو خاک میں ملایا اور یہی پاکستان کی فتح تھی۔

اِس حملے میں بھارت کے دو بڑے مقاصد تھے:

1) کشمیر میں ہونے والی لڑائی کے جواب میں بین الاقوامی سرحد پر حملہ کر کے پاکستانی اور کشمیری مسلمانوں کو یہ باور کروایا جائے کہ بھارتی فوج نہایت طاقت وَر ہے اور کشمیر کبھی بھی پاکستان کا حصہ نہیں بنے گا۔
2) لاہور سمیت پاکستان کے اہم علاقوں پر قبضہ کر کے پاکستان کی دفاعی قوّت کو کمزور کر دیا جائے۔

مگر بھارت کو اِن دونوں مقاصد میں ناکامی ہوئی... کشمیریوں کے جذبات آج بھی جواں ہیں اور وہ بے تحاشا ظلم کے باوجود اب بھی حقِ آزادی کے موقف پر قائم ہیں۔ دوسری جانب لاہور میں فتح کا جشن منانے کا خواب لے کر آنے والے نہ صرف واپس بھاگنے پر مجبور ہوئے، بلکہ ایک تحقیق کے مطابق تقریباً 1600 مربع میل کے بھارتی علاقے پر بھی پاک فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔

اِس شان دار کامیابی کی اصل وجہ "اللہ تعالیٰ کی مدد" تھی اور ظاہری اسباب میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگرچہ پاک فوج کے پاس اسلحہ کم تھا، مگر جو جذبۂ جہاد اور جذبۂ شہادت پاک فوج کے دلوں میں تھا اُس کا بھارتی فوج تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مسلمان ہمیشہ اِسی ایمانی جذبہ کے ساتھ فتح و کامرانی پاتے ہیں۔

جنگِ ستمبر میں نُصرتِ الٰہی کے مظاہر

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کبھی کسی کو کامیابی ملی اور نہ ملے گی۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ "(اے مسلمانو!) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔" [اٰلِ عمران 160:3]

نصرتِ الٰہی کے ذرائع: ربّ تعالیٰ چاہے تو بغیر کسی سبب اور ذریعہ کے مدد فرماتا ہے اور چاہے تو بعض افراد و اشیا کو اپنی مدد کا ذریعہ اور مظہر بنا دیتا ہے۔ مثلاً:

⟸ مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے، جیسا کہ جنگِ بدر میں پانچ ہزار فرشتے نازل کر کے مدد فرمائی۔ [اٰلِ عمران 125:3]

⟸ دلوں کو سکون و اطمینان عطا کر دیتا ہے، جیسا کہ صلحِ حُدیبیہ کے موقع پر سکینہ نازل کر کے احسان فرمایا۔ [الفتح 4:48، 18]

⟸ دشمنانِ اسلام کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب و دبدبہ پیدا کر دیتا ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر میں قریشِ مکہ اور غزوۂ احزاب کے بعد یہودِ بنو قُریظہ اور یہودِ بنو نَضِیر کو مرعوب کر کے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا۔ [الانفال 12:8، الاَحزاب 26:33، الحشر 2:59]

⟸ نیک مسلمانوں / اپنے پیارے بندوں کو مددگار بنا دیتا ہے، جیسا کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری اور دین کی سربلندی کے لیے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو منتخب فرمایا۔ [التحریم 4:66] اور بعد میں بھی ہر دَور کے اولیائے ذی شان کو مددگار بنایا۔

جنگِ ستمبر میں ربّ تعالیٰ نے کئی طرح سے پاکستان کی مدد فرمائی... افواجِ پاکستان اور عوام کے دلوں میں ایسا سکون و اطمینان اُتارا کہ پوری قوم جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر یک جان اور یک زبان ہو چکی تھی۔ لاہور میں لڑائی کے دوران زخمی ہونے والے فوجیوں کو ہسپتال منتقل کیا گیا، کسی کا ہاتھ کٹا ہوا تھا تو کوئی توپوں کے گولوں سے جُھلسا ہوا تھا، وہاں میجر جنرل سرفراز کی اہلیہ زخمیوں کی عیادت کے لیے جاتیں تو زخمی فوجی اُن سے کہتے: جنرل صاحب سے کہیے ہم بالکل ٹھیک ہو چکے ہیں، ہمیں جلدی محاذ پر بھیجیں۔[1] باری تعالیٰ نے بھارتی فوج کے دلوں میں ایسا رُعب ڈالا کہ وہ بھاری اسلحہ کے باوجود تمام محاذوں پر پسپا ہوتے گئے۔ نیز قدرت نے اپنے پیارے بندوں / اولیائے کرام کو ایسا مددگار بنایا کہ بھارتی فوج حیران تھی کہ یہ کون سے فوجی ہیں جو ہاتھوں میں بم پکڑ کر زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ کئی لوگوں نے نامور بزرگانِ دین کو خواب میں یا جاگتے ہوئے دیکھا جو افواجِ پاکستان کی مدد کے لیے میدان میں تشریف لے جا رہے تھے۔[2]

---

[1] دیکھیے مجلہ ہلال [افواجِ پاکستان کا مجلہ]، جذبۂ ستمبر... 1965 سے 2022 تک، از محمود شام

[2] روحانی مدد کے واقعات جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے: "پیر پیغمبر چھ ستمبر"، از مفتی محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ

جنگِ ستمبر اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں موقع پر، مثلاً جنگِ ستمبر میں بزرگانِ دین نے اُمّت کی مدد کی تو شرک ہو جاتا ہے۔ گزشتہ گفتگو سے واضح ہو چکا کہ محبوبانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھنا ہرگز شرک نہیں؛ کیونکہ اِن کی مدد حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی مدد ہے۔ ربّ تعالیٰ چاہے تو فرشتوں کو مددگار بنائے اور چاہے تو نیک مسلمانوں کو مددگار بنادے، جیسے فرشتوں کو مددگار سمجھنے سے شرک نہیں ہوتا، ایسے ہی فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو مددگار سمجھنا بھی شرک نہیں۔

جنگِ ستمبر میں فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے متعلق جاننے سے پہلے اِس حوالے سے خود آپ کا موقف جاننا مناسب ہے؛ تاکہ عقیدے سے متعلق غلط فہمی بھی دُور ہو جائے۔ آپ نے اپنی کتاب **کشف المحجوب** کے تیرہویں باب میں ایک عنوان قائم کیا: "**الکلام فی إثباتِ الولایۃ**"، اِس عنوان کے تحت لکھا: خُدا عزّ و جلّ را أولیا است کہ ایشاں را بہ دوستی و وِلایت مخصوص گردانیدہ است، و والیانِ مُلکِ وَیْ اند کہ بر گیرندشان، و نشانۂ اِظہار فعلِ خود گردانیدہ است، و بہ أنواعِ کرامات مخصوص کردہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے ولی ہیں جنھیں اُس نے اپنی دوستی وولایت کے لیے خاص فرمایا ہے، وہ ملکِ خدا کے والی ہیں، عظیم الشان ہیں، ربّ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی قدرت کا مظہر بنایا ہے اور کئی قسم کے اعزازات اور کرامتوں کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

مزید فرمایا: پیش از مَابُودہ اند اندر قُرونِ ماضیہ، و اَکنُوں ھستند، و از پسِ این إلی یومِ القیامہ خواھند بود۔ یہ اولیا ہم سے پہلے دَور میں بھی تھے، اب بھی ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

یہ بھی لکھا: تا از آسمان باراں بہ برکتِ أقدامِ ایشان آید و از زمین نبات بہ صفائے أحوالِ ایشان رُوید و بر کافراں مسلماناں نُصرت بہ ھمّتِ ایشاں یابند۔ اُنہی کے قدموں کی برکت سے آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے، اُنہی کے احوال کی صفائی سے زمین سے سبزہ اُگتا ہے اور اُنہی کی ہمّت وتوجہ سے مسلمان کافروں پر فتح پاتے ہیں۔

(کشف المحجوب فارسی، الباب الرابع عشر، الکلام فی إثبات الولایۃ، ص: 265، 266، سنگِ میل پبلی کیشنز)

فیضِ عالم علیہ الرحمہ کے اِس اِرشاد کی تائید حدیثِ صحیح متواترِ معنوی سے بھی ہوتی ہے، جسے سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا: اَلْأَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ، وَھُمْ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلًا، یُسْقٰی بِھِمُ الْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِھِمْ عَلَی الْأَعْدَاءِ وَیُصْرَفُ عَنْ أَھْلِ الشَّامِ بِھِمُ الْعَذَابُ۔ یعنی "ابدال (مُلکِ) شام میں ہوں گے، وہ چالیس مَرد ہیں، جب اُن میں سے کسی کی وفات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی جگہ دوسرے کو یہ منصب عطا فرما دیتا ہے، اُن کی برکت

سے بارش ہوتی ہے، اُن کے ذریعے دشمنوں کے خلاف فتح عطا کی جاتی ہے اور اُن کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب دُور کیا جاتا ہے۔"
(مسند احمد، حدیث:896۔اِس حدیث کی فنّی حیثیت سے متعلق تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تبیان القرآن، ج:5، ص:421تا425)

جنگِ ستمبر میں روحانی مدد: متعدد واقعات ومُشاہدات اور بزرگوں کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے پاک بھارت جنگ میں اپنے پیاروں / اولیائے ذی شان کو پاکستان کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا۔

جنگ کے دوران ایک شخص نے شیرِ ربّانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں لاہور کے اندر دیکھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ جلدی میں کہیں جارہے ہیں، پوچھا تو آپ نے فرمایا: بھارتی فوج نے چونڈہ (سیالکوٹ کے قصبہ) پر ٹینکوں سے حملہ کر دیا ہے اور مجھے وہاں جہاد میں شریک ہو کر ٹینک روکنے کا حکم ملا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے کہا: یہاں سے واہگہ قریب ہے اور وہاں بھی حملہ ہوا، آپ اُدھر کیوں نہیں تشریف لے جاتے؟ فرمایا: لاہور کے محاذ پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ خود کمان کر رہے ہیں، میری ڈیوٹی چونڈہ میں لگی ہے۔ (چشمۂ فیض گنج بخش، از مولانا ریاست علی مجدّدی، ص:128، 129، مکتبہ حنفیہ)

بھارتی فوجیوں اور ہوابازوں کو جب پاکستانی فوج نے گرفتار کیا تو وہ حیران ہو کر پوچھتے تھے: پاکستان کے وہ سبز پوش (سبز لباس والے) مجاہد کہاں ہیں؟ ہم سخت سے سخت حملہ کرتے تھے، لیکن وہ سبز پوش بڑے اطمینان سے ہمارے حملے کو ناکارہ بنادیتے اور ہمیں پسپائی پر مجبور کر دیتے۔ انتہا یہ ہے کہ بھارتی ہوابازنے پاکستان کے ایک معروف شہر پر تقریباً اڑھائی سو بم گرائے، لیکن اللہ کے فضل سے اُس شہر کے ہوائی اڈے کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور، 29نومبر 1965ء۔ مزید دیکھیے مجلہ النظامیہ، ستمبر 2019ء)

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب ہندوستان سے پاکستان کی جنگ شروع ہوئی تو میرے والدِ گرامی (مجاہدِ اعظم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی) علیہ الرحمہ مجھے خواب میں ملے اور فرمایا: ہم جہاد پر جارہے ہیں، تم بھی مکمل تیاری کر کے آؤ۔ مَیں نے کہا: غریب نواز! پاکستان والے اسلام کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، اِن کی طرف سے جہاد کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: (جیسے بھی ہیں، آخر پاکستان) مسلمانوں کے سر چھپانے کی جگہ تو ہے نا! (فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:3، ص:234)

اہم بات: بعض بدبخت ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ جولائی 2010ء میں داتا دربار پر خودکش دھماکا ہوا تھا، اُس وقت فیضِ عالم علیہ الرحمہ نے اِس سازش کو ناکام کیوں نہیں بنایا؟ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب بھی حالات بہت خراب ہیں، اب وہ بزرگ کہاں ہیں؟ اِس حوالے سے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ محبوبانِ خدا ربّ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، اگر ربّ تعالیٰ کسی فرد یا قوم کو آزمانا چاہے تو وہ حکمِ ربّانی کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اِس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کچھ کر نہیں سکتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ یزید کی فوج نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے غلافِ کعبہ کو جلا دیا تھا، اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ باری تعالیٰ کچھ کر نہیں سکتا تھا، ایسے ہی بزرگوں کی خاموشی سے بھی اُن کا عاجز ہونا لازم نہیں آتا۔

یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

پاکستانی مسلمان سات ستمبر کو "یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت" کے طور پر مناتے ہیں، اِس دن کو منانے کا مقصد یہ ہے کہ تحفّظِ ختمِ نبوت کے لیے شہادت پانے والوں اور کاوشیں کرنے والوں کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے، نیز اِس عہد کی تجدید کی جائے کہ ہم عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے ہر دم تیار رہیں گے اور قادیانیوں سمیت ختمِ نبوّت کا انکار کرنے والے تمام کفار کو لگام دیں گے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ نے سیدِ عالم ﷺ کو سب سے آخری نبی بنایا ہے، آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آیا ہے اور نہ ہی قیامت تک آئے گا، نہ نئی شریعت والا آسکتا ہے نہ آپ کی شریعت کا تابع بن کر۔ جو بدنصیب یہ کہے کہ آپ ﷺ کے بعد نیا نبی تھا، یا ہے، یا ہو گا، یا آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن سمجھے وہ کافر ہے، حتّٰی کہ جو خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن جانے اُسے مسلمان سمجھنے والا، بلکہ اُس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔

فیضِ عالم داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے اولیائے اُمّت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا: پس خدا تعالٰی بُرھانِ نبوی را تا اِمروز باقی گردانیدہ است، و أولیا را سببِ إظہار آن کردہ؛ تا پیوستہ آیات و حجتِ صدقِ محمد علیہ السّلام ظاہر می باشد، و مَر ایشان را والیانِ عالم گردانیدہ، تا مجرد مَر حدیثِ وی را گشتہ اند و راہِ متابعتِ نفس را اندر نوشتہ۔ یعنی اللہ نے نبیِ اکرم ﷺ کی نبوّت کے دلائل کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیا کو دلائلِ نبوّت کے اِظہار کا ذریعہ بنایا ہے؛ تاکہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے دلائل تسلسل کے ساتھ ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن اولیا کو جہان کا والی بنایا ہے، یہاں تک کہ وہ صرف سنّتِ مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور نفس کی پیروی کا راستہ اُن پر بند ہوتا ہے۔ (کشف المحجوب فارسی، الباب الرابع عشر، الکلام فی إثبات الولایۃ، ص:266)

اِس عبارت میں اولیا کی پہچان کا بھی ذکر ہے، کہ ولی آقا کریم ﷺ کی سنتوں کے پابند ہوتے ہیں۔ نیز عقیدۂ ختمِ نبوّت کا بھی بیان ہے، کہ تاج دارِ ختمِ نبوّت ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، سیدِ عالم ﷺ کی نبوّت کے دلائل آپ کی اُمّت کے اولیا کی کرامتوں کے ذریعے ظاہر ہوتے رہیں گے؛ کیونکہ ولی کی کرامت حقیقت میں اُس کے نبی کا معجزہ ہوتی ہے۔

یومِ تحفّظِ ختمِ نبوت کا پس منظر یہ ہے کہ 30 جون 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ اِس پر پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے قادیانیوں کے عقائد کا بغور مطالعہ کیا اور قادیانی خلیفہ کو اپنے اجلاس میں بلوا کر اُس کا موقف سنا۔ تمام مراحل طے ہونے کے بعد 7 ستمبر 1974ء کو ارکانِ قومی اسمبلی کی رائے شماری ہوئی اور اسپیکر نے تمام اراکین کے اتفاق سے قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔

قانونی طور پر قادیانی کافر ہیں، وہ نہ تو خود کو مسلمان ظاہر کر سکتے ہیں، نہ ہی اپنے جھوٹے مذہب کی دعوت دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب کے لیے اسلامی شعائر و اصطلاحات استعمال کر سکتے ہیں۔

تکریمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت ورِفاقت کے لیے اُن افراد کا انتخاب فرمایا جو اُس کی نظر میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد کائنات میں سب سے افضل واعلیٰ تھے۔ قرآن وسنت میں جابجا صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کے فضائل بیان ہوئے ہیں اور اِن حضرات کا احترام کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے بارے میں بدزبانی کرنے والے بدبختوں پر لعنت فرمائی ہے،[1] بلکہ روایات میں ایسے موقع پر خاموش رہنے والے کے لیے بھی وعید فرمائی گئی ہے۔

قرآن وسنت کی واضح نصوص کے باوجود صدیوں سے ایسے بدبخت موجود ہیں جو صحابہ کرام یا اہلِ بیت عظام علیہم الرضوان کے بارے میں بدزبانی سے باز نہیں آتے۔ ایک طرف وہ بدبخت ہیں جن کا مسلک ہی صحابہ کی گستاخی پر قائم ہے، دوسری طرف وہ بدزبان ہیں جو غیروں کے اِشاروں پر چلتے ہوئے آئے روز گستاخی کرتے ہیں، پھر اُس کی کوئی تاویل گھڑ لیتے ہیں یا رجوع کر لیتے ہیں۔

اگست 2023ء کے پہلے عشرے میں سینٹ آف پاکستان نے توہینِ صحابہ کے حوالے سے موجود فوجداری قانون میں ایک ترمیم کی منظوری دی ہے، اِس ترمیم کے ذریعے توہینِ صحابہ کی سزا میں اِضافہ کیا گیا ہے۔ یہ اِقدام یقیناً خوش آئند ہے اور اہلِ اسلام کے ایمانی جذبات کی ترجمانی ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی سچا مسلمان نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی توہین کا نہ تو تصوّر کر سکتا ہے اور نہ ہی اُسے برداشت کر سکتا ہے۔ افسوس کہ صدرِ پاکستان نے اِس بل کو منظور نہیں کیا۔

فیضِ عالم علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب کا ساتواں باب صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذکرِ خیر کے لیے قائم فرمایا، باب کے آغاز میں آپ نے لکھا: اکنون طرفے یاد کنیم از احوالِ ائمۂ ایشاں از صحابہ، کہ پیشروِ ایشاں بودند اندر معاملات، و قُدوۂ ایشاں اندر انفاس و قُوّادِ ایشاں اندر احوال، از پسِ انبیا از سابقان اولین۔۔۔ یعنی اب ہم اولیائے کرام کے ائمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہیں، جو معاملات میں اولیا کے پیشوا ہیں، لمحاتِ زندگی میں اُن کے مقتدا اور احوال میں اُن کے قائد ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں۔ (کشف المحجوب، الباب السابع، ص:85)

فیضِ عالم علیہ الرحمہ کے اِس حسین انداز سے بے ساختہ یہ بات منہ سے نکلتی ہے کہ قدر والے ہی قدر دان ہوتے ہیں۔

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔ (جامع ترمذی، حدیث:3866)
نوٹ: گستاخِ صحابہ پر لعنت والی احادیث میں سے بعض کی اسانید ضعیف ہیں، مگر مجموعہ حجت ہے۔ قال الغماری: فأحاديثُ لعنِ مَنْ سبَّ أصحابَ النبيِّ ﷺ وردتْ مِنْ طُرُقٍ متعددةٍ، كادت تَبلغ حدَّ التواترِ؛ فإنها رُوِيتْ أيضًا من حديثِ جابرٍ وابنِ عمر وأنسٍ وعائشةَ وأبي سعيدٍ الخدريِّ وأبي هريرةَ وعويمِ بن ساعدةَ وعمرَ بنِ الخطابِ وعطاءٍ مرسلًا وغيرِهم، وكلُّها شاهدةٌ لابن عباس۔
(المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرحی المناوی)

مشکل معاشی حالات اور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

اِس وقت پاکستان کی معاشی صورتِ حال پریشان کن ہے، لوگ مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ حالات یہاں تک پہنچنے کی ذمہ داری تمام سابقہ حکومتوں پر عائد ہوتی ہے، جن کی بد دیانتی، نااہلی اور شہ خرچیوں سے آج یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ آزمائشیں اور آسائشیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتی ہیں، آزمائشوں میں ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ جب بندے نافرمانی میں حد سے بڑھتے ہیں تو اُنھیں متوجہ کرنے کے لیے کسی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ یعنی "تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہی ہے اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔" [الشوریٰ 30:42]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی تنگی اپنے ہی گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ ہمیں معاشی مشکلات سے چھٹکارے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کی اِطاعت کرے تو اُسے دونوں جہان کی بے شمار برکتیں عطا ہوتی ہیں۔

فیضِ عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں ایک تبع تابعی حضرت حبیب بن سُلیم راعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تذکرہ کیا، داتا صاحب فرماتے ہیں: کسی بزرگ سے منقول ہے کہ مَیں ایک بار اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، مَیں نے دیکھا کہ وہ نماز ادا کر رہے ہیں اور بھیڑیا اُن کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ مَیں نے کہا: اِس شیخ کی زیارت کرنی چاہیے، اِس میں بزرگی اور وِلایت کی نشانیاں پائی جا رہی ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے تک مَیں اُن کا انتظار کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام وجواب کے بعد اُنھوں نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اُنھوں نے دُعا سے نوازا۔ مَیں نے کہا: «اُیّها الشیخ! گُرگ را با مَیش موافِق مِی بینم؟» شیخ! مَیں نے عجیب منظر دیکھا ہے کہ بھیڑیا بکریوں کے موافق ہے اور اُن کی حفاظت کر رہا ہے۔ وہ فرمانے لگے: «از آن کہ راعیٔ مَیش با حق موافق است۔» اِس لیے کہ بکریوں والا اپنے مالک جلّ جلالُہٗ کے موافق اور اُس کے حکم کا تابع ہے۔

پھر اُنھوں نے لکڑی کا پیالہ ایک پتھر کے نیچے رکھا جس سے دو چشمے جاری ہو گئے: ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ میں نے کہا: «أَیُّها الشیخ! این درجه به چه یافتی؟» شیخ! آپ کو اتنا عظیم مقام کیسے حاصل ہوا ہے؟ فرمانے لگے: «به متابعتِ محمدٌ رّسولُ الله ﷺ.» یہ سب غلامیٔ رسول ﷺ کی برکات ہیں۔

پھر فرمایا: «ای پسر! قومِ موسیٰ با آنکه مخالف بودند سنگ ایشاں را آب داد، وموسیٰ نه به درجهٔ محمد ﷺ بود، چوں مَن محمد ﷺ را مُتابِع باشَم آخر سنگ مَرا شیر وانگبین ندہد؟» بیٹے! موسیٰ علیہ السلام کی قوم اُن کے حکم کے خلاف کرتی

تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پتھر سے پانی عطا کیا،[1] رسول اللہ ﷺ کا درجہ تو بہت بلند ہے، اگر مَیں اُن کی غلامی اختیار کروں تو کیا میرے لیے پتھر سے شہد اور دودھ نہیں نکل سکتا؟ (کشف المحجوب، باب الحادی عشر فی ذکر ائمتہم من التابعین، ص:118)

حرفِ آخر

ہمارے دَور میں لوگ شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کے لیے نہ جانے کیا کچھ کرتے ہیں، حتّٰی کہ حلال و حرام کی پرواہ بھی نہیں کرتے، اِس کے باوجود بہت سے لوگ اپنی کوشش میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو مقبولیت ملے بھی تو وہ عارضی ہوتی ہے، کچھ سالوں بعد سب کیا دھرا ضائع ہو جاتا ہے۔

ربّ تعالیٰ کے پیارے بندے لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل کرنے کی نہ چاہت رکھتے ہیں، نہ اِس کے لیے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، اُن کی توجّہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کی طرف ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں باری تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام اُنھیں ایسی مقبولیت و محبوبیت عطا ہوتی ہے جس کا دُنیا پرست لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی مقبولیت دیکھ لیجیے! آپ کے وصالِ مبارک کو 980 سال گزر چکے ہیں، مگر آج بھی اُن کے عقیدت مندوں کا شمار ممکن نہیں، صرف ایک خطے کے مسلمان ہی نہیں، پوری دُنیا میں بسنے والے اُن سے پیار کرتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات پر عمل کر کے دونوں جہان میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے درجات مزید بلند فرمائے، آپ کے صدقے ہماری بخشش فرمائے اور ہمیں آپ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق سے نوازے۔

رحمٰن و رحیم جلّ جلالہٗ سیلاب سے متأثرین کی مدد فرمائے، اُن کے لیے آسانی کے اسباب پیدا فرمائے اور ہم سب کو مشکل وقت میں اُن کا ساتھ دینے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات دشمنانِ اسلام، دشمنانِ پاکستان اور اُن کے پُشت پناہوں کو دُنیا و آخرت میں نشانِ عبرت بنائے، اسرائیل سمیت مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے تمام ممالک کو تباہ و برباد فرمائے اور ہمیں مظلوموں کا سہارا بننے کی توفیق عطا کرے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

---

[1] وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا... [البقرۃ2:60]

۲۱ صفر المظفّر ۱۴۴۵ھ / 08 ستمبر 2023ء

تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات

مشمولات

- ہر صدی میں مجدّد کی آمد
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ
- مُجَدِّد کا مفہوم اور تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات
- تجدیدِ دین کا اجر
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور اِحیائے سنّت و شریعت
- تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور ردِّ بدعات و منکرات
- فکرِ رضا پر استقامت کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ [اٰلِ عمران:104]

حق پسندوں اور باطل پرستوں میں کشمکش ہمیشہ رہی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ ہر دَور میں کچھ بدبخت دین کے خلاف سازشیں کرتے رہے، انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو مٹانے اور گمراہی پھیلانے کی کوشش کرتے رہے، جب کہ ہر زمانے میں کچھ خوش نصیب دینِ اسلام کی خدمت و حفاظت کرتے رہے اور دین کے خلاف ہونے والی سازشوں کو ناکام بناتے رہے۔

پہلی اُمّتوں میں ایسا ہوتا تھا کہ جب گمراہی اور بے دینی آخری حدوں کو چھونے لگتی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرما کر اُن کے ذریعے دین کا بول بالا کر دیتا... خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دُنیا میں تشریف لانے کے بعد کسی کو بھی نبوت عطا نہیں ہو سکتی، چنانچہ اِس اُمّت میں اللہ تعالیٰ ایسے علمائے ربّانیین / خدّامِ دین پیدا فرماتا ہے جو قرآن و سنت کا علم عام کرتے ہیں، عقائدِ حقّہ کو خوب پھیلاتے ہوئے گمراہی کا خاتمہ کرتے ہیں اور سنت کو فروغ دے کر بدعات کو مٹاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ جہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبۡعَثُ لِہٰذِہِ الۡأُمَّۃِ عَلٰی رَأۡسِ[1] کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنۡ یُّجَدِّدُ لَہَا دِیۡنَہَا۔ ”یقیناً اللہ تعالیٰ اِس اُمت کے لیے ہر سو سال کے اختتام / آغاز پر مُجَدِّد بھیجے گا جو اُمّت کے لیے دین کو تازہ کر دے گا۔“ (سنن ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المأۃ، حدیث: 4291)

چنانچہ اِس حدیث پاک میں دی گئی خوش خبری کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر (ہجری) صدی کے اختتام پر ایسا صحیح العقیدہ اُمّتی یا کئی افراد پیدا فرمائے جو شریعت و طریقت کے علم سے آراستہ تھے، تقویٰ و پرہیز گاری میں بے مثال تھے، اُنھوں نے بغیر کسی خوف و لالچ کے دین و شریعت کو عام کیا اور گمراہی و بدعات کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔

۲۵ صفر المظفر امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کا یومِ وصال ہے، آپ نے صحیح عقائد اور سنتوں کو پھیلانے اور گمراہی و بدعت کو ختم کرنے میں بہت نمایاں خدمات سرانجام دیں، جن کی وجہ سے آپ کو چودھویں صدی کا مجدّد قرار دیا گیا۔

آج کے خطبے میں امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ کے سوانحی خاکہ کے ساتھ ساتھ یہ ذکر ہو گا کہ مجدّد کسے کہتے ہیں؟ تجدیدِ دین کی فضیلت کیا ہے؟ اور امامِ اہلِ سنّت علیہ الرحمہ نے کیا تجدیدی خدمات سرانجام دیں؟

---

[1] محاورۂ عرب کے مطابق لفظِ ”رأس“ آخِر کے معنی میں ہے، مگر مجدّد کا فیضان صدی کے اختتام سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ اگلی صدی کے آغاز میں بھی اُس کا فیضان موجود اور جاری رہتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:27، مسئلہ:1)

تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / 14 جون 1856ء کو بھارت کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ دادا محترم مولانا شاہ رضا علی خان اور والدِ گرامی مولانا شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہما نامور علما تھے۔

ابھی ساڑھے تین سال عمر ہوگی کہ عربی لباس پہنے ایک صاحب تشریف لائے، اُنھوں نے عربی زبان میں گفتگو کی تو ربّ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے بھی فصیح عربی زبان میں اُن کے ساتھ کلام کیا۔

حافظہ ایسا شان دار تھا کہ اُستاذ بھی حیران رہ جاتے۔ فقط چار سال کی عمر میں قرآنِ مجید مکمل کیا۔ تیرہ برس، دس ماہ کی عمر میں، 1869ء کو مکمل عالمِ دین بننے کے بعد والدِ گرامی کی نگرانی میں فتوٰی لکھنے کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ وصال تک پورے 54 سال جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام قدیم وجدید علوم میں اعلیٰ درجہ کی مہارت عطا فرمائی تھی۔ عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دل یوں منوّر تھا کہ فرمایا کرتے: بحمد اللہ اگر قلب (دل) کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، دوسرے پر لکھا ہوگا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه، صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آپ نے اُردو زبان میں قرآنِ مجید کا بہت شان دار ترجمہ کیا، جس کا نام کَنْزُ الإِیمان ہے، آپ کے نہایت تحقیقی فتاوٰی بھی "فتاوٰی رضویہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، جو 33 جلدوں پر مشتمل ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں، نیز حمدِ خُدا، نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں کے مناقب میں سینکڑوں اشعار کہے۔

ترکوں کے دورِ حکومت میں آپ نے دو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی، دونوں مرتبہ حرمَین شریفَین کے علما نے آپ کی بے حد عزت وتکریم کی، علمی مباحث میں آپ سے تبادلۂ خیال کرتے اور مجبور کرکے حرمِ اقدس میں امامت کے مصلّٰی پر کھڑا کرتے۔

خدماتِ دینیہ سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / 28 اکتوبر 1921ء کو جمعہ کے دن وصال فرمایا۔ وصال سے پہلے حدیثِ مبارک پر عمل کے لیے اپنے صاحب زادے مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ سے پورے اہتمام کے ساتھ سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد کی تلاوت سنی، سفر کے وقت کی مسنون دُعائیں پڑھیں، کلمہ طیبہ پڑھا، رُوحِ مبارک پرواز کرتے وقت چہرہ نور سے چمک رہا تھا[1] اور اِس شان کے ساتھ دُنیا سے رُخصت ہوئے کہ:

اُنھیں جانا اُنھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام　　للہ الحمد مَیں دُنیا سے مسلمان گیا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجلہ النظامیہ، امام احمد رضا نمبر [دسمبر 2018ء]، ص: 15 تا 20

مُجَدِّد کا مفہوم اور تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اِس اُمت کے لیے ہر سو سال کے اختتام / آغاز پر ایسا شخص بھیجے گا جو اُمّت کے لیے دین کی تجدید کرے گا۔ اِسی حدیثِ مبارک سے لفظِ مُجَدِّد کو لیا گیا۔

"تجدید" کا معنیٰ ہے کسی چیز کو تازہ کرنا / نئے اُسلوب میں پیش کرنا / خرابی دُور کر کے اُسے نکھار دینا۔ چنانچہ مُجَدِّد اُس عالمِ ربّانی کو کہا جاتا ہے جو دینِ اسلام کی رونق پھر سے دوبالا کر دے... نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و سنت کو رواج دے، علمِ دین عام کرے اور علما کی عزت بڑھائے، بدعتوں (اُصولِ دین کے خلاف شروع کیے گئے نئے اُمور) کا خاتمہ کرے اور گمراہوں کا زور توڑ دے۔[1]

کسی شخصیت کے مجدد ہونے کا فیصلہ اُس کی خدمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس دَور کے علما کرتے ہیں۔[2] امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے روشن کارناموں کی وجہ سے تمام علما نے آپ کو اپنے دَور کا مجدد قرار دیا۔

⟸ آپ ایسے زبردست عالم تھے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے، سیرت نگاروں نے لکھا کہ جن علوم پر آپ کو مہارت تھی وہ بہت زیادہ ہیں، تاہم پچاس علوم میں آپ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔

⟸ علمِ دین کی یوں اِشاعت کی کہ بے شمار کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں جلیل القدر علما بھی تیار کیے، جن میں صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان اور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہم الرحمہ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

⟸ نیز اپنے دَور میں دین کے خلاف اُٹھنے والے تمام فتنوں کو پوری قوّت سے دبایا، غیر مسلموں کی چالوں سے بھی آگاہ کیا اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والے نئے فرقوں / گمراہوں کا بھی خوب ردّ کیا۔

1318ھ کو پٹنہ شہر میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں اکابر علمائے اہلِ سنّت موجود تھے، اس میں حضرت علامہ قاضی عبد الوحید اور مولانا شاہ عبد المقتدِر علیہما الرحمہ نے آپ کی دینی خدمات کے پیشِ نظر آپ کے لیے مجدد کا لفظ استعمال کیا، جس کی تمام علمائے اہلِ سنت نے تائید کی۔[3] پھر دُنیا بھر کے علما آپ کو مجدد کہنے لگے۔

---

[1] يقول الشيخ القاري: يُبَيِّنُ السُّنَّةَ مِنَ الْبِدْعَةِ وَيُكْثِرُ الْعِلْمَ وَيُعِزُّ أَهْلَهُ وَيَقْمَعُ الْبِدْعَةَ وَيَكْسِرُ أَهْلَهَا۔ (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، تحت الحديث:247)

[2] فتاوی شارحِ بخاری، ج:3، ص:350

[3] ایضاً، ص:357

تجدیدِ دین کا اجر

دین کی تبلیغ واِشاعت کرنا انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا منصب ہے، پھر اُن کی نیابت میں اِس عظیم مقصد کے لیے خوش نصیب علما کو منتخب کیا جاتا ہے، بالخصوص فتنوں کے دَور میں خدمتِ دین بہت بڑا اِعزاز ہے اور یہ اعزاز اعلیٰ شان کے ساتھ مجدد کو نصیب ہوتا ہے۔

متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا[1] فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ۔[2] وفی روایۃ عمرو بن عوف: اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ[3]۔»[4]

مفہوم یہ کہ "جس طرح اسلام کے ابتدائی دَور میں اُسے ماننے والوں کی تعداد کم تھی، اِسی طرح قیامت کے قریب اسلام پر عمل کرنے والے کم ہی رہ جائیں گے / جس طرح ابتدائی دَور میں مسلمان بے وطن، اجنبی اور لوگوں کی نظر میں غیر مانوس تھے اِسی طرح آخرِ زمانہ میں بھی اُنھیں پردیسی واجنبی سمجھا جانے لگے گا (لوگ اُنھیں ایسے سمجھیں گے جیسے وہ کوئی جداگانہ مخلوق ہیں)۔ اُن خوش نصیبوں کے لیے دُنیا وآخرت میں خوش خبری ہے جو اُس وقت میرے دین کی ترویج واِشاعت کریں گے جب لوگ اُسے چھوڑ چکے ہوں گے۔"

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ماہِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔»[5] یعنی "جب میری اُمت بگڑ جائے گی (جہالت اور فسق وفجور کا غلبہ ہو جائے گا)، اُس وقت میری سنت (دین متین) پر عمل کرنے والے اور اُسے عام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سو شہیدوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا (کیونکہ اِسے بہت زیادہ مشقت کا سامنا کرنا ہوگا[6])"۔ (الزهد الكبير للبيهقي، رقم الحديث: 207، مؤسسة الكتب الثقافية، ورواه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال"، ج:3، ص:174)

---

[1] يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ الْمُمَاثَلَةُ بَيْنَ الْحَالَةِ الْأُوْلٰى وَالْأَخِيْرَةِ لِقِلَّةِ مَنْ كَانُوْا يَتَدَيَّنُوْنَ بِهٖ فِي الْأَوَّلِ وَقِلَّةِ مَنْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ فِي الْآخِرِ۔ (مرقاة المفاتيح، تحت: 159) إِنَّ أَهْلَ الدِّيْنِ فِي الْأَوَّلِ كَانُوْا غُرَبَاءَ يُنْكِرُهُمُ النَّاسُ وَلَا يُخَالِطُوْنَهُمْ فَكَذَا فِي الْآخِرِ۔ (أيضًا، تحت: 170)

[2] رواه مسلم عن أبي هريرة، رقم الحديث: 145، ورواه الترمذي عن عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: 2629

[3] ایسے مواقع پر "سنت" سے شریعت مراد ہوتی ہے۔ شیخ محقق رحمہ اللہ نے لکھا: (من أحيا سنة) أي: أقامها ورَوَّجها وأيّدها وقوّاها، والمراد بالسنة: الطريقة المسلوكة في الدين وشرائع الإسلام ولو كانت فرضًا وواجبًا... (لمعات التنقيح، تحت الحديث: 168)

[4] رواه الترمذي، رقم الحديث: 2630

[5] وفي رواية أبي هريرة مرفوعًا: اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ لَهٗ أَجْرُ شَهِيْدٍ۔ (المعجم الأوسط: 5414۔ حلية الأولياء 200/8)

[6] لِمَا يَلْحَقُهٗ مِنَ الْمَشَقَّةِ بِالْعَمَلِ بِهَا بِإِحْيَائِهَا وَتَرْكِهِمْ لَهَا كَالشَّهِيْدِ الْمُقَاتِلِ مَعَ الْكُفَّارِ لِإِحْيَاءِ الدِّيْنِ بَلْ أَكْثَرُ۔ (مرقاة المفاتيح)

تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور اِحیائے سنّت و شریعت

مُجدِّد وہ ہوتا ہے جو شریعت و سنت کو عام کرے۔ یہ خوبی امامِ اہلِ سنّت علیہ الرحمہ میں اعلیٰ شان کے ساتھ موجود تھی۔ آپ اپنی ذات کی حدّ میں بھی سنّت و شریعت کے سخت پابند تھے اور زندگی بھر اُسے رواج دینے اور عام کرنے کے لیے بھی بے مثال خدمات سرانجام دیں۔ اتباعِ سنت و شریعت کے چند واقعات پیشِ خدمت ہیں:

- ایک دن نمازِ فجر کے لیے مسجد پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی، جب تشریف لائے تو بعض حضرات نے کہا: دیکھتے ہیں آج جلدی میں دایاں قدم پہلے مسجد میں رکھتے ہیں یا بایاں؟ چنانچہ دیکھنے والے سنت کی پابندی پر حیران رہ گئے کہ دروازے کی پہلی سیڑھی پر بھی دایاں قدم رکھا، مسجد کے فرش پر بھی پہلے دایاں قدم رکھا، پھر مسجد کے ہر حصے، بلکہ ہر صف پر پہلے دایاں قدم رکھا، حتّٰی کہ محراب میں بھی پہلے دایاں قدم ہی رکھا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:260، مکتبہ نبویہ، ملخصًا)
- ایک نواب صاحب مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور کھڑے کھڑے اپنی چھڑی مسجد کے فرش پر پھینک دی، جس سے آواز پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا: نواب صاحب! مسجد میں زور سے قدم رکھ کر چلنا بھی منع ہے (تاکہ آواز پیدا نہ ہو)، پھر کہاں چھڑی کو اتنی زور سے مسجد کے فرش پر ڈالنا! چنانچہ اُنھوں نے وعدہ کیا کہ اِن شاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (فیضانِ اعلیٰ حضرت، ص:121، شبیر برادرز)
- ایک مرتبہ کچھ عقیدت مند فوجی ملازم حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انگریز فوجیوں کا لباس پورا نہیں ہوتا تھا، جب کہ شرعی حکم یہ ہے کہ مَرد کو ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ چھپانا فرض ہے اور بلاوجہ تنہائی میں بھی اِس حصے سے پردہ ہٹانے کی اِجازت نہیں۔ تاج دارِ بریلی علیہ الرحمہ نے نگاہیں جھکالیں اور اُن کی طرف دیکھے بغیر اُن کی بات کا جواب دیا۔ خادموں نے اُنھیں گھٹنے چھپانے کے لیے کپڑا دیا، جب اُنھوں نے گھٹنے چھپا لیے تو آپ نے اُن کی طرف نگاہ اُٹھائی اور نظر ملا کر کلام فرمایا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:262، ملخصًا)
- ایک مسافر آپ کے پاس آیا اور کسی کا سفارشی خط دکھا کر عرض کی کہ کوئی وظیفہ ارشاد فرمادیں، اُس مسافر کی داڑھی شریعت کے حکم کے مطابق ایک مٹھی نہیں تھی، آپ نے فرمایا: ابھی سفارش کے ساتھ بھی وظیفہ نہیں بتاؤں گا، جب تمہاری داڑھی شریعت کے مطابق ہوگی تو بغیر سفارش کے بھی بتادوں گا۔ (ایضاً، ص:268، ملخصًا)
- ہاتھوں کے ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کی کلمہ (شہادت) والی انگلی سے شروع کرکے چھنگلیا پر ختم کیا جائے، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرکے انگوٹھے پر ختم کیا جائے، آخر میں دائیں انگوٹھے کا ناخن تراشا جائے۔ اِس صورت میں دائیں ہاتھ سے آغاز ہوتا ہے اور دائیں پر ہی اختتام۔ آپ سنت پر عمل کرتے ہوئے اِسی طرح ناخن تراشتے تھے۔

(بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:583، 584، م:2)

تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور ردِّ بدعات و منکرات

مُجدِّد وہ ہوتا ہے جو بدعت و گمراہی کا خاتمہ کرے اور دین کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو دبا کر دین کی رونق کو دوبالا کر دے۔ اِس خوبی میں تاج دارِ بریلی علیہ الرحمہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ نے جہاں گمراہوں اور بدمذہبوں کے منہ بند کیے وہاں سچے عقیدے والوں میں موجود عملی خرابیوں کا بھی پُرزور طریقے سے اِزالہ فرمایا۔

یارسول اللہ کہنے والے اور تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات کو قبول کرنے والے بعض صحیح العقیدہ سنیوں میں اب بھی کئی ایسی باتیں رائج ہیں جنھیں اپنی جہالت کی وجہ سے وہ مسلک کا حصہ سمجھتے ہیں، حالانکہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اُنھیں شریعت کے خلاف قرار دیا ہے اور سختی کے ساتھ اُن سے منع فرمایا ہے۔ اِصلاح کے لیے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

سجدۂ تعظیمی کی حرمت: اولیائے کرام رحمہم اللہ کے مزارات پر بعض جاہل لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ صاحبِ مزار کے ساتھ اِظہارِ محبت ہے، حالانکہ ربّ تعالیٰ کے پیارے شریعت کے خلاف کسی کام کو پسند نہیں کرتے۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں: بزرگوں کی تعظیم کے لیے اُنھیں سجدہ کرنا جائز ہے؛ کیونکہ سیدنا آدم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے لیے فرشتوں نے اُنھیں سجدہ کیا تھا۔ تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً 120 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر فرمایا، جس کا نام اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃُ لِتَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃِ ہے۔ اِس رسالہ میں آپ نے آیتِ کریمہ اور اُس کی تفاسیر کے بعد 40 احادیثِ مُبارکہ اور 150 فقہی عبارتوں سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عبادت کے لیے سجدہ کرنا شرک وکفر ہے اور تعظیم کے لیے سجدہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:425 تا 537، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

اِس سے اُن لوگوں کو بھی سبق لینا چاہیے جو اولیائے کرام کے مزاراتِ مبارکہ پر غیر شرعی حرکتیں کرتے ہیں اور اُنھیں بھی جو اہلِ سنت کو قبر پرست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہلِ سنت کا موقف وہی ہے جو امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے سجدۂ تعظیمی کرنے والا سخت گناہ گار ہے، مگر مشرک وکافر نہیں ہے۔

قوالی کا حکم: بزرگانِ دین اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرتے تھے اور محبت کا ذوق بڑھانے کے لیے بعض اوقات کوئی عمدہ کلام بھی سن لیتے تھے، مگر اُن کا سماع صرف اور صرف حقیقی محبت کے سچے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے ہوتا تھا، نہ تو کھیل کود اُن کا مقصود ہوتا تھا اور نہ ہی اُنھیں باجے / ساز / مزامیر کا شوق تھا۔ ہمارے دَور میں بعض لوگ گانے باجے کا شوق پورا کرنے کے لیے قوالی سنتے ہیں، نہ ذکرِ خدا و ذکرِ مصطفٰی کا ادب کرتے ہیں، نہ یہ سمجھتے ہیں کہ کیا پڑھا جارہا ہے، نہ ہی شریعت کے احکام کا پاس رکھتے ہیں، بس اپنا شوق پورا کرنے کے لیے قوالی سنتے ہیں اور بزرگوں کے سماع کا حوالہ دیتے ہیں۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ جو شخص قوالی کا اہل ہو، یادِ خدا کے لیے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے قوالی سنے اُسے فائدہ ہوتا ہے، مگر جو سماع کا اہل ہی نہیں یا کھیل کود کے لیے سنتا ہے اُس کے لیے قوالی سخت نقصان دہ ہے، بلکہ حرام کاموں پر مشتمل ہو تو حرام ہے۔ اِس پر آپ نے سلسلۂ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے اکابر اولیائے کرام کے اقوال بھی ذکر فرمائے ہیں۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:145 تا 165)

یہ بھی یاد رہے کہ فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے آخر میں کئی ابواب سماع سے متعلق قائم فرمائے ہیں، جن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط بیان فرمائیں کہ سماع کب اور کہاں جائز ہے اور کن آداب کے ساتھ جائز ہے۔

اعراسِ مبارکہ اور غیر شرعی اُمور: بزرگانِ دین کے ایّامِ وصال پر اُن کے اعراسِ مبارکہ منائے جاتے ہیں، مقصود یہ ہوتا ہے کہ کچھ اچھے کام کرکے اُن کا ثواب صاحبِ عُرس کو پیش کیا جائے؛ تاکہ رحمتِ الٰہی سے عرس والے کی نگاہِ شفقت نصیب ہو۔ بعض لوگ اعراسِ مبارکہ پر غیر شرعی کام کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کا ثواب ہے ہی نہیں تو ایصالِ ثواب کیسے ہو گا؟ اور پھر بزرگوں کی توجہ کیسے نصیب ہو گی؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: بزرگانِ دین کے اعراسِ مبارکہ میں جو ناجائز کام کیے جاتے ہیں کیا اِن سے مزارات والوں کو تکلیف ہوتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہوتی ہے، اِسی وجہ سے اُنھوں نے بھی توجہ کم فرمادی ہے، ورنہ پہلے جس قدر فیوض وبرکات ہوتے تھے وہ اب کہاں؟ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:383، مکتبۃ المدینہ)

ایک مشت داڑھی کا وجوب: امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں داڑھی منڈوانا حرام نہیں، اگر کوئی داڑھی شریف نہیں رکھتا یا ایک مٹھی سے کم رکھتا ہے تو بھی وہ گناہ گار نہیں۔ آپ نے جواب میں ایک رسالہ لُمْعَۃُ الضُّحٰی فِیْ اِعْفَاءِ اللُّحٰی تحریر فرمایا، جس میں 18 آیاتِ مبارکہ، 72 احادیثِ طیبہ اور 60 ارشاداتِ علما ذکر کرکے ثابت کیا کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا یا منڈوادینا حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:607 تا 677)

دعوتِ میت کی ممانعت: بہت سی جگہوں پر یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو رشتہ دار یا اہلِ محلہ کھانا پکاتے ہیں اور سب کو کھلاتے ہیں... جنازے کے موقع پر بھی اِس کا اہتمام ہوتا ہے اور تیجے وغیرہ کے موقع پر بھی۔ اِس کام کو اتنا اہم سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر مالی استطاعت نہ ہو تو لوگ قرض لے کر اہتمام کرتے ہیں اور جو ایسا نہ کرے اُسے بدمذہب ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، حالانکہ تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ شرعی حکم یہ ہے کہ وفات اور اُس کے بعد والے دو (سوگ کے تین) دنوں میں بطورِ دعوت کھانے کا اہتمام کرنا ناجائز وممنوع اور بدعتِ سیئہ ہے؛ کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، نہ کہ وفات کے موقع پر، بلکہ تین دنوں کے بعد بھی موت کی نیت سے دعوت کرنا ممنوع ہے۔ یہ دعوت کا کھانا فقرا کھاسکتے ہیں، مال داروں کے لیے یہ کھانا جائز نہیں، البتہ ایصالِ ثواب

کے لیے کھانے کا اہتمام جائز ہے، بہتر ہے کہ یہ کھانا محتاج لوگ ہی کھائیں، تاہم مال داروں کے لیے ممنوع نہیں۔ بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے جو لنگر کا اہتمام کیا جاتا ہے وہ سب کے لیے باعثِ برکت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:9، ص:614، 662، 667، 673)

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کی اِس وضاحت سے سبق لیتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ اپنے عزیزوں کی وفات پر دعوت کا اہتمام ہرگز نہ کریں، یہ مسلک کا حصہ ہونا تو دُور کی بات ہے جائز ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالٰی نے مالی طور پر وُسعت دی ہے تو جتنی رقم دعوت پر خرچ کرنی ہے وہ کسی دینی اِدارے میں یا مستحق رشتہ داروں کو یا کسی اور اچھے کام کے لیے پیش کر دیں۔

آخری چہارشنبہ کی حقیقت: صفر المظفّر کے آخری بدھ (چہار شنبہ) سے متعلق بعض لوگوں کے ذہنوں میں کئی بے بنیاد باتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ کچھ لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس دن غسلِ صحت فرمایا تھا اور مدینہ طیبہ سے باہر سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے اِس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فتوٰی دیا کہ آخری چہار شنبہ (بدھ) کو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحت یاب ہونا ثابت نہیں، بلکہ جس مرضِ مبارک میں وصالِ اقدس ہوا اُس کی ابتدا اِسی دن سے بتائی جاتی ہے۔[1] (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:271)

انگوٹھی وغیرہ کا حکم: ہمارے دَور میں ہاتھوں میں کڑے، چھلے اور گلے میں لاکٹ وغیرہ ڈالنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، بعض لوگ بزرگوں سے منسوب چھلے پہنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ باعثِ برکت ہوں گے۔

تاج دارِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو شرعی حکم بیان فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مَرد کے لیے صرف چاندی کی ایک ایسی انگوٹھی پہننا جائز ہے جو ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور اُس میں ایک نگینہ ہو۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:141)

انگوٹھی نہ بغیر نگینے کے ہو اور نہ ایک سے زائد نگینے ہوں۔ چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات جیسے لوہا، تانبا اور سونا وغیرہ کی انگوٹھی یا کوئی بھی زیور مرد کے لیے ناجائز و حرام ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:426۔ وقار الفتاوٰی، ج:2، ص:190)

مزید اُمور: مذکورہ چیزوں کے علاوہ بھی کئی ایسے کام ہیں جنھیں امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ناجائز قرار دیا ہے، مگر لوگ اُنھیں ترک نہیں کرتے، جیسے: مزارات پر بے تحاشا چادریں چڑھانا... لنگر شریف کو ہاتھ میں پکڑانے کے بجائے پھینک دینا / لُٹانا... بلا ضرورت کتا پالنا... مُرغ وغیرہ کو آپس میں لڑانا... اتنے لمبے بال رکھنا کہ گردن سے نیچے تک آجائیں... بلا ضرورت مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا... کسی قبر پر بیٹھنا اور اُس کے اوپر سے گزر کر دوسری قبروں تک جانا۔

---

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، سب بے ثبوت ہیں۔ (بہار شریعت، ج:3، ح:16، ص:659)

حرفِ آخر... فکرِ رضا پر استقامت کی ضرورت

نظامِ قدرت ہے کہ ہر دَور میں گمراہی و بے دینی پھیلانے والے بد بخت بھی ہوتے ہیں اور شریعت و سنت کو رواج دینے والے خوش نصیب بھی موجود رہتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے ہمیں اُن لوگوں میں شامل ہونے کا حکم دیا ہے جو نیکی کی دعوت دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور شرعی احکام کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ ”اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“ [اٰلِ عمران 3:104]

ویسے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے، مگر یہ کام پوری قوّت کے ساتھ وہ افراد سرانجام دیتے ہیں جنھیں مجدد کہا جاتا ہے۔

نبیِ رحمت ﷺ نے یہ بشارت عطا فرمائی تھی: ”یقیناً اللہ تعالیٰ اِس اُمت کے لیے ہر سو سال کے اختتام / آغاز پر مُجدِّد بھیجے گا جو اُمّت کے لیے دین کو تازہ کر دے گا۔“ (سنن ابو داؤد حدیث: 4291) اِس خوش خبری کے مطابق ہر صدی کے اختتام پر ایسے عظیم افراد پیدا ہوتے رہے جنھوں نے دین کی رونق کو دوبالا کیا اور سنت و شریعت کو عام کیا۔

گزشتہ صدی میں یہ توفیق امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کو عطا ہوئی، آپ کی دینی خدمات کی وجہ سے علما نے آپ کو مجدد قرار دیا۔

⟸ آپ ایسے زبردست عالم تھے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے، سیرت نگاروں نے لکھا کہ جن علوم پر آپ کو مہارت تھی وہ بہت زیادہ ہیں، تاہم پچاس علوم میں آپ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔

⟸ علمِ دین کو یوں پھیلایا کہ بے شمار کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں جلیل القدر علما تیار کیے۔

⟸ شریعتِ مطہرہ کی بھرپور اِشاعت کی اور اپنے دَور میں دین کے خلاف اُٹھنے والے تمام فتنوں کو پوری قوّت سے دبایا، غیر مسلموں کی چالوں سے بھی آگاہ کیا اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والے نئے فرقوں / گمراہوں کا بھی خوب ردّ کیا۔

اِس دَور میں فتنہ پھیلانے والے لوگ خود کو دین کا عالم و ترجمان ظاہر کر کے قرآن و سنت کی ایسی تشریحات کر رہے ہیں جو چودہ صدیوں میں بزرگوں نے نہیں کیں، ایسے میں اپنا دین و ایمان بچانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات پر استقامت کے ساتھ کاربند رہیں، عقائد میں آپ کی فکر پر استقامت اختیار کریں اور عملی کمزوریوں کو بھی دُور کرنے کی کوشش کریں۔

25 صفر المظفر آپ کا یومِ وصال ہے، اِسی مناسبت سے آپ کی کچھ دینی خدمات کا تذکرہ ہوا۔

۲۸ صفر المظفّر ۱۴۴۵ھ / 15 ستمبر 2023ء

حَسَنِ مُجتبیٰ سَیِّدُ الاسخیا

صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی علٰی جَدِّہٖ وَرَضِیَ عَنْہُ

مشمولات

- امام حسن رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- سیادتِ امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ
  - وراثت وبشارتِ سیادت
  - اِظہارِ سیادت و تفویضِ خلافت
  - سیادتِ اہلِ جنت
- سید الاسخیا رضی اللہ عنہ اور حلم وبُردباری
- حلِّ مشکلات کے لیے سید الاسخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بتایا ہوا قرآنی وظیفہ
- دُنیا سے متعلق ارشادِ نبوی کی حسین تشریح
- سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نسبتوں کی تعظیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ۔ [الحشر 10:59]

سیدِ عالم ﷺ کی شانِ محبوبیت ایسی بے مثال ہے کہ باری تعالیٰ کو اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کی نسبتیں بھی بہت پیاری ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں نسبتِ محبوب کی قدر و منزلت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگائیے کہ ایک بزرگ نے شیخ ابو عبد اللہ محمد سَلاوِی رحمۃ اللہ علیہ (م: 616ھ) کو خواب میں دیکھا، پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک فرمایا؟ کہنے لگے: بخشش فرمادی۔ پوچھا: مغفرت کا سبب کیا بنا؟ فرمایا: بِشَیۡءٍ مِّنَ النِّسۡبَةِ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ۔ مجھے سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ کچھ نسبت نصیب تھی، وہی بخشش کا سبب بن گئی۔ پوچھا: آپ سادات سے ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا: فَمِنۡ أَیۡنَ النِّسۡبَةُ؟ پھر نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ نسبت کیسی؟ فرمایا: کَنِسۡبَةِ الۡکَلۡبِ إِلَی الرَّاعِیۡ۔ مجھے سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو کتّے کو مالک کے ساتھ ہوتی ہے۔

(المقفی الکبیر للمقریزی: 160/5، دار الغرب الإسلامی۔ الأجوبة المرضیة للسخاوی: 422/2، دار الرایة۔ استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوی: 675/2، دار البشائر الإسلامیة۔ الصواعق المحرقة للهیتمی: 692/2، مؤسسة الرسالة)

اگر بارگاہِ ربّ العزت میں اِس نسبت کی ایسی عزت افزائی ہے تو حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی شان کا عالَم کیا ہو گا، جو شہزادے ہیں، جگر پارے ہیں، جن کی رگوں میں خونِ رسول ﷺ گردش کرتا ہے اور جنھیں ربّ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کے حُسنِ بے مثال کی جھلک عطا فرمائی ہے! سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

حسنِ مجتبیٰ سیدِ الاسخیا
راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اَوجِ مہرِ ہُدیٰ مَوجِ بحرِ نَدیٰ
رَوحِ رُوحِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

شہد خوارِ لُعابِ زبانِ نبی
چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر جہاں باعثِ برکت ہے، وہاں آپ کی مبارک سیرت دُنیا و آخرت سنوارنے کے لیے راہ نمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے یومِ وصال کی مناسبت سے آپ کا تذکرہ ہو گا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

سِبطِ مصطفیٰ، ابو محمد سیدنا حسنِ مجتبیٰ بن سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہجرتِ نبویہ کے تیسرے سال، رمضان المبارک کی پندرہویں شب مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے گھٹی عنایت کی، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر سنائی۔ ساتویں روز عقیقہ کرنے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ مولی المسلمین رضی اللہ عنہ نے حمزہ نام تجویز کیا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اُسے تبدیل کر کے "حسن" منتخب فرمایا۔[1]

امام حسن رضی اللہ عنہ نے تقریباً آٹھ سال سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ اقدس میں آپ کا پیار پایا... کبھی گود میں بیٹھتے، کبھی سینۂ اقدس سے چمٹتے، کبھی کاندھوں پر سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اُنھیں چومتے، کبھی سونگھتے اور ایسی محبت سے نوازتے کہ اُسے پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ وصالِ نبوی کے بعد خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی آنکھوں کا تارا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ عزتوں سے نوازا، آپ کی ظاہری شکل وصورت میں بھی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی جھلک نظر آتی تھی اور اچھے اوصاف واعلیٰ کردار سے بھی اُسوۂ حسنہ کی خوشبو مہکتی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف 37 برس تھی جب رمضان المبارک، 40ھ میں مولی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت ہوئی۔ اُس کے بعد آپ خلیفۃ المسلمین کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے۔ تقریباً چھ ماہ بعد، ربیع الاوّل، 41ھ میں اُمّت کی بھلائی کے لیے سیدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرما کر خلافت اُن کے سپرد کر دی اور وصال تک اُن کے خیر خواہ رہے۔

45 سال، چھ ماہ اور چند دن کی عمر مبارک میں 5 ربیع الاوّل 49ھ کو زہر خورانی کے سبب دارِ فانی سے کوچ کر کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جنت البقیع کے اندر دفن ہوئے۔[2]

---

[1] عَنْ عَلِيٍّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمَّى ابْنَهُ الْأَكْبَرَ بِاسْمِ عَمِّهِ حَمْزَةَ، وَسَمَّى حُسَيْنًا بِعَمِّهِ جَعْفَرٍ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: «إِنِّي قَدْ أُمِرْتُ أَنْ أُغَيِّرَ اسْمَ هٰذَيْنِ» فَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَمَّاهُمَا حَسَنًا وَحُسَيْنًا. (المستدرك، رقم الحديث: 7734)

[2] یہ قول بھی ہے کہ وصالِ اقدس 50ھ کو ہوا۔ 28 صفر المظفر کا تاریخِ وصال ہونا کسی بھی معتبر کتاب میں مذکور نہیں، تاہم امام ابن حجر عسقلانی نے "الإصابہ" میں، صلاح الدین صفدی نے "الوافی بالوفیّات" میں، شمس الدین ابن خلکان نے "وفیّات الأعیان" میں، خطیبِ بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں، علامہ ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں، امام ابن حبان نے "الثقات" میں اور امام ذہبی نے "تاریخ الإسلام" میں ربیع الاوّل کو ماہِ وصال لکھا ہے... اور علامہ ابن عساکر نے "تاریخ مدینۃ دمشق" میں، امام طبری نے "المنتخب من ذیل المذیل" میں، محمد بن سعد زہری نے "الطبقات الکبیر" میں، علامہ ابن جوزی نے "صفۃ الصفوۃ" و "المنتظم فی تاریخ الأمم والملوك" میں، امام سیوطی نے "تاریخ الخلفاء" میں اور صدر الافاضل نے "سوانحِ کربلا" میں 5 ربیع الاوّل کو تاریخِ وصال قرار دیا ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمہم اللہ تعالیٰ۔

سیادتِ امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

شہزادۂ رسول سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ "سیّد" ہیں اور سیادت میں ایسی اعلیٰ شان ہے کہ سید الانبیا ﷺ کی سیادت کے وارث ہیں۔ آپ کی یہ خوبی خود امام الانبیا ﷺ نے بیان فرمائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ کی شانِ سیادت سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کا باہمی اختلاف اتحاد واتفاق میں تبدیل ہو جائے گا۔

وراثتِ سیادت: خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبیِ کریم ﷺ کے مرضِ وصال میں اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کی: يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَانِ ابْنَاكَ فَوَرِّثْهُمَا شَيْئًا۔ یارسول اللہ! یہ دونوں آپ کے شہزادے ہیں، اِنھیں کچھ عطا کیجیے / وراثت دیجیے۔[1]

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں دُرّ بے بہا دیے ہیں

آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَّا الْحَسَنُ فَلَهُ هَيْبَتِيْ وَسُؤْدَدِيْ، وَأَمَّا حُسَيْنٌ فَلَهُ جُرْأَتِيْ وَجُوْدِيْ۔ یعنی "مَیں نے اپنے بیٹے حسن کو اپنی ہیبت اور سیادت کا وارث بنایا اور اپنے بیٹے حسین کو اپنی جرأت وسخاوت عطا کی۔" (المعجم الکبیر، ج:22، ص:423، رقم:1041)

بشارتِ سیادت: سیدنا ابو بکرہ نُفَیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف نظر فرماتے، کبھی شہزادے پر نگاہ ڈالتے اور ارشاد فرماتے: إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ "میرا یہ بیٹا (حسن) سید ہے، اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث:2704)

جو سیدِ عالم ﷺ کی سیادت کا وارث ہو اور جسے امام الانبیا ﷺ سید فرمائیں، اُس سے بڑا سید کون ہو گا![2] پھر یہ بھی توجہ طلب بات ہے کہ "سید" کسے کہتے ہیں؟ اُردو میں یہ لفظ "سردار" اور "پیشوا" وغیرہ معانی میں استعمال ہوتا ہے، خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسلِ پاک سے تعلق رکھنے والے شہزادوں کو سید کہا جاتا ہے، مگر حدیثِ مبارک کی تشریح میں شارحین نے جو معانی بیان کیے اُن کا

---

[1] ہر ایک کی وراثت اُس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔ سرمایہ دار کی وراثت میں دنیاوی سرمایہ ہوتا ہے، علم سے محبت کرنے والے کی وراثت میں علمی ذخائر ہوتے ہیں اور لٹیروں کی وراثت میں لُوٹا ہوا مال ہوتا ہے۔
پھر خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا نے اُس ہستی سے وراثت وعطیہ کی درخواست کی تھی جو تمام جہان کے سردار ہیں، جنھیں اللہ نے ایسی ہیبت عطا فرمائی کہ مہینوں کی مسافت پر دشمن اُن کے رعب ودبدبہ سے کانپتا ہے، جو تمام انسانوں میں سب سے بڑے بہادر بھی ہیں اور سب سے بڑے سخی بھی۔

[2] فَلَا أَسْوَدَ مِنْ سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم سَيِّدًا۔ (الکاشف عن حقائق السنن [شرح طیبی علی المشکوٰۃ]، تحت:6144)

خلاصہ یہ ہے کہ "سید" وہ ہے جو خیر و بھلائی میں اپنی قوم سے بڑھ کر ہو، حلیم و بردبار / برداشت کرنے والا ہو، سخی ہو اور حکمت و دانائی کی دولت سے مالا مال ہو۔[1] شروحِ حدیث کے مطابق گویا آقا کریم ﷺ نے فرمایا: میرے اِس شہزادے میں بھلائیاں / نیکیاں بھی جمع ہیں، یہ حلیم و بردبار بھی ہے، سخی بھی ہے اور اِسے حکمت و دانائی سے بھی وافر حصہ عطا ہوا ہے۔

اظہارِ سیادت: سیادتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے وارث امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیادت کا اِظہار مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہُ تعالیٰ وجہہٗ کی شہادت کے بعد ہوا۔

18 ذوالحجہ 35ھ کو خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نہایت ظلم کے ساتھ شہید کیا گیا، مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہُ وجہہٗ خلیفۂ رابع منتخب ہوئے تو قاتلینِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بارے میں اُن کی اور شام کے گورنر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے مختلف تھی۔ خلیفۂ رابع سیدنا علی کرّم اللہُ تعالیٰ وجہہٗ کی رائے یہ تھی کہ حالات بہتر ہونے کے بعد اُن سے قصاص لیا جائے، جب کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوری طور پر قصاص لینے کے حق میں تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چار سالہ دورِ خلافت میں یہ اختلاف باقی رہا۔

رمضان المبارک، 40ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ بنے، چالیس ہزار سے زیادہ لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی کہ خون کے آخری قطرے تک آپ کا ساتھ دیں گے،[2] اگر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپ کا اختلاف برقرار رہتا تو دونوں جانب کی فوجوں کا بھاری جانی نقصان ہوتا، اِس موقع پر سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ سیادت کا اِظہار ہوا، آپ فرمایا کرتے: مَا أَحْبَبْتُ أَنَّ إِلَيَّ أَمْرَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى أَنْ يُهْرَاقَ فِي ذٰلِكَ مِحْجَمَةُ[3] دَمٍ۔ یعنی اگر مجھے پوری سلطنتِ اسلامیہ کی سربراہی ملے اور اُس کے لیے مجھے اپنے نانا جان ﷺ کی اُمّت کے خون کے چند قطرے بہانا پڑیں تو یہ مجھے گوارا نہیں (مَیں بادشاہی کو ٹھوکر مارتا ہوں، لیکن اپنے نانا جان کی اُمّت کا خون نہیں بہا سکتا)۔

(أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج:2، ص:13، دار الكتب العلمية۔ الإستيعاب في معرفة الأصحاب، ج:1، ص:385، دار الجيل)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی بشارت کے مطابق ربیع الاوّل 41ھ کو خلیفۂ خامس امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح ہوئی اور آپ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھٹا خلیفہ مقرر کرتے ہوئے اُن کی بیعت کر لی۔ پھر کوفہ سے کوچ کر کے مدینہ منوّرہ میں اِقامت پذیر ہو گئے۔

---

[1] إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ: أَيْ حَلِيْمٌ كَرِيْمٌ مُتَحَمِّلٌ۔ (التيسير شرح الجامع الصغير للمناوي، تحت الحديث: 2167)
اَلسَّيِّدُ: اَلَّذِيْ يَفُوْقُ قَوْمَهٗ فِي الْخَيْرِ۔ وَقِيْلَ: اَلسَّيِّدُ مَنْ لَا يَغْلِبُهٗ غَضَبُهٗ۔ وَقِيْلَ: سَيِّدٌ: أَيْ: حَكِيْمٌ۔ (لمعات التنقيح، تحت: 6144)

[2] وَبَايَعَهٗ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا كَانُوْا قَدْ بَايَعُوْا أَبَاهُ عَلَى الْمَوْتِ۔ (اسد الغابة في معرفة الصحابة، ج:2، ص:13)

[3] اَلْمِحْجَمَةُ: قَدْرُ مَا يَسِيْلُ مِنَ الدَّمِ أَثْنَاءَ الْحِجَامَةِ۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شرحِ صدر اور اطمینان و تسلّی کے ساتھ خلافت سپرد کی تھی، پھر آپ وصال تک اپنے اِس فیصلے پر مطمئن رہے اور سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے نذرانے بھی قبول فرماتے رہے؛ کیونکہ آپ کی نظر میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت کے اہل تھے۔ اب اگر کوئی بدبخت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدزبانی کرے تو وہ حقیقت میں سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے؛ کیونکہ آپ نے ہی خلافت اُن کے سپرد کی تھی، بلکہ وہ عقل کا اندھا سید عالَم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتا ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی خوش خبری دی تھی اور اِسے پسند بھی فرمایا تھا، بلکہ وہ نالائق ربّ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے؛ کیونکہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فرمائیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی فرماتے ہیں، اپنی خواہش سے نہیں فرماتے۔[1]

حسن کے دستِ پاک سے بنے خلیفۂ رسول
رضائے آلِ مصطفیٰ خلافتِ معاویہ

لمحۂ فکریہ: لوگ سمجھتے ہیں کہ صاحبِ حکومت واقتدار ہونا سرداری ہے، اختیار جتنا زیادہ ہو انسان اُتنا ہی بڑا سردار ہوتا ہے؛ اِسی سوچ کی بنیاد پر کرسی حاصل کرنے اور اُسے بچانے کے لیے باہمی مقابلہ بازی جاری ہے اور ملک کا حال سب جانتے ہیں، جب کہ امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی سیادت و سرداری کا اِظہار یوں ہوا کہ آپ نے خلافت سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کر دی۔ یہ ہماری تربیت ہے کہ اصل میں سردار وہ ہے جو اُمّت کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔

سیادتِ اہلِ جنت: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیادت و سرداری ایسی عظیم الشان ہے کہ وہ دُنیا میں بھی سید و سردار ہیں اور جنت میں بھی جوانانِ جنت کے سید و سردار ہوں گے۔

صاحبِ نعلَین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا۔ ”حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) جنّتی جوانوں (جوانی میں وفات پانے والے جنتیوں) کے سردار ہیں اور اِن کے والد اِن سے افضل ہیں۔“ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4779)

---

[1] قال الإمام احمد رضا القادری: وَبِهٖ ظَهَرَ أَنَّ الطَّعْنَ عَلَى الْأَمِيْرِ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طَعْنٌ عَلَى الْإِمَامِ الْمُجْتَبٰى، بَلْ عَلٰى جَدِّهِ الْكَرِيْمِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بَلْ عَلٰى رَبِّهٖ عز وجل؛ فَإِنَّ تَفْوِيْضَ أَزِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ بِيَدِ مَنْ هُوَ كَذَا وَ كَذَا بِزَعْمِ الطَّاعِنِيْنَ خِيَانَةٌ لِلْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَقَدْ اِرْتَكَبَهَا - معاذ اللہ - اَلْإِمَامُ الْمُجْتَبٰى وَارْتَضَاهَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وَهُوَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔
(المعتمد المستند فی شرح المعتقد المنتقد، الباب الرابع فی الإمامة، ص:242، المکتبة النوریة الرضویه)

سید الاسخیا رضی اللہ عنہ اور حلم وبُردباری

اللہ تعالیٰ حِلْم والا ہے اور وہ پسند فرماتا ہے کہ اُس کے بندے بھی حلم وبُردباری کا مظاہرہ کریں۔"حِلْم" کا آسان لفظوں میں مفہوم یہ ہے کہ غضب وغصہ آنے اور اُسے نافذ کرنے کی طاقت کے باوجود اُسے نافذ نہ کرنا اور سزا نہ دینا۔

امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ سیادت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے حلیم وبردبار تھے۔

حلمِ الٰہی: اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان اِس خوبی سے متصف ہے اور وہ سب سے زیادہ حلم والا ہے۔ اُس نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی اِس خوبی کا ذکر فرمایا، ایک آیت مبارکہ میں یوں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، حلم والا ہے۔"[اٰلِ عمران 3:155]

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ، يَدَّعُونَ لَهُ الْوَلَدَ، ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ۔» یعنی "تکلیف دہ (ناپسندیدہ) بات کو سُن کر سب سے زیادہ حلم فرمانے اور سزا کو مؤخر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لوگ اُس کے لیے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی وہ اُنھیں عافیت دیتا (مصیبتوں سے بچاتا) ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:7378)

حلمِ حسنی: سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ایسے بردبار تھے کہ آپ کے گستاخ بھی آپ کے حلم کا اعتراف کرتے۔

آپ کی حیاتِ کریمہ میں مَروان (اُس وقت کا مدینۂ منورہ کا گورنر) آپ کے ساتھ بدتمیزی بھی کیا کرتا تھا، جب آپ کا وصال ہوا اور جنازہ اُٹھایا گیا تو برکت حاصل کرنے کے لیے اُس نے بھی آپ کی چارپائی کو کندھا دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُن کی ظاہری حیات میں تو تُو اُنھیں غصہ دلاتا تھا (اب اُن کے جنازے کو کندھا دے رہا ہے)! کہنے لگا: كُنْتُ أَفْعَلُ ذٰلِكَ بِمَنْ يُوَازِنُ حِلْمُهُ الْجِبَالَ۔ یعنی میرے کام تو اگرچہ اچھے نہیں تھے، مگر اُن کا حلم پہاڑ جیسا تھا۔ (سیر أعلام النبلاء، ج:3، ص:276، مؤسسۃ الرسالۃ)

فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی دیہاتی نے سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے کاشانۂ اقدس پر آکر آپ کے ساتھ بدتمیزی کی، حتّٰی کہ آپ کے آبائے کرام کے بارے میں بھی بکنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اعرابی! کیا ہوا؟ بھوکے یا پیاسے لگتے ہو! اُس نے مزید بکواس کی۔ آپ نے اپنے غلام سے فرمایا: چاندی سے تھال بھر کر لاؤ۔ وہ چاندی اُسے دے کر فرمایا: میاں! معاف کرنا، اِس وقت گھر میں صرف یہی کچھ تھا، مزید ہوتا تو وہ بھی تمہیں دے دیتے۔ وہ کہنے لگا: أَشْهَدُ أَنَّكَ ابْنُ رَسُوْلِ اللهِ، مَن ایں جا بتجربۂ حلمِ تُو آمدہ اَم۔ مَیں آپ کے حلم کا تجربہ کرنے ہی آیا تھا، آپ کی بردباری دیکھ کر مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے شہزادے ہیں۔ (کشف المحجوب، الباب الثامن، ص:95، 96، سنگِ میل پبلی کیشنز)

حلِّ مشکلات کے لیے سید الاسخیا رضی اللہ عنہ کا بتایا ہوا قرآنی وظیفہ

قرآن وسنت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ عام لوگوں پر آنے والی آزمائشیں اور مشکلات اُن کے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہوتی ہیں، چنانچہ انسان کو سابقہ گناہوں کی معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ آئندہ اُن سے بچنا چاہیے؛ تاکہ اُسے مشکلات سے نجات ملے۔

ایک مرتبہ امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، واپسی پر کسی دربان نے عرض کی: مَیں مال دار آدمی ہوں، مگر اولاد نہیں ہے، آپ مجھے کچھ سکھا دیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: عَلَيْكَ بِالْاِسْتِغْفَارِ۔ (کثرت سے) استغفار کیا کرو (ربّ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرو)۔ وہ آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کثرت سے استغفار کرنے لگا، حتّٰی کہ بعض اوقات دن میں 700 مرتبہ استغفار کرتا / اپنے گناہوں کی معافی مانگتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے دس بیٹے عطا فرمائے۔ جب یہ بات سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے دربان سے فرمایا: هَلَّا سَأَلْتَهُ مِمَّ قَالَ ذٰلِكَ؟ یعنی تُو نے آپ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہ عمل کس آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارک سے اخذ کیا ہے؟[1] اُس ملازم کو جب دوبارہ ملاقات کا شرف ملا تو اُس نے یہ سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ هُوْدٍ: {وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلٰى قُوَّتِكُمْ} وَقَوْلَ نُوْحٍ: {وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ}۔ مفہوم یہ کہ قرآنِ مجید کے مطابق سیدنا ھود علٰی نَبِیِّنا وعَلَیْہِ الصلٰوۃُ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ۔[2] ”تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اُس کی بارگاہ میں توبہ کرو تو وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت کے ساتھ مزید قوت کا اِضافہ فرمائے گا۔“ اور سیدنا نوح علٰی نَبِیِّنا وعَلَیْہِ الصلٰوۃُ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا o يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا o وَّيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا۔ ”تم اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے، وہ (استغفار کی برکت سے) تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اُگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا۔“[3] مَیں نے اِنہی آیاتِ کریمہ سے یہ وظیفہ نکالا تھا کہ استغفار کیا کرو، اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز دے گا۔

(مفاتیح الغیب [تفسیر کبیر]، غرائب القرآن ورغائب الفرقان [تفسیر نیشاپوری]، روح البیان، زیرِ آیتِ ھود 52:11)

---

[1] اِس سوال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان کو علمِ دین سے کس قدر محبت ہونی چاہیے!

[2] ھود 52:11

[3] نوح 10:71 تا 12

دُنیا سے متعلق ارشادِ نبوی کی حسین تشریح

۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ / 11 مئی 1937ء تاج دارِ گولڑہ، فاتحِ قادیانیت، پیر سید مہر علی شاہ گیلانی سیالوی علیہ الرحمہ کا یومِ وصال ہے۔ آپ سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔[1] یومِ وصال کی مناسبت سے پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کا اپنے جدِّ امجد امام حسن رضی اللہ عنہ سے متعلق بیان کردہ ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

تاج دارِ گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ پاکیزہ و عمدہ لباس پہن کر، سواری پر بیٹھے مدینہ طیبہ سے صحرا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، ذلت و مسکینی میں مبتلا ایک یہودی آپ کو دیکھ کر کہنے لگا: اے حسن! آپ کے نانا کا فرمان ہے: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔[2] یعنی "دُنیا مسلمان کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔" مجھے یہ فرمان صحیح معلوم نہیں ہوتا؛ کیونکہ آپ کے دین کے مطابق مَیں کافر ہوں، پھر بھی غربت و فقیری میں مبتلا ہوں... جب کہ آپ خود کو مومن سمجھتے ہیں، حالانکہ آسائش و آسودگی میں ہیں (پھر دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت کیسے ہے)! آپ نے فرمایا: میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے، مگر تم کفر و جہالت میں ڈوبے ہو اور فرمانِ عالی شان کو سمجھ نہیں پائے۔ اب میری زبان سے وضاحت سنو! میرے لیے آخرت میں تیار کی گئی نعمتوں، دیدارِ الٰہی اور مختلف مقامات و درجات کے مقابلے میں یہ فانی آسودگی گویا قید خانہ ہے، جب کہ تیرے (جیسے کفار) کے لیے آخرت میں ربّ تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ ساتھ جو سزائیں تیار ہیں، اُن کے مقابلے میں گویا تو اِس حالت میں بھی جنت میں ہے۔ یہ سن کر وہ یہودی لاجواب ہو گیا۔[3] (ملفوظاتِ مہریہ، ص:166، 177، ملخصًا)

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان اور امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی تشریح سے تربیت ملتی ہے کہ:

⟸ مسلمان کو دُنیا کی محبت دل میں نہیں بسانی چاہیے، دُنیا تو اُس کے لیے گویا قید خانہ ہے، اصل گھر جنت ہے۔

⟸ کفار کی ظاہری حالت کو اچھا دیکھ کر مرعوب نہیں ہونا چاہیے، یہ عارضی آسائش ہے اور کفر کا انجام ہمیشہ کے لیے جہنم کی سزا ہے۔

⟸ ارشاداتِ خدا تعالیٰ و فرامینِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کے لیے بزرگوں کی تشریحات جاننا ضروری ہے، ورنہ گمراہی کا خطرہ ہے۔

---

[1] تاج دارِ گولڑہ کا شجرۂ نسب ملاحظہ کیجیے: مہرِ منیر، ص:3

[2] صحیح مسلم، حدیث:2956

[3] رأى يهوديٌّ الحسنَ بن عليٍّ رضى الله عنه فى أبهى زيٍّ وأحسنِه، واليهوديُّ فى حالٍ ردي، وأسمالٍ رثةٍ، فقال: أليس قال رسولُكم: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ؟ قال نعم۔ فقال: هذا حالى وهذا حالك! فقال رضى الله عنه: غلطتَ يا اخا اليهود! لو رأيتَ ما وعدنى اللهُ من الثوابِ وما أعدَّ لك من العقابِ لعلمتَ أنكَ فى الجنةِ وأنِّى فى السجنِ۔
(الكشكول، بهاء الدين محمد همذانى، ج:2، ص:75، دار الكتب العلميه)

حرفِ آخر... سیدِ عالم ﷺ کی تمام نسبتوں کی تعظیم

بزرگانِ دین نے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ تربیت فرمائی کہ نبیِ اکرم ﷺ کی ہر نسبت کا احترام کیا جائے، آپ ﷺ سے تعلّق والے ہر مسلمان کی تعظیم کی جائے اور صحابۂ کرام واہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کا تذکرہ ادب سے کیا جائے۔

۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ / 10 دسمبر 1624ء امامِ ربّانی، مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ کا یومِ وصال ہے۔ اِس مناسبت سے آپ کا ہی ایک ارشاد پیشِ خدمت ہے۔

امامِ ربّانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے اور اُن کی بے ادبی رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا، اُس کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں۔

(مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفترِ سوم، مکتوب:17)

صحابہ واہلِ بیت کے لیے فقط کلماتِ خیر کہنے کا حکم اِس آیتِ کریمہ سے بھی حاصل ہوتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ ”اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بھی بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ (کدورت) نہ رکھ، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی نہایت مہربان بہت رحمت والا ہے۔“[الحشر 10:59]

مصطفیٰ کریم ﷺ کی نسبتوں کا احترام دُنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ 5 ربیع الاوّل شہزادۂ رسول ﷺ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا یومِ وصال ہے، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کے کچھ اوصافِ کریمہ کا تذکرہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے درجات مزید بلند فرمائے، آپ کے صدقے ہماری بخشش فرمائے اور ہمیں آپ کی سیرتِ مبارکہ اپنانے کی توفیق سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ مراکش کے زلزلہ زدگان کی غیبی مدد فرمائے، پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک کو ترقّی سے نوازے۔

خالقِ کائنات دشمنانِ اسلام، دشمنانِ پاکستان اور اُن کے پُشت پناہوں کو دُنیا وآخرت میں نشانِ عبرت بنائے، اسرائیل سمیت مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے تمام ممالک کو تباہ وبرباد فرمائے اور ہمیں مظلوموں کا سہارا بننے کی توفیق عطا کرے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۵ ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ / 22 ستمبر 2023ء

اِک ترے رُخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی

(تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم... پہلا حصہ)

مشمولات

- سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں اسبابِ محبت کا اجتماع
- حُسنِ اقدس... دلیلِ نبوّت
- تذکرۂ حُسن کے ذریعے محبت میں اِضافہ
- ماہِ ولادت میں کرنے کے کام
- تذکرۂ حُسن کے ذریعے تصوّرِ حُسن کا حصول
- گزشتہ آسمانی کتابوں میں حُسنِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا تذکرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ فَنَبَذُوۡہُ وَرَآءَ ظُہُوۡرِہِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا فَبِئۡسَ مَا یَشۡتَرُوۡنَ۔ [اٰلِ عمران 3:187]

انسان کی فطرت ہے کہ وہ حُسن وجمال اور خوب صورتی کی طرف کھچا چلا جاتا ہے، اِسی طرح کوئی شخص عالی شان اوصاف سے متّصف ہو، اُس کا کردار اعلیٰ، سیرت عمدہ اور اخلاق اچھے ہوں تو انسان کے دل میں اُس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، یوں ہی انسان کو اپنے محسن وکرم فرما سے بھی دلی لگاؤ ہو جاتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا کریم ﷺ سے بے مثال محبت فرماتا ہے اور اُس کی مشیّت ہے کہ مخلوق بھی آپ ﷺ سے والہانہ محبت کرے، چنانچہ اُس نے آپ ﷺ کی ذاتِ والا برکات میں محبت کے تمام اسباب جمع فرما دیے۔ سب سے زیادہ حُسن وجمال بھی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چاند ﷺ کو عطا فرمایا، بلند تر سیرت وکردار سے بھی تاج دارِ انبیا ﷺ ہی کو نوازا، خُلقِ عظیم کے منصبِ جلیل پر بھی ماہِ مدینہ ﷺ ہی کو فائز فرمایا اور دین ودُنیا کی تمام تر نعمتوں کی تقسیم آپ ﷺ کے ہاتھوں پر رکھ کر "محسنِ اعظم" بھی مالکِ عرب وعجم ﷺ کو ہی بنایا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایمانی تقاضوں سے آشنا نہ ہو تو بھی عقل چاہتی ہے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ محبت خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کے محبوبِ مکرم ﷺ سے کی جائے۔

ماہِ ربیع الاوّل محبتِ رسول ﷺ کو بڑھانے کے لیے موسمِ بہار کی حیثیت رکھتا ہے، اِس ماہِ مبارک میں ہر طرف سیدِ عالم ﷺ کے میلاد کی خوشی کا سماں ہوتا ہے۔ حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

نثار تیری چہل پہل پر، ہزار عیدیں ربیع الاوّل
سوائے ابلیس کے جہاں میں، سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

ربّ تعالیٰ کی نعمتِ عُظمیٰ پر شکر ادا کرنے اور محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کے لیے ہی محافلِ میلاد، جلوسِ میلاد، سجاوٹ اور دیگر کارہائے خیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

چنانچہ خطباتِ جمعہ میں سیدِ عالم ﷺ کے حُسن وجمال کا تذکرہ ہوگا؛ تاکہ محبت میں اضافہ کے ذریعے ایمان کی پختگی نصیب ہو۔

---

[1] اَلْمَیْلُ قَدْ یَکُوْنُ لِمَا یَسْتَلِذُّہُ الْاِنْسَانُ وَیَسْتَحْسِنُہٗ، کَحُسْنِ الصُّوْرَۃِ وَالصَّوْتِ وَالطَّعَامِ وَنَحْوِھَا، وَقَدْ یَسْتَلِذُّہٗ بِعَقْلِہٖ لِلْمَعَانِی الْبَاطِنَۃِ، کَمَحَبَّۃِ الصَّالِحِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ وَأَھْلِ الْفَضْلِ مُطْلَقًا، وَقَدْ یَکُوْنُ لِاِحْسَانِہٖ اِلَیْہِ وَدَفْعِہِ الْمَضَارَّ وَالْمَکَارِہَ عَنْہُ، وَھٰذِہِ الْمَعَانِیْ کُلُّھَا مَوْجُوْدَۃٌ فِی النَّبِیِّ ﷺ... (شرح النووی علی مسلم، تحت الحدیث: ثلاث من کن فیہ وجد بہن حلاوۃ الایمان)

تذکرۂ حُسن کے ذریعے محبت میں اِضافہ

نبیِ کریم ﷺ کے حُسنِ بے مثال کا عالمِ دُنیا میں جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے نظّارہ کرنا تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ہی مقدّر تھا، اُس حُسنِ حق نما کو دیکھ کر اُن کے دلوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی، یہ ایک الگ داستان ہے، ہمارے نصیب میں یہ عروج تو نہیں ہے... تاہم ہمارے لیے محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کے حُسنِ بے مثال کا تذکرہ کریں اور سُنیں... آپ کے نورانی ارشادات پڑھیں، سنیں اور یاد کریں... آپ کے فضائل و کمالات کے ذکرِ جمیل سے دل کی دُنیا آباد کریں... جوں جوں آپ ﷺ کا ذکرِ خیر دل میں اُترتا جائے گا توں توں محبت کی چاشنی میں اِضافہ ہوتا جائے گا۔

سنّتِ صحابہ: آقا کریم ﷺ کے حُسن کا تذکرہ کرکے ایمان کی چاشنی بڑھانا صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی بھی سنت ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب کسی دیہاتی یا ایسے شخص کو دیکھتے جسے جانِ جاناں ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی تو فرماتے: أَلَا أَصِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ مَیں تمھیں نبیِ کریم ﷺ کا سراپا نہ بتاؤں؟ پھر آپ نبیِ کریم ﷺ کے کچھ اوصاف کا تذکرہ کرکے فرماتے: فِدًى لَّهُ أَبِيْ وَأُمِّيْ! مَا رَأَيْتُ مِثْلَهُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! مَیں نے نہ آپ سے پہلے کوئی آپ جیسا دیکھا، نہ آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا پایا۔[1]

حضرت سعید بن اِیاس جُریری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مَیں سیدنا ابو الطُّفیل عامر بن واثِلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، وہ فرمانے لگے: مَا بَقِيَ أَحَدٌ رَأَى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ غَيْرِيْ۔ محبوبِ خدا ﷺ کی زیارت کرنے والوں میں سے اب صرف مَیں ہی باقی ہوں، باقی سب وصال فرما گئے ہیں۔ جُریری رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سنتے ہی خوشی سے جھوم اُٹھے اور کہنے لگے: وَرَأَيْتَهُ؟ آپ نے سیدِ عالم ﷺ کی زیارت کی ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: جی ہاں! جریری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: كَيْفَ كَانَ صِفَتُهُ؟ نبیِ کریم ﷺ کا حُسن و جمال کیسا تھا؟ اُنھوں نے فرمایا: كَانَ أَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا۔ نبیِ کریم ﷺ کا رنگ مبارک گورا، گندم مائل تھا اور جسم مبارک درمیانہ تھا۔

(مسند احمد، حدیث: 23797۔ صحیح مسلم، حدیث: 2340)

نَہ تَنہا عِشق از دیدار خیزد　　بَسا ایں دَولت از گُفتار خیزد

(یعنی عشق ہمیشہ دیدار سے ہی نصیب نہیں ہوتا، کبھی باتوں کے ذریعے بھی دولتِ محبت نصیب ہو جاتی ہے)

---

[1] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ إِذَا رَأَى أَحَدًا مِّنَ الْأَعْرَابِ أَوْ أَحَدًا لَّمْ يَرَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَلَا أَصِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ كَانَ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ هَدِبَ الْعَيْنَيْنِ أَبْيَضَ الْكَشْحَيْنِ، يُقْبِلُ مَعًا وَّيُدْبِرُ مَعًا، فِدًى لَّهُ أَبِيْ وَأُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مِثْلَهُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ۔
(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر صفة خلق رسول الله ﷺ، ج:1، ص:318، دار الکتب العلمیة)

تذکرۂ حُسن کے ذریعے تصوّرِ حُسن کا حصول

نفسیاتی اُصول ہے کہ انسان کثرت سے جس چیز کا تذکرہ کرتا ہے... پڑھتا ہے... سنتا ہے... سوچتا ہے وہ دل میں گھر کر جاتی ہے، بلکہ بہت مرتبہ اُس کا تصوّر ایسا پختہ ہو جاتا ہے کہ آنکھ لگے تو خواب میں بھی وہی چیز نظر آتی ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ کے حُسنِ بے مثال کے تذکرہ سے ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ دل میں آپ ﷺ کے سراپائے اقدس کا تصوّر جمنے لگتا ہے، انسان تصورات کی دُنیا میں آپ کے حُسن و جمال سے متعلق سوچتا رہتا ہے اور پھر کرم کی وہ بارشیں ہوتی ہیں جنھیں الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

بزرگانِ دین تصورات کی دُنیا میں حُسنِ اقدس کے یوں مزے لیتے کہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم رہنا
حقیقت، معرفت، اہلِ طریقت اِس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں

تصوّرِ صحابہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے حُسنِ بے پایاں کو دیکھ کر اُسے اپنے دل و دماغ میں یوں بسایا تھا کہ جانِ عالم ﷺ کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد زندگی بھر تصور کی آنکھ سے جمالِ یار کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ احادیثِ مبارکہ بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اِس کا صحیح اِدراک تو اُنہیں ہی تھا، البتہ اُن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حُسنِ اقدس کے جلوے ہر وقت اُن کے دل و دماغ میں بسے رہتے تھے۔ مثلاً:

⟸ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ اعزاز نصیب تھا کہ وہ حج و عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے آپ ﷺ کو خوشبو لگاتی تھیں، اِس بات کا تذکرہ کرکے وہ فرماتیں: «كَأَنِّي أَنْظُرُ[1] إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ.» گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ احرام کی حالت ہے اور سیدِ عالم ﷺ کے سرِ انور کی مانگ میں خوشبو چمک رہی ہے۔[2]

(صحیح بخاری، حدیث: 271)

---

[1] إِنَّهَا لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهَا لَهُ كَأَنَّهَا نَاظِرَةٌ إِلَيْهِ۔ (فتح الباری لابن حجر، ج:3، ص:398، دار المعرفة)

[2] احرام سے پہلے خوشبو لگانا سنت ہے، اگرچہ اُس کی مہک احرام کے بعد بھی آتی رہے، تاہم احرام کی پابندیاں شروع ہونے کے بعد خوشبو لگانا ممنوع ہے۔

⟸ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ پھر فرمایا: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِهٖ فِيْ يَدِهٖ۔ گویا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں انگوٹھی کی چمک مجھے نظر آ رہی ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث:65)

⟸ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ ایک رات حبانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ عشا کے لیے تشریف لائے تو رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا، فرماتے ہیں: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهٗ مَاءً وَّاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِهٖ۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، گویا مَیں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنے سرِ انور پر رکھا ہوا ہے اور آپ کے سرِ انور سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ رکھ کر وہ انداز دکھایا۔ (صحیح بخاری، حدیث: 571)

⟸ سیدنا ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، اُنھوں نے نمازِ ظہر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا منظر دیکھا، فرمایا کرتے: وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ سَاقَيْهِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، گویا آپ کی مبارک پنڈلیوں کی چمک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث:3566)

صحیح بخاری کی یہ چند روایات بطورِ مثال ہیں، ورنہ اُن روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ اقدس نگاہوں کے سامنے ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

گزشتہ آسمانی کتابوں میں حُسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ربّ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی گزشتہ آسمانی کتابوں میں آپ کے حُسن وجمال اور اوصافِ حمیدہ کے چرچے فرما دیے تھے اور گزشتہ اُمّتوں کے علما سے پختہ وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ اِنھیں چھپائیں گے نہیں، بلکہ خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَولَی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو یمن کی طرف بھیجا، آپ وہاں ایک دن لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، قریب ہی ایک یہودی عالم کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ میں کوئی کتاب پکڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ آپ پر نظر پڑی تو کہنے لگا: صِفْ لَنَا أَبَا الْقَاسِمِ۔ ہمیں ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوصاف بتائیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسن وجمال بیان کیا۔ جب آپ خاموش ہوئے تو وہ خود اپنی کتاب سے ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بیان کرنے لگا کہ اُن کی چشمانِ اقدس ایسی ہیں، ریش مبارک ایسی ہے، دہنِ پاک وگوشِ عالی وقار ایسے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هٰذِهٖ وَاللّٰهِ صِفَتُهٗ۔ قسم بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا یہی ہے۔ وہ کہنے لگا: فَإِنِّيْ أَجِدُ هٰذِهِ الصِّفَةَ فِيْ سِفْرِ آبَائِيْ۔ یعنی ہمارے ہاں نسل در نسل یہ کتاب منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے، اِس میں اُن کا یہ سراپا موجود ہے۔ اُس نے اپنی کتاب سے یہ بھی بیان کیا کہ اُن کی ولادت حرم (مکہ مکرمہ) میں ہو گی، پھر ہجرت کر کے دوسری جگہ (مدینہ منوّرہ)

تشریف لے جائیں گے اور اُسے بھی حرم بنادیں گے، وہاں کے انصار کا تعلق فلاں خاندان سے ہو گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هُوَ هُوَ، وَهُوَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔ ہمارے آقا وہی ہیں اور وہ رسول اللہ ہیں ﷺ۔

وہ یہودی عالم کہنے لگا: فَإِنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَّهُ رَسُوْلُ اللهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، فَعَلَى ذٰلِكَ أَحْيَا وَعَلَيْهِ أَمُوْتُ وَعَلَيْهِ أُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللهُ۔ یقیناً مَیں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں، وہ تمام انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، مَیں اِسی عقیدے پر زندہ ہوں، اِسی پر مروں گا اور اِن شاء اللہ تعالیٰ اِسی عقیدے پر میرا حشر ہو گا۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:6، ص:18، 19، دار احیاء التراث۔ الطبقات الکبریٰ، ج:1، ص:316، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:3، ص:250)

اِسی طرح دیگر متعدد احادیث وروایات میں ہے کہ جانِ عالم ﷺ کے اوصافِ کریمہ اور حُسنِ اقدس کا ذکر پہلی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود تھا۔

قرآنِ کریم میں ہے: وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ... ”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے وعدہ لیا کہ تم ضرور اُسے (نبیِ آخر الزمان ﷺ کے اوصاف کو) لوگوں سے بیان کرنا اور چھپانا نہیں، تو اُنھوں نے اِس عہد کو پسِ پُشت ڈال دیا اور اِس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلی۔“ [اٰلِ عمران:187]

مفسرین نے اِس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے علمائے تورات وانجیل پر واجب کیا تھا کہ اِن دونوں کتابوں میں سیدِ عالم ﷺ کی نبوت کے جو دلائل اور آپ کے اوصاف مذکور ہیں وہ لوگوں کو اچھی طرح وضاحت کرکے سمجھادیں اور ہرگز نہ چھپائیں، مگر اُنھوں نے اِس عہد کو پورا نہ کیا، رشوتیں لے کر سید عالم ﷺ کے اوصاف کو چھپایا اور لوگوں کے سامنے واضح نہ کیا۔[1]

سمجھنے کی بات ہے کہ اگر سیدِ عالم ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے گزشتہ اُمّتوں کو اِس قدر وضاحت کے ساتھ حُسنِ بے مثال و اوصافِ حمیدہ بتائے گئے اور اُن سے چرچا کرنے کا وعدہ لیا گیا تو ہم اُمّتیوں کو اپنے آقا کریم ﷺ کے اوصاف کا کس قدر چرچا کرنا چاہیے!

---

[1] ملخص از خزائن العرفان وتبیان القرآن

امام الہُدیٰ فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی علیہ الرحمہ (متوفی:373ھ) نے اپنی تفسیر ”بحر العلوم“ میں لکھا: {وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ} يعني: أَخَذَ عليهم الميثاق حِيْنَ أَخَذَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ۔ ويقال: أَخَذَ عليهم الميثاق بِالْوَحْيِ في كُتُبِ الأنبياءِ {لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ} يعني: نَعْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ وصِفَتَهُ {وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ} عنهم ... {فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ} يعني أنهم تركوا الميثاقَ ولم يَعْمَلُوا به {وَاشْتَرَوْا بِهِ} أي بِكِتْمَانِ نعتِ محمدٍ ﷺ وصفتِهِ {ثَمَنًا قَلِيْلًا} أي عَرَضًا يسيرًا من متاعِ الدنيا۔

حُسنِ اقدس... دلیلِ نبوّت

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے ذی شان علیہم الصلوات والتسلیمات کو ایسے معجزات عطا فرمائے جن کے ذریعے ہر عقل مند شخص پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ہستی عام انسان نہیں، بلکہ اِسے خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے مخلوق کی راہ نمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اِسی طرح باری تعالیٰ نے امام الانبیا ﷺ کو بھی عظیم الشان معجزات عطا فرمائے، بلکہ سب سے زیادہ معجزات آپ ﷺ کو ہی عطا ہوئے۔

جانِ عالم ﷺ کے بے مثال معجزات میں سے ایک آپ کا حُسن بھی ہے، یعنی ربّ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسا حُسن و جمال عطا فرمایا تھا کہ اگر دیکھنے والا حق قبول کرنے کی نیت سے دیکھتا تو پہچان لیتا کہ ایسی حسین ذات اُسی کی ہو سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبوّت سے سرفراز فرمایا ہے۔ شاعرِ دربارِ رسالت سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ ... كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ [1]

(یعنی اگر سرورِ عالم ﷺ کے دیگر معجزات نہ بھی ہوتے تو آپ ﷺ کے چہرۂ پُر نور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نبی ہیں)

باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنے نور کی مثال بیان فرماتے ہوئے زیتون کا تذکرہ کیا اور فرمایا: يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ "قریب ہے کہ اُس کا تیل بھڑک اُٹھے اگرچہ اُسے آگ نہ چھوئے۔" [النور 24:35] حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے آیتِ کریمہ کے اِس حصے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: نورِ محمدی کی یہ اعلیٰ شان ہے کہ اگر آپ ﷺ اعلان نہ بھی فرماتے کہ مَیں نبی ہوں تو بھی آپ کی نبوّت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی۔ [2]

احادیثِ مبارکہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں کہ آنے والا حالتِ کفر میں آیا اور رُخِ انور کا حُسن دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا عبد اللہ: سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبردست یہودی عالم تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد علومِ اسلامیہ میں بھی بلند شان پائی۔ قرآنِ مجید میں آپ کی تعریف و تحسین موجود ہے اور سیدِ عالم ﷺ نے آپ کو جنت کی خوش خبری سے نوازا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منوّرہ میں جلوہ افروز ہوئے تو دیگر لوگوں کی طرح میں بھی دیکھنے کے لیے آیا، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ جب مَیں نے آپ کے چہرۂ انور کو غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث: 2485۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 1334)

---

[1] الإصابة في معرفة الصحابة، ج:4، ص:75، دار الكتب العلمية۔ عيون الأخبار، ج:1، ص:326، دار الكتب العلمية

[2] يَكَادُ نُورُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَأَمْرُهُ يَتَبَيَّنُ لِلنَّاسِ وَلَوْ لَمْ يَتَكَلَّمْ أَنَّهُ نَبِيٌّ، كَمَا يَكَادُ ذٰلِكَ الزَّيْتُ يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ (معالم التنزيل [تفسير البغوي]، لباب التأويل [تفسير الخازن]، تحت الآية)

سیدنا ابو رافع: صلحِ حُدَیبیہ کے موقع پر قریش نے "ابو رافع" نامی ایک صاحب کو اپنا نمائندہ بنا کر سیدِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا۔ رُخِ انور کی زیارت کرتے ہی اُن کے دل کی دُنیا یوں آباد ہوئی کہ فرماتے ہیں: فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْإِسْلَامُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ وَاللهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا۔[1] جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو اُسی وقت میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا (دل نے فوری طور پر توحید و رسالت کی تصدیق کی)، تو مَیں نے عرض کی یا رسول اللہ، اللہ کی قسم! اب مَیں کبھی بھی (آپ کا دامن چھوڑ کر) قریش کی طرف واپس نہیں جاؤں گا۔[2] (سنن ابو داؤد، حدیث: 2758)

سیدنا ثُمامہ: رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا، وہ یمامہ کے سربراہ ثُمامہ بن اُثال کو گرفتار کر کے لائے اور مسجدِ نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبیِ کریم ﷺ نے تین دن اُس کے ساتھ گفتگو فرمائی، تیسرے دن حکم فرمایا کہ اِسے کھول دو۔ وہ مسجدِ نبوی کے قریب ایک باغ میں گئے اور غسل کر کے مسجد میں حاضر ہوئے، عرض کی: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔ پھر کہا: يَا مُحَمَّدُ! وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ إِلَيَّ، وَاللهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيَّ، وَاللهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ۔ یعنی یا رسول اللہ! پہلے مجھے روئے زمین پر آپ کا چہرہ سب سے زیادہ ناپسند تھا، مگر اللہ کی قسم! اب آپ کا رُخِ انور سب سے زیادہ پیارا ہے... پہلے میرے دل میں آپ کے دین سے متعلق بے حد بُغض تھا، مگر قسم بخدا! اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے... پہلے آپ کے شہر سے بہت زیادہ نفرت تھی، مگر خدا کی قسم! اب آپ کا شہر (مدینہ منوّرہ) مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 4372)

تاج دارِ گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

اِس صورت نوں میں جان آکھاں، جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے ربّ دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

ایہا صورت شالا پیشِ نظر، رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
وِچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گزر، سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

اُن کے دلوں کی دُنیا حُسنِ اقدس کے جلوے دیکھ کر بدلی تھی، ہم اُس کا تذکرہ کر کے دلوں کو آباد کرتے ہیں۔

---

[1] أُوْقِعَ فِيْ قَلْبِيَ الْإِسْلَامُ: أَيْ نَفْسُهُ وَهُوَ التَّصْدِيْقُ، أَوْ مَحَبَّتُهُ... فِيْهِ أَنَّ إِلْقَاءَ الْإِسْلَامِ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنِ الرُّؤْيَةِ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[2] تاہم معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے نبیِ کریم ﷺ نے اُنھیں حکم فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ واپس چلے جاؤ، پھر آجانا۔

حرفِ آخر...ماہِ ولادت میں کرنے کے کام

سیدِ عالم ﷺ کو یہ اِعزاز حاصل ہے کہ آپ ربّ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور مخلوق کے لیے باعثِ عزت و فخر ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ سے محبت کرتی ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ سے محبت ایمان کا بھی تقاضا ہے اور عقل و دانش کا بھی۔ انسانی عقل جن وجوہات کی بنا پر محبت کا تقاضا کرتی ہے وہ سب پورے جوبن کے ساتھ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں موجود ہیں... آپ کا حُسن وجمال بھی سب سے بڑھ کر ہے، سیرت و کردار بھی سب سے عالی ہے اور احسانات بھی سب سے زیادہ ہیں۔

پروَردۂ آغوشِ نبوت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت حسین انداز میں آقا کریم ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: «كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ۔» ”رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ حسین و جمیل بھی تھے، سب سے بڑھ کر سخی بھی تھے اور سب سے بڑے بہادر بھی تھے۔“ (صحیح بخاری، حدیث:3040)

آپ ﷺ کے حُسن وجمال کا تذکرہ کرنا باری تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی سنت بھی... ایمان کی ترقّی و جذباتِ محبت میں اِضافہ کا ذریعہ بھی ہے اور رحمتوں کا باعث بھی۔

حُسنِ اقدس ایسا بے مثال ہے کہ اُسے دیکھ کر نہ جانے کتنے خوش نصیبوں کے دلوں کی دُنیا آباد ہوئی! بلکہ بن دیکھے فقط اُس کے تذکرے کر کے نہ جانے کتنے منزلِ مراد کو پہنچے! جنھوں نے اُس حُسن کا ایک بار نظّارہ کیا وہ مرتے دم تک دوبارہ کے لیے تڑپتے ہیں اور جو منتظر ہیں وہ اُسی کی آس میں بے تاب ہیں۔

امامِ اہلِ سنت، کشتۂ عشق و محبت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

اِک ترے رُخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی
اِنس کا اُنس اُسی سے ہے، جان کی وہی جان ہے[1]

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

---

[1] اِنس: انسان۔ جانّ: جنات۔ یعنی انسانوں کو بھی آپ کے رُخِ انور سے ہی عشق ہے اور جنات کی بھی وہی جان ہے۔

ماہِ ربیع الاوّل، ماہِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ ایمان کی ترقّی اور محبت میں اِضافہ کا مہینہ ہے۔ ربّ تعالیٰ کی نعمتِ عُظمیٰ پر شکر ادا کرنے اور محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کے لیے ہی محافلِ میلاد، جلوسِ میلاد، سجاوٹ اور دیگر کارہائے خیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چند اُمور پر توجہ دی جائے تو محافلِ میلاد کے بہترین نتائج حاصل ہوں گے:

- محافل کا انعقاد محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو، شہرت کی خواہش نہ ہو۔
- اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ذکرِ پاک کا احترام پیشِ نظر رکھا جائے۔
- فقط بزرگوں کا لکھا ہوا کلام پڑھا جائے اور نعت خوانی کا انداز ایسا ہو جو محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کا ذریعہ بنے۔
- نبیِ کریم ﷺ کے فضائل اور سیرتِ طیبہ بیان کرنے کے لیے علما کو دعوت دی جائے اور پیشہ وَر لوگوں سے گریز کیا جائے۔
- شرکائے محفل کو دین پر عمل کا جذبہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ نعروں کا زور عمل سے غافل کر دے۔
- ہر طرح کی غیر شرعی حرکات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

سرورِ عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اور آپ کے حُسن وجمال کا تذکرہ بھی محبت میں اِضافہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: مَنْ رَآهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُوْلُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ ﷺ۔ جو نبیِ کریم ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جسے پہچان کر میل جول (اُٹھنے، بیٹھنے اور ہمراہی) کا موقع ملتا وہ دیوانہ ہو جاتا، آپ کے اوصاف کا تذکرہ کرنے والا یہی کہتا ہے: مَیں نے آپ جیسا نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد دیکھا۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3638) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پہچان جتنی زیادہ ہو محبت بھی اُتنی ہی زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کے لیے ایک خوب صورت اور مختصر کتاب "سیرتِ مصطفیٰ" (از علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی) بھی ہے۔ ماہِ میلاد میں اِس کا مطالعہ اِن شاء اللہ تعالیٰ ڈھیروں برکتوں کا ذریعہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ میلادِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے صدقے ہمیں ایمان کی ترقّی اور محبت کی چاشنی سے نوازے، بخشش ومغفرت سے مشرف فرمائے، اُسوۂ حسنہ پر عمل کی توفیق سے نوازے اور خدمتِ دین کا جذبہ عطا فرمائے۔

خالقِ کائنات دشمنانِ اسلام، دشمنانِ پاکستان اور اُن کے پُشت پناہوں کو دُنیا وآخرت میں نشانِ عبرت بنائے، اسرائیل سمیت مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے تمام ممالک کو تباہ وبرباد فرمائے اور ہمیں مظلوموں کا سہارا بننے کی توفیق عطا کرے۔

آمین بجاہ النبیِ الکریم ﷺ

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ / 29 ستمبر 2023ء

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے
کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

(تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ ... دوسرا حصہ)

مشمولات

- حُسنِ مصطفیٰ ﷺ کا چرچا کرنا
- پیشانیِ انور کی تابناکی
- سرِ اطہر کا حُسن و عظمت
- چشمانِ مقدس کا حُسنِ ظاہر
- موئے مبارک کی زیبائی و برکت
- چشمانِ اقدس کا کمالِ باطن
- تبرکاتِ نبویہ کے بارے میں احتیاط
- محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالضُّحٰی o وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی o مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی o وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی o وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی o

نعمت جتنی بڑی ہو اُس کے ملنے پر خوشی بھی اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ سیدِ عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عُظمیٰ (سب سے بڑی نعمت) ہیں، باقی سب نعمتیں آپ ہی کے وسیلے اور صدقے سے ہیں۔ چنانچہ محبت کے ساتھ ساتھ عقل و دانش کا بھی تقاضا ہے کہ جانِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی کا اِظہار کیا جائے اور شریعت کے تابع رہتے ہوئے ربّ تعالیٰ کی نعمتِ عُظمیٰ کا خوب چرچا کیا جائے۔ چنانچہ ”اِظہارِ تشکر“ اور ”تحدیثِ نعمت“ کے لیے ہی مسلمان میلادِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے موقع پر جشن مناتے ہیں اور مختلف طریقوں سے خوشی ظاہر کرتے ہیں۔

عیدِ میلاد پر شکرِ الٰہی بجالانے کا ایک خوب صورت طریقہ یہ بھی ہے کہ ربّ تعالیٰ نے جو انعام فرمایا ہے اُس کی تعریف و توصیف کی جائے، نعمتِ عُظمیٰ کی عظمت بیان کی جائے، آپ ﷺ کے عُروج و کمال اور حُسن و جمال کا تذکرہ کیا جائے۔

حُسنِ مصطفیٰ ﷺ کا چرچا کرنا ربّ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی سنت بھی... محبت کا تقاضا بھی ہے اور محبت میں اِضافہ کا ذریعہ بھی... آپ ﷺ کا حُسن ایسا بے مثال ہے کہ امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دُھواں نہیں[1]

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا، نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
کہو: اُس کو گل کہے کیا بنی؟ کہ گُلوں کا ڈھیر کہاں نہیں[2]

گزشتہ خطبۂ جمعہ میں حُسنِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے اعجاز، اُسے بیان کرنے سے متعلق ربّ تعالیٰ کے حکم، صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے انداز اور دیگر بعض باتوں کا تذکرہ ہوا۔ آج سیدِ عالم ﷺ کے جسمِ منوّر کے کچھ اعضائے کریمہ کے حُسن کا کچھ ذکر ہو گا۔

---

[1] نَقص: کمی۔ خار: کانٹا۔ شَمع: چراغ۔ یعنی سیدِ عالم ﷺ کا حُسن ایسا کامل ہے کہ اُس میں نَقص / عیب موجود ہونا تو دُور کی بات ہے، نَقص کا گمان بھی نہیں۔ دُنیا کے تمام پھول کانٹوں کے درمیان ہوتے ہیں، مگر مصطفیٰ کریم ﷺ ایسا پھول ہیں کہ کوئی کانٹا اُس کے قریب بھی نہیں۔ ہر شمع سے دُھواں نکلتا ہے، مگر جانِ رحمت ﷺ وہ شمع ہیں کہ وہاں دھوئیں کا کوئی تصور بھی نہیں۔

[2] سیدِ عالم ﷺ جیسے رنگ و حُسن والا نہ کوئی پیدا ہوا، نہ کبھی ہو گا۔ دیگر حسینوں کا حُسن بیان کرنے کے لیے اُنھیں پھول سے تشبیہ دیتے ہیں، مگر تم بتاؤ کہ جانِ رحمت ﷺ کو پھول سے تشبیہ دے کر بات کیسے بنے گی؟ پھولوں کے ڈھیر تو ہر جگہ ہیں، مگر اُن جیسا کوئی بھی نہیں، کہیں بھی نہیں۔

سرِ اطہر کا حُسن و عظمت

سرورِ عالم ﷺ کا سرِ اطہر دیگر اعضائے مبارکہ کی طرح ظاہری و باطنی حُسن کا بھی پیکر تھا اور اُس کی عظمت و شان کے بھی کیا کہنے!

سرِ انور کی جسامت: جانِ عالم ﷺ کا سرِ انور اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا، نہ تو چھوٹا تھا کہ حُسن کے عروج میں کوئی کمی ہو اور نہ ہی بہت بڑا تھا کہ حسین نہ لگے... بلکہ تناسب و توازن کے ساتھ قدرے بڑا تھا۔

سیدنا علی مرتضٰی اور سیدنا ہند بن ابو ہالہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جانِ رحمت ﷺ کے سرِ انور کا حُسن بیان کرتے ہوئے کہا: كَانَ عَظِيْمَ الْهَامَةِ... یعنی آپ ﷺ کا سرِ انور عظیم تھا۔ (مسند احمد، حدیث:944۔ شمائل ترمذی، حدیث:8)

محدثینِ کرام نے لکھا: انسان کی فضیلت اور قدر و منزلت عقل و شعور، دماغی قوّت اور باطنی حواس کے ذریعے بڑھتی ہے۔ قدرت نے جانِ عالم ﷺ کے سرِ انور کو موزونیت کے ساتھ قدرے بڑا پیدا فرمایا؛ تاکہ اُس کی زیارت سے ہی معلوم ہو جائے کہ اِس میں موجود دماغ کی قوت، فہم و بصیرت اور حواسِ باطنیہ بے مثال و باکمال ہیں۔[1]

سرِ انور کی عظمت: سرورِ سروراں ﷺ کے سرِ انور کی عظمت کا اِظہار اُس وقت بھی ہو گا جب محشر میں تمام لوگ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کروانے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور سبھی جلالِ الٰہی کے سبب شفاعت سے انکار کر دیں گے، آخر میں شافعِ محشر ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر التجا پیش کریں گے، چنانچہ آپ سجدے میں سر رکھ کر ربّ تعالیٰ کی بے مثال حمد کریں گے تو حکم ہو گا: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ پیارے! سر اُٹھائیے... کہیے! آپ کی بات سُنی جائے گی... مانگیے! آپ کو عطا کیا جائے گا... اور شفاعت کیجیے! آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔ (صحیح بخاری:7510)

خاک اُفتادو! بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے
خود وہ گر کر سجدہ میں تم کو اُٹھاتے جائیں گے

سرِ انور کو خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ایسی عظمت عطا فرمائی ہے کہ اُس کے سامنے تمام سرداروں کے سر جھک جاتے ہیں۔

جس کے آگے سرِ سروراں خَم رہیں — اُس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

---

[1] قال ابن حجر الهيتمي: وَهُوَ دَالٌّ عَلَى كَمَالِ الْقُوَّةِ الدِّمَاغِيَّةِ مِنَ الْحَوَاسِّ الْبَاطِنَةِ، وَبِكَمَالِهَا يَتَمَيَّزُ الْإِنْسَانُ عَلَى غَيْرِهِ۔
(أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل، ص:54، دار الكتب العلمية)
وقال المناوي: وَعِظَمُهُ مَمْدُوحٌ؛ لِأَنَّهُ أَعْوَنُ عَلَى الْإِدْرَاكَاتِ وَنَيْلِ الْكَمَالَاتِ۔ (التنوير بشرح الجامع الصغير، تحت الحديث:6455)

موئے مبارک کی زیبائی و برکت

جانِ عالم ﷺ کے موئے مبارک بھی حد درجہ حسین و بابرکت ہیں۔ اُن کا حسن بیان کرتے ہوئے دیدار کرنے والوں نے بتایا:

1) موئے مبارک حد درجہ خوب صورت، نہایت سیاہ، گھنے اور پورے سر پر پھیلے ہوئے تھے۔ سیدنا ابو الطفیل عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَمَا أَنْسَى بَيَاضَ وَجْهِهِ وَشِدَّةَ سَوَادِ شَعْرِهِ۔ مَیں نے فتحِ مکہ کے دن نبیِ اکرم ﷺ کی زیارت کی، آپ کے چہرۂ اقدس کا گورا رنگ اور بالوں کی پُرکشش سیاہی مجھے کبھی نہیں بھولتی۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، حدیث:6877۔ الطبقات الکبریٰ، ج:1، ص:321۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:3، ص:304)

2) بال مبارک نہ تو بالکل سیدھے تھے، نہ گھنگھریالے... بلکہ سیدھے خم دار تھے۔

3) مبارک زُلفیں کبھی آدھے کان مبارک تک، کبھی کانوں کی نچلی لَو تک ہوتیں اور کبھی بڑھ کر مبارک کندھوں کو چھو لیتیں۔[1] سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَجِلًا، لَيْسَ بِالسَّبْطِ وَلَا الْجَعْدِ، بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهِ۔ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک خم دار تھے، نہ گھنگریالے (بالکل مُڑے ہوئے)، نہ بالکل سیدھے... وہ کانوں اور کندھے کے درمیان ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث:5905)

4) پیدائشی طور پر ہی گیسوئے مطہر ایسے ترتیب وار تھے کہ کنگھی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی،[2] تاہم (سنت بنانے کے لیے) کبھی کبھی کنگھی فرماتے تھے[3] اور برکت حاصل کرنے کے لیے کبھی اُمّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی کنگھی کر دیتیں۔[4] مانگ مبارک بالوں کے درمیان سے ہوتی تھی۔[5] امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

لَیْلَۃُ الْقَدْر میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق　　مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام[6]

5) تیل لگائے بغیر بھی موئے مبارک چمک دار ہوتے تھے، تاہم آپ ﷺ (سنت بنانے کے لیے) تیل بھی بہت استعمال فرماتے تھے

---

[1] یاد رہے کہ مَرد کو کندھوں سے نیچے تک بال رکھنا حرام ہے، اِسی طرح مَرد کے لیے بالوں کو پونی باندھنا/جُوڑا بنانا بھی گناہ ہے۔ (بہارِ شریعت: 3/587)

[2] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: وَكَانَ شَعْرُهُ ﷺ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ مُسَرَّحًا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد، ج:2، ص:18، دار الکتب العلمیۃ)

[3] عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا۔» (الشمائل المحمدیۃ للترمذی، رقم الحدیث:36)

[4] عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَنَا فَرَقْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ، صَدَعْتُ فِرْقَهُ عَنْ يَافُوخِهِ وَأُرْسِلُ نَاصِيَتَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔ (دلائل النبوۃ:1/226)

[5] ہمیں چاہیے کہ فیشن کے پیچھے پڑنے کے بجائے سنت کے مطابق مانگ نکالنے کی عادت ڈالیں۔

[6] نبیِ کریم ﷺ کے گیسو مبارک سیاہی و طوالت میں گویا لیلۃ القدر ہیں، اُن میں سیدھی مانگ مبارک گویا مطلع الفجر (طلوعِ فجر) ہے (یہ دونوں الفاظ سورۂ قدر سے اقتباس ہیں)۔ سیدھی مانگ مبارک پر لاکھوں سلام ہوں۔

اور (نفاست کے پیشِ نظر) عمامہ شریف کو تیل سے بچانے کے لیے اُس کے نیچے کپڑا مبارک (سر بند) استعمال فرماتے تھے۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: وَكَانَ الصِّبْيَانُ يُصْبِحُونَ رُمْصًا شُعْثًا، وَيُصْبِحُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دَهِيْنًا كَحِيْلًا۔ بچے صبح بیدار ہوتے تو اُن کی آنکھوں کے کنارے میں میل (گِدڑ) جمی ہوتی، بال بکھرے ہوتے، مگر رسول اللہ ﷺ بچپن میں بھی جب بیدار ہوتے تو مبارک بالوں میں تیل اور پیاری آنکھوں میں سرمہ لگا ہوتا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج: 1، ص: 96)

عظمت وبرکت: ربّ تعالیٰ نے حبیبِ اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی بے حدّ عزت افزائی فرمائی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَالضُّحٰى o وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى o مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى o وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى o وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى o

"چاشت کے وقت کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ پھیل جائے، آپ کے ربّ نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ ہی ناپسند کیا، یقیناً آپ کے لیے ہر بعد والا لمحہ پہلے لمحہ سے بہتر ہے۔" [الضحیٰ 93: 1 تا 4] ایک تفسیر کے مطابق "چاشت" (چڑھتے دن) سے مراد چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کا حُسن وجمال ہے اور "رات" سے آپ کے گیسوئے اقدس کی طرف اِشارہ ہے۔

ہے کلامِ الٰہی میں "شمس" و "ضُحیٰ" ترے چہرۂ نور فزا کی قسم — قسمِ "شبِ تار" میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

موئے اقدس ایسے عظیم الشان ہیں کہ اُن کی برکت سے ربّ تعالیٰ شفا بھی عطا فرماتا ہے اور دیگر مشکلات بھی آسان ہو جاتی ہیں۔ رحمتِ عالم ﷺ جب بال مبارک ترشواتے تو برکت سے نوازنے کے لیے غلاموں میں تقسیم بھی فرما دیتے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اُنھیں دیوانہ وار حاصل کر کے محفوظ کرتے۔ چنانچہ موئے مبارک نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے آج بھی محفوظ ہیں اور برکتیں لُٹاتے ہیں۔

تبرکاتِ نبویہ کے بارے میں احتیاط: نبیِ کریم ﷺ سے ادنیٰ نسبت والی چیزوں میں بھی ربّ تعالیٰ نے بے پناہ برکت رکھی ہے، آپ ﷺ کے جسمِ مبارک کا حصہ بننے والے بالوں کی شان وعظمت تو بہت بلند ہے۔ دورِ حاضر میں کچھ بدبخت دُنیاوی مفادات کے لیے نبیِ کریم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کرنے سے بھی نہیں شرماتے، نعلینِ مقدس اور موئے مبارک کے بارے میں بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔[2] حدیثِ مبارک کے مطابق جو شخص سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرے وہ جہنم کا مستحق ہے، تو جو شخص کسی ایسے بال کو رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اقدس کا حصہ قرار دے جو حقیقت میں آپ کا موئے مبارک نہیں تو اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

ہمیں اگر کوئی شخص کہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا تبرک ہے تو ہم اُس کا احترام کریں گے اور بے ادبی سے بچیں گے، مگر یہ نسبت کرنے والوں پر فرض ہے کہ پہلے مکمل تحقیق کریں۔ اگر کسی کا جھوٹ یقینی طور پر معلوم ہو تو اُس کی تردید کرنا لازم ہے۔[3]

---

[1] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: «كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهِ، وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.» (شمائل الترمذی، حدیث: 33۔ شرح السنۃ، حدیث: 3164)

[2] تبرکات میں جعل سازی سے متعلق معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے: "اسلامی تبرکات میں ملاوٹ"، از مولانا سید زعیم الدین نعیمی

[3] تبرکات کے شرعی احکام سے متعلق دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ سے جاری شدہ فتویٰ ملاحظہ کیجیے، تاریخِ اجرا: 2022-09-28

پیشانیِ انور کی تاب ناکی

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی پیشانی مبارک موزونیت کے ساتھ کشادہ و فراخ، روشن و چمک دار اور مسرت و شادمانی کے آثار سے معمور تھی۔ مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہٗ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: صَلْتَ الْجَبِيْنِ۔ نبی کریم ﷺ کی پیشانی مبارک وسیع و چمک دار تھی۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:6، ص:18، 19، دار احیاء التراث۔ الطبقات الکبریٰ، ج:1، ص:316، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:3، ص:250)

جس کی تقدیس کا رنگ گہرا رہا
جس کے دَر پر فرشتوں کا پہرا رہا
مغفرت کی سند جس کا چہرا رہا
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

پیشانی مبارک کے انوار: اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: مَیں بیٹھی چرخاکات رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ اپنے نعل (جوتے) مبارک کو پیوند لگا رہے تھے، فَجَعَلَ جَبِيْنُهٗ يَعْرَقُ وَجَعَلَ عَرَقُهٗ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا، فَبُهِتُّ۔ آپ ﷺ کی نورانی پیشانی پر پسینہ آنا شروع ہوا اور پسینے سے نور پھوٹنے لگا، (یہ دل کش نظّارہ دیکھ کر) مجھ پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی (حُسن کے جلووں میں کھو گئی)۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: مَالَكِ يَا عَائِشَةُ بُهِتِّ؟ یعنی "عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ کہاں کھو گئی ہو؟" مَیں نے کہا: جَعَلَ جَبِيْنُكَ يَعْرَقُ، وَجَعَلَ عَرَقُكَ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا۔ آپ کی پیشانی پر پسینہ آرہا تھا، اُس سے نور پھوٹنے لگا (تو مَیں بے خود ہوگئی)۔

اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزید کہا: اگر ابو کبیر ہُذلی آپ کی زیارت کرتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ آپ اُس کے شعر کا زیادہ مصداق ہیں (اُس نے آپ کو دیکھا نہیں تھا تو شعر کسی اور کے لیے کہا، آپ کو دیکھتا تو کہتا یہ شعر صرف آپ کے لیے ہے):

فَإِذَا نَظَرْتَ إِلٰى أَسِرَّةِ وَجْهِهٖ
بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

(یعنی جب تم اُس کے روئے روشن کو دیکھو گے تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا دکھائی دے گا)

نبی کریم ﷺ نے بھی اِس موقع پر اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اِظہارِ محبت فرمایا اور دُعا سے نوازا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث:15427۔ حلیۃ الأولیاء، ج:2، ص:46)

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا

چشمانِ مقدس کا حُسنِ ظاہر

باقی اعضائے جسم کی طرح سرورِ عالم ﷺ کی چشمانِ اقدس کا حُسنِ ظاہر بھی کامل واکمل ہے اور کمالِ باطن بے مثل وبے مثال ہے۔ نظارہ کرنے والے خوش نصیبوں نے کئی پہلوؤں سے آپ کی مبارک آنکھوں کا ظاہری حُسن بیان کیا:

1) چشمانِ اقدس موزونیت کے ساتھ کچھ بڑی تھیں۔ یعنی نہ تو چھوٹی تھیں، نہ بہت بڑی، بلکہ نہایت تناسب وموزونیت کے ساتھ قدرے بڑی تھیں۔[1]

2) پتلیاں مبارک نہایت سیاہ تھیں اور باقی حصہ خوب سفید تھا، آنکھ کے کوئے (بینی مبارک والے کونے) میں سرخی کی آمیزش تھی۔[2]

3) مژگانِ عالی شان (پلکیں مبارک) سیاہ اور لمبی تھیں۔ مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے جانِ کائنات ﷺ کا سراپا بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَانَ أَبْيَضَ مُشْرَبًا بَيَاضُهُ حُمْرَةً، أَهْدَبَ الْأَشْفَارِ أَسْوَدَ الْحَدَقَةِ۔ نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک گورا سرخی مائل تھا، پلکیں لمبی تھیں اور پتلی سیاہ تھی۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:1، ص:316۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:1، ص:213)

4) چشمانِ اقدس قدرتی طور پر سرگیں تھیں۔ یعنی سرمہ لگائے بغیر ہی ایسے حسین معلوم ہوتیں جیسے ابھی ابھی سرمہ کو زینت بخشی ہو۔ سیدنا جابر بن سَمُرَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: وَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ: أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ۔ جب مَیں رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا تو (آنکھوں کا حُسن دیکھ کر دل میں) کہتا: آپ نے چشمانِ اقدس میں تازہ سرمہ لگایا ہوا ہے، حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی، حدیث:3645)

5) ابرو مبارک کمان کی طرح خم دار، باریک، گھنے، گہرے سیاہ اور باہم ملے ہوئے تھے، دونوں کے درمیان معمولی فاصلہ تھا جو بغور دیکھنے سے نظر آتا۔ دونوں کے درمیان میں ایک مبارک رگ تھی جو جلال کے وقت اُبھر کر اپنا جلوہ دکھاتی تھی۔[3]

دو ابرو قوس مثال دِسن، جَیں تو نوکِ مژہ دے تیر چھٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن چٹے دند موتی دیاں ہِن لڑیاں[4]

---

[1] عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَخْمَ الرَّأْسِ عَظِيْمَ الْعَيْنَيْنِ... (مسند الإمام أحمد، رقم:684)

[2] سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ضَلِيْعَ الْفَمِ أَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْسَ الْعَقِبَيْنِ۔ رسول اللہ ﷺ کا دہنِ مبارک وسیع تھا، چشمِ اقدس سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی اور ایڑی مبارک کا گوشت قلیل تھا۔ (صحیح مسلم، حدیث:2339)

عن أنس عن صفة رسول الله ﷺ قال: اَلْوَجْهُ أَبْيَضُ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، ضَخْمُ الْهَامَةِ، أَحْمَرُ الْمَآقِيْ... (تاریخ مدینۃ دمشق: 281/3)

[3] فی روایۃ هند بن أبی هالة: أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ، سَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ۔ (شمائل الترمذی، رقم:8)

[4] یعنی جانِ رحمت ﷺ کے ابرو مبارک کمان کی طرح خم دار، مژگانِ عالی شان (پلکیں) تیر کی طرح سیدھی، لبہائے قدسی یمنی لعل (سرخ موتیوں) جیسے سرخ اور دندانِ منور موتیوں کی طرح سفید ہیں۔

چشمانِ اقدس کا کمالِ باطن

ظاہری حُسن کے ساتھ ساتھ جانِ عالم ﷺ کی چشمانِ اقدس کے باطنی کمالات بھی بے شمار ہیں۔ مثلاً:

⟸ نگاہِ اقدس کمالِ حیا سے جُھکی رہتی تھی اور زیادہ تر نظر بھر کر دیکھنے کے بجائے آنکھ کے کنارے سے کرم فرماتے تھے۔

سیدنا ہند بن ابو ہالہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی ذکر فرمایا: خَافِضَ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ۔ سرورِ عالم ﷺ کی نگاہِ پاک جھکی رہتی تھی، آسمان کے بجائے زمین کی طرف نگاہ طویل تر ہوتی تھی، زیادہ تر آنکھ کے (کان والی جانب کے) کنارے سے دیکھتے تھے۔ (المعجم الکبیر، ج:22، ص:155، رقم الحدیث:414)

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر دُرود　　اُونچی بینی کی رِفعت پہ لاکھوں سلام

⟸ چشمانِ اقدس یادِ خدا میں اور اُمّت کی بخشش کے لیے اشک بار رہتیں۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا!　　رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

⟸ دیکھنے کی قوّت بے مثال ہے، حتّٰی کہ پُشت کی طرف موجود چیزیں بھی ویسے ہی دکھائی دیتی ہیں جیسے سامنے موجود اشیا کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ ظہر پڑھائی، صفوں کے آخر میں ایک شخص نے اچھے طریقے سے نماز نہ پڑھی تو نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيَ هَا هُنَا، وَاللهِ! مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ، وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي۔» یعنی "کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا چہرہ سامنے کی طرف ہوتا ہے (تو مجھے تمہارا علم نہیں ہوتا)؟ اللہ کی قسم! تمہارا رکوع بھی مجھ سے مخفی نہیں اور تمہارا خشوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں، بلاشبہ مَیں تمہیں اپنے پیچھے بھی (ویسے ہی) دیکھتا ہوں (جیسے سامنے دیکھتا ہوں)۔" (صحیح بخاری، حدیث: 741۔ مسند احمد، حدیث:9796)

⟸ رات کی تاریکی میں بھی ویسے ہی دکھائی دیتا جیسے دن کے اُجالے میں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس اور اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: كَانَ يَرَى بِاللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرَى بِالنَّهَارِ فِي الضَّوْءِ۔ رسول اللہ ﷺ کی نگاہِ پاک رات کی تاریکی میں (جب چاند کی روشنی نہ ہوتی تب) بھی ویسے ہی دیکھتی تھی جیسے دن کے اُجالے میں نظر آتا۔[1]

⟸ رحمتِ الٰہی سے پوری کائنات کا یوں مشاہدہ ہوتا ہے جیسے اپنے ہاتھ پر رکھی ہوئی کوئی چیز دکھائی دیتی ہے۔[2]

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس روایت کو حسن لغیرہٖ قرار دیا، الجامع الصغیر، حدیث:10020۔ ورواہ البیہقی فی "دلائل النبوۃ" عن ابن عباس: 75/6، ورواہ ابن عدی فی الکامل فی ضعفاء الرجال عن عائشۃ: 365/5

[2] عن ابن عمر قال: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم «إِنَّ اللهَ عز وجل قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هٰذِهِ۔ (حلیۃ الأولیاء: 101/6۔ الفتن لنعیم بن حماد: 27/1۔ المعجم الکبیر: 318/13)

⟸ جس جانب نگاہِ رحمت ہو جائے، بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

⟸ چشمانِ عالی شان کو ربّ العزت نے وہ اِعزازات عطا فرمائے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے۔ باری تعالیٰ نے معراج کی شب اِس دُنیا کی زندگی میں سر کی آنکھوں سے دیدار کا شرف عطا کیا، جو نہ کسی اور کو ملا، نہ مل سکے گا۔ پھر اِس شان سے دیدار کا شرف پایا کہ جلوہ دکھانے والے نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی o لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی۔ "آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی o یقیناً اُنھوں نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔" [النجم 53:17،18]

لوح و قلم سے ہم کنار آنکھیں مرے حضور کی
خالقِ کل کی راز دار آنکھیں مرے حضور کی

خُلّتِ ربّ میں گم خلیل حق سے کلیم ہم کلام
واقفِ حُسنِ کردگار آنکھیں مرے حضور کی

کتنے کمالِ ہوش سے غرقِ مشاہدہ رہیں
جلوۂ حق سے کامگار آنکھیں مرے حضور کی

تحت الثرٰی کی ہے خبر عرشِ عُلٰی پہ ہے نظر
سِدرہ سے دیکھتی ہیں پار آنکھیں مرے حضور کی

اُن سے ڈھکے چھپے نہیں سجدے قیام اور رکوع
جملہ جہت کی راز دار آنکھیں مرے حضور کی

حق نے سمیٹ کر زمین اُن کو دکھائے شرق و غرب
رکھیں جہان کا شمار آنکھیں مرے حضور کی

روضے پہ آئیں اُمّتی عفوِ گنہ کے واسطے
کرتی ہیں اب بھی انتظار آنکھیں مرے حضور کی

ایسی حسین و سُرمگیں جن کی مثال ہی نہیں
سُرمے بغیر دھاری دار آنکھیں مرے حضور کی

بارگہِ جمال میں مقصود اب دُعا یہی خوابوں میں آئیں بار بار آنکھیں مرے حضور کی

حرفِ آخر... محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کی ضرورت

یومِ میلاد عید الاعیاد ہے، اِس بہار پر ہر بہار نثار ہے اور اِس دن میں نصیب ہونے والی نعمتِ عُظمٰی کے صدقے میں ہی سب نعمتوں کی عطا ہے۔

عید میلاد کے موقع پر اگر ہم غور کریں کہ رحمتِ عالم ﷺ کو اِس دُنیا میں کیوں بھیجا گیا؟ آپ نے کس مقصد کی خاطر ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں اور اپنا آرام قربان کیا؟ میدانِ جہاد میں کیوں جلوہ گر ہوئے؟ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی کاوشوں کا بنیادی مقصد اسلام کا پیغام پہنچانا اور معاشرے کو سنوارنا تھا... دوسری طرف ہم اپنی حالت پر نظر ڈالیں کہ کیا ہم نے مصطفیٰ کریم ﷺ کے میلاد و بعثت کے مقصد کو پورا کیا ہے؟ تو اپنی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہو گا، ہماری ذاتی صورتِ حال قابلِ رشک ہے نہ اُمّت کی اجتماعی صورتِ حال۔

بداعمالی، افتراق وانتشار اور فتنوں میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دل میں محبتِ رسول کی مٹھاس نہیں ہے، ایمان کی چاشنی سے محروم ہیں، وارفتگی کے جذبات کا لُطف گویا ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے دردِ دل کا اِظہار کرتے ہوئے کہا:

شَبے پیشِ خُدا بُگریستَم زار
مُسلماناں چرا زارَند و خوارَند

ایک رات مَیں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زار و قطار رو کر التجا کی: یا اللہ! مسلمان کیوں ذلیل و خوار ہیں؟

نِدا آمَدْ نَمِی دانیْ کہ ایں قوم
دِلے دارَند و مَحْبُوبے ندارند

تو ندا آئی: تمہیں معلوم نہیں کہ اِن کے پاس دل تو ہیں مگر محبوب نہیں ہے!

کاش! ہمیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کی سچی محبت نصیب ہو جائے، اگر محبت مل جائے تو موت کا لُطف بھی بے مثال ہے، لیکن محبت نصیب نہ ہو تو زندگی بھی بے مزہ ہے۔

محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کے لیے ہی حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے تذکرہ کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اگر ہم جانِ جاناں ﷺ کے حُسن و جمال کا ذکرِ جمیل صحیح العقیدہ علما کی کتابوں سے پڑھیں... سُنیں... دل میں بٹھائیں.... اور اُس کا تصور جمائیں تو کچھ بعید نہیں کہ ربّ تعالیٰ کرم فرمائے اور ہماری بگڑی سنور جائے۔

۱۹ ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ / 06 اکتوبر 2023ء

مَہ و خورشید کو چمکاتی ہے طلعت تیری

(تذکرۂ حُسنِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ... تیسرا حصہ)

مشمولات

- گوشِ مبارک کا حُسن و کمال
- چہرۂ انور کی رعنائی و زیبائی
- بینی مبارک اور رُخسارِ پُر وقار
- لبہائے لعلیں اور دہنِ مقدس
- دندانِ عالی شان اور ریش مبارک
- شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو موہائے ریش کی عطا
- دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ!
- سانحۂ مستونگ: حکومتی غفلت اور علما کے مطالبات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی o مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی o وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی o اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی o [النجم 53:1 تا 4]

جس شخص کی منزل متعیّن ہو اور یکسوئی کے ساتھ اُس کی طرف اپنا سفر جاری رکھے، وہ جلد یا دیر سے اپنی منزل کو پالیتا ہے، لیکن اگر اُسے معلوم ہی نہ ہو کہ جانا کہاں ہے؟ یا منزل تو معلوم ہو مگر اُس کی طرف سفر کے بجائے کسی اور راستے پر چل پڑے تو وہ کبھی بھی اپنے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

مسلمان کی منزلِ مقصود ربّ تعالیٰ کی رِضا و خوشنودی ہے اور اُس تک رسائی کا راستہ صرف ایک ہی ہے، کہ یکسوئی کے ساتھ سرورِ عالَم ﷺ کی غلامی اختیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص رِضائے الٰہی کا طلب گار نہیں ہے یا خاتم الانبیا ﷺ کا دامن چھوڑ کر کسی اور راستے سے اِس منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے دُنیا و آخرت میں ذلّت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

اِس وقت ہماری افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کی آرزو بھی سسکیاں لے رہی ہے اور یکسوئی کے ساتھ غلامیٔ رسول ﷺ کا جذبہ بھی ناپید ہوتا جارہا ہے، یعنی ہم منزلِ مقصود کی تڑپ اور اُس کے راستے، دونوں سے ہی غافل ہوتے جارہے ہیں۔ تقریباً ایک سو سال پہلے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اُمّت کے راہ نماؤں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

دِل توڑ گئی اِن کا دو صدیوں کی غلامی
دارُو کوئی سوچ اِن کی پریشاں نظری کا

یعنی دو سو سال سے مسلم ممالک پر مغرب کا قبضہ و اثر و رسوخ ہے، جس کے اثرات سے مسلم نوجوانوں کے دل ٹوٹ چکے ہیں، یہ پریشان نظری میں مبتلا ہیں، اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، تم اِن کی پریشان نظری کا کوئی حل سوچو اور اِن کی ایسی تربیت کرو کہ یہ یکسوئی کے ساتھ سیدِ عالم ﷺ کی غلامی اختیار کریں اور دیوانہ وار کہیں:

اُنھیں جانا اُنھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام — للہ الحمد مَیں دُنیا سے مسلمان گیا

غلامیٔ رسول ﷺ میں یکسوئی تب نصیب ہوتی ہے جب انسان زلفِ مصطفیٰ ﷺ کا اسیر اور اُن کے رُخِ انور کا دیوانہ ہو جائے۔ تاریخ ایسے خوش نصیبوں کے حسین واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جنھیں سچی محبت کی چاشنی نصیب ہوئی، اُنھیں نہ تو شاہوں کا رُعب و جلال جھکا سکا، نہ ہی دُنیا کی بے پناہ دَولت اُنھیں خرید سکی۔

محبوبِ خُدا ﷺ کی محبت و دیوانگی میں اِضافہ کی آرزو لیے حُسنِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ شروع کیا گیا تھا، گزشتہ دو خطبات میں پیکرِ حُسن ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔ آج بھی اِسی سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

گوشِ مبارک کا حُسن و کمال

سرورِ عالم ﷺ کے دونوں گوشِ مبارک نہایت حسین و جمیل، کامل و تام، پُر کشش اور گورے سرخی مائل تھے۔ ربّ تعالیٰ نے اُنھیں سننے کی قوّت بھی بے مثال عطا فرمائی۔

پُرنور ستاروں کا ظہور: مبارک زلفوں کا رنگ خوب سیاہ تھا، جب گوشِ مبارک اپنے گورے رنگ کے ساتھ حُسن کا جلوہ دکھاتے تو ایسا دل کش منظر ہوتا کہ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وَتَخْرُجُ الْأُذُنَانِ بِبَيَاضِهِمَا مِنْ بَيْنِ تِلْكَ الْغَدَائِرِ كَأَنَّهَا تَوَقُّدُ الْكَوَاكِبِ الدُّرِّيَّةِ مِنْ سَوَادِ شَعْرِهِ۔ یعنی جب سیاہ زلفوں سے دو گورے گوشِ مبارک ظاہر ہوتے تو ایسے لگتا ہے کہ تاریک رات میں دو روشن ستارے چمک رہے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:1، ص:300۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم، حدیث:566)

بے مثال قوّتِ سماعت: حُسنِ ظاہر کے ساتھ مبارک کانوں کا کمالِ باطن بھی خوب تھا۔ سیدنا ابو ذرّ جُندب غِفاری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں جانِ رحمت ﷺ کا یہ ارشادِ دل شاد بھی ہے: إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ... "مَیں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور مَیں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔" (جامع ترمذی، حدیث:2312۔ سنن ابن ماجہ، حدیث:4190)

سبحان اللہ! یہ نہیں بتایا کہ کیا کیا دیکھتا ہوں اور کیا کچھ سنتا ہوں... اِس میں ایک حکمت یہ بھی ہے آپ جو کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں وہ شمار کی حد سے باہر ہے... چنانچہ مختصر اور جامع الفاظ ارشاد فرمائے کہ "وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے"۔ کلامِ رضا ہے:

دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام[1]

تمام مسالک کی مسلّمہ شخصیت حضرت شیخ عبد الحق محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: نبیِ اکرم ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے وقت تعظیم و ہیبت و حیا کا پاس رکھتے ہوئے یوں باادب رہو گویا کہ تم آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں حاضرِ بارگاہ ہو اور جمالِ باکمال کو دیکھ رہے ہو۔ یقین رکھو کہ آپ ﷺ تمھیں دیکھ رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں؛ کیونکہ وہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہیں اور ربّ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اُس کا ذکر کرے اُسے رحمت کی خصوصی توجہ نصیب ہوتی ہے۔[2] کلامِ رضا ہے:

واللہ! وہ سُن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے — اِتنا بھی تو ہو کوئی جو "آہ" کرے دل سے

---

[1] لعل: سرخ موتی۔ کرامت: عزت و بزرگی۔ آپ ﷺ کے گوشِ مبارک دُور و نزدیک سے یکساں سنتے ہیں... عزت کے موتیوں کی کان پر لاکھوں سلام۔

[2] وباش در حالِ ذکر گویا حاضرست پیش در حالتِ حیات و می بینی تُو اُورا، متأدّب باِجلال و تعظیم و ہیبت و حیا۔ بُداں کہ وَیْ ﷺ می بیند و می شنود کلامِ تُرا؛ زیرا کہ وَی متّصف ست بصفاتِ اللہ تعالیٰ، و یکے از صفاتِ اِلٰہی آں ست کہ أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي، مر پیغمبر را ﷺ نصیبِ وافر است ازیں صفت۔ (مدارج النبوۃ، ج:2، ص:621، ناشر: مرکزِ اہلِ سنت برکاتِ رضا، ہند)

چہرۂ انور کی رعنائی وزیبائی

جانِ عالم ﷺ کے سرِ اطہر، موئے مبارک، پیشانیِ عالی شان، چشمانِ مقدس اور گوشِ منوّر کے حُسن و کمال کا مختصر تذکرہ ہو چکا، اب چہرۂ انور کے باقی حصے کے جمالِ باکمال سے دل کو منوّر کیجیے۔

بینی مبارک: رحمتِ عالم ﷺ کی بینی مبارک (ناک شریف) اعتدال و تناسب کے ساتھ باریک، اُونچی اور لمبی تھی، جس سے نور کی شعاعیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ سیدنا ہند بن ابوہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: أَقْنَى الْعِرْنِيْنِ، لَهُ نُوْرٌ يَّعْلُوْهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَّمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ۔ جانِ رحمت ﷺ کی بینی مبارک باریک اور اُونچی تھی، اُس پر ہمہ وقت نور چھایا رہتا، سرسری نظر دیکھنے والا سمجھتا کہ وہ لمبی ہے (حالانکہ وہ متناسب تھی)۔ (الشمائل المحمدیۃ [شمائل الترمذی]، حدیث: 8۔ الطبقات الکبریٰ، ج: 1، ص: 324)

امامِ اہلِ سنت، کشتۂ عشق و محبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

نیچی آنکھوں کی شرم وحیا پر دُرود
اُونچی بینی کی رِفعت پہ لاکھوں سلام

رخسارِ پُروقار: پیکرِ حُسن ﷺ کے رُخسارِ پُر وقار (گال مبارک) گورے سرخی مائل پُر کشش تھے... اُبھرے ہوئے تھے نہ دبے ہوئے، بلکہ معتدل و ہموار تھے... گوشت مبارک کم اور جلدِ انور نرم و ملائم تھی۔

تاج دارِ بریلی علیہ الرحمہ نے عارضِ انور (رُخسارِ عالی وقار) کے بارے میں پورا کلام لکھا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

نارِ دوزخ کو چمن کر دے بہارِ عارض
ظلمتِ حشر کو دن کر دے نہارِ عارض [1]

گرچہ قرآں ہے نہ قرآں کی برابر لیکن
کچھ تو ہے جس پہ ہے وہ مدح نگارِ عارض [2]

نامِ حق پر کرے محبوب دل وجاں قرباں
حق کرے عرش سے تا فرش نثارِ عارض [3]

---

[1] آپ کے رُخسارِ پُر وقار کی بہار ایسی ہے کہ وہ جہنم کی آگ کو گلزار بنادے... آپ کا رُخسارِ عالی وقار وہ دن ہے جو حشر کی تاریکی کو روزِ روشن میں بدل دے۔

[2] آپ کے گال مبارک نہ تو قرآن ہیں نہ اُس کے برابر ہیں... مگر کچھ تو ہیں تبھی قرآنِ مجید بھی رخسارِ پُر انوار کی تعریف و مدح فرماتا ہے۔

[3] محبوبِ مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نام پر دل و جان قربان کرتے ہیں... اور حق تعالیٰ عرش سے فرش تک، تمام خدائی رُخسارِ پُر انوار پر نچھاور فرماتا ہے۔

لبہائے لَعْلِیں: جانِ رحمت ﷺ کے لبہائے مبارکہ (ہونٹ شریف) حد درجہ حسین، نازک ولطیف، سرخی مائل تھے اور اُن پر کثرت کے ساتھ تبسّم کی رونق رہتی تھی۔ اُن کا جلوہ دیکھنے والوں نے بتایا: وَكَانَ أَحْسَنَ عِبَادِ اللهِ شَفَتَيْنِ وَأَلْطَفَهُ خَتْمَ فَمٍ۔ جانِ عالم ﷺ کے ہونٹ مبارک مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ حسین تھے اور سکوت کے وقت نہایت لطیف و شگفتہ ہوتے تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:1، ص:303۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:3، ص:361)

امامِ اہلِ سنت نے لبہائے اقدس کی نزاکت کو لاکھوں سلام پیش کرتے ہوئے فرمایا:

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں　　اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام[1]

دہنِ مقدس: جانِ عالم ﷺ کا دہنِ مقدس (منہ مبارک) موزونیت واعتدال کے ساتھ قدرے فراخ اور چمک دار تھا،[2] جس سے ہمیشہ ایسی خوشبو آتی کہ سونگھنے والے کستوری کو بھول جاتے، اُس سے نکلنے والی ہر بات حق اور وحیِ الٰہی ہوتی۔

بارگاہِ الٰہی میں ایک التجا کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے کہا:

یا اِلٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُن کے پیارے منہ کی صبحِ جاں فزا کا ساتھ ہو

دہنِ مصطفیٰ کریم ﷺ سے نکلنے والی باتوں کی یہ شان ہے کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى o وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o "اِس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اُترے o تمہارے آقا نہ کبھی بہکے نہ بے راہ چلے o اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے o اُن کا کہا ہوا وہی ہے جس کی اُن کی طرف وحی کی جاتی ہے o" [النجم 53:1 تا 4]

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خُدا　　چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میری عادت تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات بھی سنتا اُسے محفوظ کرنے کے ارادے سے لکھ لیتا۔ بعض قریش نے مجھے روکا اور کہا: کیا تم ہر چیز لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ لباسِ بشریت میں ہیں، کبھی غصے کی حالت میں کلام فرماتے ہیں کبھی خوشی کی کیفیت میں۔ مَیں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اِس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے اپنی مبارک اُنگلی سے اپنے دہنِ اقدس کی طرف اِشارہ کرکے فرمایا: اُكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ۔ "تم (میری ہر بات) لکھا کرو، اللہ کی قسم! میرے منہ سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔" (سنن ابو داؤد، حدیث:3646)

---

[1] جانِ رحمت ﷺ کے مبارک ہونٹ ایسے نرم ونازک ہیں جیسے مقدس وپاکیزہ گلاب کی پتیاں... اُن کی نزاکت پر لاکھوں سلام

[2] عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی الله عنه، قال: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم ضَلِيْعَ الْفَمِ۔ (صحیح مسلم، حدیث:2339)

دندانِ عالی شان: سیدِ عالم ﷺ کے دندانِ عالی شان موتیوں کی لڑی کی طرح پروئے ہوئے، آب دار (تر و تازہ)، چمک دار اور قدرے باریک تھے۔ سامنے والے دانت مبارک آپس میں بالکل جُڑے ہوئے نہیں تھے، درمیان میں معمولی فاصلہ تھا، جس سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ۔» رسول اللہ ﷺ کے دندانِ عالی شان کے درمیان قدرے فاصلہ تھا، جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسے دکھائی دیتا کہ گویا آپ کے سامنے والے دانتوں کے درمیان سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ (مسند الدارمی: 59۔ المعجم الاوسط، رقم: 767۔ شمائلِ ترمذی، رقم: 15)

تاج دارِ گولڑہ، عالمِ ربّانی، پیر سید مہر علی شاہ قادری سیالوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

دو ابرو قَوس مثال دِسن، جیں تو نوکِ مِژہ دے تیر چھٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن چٹے دند موتی دیاں ہِن لڑیاں[1]

رِیش مبارک: پیکرِ حُسن و جمال ﷺ کی ریش (داڑھی) مبارک گھنی، خوب سیاہ، چمک دار اور عظیم الشان تھی۔ بال مبارک کنڈل نہیں تھے، سینۂ اقدس کو پُر کیے ہوئے تھے۔ ظاہری حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں نیچے والے ہونٹ مبارک سے نیچے، ٹھوڑی سے اُوپر کچھ بال سفید ہو گئے تھے، جن کی تعداد 20 سے کم تھی۔[2] سلامِ رضا میں ہے:

ریشِ خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہِ نُدرت پہ لاکھوں سلام[3]

نبیِ کریم ﷺ کی داڑھی مبارک کتنی تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اُس کا حسین جلوہ دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے: كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ۔ شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کر لیتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑتے، جتنا حصہ ایک مٹھی سے زیادہ ہوتا اُسے کٹوا دیتے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 5892)

---

[1] یعنی حبانِ رحمت ﷺ کے ابرو مبارک کمان کی طرح خم دار، مژگانِ عالی شان (پلکیں) تیر کی طرح سیدھی، لبہائے قدسی یمنی لعل (سرخ موتیوں) جیسے سرخ اور دندانِ منور موتیوں کی طرح سفید ہیں۔

[2] عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُوْنَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3547) وعنہ أیضا: وَلَمْ يَخْتَضِبْ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، إِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِي عَنْفَقَتِهِ وَفِي الصُّدْغَيْنِ وَفِي الرَّأْسِ نَبْذٌ۔ (صحیح مسلم: 2341)

[3] ریش: داڑھی / زخم۔ ماہ: چاند۔ نُدرت: انوکھا پن۔ نبیِ کریم ﷺ کی خوب صورت و معتدل ریش مبارک عاشقوں کے زخمی دلوں کے لیے مرہم ہے۔ گویا چہرۂ پُر نور چاند ہے، جس کے گرد ریش مبارک کا ہالہ ہے، اُس انوکھے حُسن پر لاکھوں سلام۔

امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں داڑھی منڈوانا حرام نہیں، اگر کوئی داڑھی شریف نہیں رکھتا یا ایک مٹھی سے کم رکھتا ہے تو بھی وہ گناہ گار نہیں۔ آپ نے جواب میں ایک رسالہ لُمْعَۃُ الضُّحٰی فِیْ إِعْفَاءِ اللُّحٰی تحریر فرمایا، جس میں 18 آیاتِ مبارکہ، 72 احادیثِ طیبہ اور 60 ارشاداتِ علماذکر کر کے ثابت کیا کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا یا منڈوادینا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:607 تا 677)

ریش مبارک کی دائمی برکات: جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کے جسمِ مبارک کی برکتیں اب بھی اُسی طرح ہیں جیسے ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھیں، بلکہ ہر لمحہ عزتوں میں مزید اِضافہ ہو رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی (م:1176ھ) کے والدِ گرامی حضرت شاہ عبد الرحیم محدثِ دہلوی (م:1131ھ) علیہما الرحمہ نے فرمایا: ایک مرتبہ مجھے بخار ہو گیا اور اتنا عرصہ بیمار رہا کہ زندگی کی اُمید ختم ہونے لگی۔ مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا: بیٹا! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عیادت کے لیے تشریف لانے والے ہیں، شاید آپ اِسی جانب سے جلوہ گر ہوں جس طرف تمہارے پاؤں ہیں، لہٰذا رُخ بدل لو۔ مَیں نے حاضرین کو اِشارے سے سمجھایا اور انہوں نے میری چارپائی کا رُخ تبدیل کر دیا۔

اُسی وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: کَیْفَ حَالُكَ یَا بُنَیَّ! "بیٹے! کیا حال ہے؟" اس ارشادِ گرامی کی مٹھاس مجھ پر ایسی غالب آئی کہ وجد آ گیا، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور عجیب اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر یوں کرم فرمایا (گود میں لیا) کہ آپ کی ریش مبارک میرے سَر کے اُوپر تھی، آپ کی قمیص مبارک میرے آنسوؤں سے تَر ہو گئی، پھر آہستہ آہستہ حالت پُر سکون ہو گئی۔

میرے دل میں خیال آیا کہ ایک عرصہ سے مجھے موئے مبارک (مبارک بال حاصل کرنے) کی آرزو ہے، کتنا کرم ہو گا اگر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مجھے یہ دولت عنایت فرمادیں! فوری طور پر جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری اِس آرزو کا علم ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریش مبارک پر دستِ اقدس پھیرا اور دو موئے مبارک میرے ہاتھ میں عنایت کر دیے۔

میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ موئے مبارک عالَمِ شہادت میں (بیداری کے بعد) میرے پاس رہیں گے یا نہیں؟ آپ اس خیال سے بھی واقف ہوئے اور فرمایا: یہ دونوں اُس عالَم میں بھی (تیرے پاس) باقی رہیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل صحت یابی اور لمبی عمر کی بشارت عطا فرمائی، مجھے اسی وقت آرام آ گیا۔ مَیں نے چراغ منگوا کر دیکھا تو میرے ہاتھ میں موئے مبارک نہیں تھے، میں نے غمگین ہو کر پھر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں توجہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کرم کیا اور فرمایا: بیٹا! مَیں نے وہ دونوں بال احتیاطًا تمہارے تکیے کے نیچے محفوظ کر دیے ہیں، وہاں سے تمہیں مل جائیں گے۔ میں نے بیدار ہوتے ہی تکیے کے نیچے سے انہیں لے لیا اور ایک پاکیزہ جگہ میں نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ محفوظ کر لیا۔ (انفاس العارفین [فارسی]، از شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی، ص:41، مطبع مجتبائی، دہلی)

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ!

جانِ عالم ﷺ کا حُسن ایسا دل کش اور پُر کشش تھا کہ جو شخص ضدّی وہٹ دھرم نہ ہوتا وہ پہلی نظر دیکھتے ہی دیوانہ ہو جاتا، شرفِ دیدار پانے والوں کے محبت بھرے جملے سُن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَ أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا۔

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور سب سے زیادہ حسین تھا اور آپ کے اخلاق سب سے زیادہ عظیم تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث:3549)

سیدنا حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ منیٰ یا عرفہ میں تھے تب مجھے بھی حاضری کا شرف ملا، لوگوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا، دیہاتی آکر آپ ﷺ کے رُخِ انور کی زیارت کرتے تو (فوراً بے اختیار) اُن کے منہ سے نکلتا: هٰذَا وَجْهٌ مُّبَارَكٌ۔ یہ چہرہ نہایت بابرکت ہے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث:1742۔ الأدب المفرد للبخاری، حدیث:1148)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ الله ﷺ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ۔

مَیں نے نبیِ اکرم ﷺ سے زیادہ حسین کوئی شے نہیں دیکھی، گویا آپ ﷺ کے چہرۂ انور میں سورج چل رہا ہو۔ (جامع ترمذی:3648)

برادرِ اعلیٰ حضرت، شہنشاہِ سخن، استاذِ زمن، مولانا حسن رضا بریلوی علیہما الرحمہ نے خوب فرمایا:

اللہ اللہ شہِ کونین جلالت تیری!
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

تیرے انداز یہ کہتے ہیں کہ خالق کو ترے
سب حسینوں میں پسند آئی ہے صورت تیری

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ!
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

مَہ و خورشید سے دن رات ضیا پاتے ہیں
مَہ و خورشید کو چمکاتی ہے طلعت تیری

چین پائیں گے تڑپتے ہوئے دل محشر میں
غم کسے یاد رہے دیکھ کے صورت تیری

حرفِ آخر... سانحۂ مستونگ: حکومتی غفلت اور علما کے مطالبات

مسلمان کی منزلِ مقصود باری تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اُس کی رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نبیِ مکرم ﷺ کی محبت و غلامی ہے۔ فتنوں کے اِس دَور میں اگر یکسوئی کے ساتھ اُن کی غلامی کی توفیق مل جائے... دل میں اُن کی محبت یوں جلوہ گر ہو جائے کہ انسان اُنہی کے دین پر عمل کرے، اُنہی کی عطا کی ہوئی تہذیب کو پسند کرے، زندگی کے ہر موڑ پر اُنہی کی سنت کو اپنانا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھے تو دونوں جہان میں عزت و کامیابی قدم چومے گی، لیکن اگر خدانخواستہ اُن کا دامن ہاتھ میں نہ آیا تو دونوں جہان میں ہاتھ خالی ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی مٹھاس ایسی بے مثال ہے کہ اگر نصیب ہو جائے تو انسان بن دیکھے ہی فدا ہو جاتا ہے۔ کلامِ رضا ہے:

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

محبتِ رسول ﷺ میں اِضافہ کے لیے ہی حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے تذکرہ کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اگر ہم جانِ جاناں ﷺ کے حُسن و جمال کا ذکرِ جمیل صحیح العقیدہ علما کی کتابوں سے پڑھیں... سُنیں... دل میں بٹھائیں.... اور اُس کا تصور جمائیں تو کچھ بعید نہیں کہ ربّ تعالیٰ کرم فرمائے اور ہماری بگڑی سنور جائے۔

جانِ جاناں ﷺ کے حُسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر بھی ضروری ہے جنھوں نے گزشتہ جمعۃ المبارک کو جلوسِ میلاد النبی ﷺ کے دوران نعتیں پڑھتے اور سنتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ بلوچستان کے شہر مَستُونگ کی بات ہے جہاں جلوسِ میلاد کے دوران خود کش دھماکا ہوا، جس میں 50 سے زیادہ افراد شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ شہدا میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے فاضل مولانا مفتی سعید احمد حبیبی سمیت متعدد علماءِ اہلِ سنت اور حفّاظِ کرام شامل ہیں۔ ایسے بھی گھر ہیں جن سے کئی جنازے اُٹھائے گئے اور وہ گھر بھی ہے جس سے سات بہنوں کے اِکلوتے بھائی کا جنازہ اُٹھایا گیا۔

اِس سانحہ سے متعلق مقامی انتظامیہ نے مجرمانہ غفلت و نااہلی کا مظاہرہ کیا۔ 9 ربیع الاوّل کو علماءِ کرام نے جلوس کے انتظامات سے متعلق ڈی۔ سی مستونگ سے طے شدہ وقت پر ملاقات کی تو اُس نے فقط پندرہ منٹ میں میٹنگ کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ حالات ٹھیک نہیں، آپ چار دیواری کے اندر ہی جشنِ میلاد منائیں، کچھ ہوا تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ جب سات سے آٹھ ہزار افراد پر مشتمل جلوسِ میلاد شروع ہوا تو سوائے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے ایک سکیورٹی اہلکار بھی جلوس کے ساتھ نہیں تھا۔

سانحہ کے بعد زخمیوں کو علاج معالجہ کے لیے بھی خاطر خواہ سہولیات فراہم نہیں کی گئیں، حتّٰی کہ کئی زخمیوں کے لواحقین نے اپنی مدد آپ کے تحت اُن کی مرہم پٹی کی۔

پاکستان کی انتظامیہ، افواج اور دیگر تمام ادارے جانتے ہیں کہ اِس وطن کو بنانے میں علماء ومشائخ اہلِ سنت کا بھرپور کردار تھا اور اہلِ سنت نے ہمیشہ اِس وطن سے محبت اور وفا کا پیغام دیا ہے۔ دیگر صوبوں کی طرح بلوچستان میں اہلِ سنت وجماعت کی اکثریت ہے، مگر ایک عرصہ سے وہاں علمائے اہلِ سنت کو ٹارگٹ کرکے شہید کیا جارہا ہے۔ 2006ء میں جید سنّی عالمِ دین مولانا افتخار احمد حبیبی کو ٹارگٹ کیا گیا، اُس کے بعد سے حالیہ سانحۂ مستونگ تک یہ سلسلہ جاری ہے، مگر تاحال مجرموں کا تعیّن نہیں کیا گیا۔

ہم اِس مجرمانہ انتظامی غفلت پر حکومت کی پُرزور مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں کہ:

1) سانحۂ مستونگ کی شفاف تحقیقات کرواکر ذمہ داروں کو بے نقاب کیا جائے اور اُنھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ حکومتی ذمہ داروں کی طرف سے فقط مذمت کافی نہیں ہوتی، یہ بے اختیار لوگوں کا کام ہے، حکومت پر لازم ہے کہ عملی اقدامات کرے۔

2) شہدا کے اہلِ خانہ کے لیے حکومتی اِمداد میں اِضافہ کیا جائے، ہر شہید کے اہلِ خانہ کو کم از کم 30 لاکھ روپے امداد دی جائے۔ بلوچستان کی معاشی پسماندگی سب کو معلوم ہے، شہدا کے اہلِ خانہ میں انتہائی غریب اور جھونپڑیوں میں رہنے والے بھی شامل ہیں، اِس کے باوجود اُنھیں سانحۂ جڑانوالہ میں مرنے والوں جتنی امداد بھی نہیں دی گئی، یہ قابلِ مذمت امر ہے۔

3) زخمیوں کو فوری طور پر کراچی کے ہسپتالوں میں منتقل کرکے بہترین طبی سہولیات فراہم کی جائیں۔

4) سانحۂ جڑانوالہ کے موقع پر چیف جسٹس سمیت تمام ذمہ داران وہاں پہنچے تھے اور عیسائی کمیونٹی کے ذمہ داران کو اعتماد میں لیا تھا۔ جلوسِ میلاد کے شرکا کی مشکلات کا احساس اِس سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے، اربابِ اختیار کو چاہیے کہ مستونگ جاکر ”اتحادِ اہلِ سنت بلوچستان“ کے اکابرین کے تحفظات سنیں اور تحقیقات میں پیش رفت سے متعلق اُنھیں اعتماد میں لیں۔[1]

اللہ تعالیٰ حُسن وجمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے صدقے سانحۂ مستونگ کے شہدا کے درجات بلند اور زخمیوں کو جلد صحت یاب فرمائے۔ ربِّ تعالیٰ ہم سب کو محبتِ رسول ﷺ کی چاشنی سے نوازے، حُسنِ اقدس کا اسیر بنائے، بخشش ومغفرت سے مشرف فرمائے، اُسوۂ حسنہ پر عمل کی توفیق سے نوازے اور خدمتِ دین کا جذبہ عطا فرمائے۔

ربِّ لم یزل پاکستان کو دہشت گردی، معاشی مشکلات اور آشوبِ چشم سمیت تمام امراض وآلام سے نجات عطا فرمائے۔

حالقِ کائنات دشمنانِ اسلام، دشمنانِ پاکستان اور اُن کے پُشت پناہوں کو دُنیا وآخرت میں نشانِ عبرت بنائے، اسرائیل سمیت مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے تمام ممالک کو تباہ وبرباد فرمائے اور ہمیں مظلوموں کا سہارا بننے کی توفیق عطا کرے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

---

[1] مجلسِ علماءِ نظامیہ بلوچستان کے ناظمِ اعلیٰ مولانا عطا محمد قاسمی نے براہِ راست ”اتحادِ اہلِ سنت بلوچستان“ کے صدر مولانا سید شجاعت الحق شاہ صاحب سے رابطہ کرکے انتظامیہ کی غفلت سے متعلق معلومات اور مطالبات مجلس کے مرکزی دفتر تک پہنچائے۔

۲۶ ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ / 13 اکتوبر 2023ء

مسجدِ اقصیٰ اور طوفانِ اقصیٰ

مشمولات

- بیت المقدس کی قدیم تاریخ
- بیت المقدس... فتحِ فاروقی کے بعد
- مسجدِ اقصیٰ... روئے زمین پر دوسری مسجد
- فلسطین پر ناجائز قبضہ سے اسرائیل کا قیام
- مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی فضیلت
- طوفان الاقصیٰ آپریشن اور اُس کی ضرورت
- بیت المقدس پر اسلامی حکومت
- طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ [النساء4:75]

ربّ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کو جہاں پوری کائنات سے زیادہ حُسن وجمال عطا فرمایا، وہاں تمام عمدہ اوصاف اور اچھی عادات کو بھی آپ کی ذاتِ اقدس میں جمع فرمادیا۔ آپ سب سے بڑے حسین بھی ہیں اور سب سے زیادہ اچھے بھی ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ۔» ”رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ حسین وجمیل بھی تھے، سب سے بڑھ کر سخی بھی تھے اور سب سے بڑے بہادر بھی تھے۔“ (صحیح بخاری:3040)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مواقع پر سیدِ عالم ﷺ کی بہادری کے ایسے حسین واقعات روایت کیے جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی نگاہِ عنایت اور تربیت کی برکت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر آج تک غلامانِ مصطفیٰ ﷺ نے بھی ہر دَور میں بہادری کی ایسی داستانیں رقم کی ہیں جو تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

گزشتہ خطبات میں جانِ عالم ﷺ کے حُسن وجمال سے متعلق گفتگو ہوئی، آج کے خطبہ میں شجاعتِ غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک تازہ مثال سے متعلق کچھ اُمور پر کلام مقصود ہے۔

07 اکتوبر، 2023ء کو فلسطینی مجاہدین نے طوفان الاقصیٰ آپریشن کے نام سے جہاد کا ایک نیا مرحلہ شروع کیا اور بیت المقدس[1] پر قابض اسرائیلی درندوں کے سینوں پر مُونگ دَلتے ہوئے نہ صرف اُنھیں پوری دُنیا کے سامنے ذلیل کیا، بلکہ بھاری جانی ومالی نقصان بھی پہنچایا۔ اِس کے ردِّ عمل میں اسرائیل نے فلسطین کے شہر غزہ کی ناکا بندی کرتے ہوئے بجلی، ایندھن، سامان اور پانی وخوراک کی سپلائی منقطع کر دی ہے، بمباری سے سینکڑوں عمارتیں تباہ اور سینکڑوں شہری شہید ہو چکے، اسرائیلی درندے ممنوعہ کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہے ہیں اور زمینی آپریشن کی تیاری بھی جاری ہے۔

اِس وقت دُنیا بھر کے مسلمانوں کا امتحان ہے کہ وہ بیت المقدس کی آزادی اور فلسطینی بھائیوں کی مدد کے لیے میدان میں آتے ہیں یا حسبِ روایت صرف مذمتی بیانات داغنے تک ہی بات رہتی ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں اِسی حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] بَیۡتُ الۡمَقۡدِس اور بَیۡتُ الۡمُقَدَّس (پاک گھر / بابرکت جگہ) کا لفظ فلسطین کے دار الحکومت پر بھی بولا جاتا ہے اور اُس میں واقع قبلۂ اول ”مسجدِ اقصیٰ“ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اِسے ”القُدس“ اور ”یروشلم (Jerusalem)“ بھی کہا جاتا ہے۔

بیت المقدس کی قدیم تاریخ

فلسطین، بالخصوص بیت المقدس کو کئی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔[1] سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے اور اِسے مسکن بنایا۔[2]

فرعون کی ہلاکت کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو جہاد کرتے ہوئے بیت المقدس اور اِرد گرد کے علاقوں میں داخل ہونے کا حکم دیا، لیکن اُنھوں نے بزدلی اور نافرمانی کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ذلّت و رسوائی کی سزا میں مبتلا فرمایا۔[3]

سیدنا داؤد اور آپ کے شہزادے سیدنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنی بادشاہی میں بیت المقدس کو دارالحکومت بنایا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہی مسجدِ اقصیٰ کی نئی تعمیر کو مکمل کروایا اور آپ کا مزارِ پُر انوار بھی یہیں ہے۔

سیدنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے وصال کے بعد بنو اسرائیل بداعمالی میں مبتلا ہو گئے۔ شاہِ بابل "بخت نصر" نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہاں تباہی مچادی، اِسی دوران انبیائے کرام علیہم السلام کے تبرکات والا صندوق "تابوتِ سکینہ"[4] غائب ہو گیا، شاہِ بابل نے یہودیوں کو دریائے فرات کے کنارے آباد کیا اور اس بستی کا نام تَل ابیب رکھا، یہی شہر اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔[5]

بیت المقدس سے تقریباً آٹھ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع "بَیۡتُ اللَّحۡم" میں سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی بغیر باپ کے ولادتِ باسعادت ہوئی۔

ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں شاہِ روم ہِرَقْل نے بنو اسرائیل کو بیت المقدس سے نکال دیا۔ ایک عرصہ تک بیت المقدس پر حکومت کے لیے ایران اور روم کی جنگ جاری رہی، اِسی دوران رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور قرآنِ مجید میں یہ غیبی خبر دی گئی کہ رومی غالب آئیں گے اور بعد میں ایسا ہی ہوا۔[6] شبِ معراج بیت المقدس کو امام الانبیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے قدم چومنے کا شرف بھی ملا۔

---

[1] مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی اِس شہر مبارک کی تعظیم کرتے ہیں۔

[2] قال تعالیٰ: وَنَجَّیۡنٰہُ وَلُوۡطًا اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا لِلۡعٰلَمِیۡنَ۔ [الانبیاء 21:71]

[3] المائدۃ 5:20 تا 26

[4] البقرۃ 2:248

[5] اسرائیل بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت قرار دیتا ہے، مگر پوری دنیا بیت المقدس کو فلسطین کا دارالحکومت مانتی ہے، تاہم 7 دسمبر، 2017ء کو مسلمانوں کے خون کے پیاسے، سابق امریکی صدر ٹرمپ نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کر لیا۔

[6] سورۃ الروم 30:1 تا 6

مسجدِ اقصیٰ... روئے زمین پر دوسری مسجد

سیدنا ابوذر جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: زمین پر پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ۔» ''روئے زمین پر پہلی مسجد مسجدِ حرام ہے۔'' اُنھوں نے عرض کی: مسجدِ حرام کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمَسْجِدُ الْأَقْصٰی۔» ''روئے زمین پر دوسری مسجد مسجدِ اقصیٰ ہے۔'' اُنھوں نے پوچھا: اِن دونوں کا درمیانی عرصہ کتنا ہے؟ فرمایا: «أَرْبَعُوْنَ عَامًا۔» یعنی ''مسجدِ اقصیٰ مسجدِ حرام سے چالیس سال بعد بنائی گئی۔''[1] نیز فرمایا: «ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ۔» مفہوم یہ کہ ''(اب میرے دنیا میں آنے کے بعد) پوری روئے زمین سجدہ اور نماز کے لائق ہے، جس (پاک) جگہ بھی چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث:520)

مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی فضیلت

سیدنا رافع بن عُمَیر رضی اللہ عنہ نے آقا کریم ﷺ سے روایت کیا: جب سیدنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ أَرٰی سُرُوْرًا بِبُنْيَانِ بَيْتِيْ فَسَلْنِيْ أُعْطِكَ۔ ''مَیں اپنے گھر کی تعمیر پر خوش ہوں، آپ جو چاہیں مانگیں مَیں عطا کروں گا۔'' اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں: حُكْمًا يُّصَادِفُ حُكْمَكَ، وَمُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ، وَمَنْ أَتٰى هٰذَا الْبَيْتَ لَا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلٰوةَ فِيْهِ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ۔ یعنی ''اے اللہ! میری پہلی دُعا یہ ہے کہ میرا فیصلہ ہمیشہ تیرے فیصلے کے مطابق ہو (میرا فیصلہ تیری مرضی کے خلاف نہ ہو)! دوسری درخواست یہ ہے کہ مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو![2] تیسری التجا یہ ہے کہ جو شخص بھی اِس مسجد (اقصیٰ) میں حاضر ہو اور صرف یہاں نماز پڑھنے کے لیے ہی آئے (اُس کا کوئی دنیاوی مقصد نہ ہو) تو تُو اُس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دینا!'' آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَّا اثْنَتَيْنِ فَقَدْ أُعْطِيَهُمَا وَأَنَا أَرْجُوْ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ أُعْطِيَ الثَّالِثَةَ۔[3] ''اُن کی پہلی دونوں دعائیں تو قبول ہو چکیں، تیسری کے بارے میں میری اُمّید اور دُعا[4] ہے کہ وہ بھی قبول ہو۔'' (المعجم الکبیر، ج:5، ص:24، حدیث:4477)

---

[1] اِس حدیثِ پاک میں دونوں مساجد کی پہلی تعمیر مراد ہے، پھر ویرانی کے بعد مسجدِ اقصیٰ کو سیدنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے تعمیر فرمایا۔

[2] ایک مفہوم یہ ہے کہ مجھے بطورِ معجزہ ایسی بادشاہی عطا فرما جو میری نبوّت کی دلیل ہو اور کوئی بھی اُس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

[3] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَمَّا فَرَغَ سُلَيْمَانُ ابْنُ دَاوٗدَ عليہما السلام مِنْ بِنَاءِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللّٰهَ ثَلَاثًا: حُكْمًا يُّصَادِفُ حُكْمَهٗ، وَمُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ، وَأَلَّا يَأْتِيَ هٰذَا الْمَسْجِدَ أَحَدٌ لَّا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلٰوةَ فِيْهِ إِلَّا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَمَّا اثْنَتَانِ فَقَدْ أُعْطِيَهُمَا، وَأَرْجُوْ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ أُعْطِيَ الثَّالِثَةَ۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث:1408)

[4] وَمَعْنَى الرَّجَاءِ لَهٗ: أَنْ يَّدْعُوَ لَهٗ قَبُوْلَهَا۔ (شرح سنن ابن ماجہ للھرری، تحت الحدیث)

بیت المقدس پر اسلامی حکومت

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 17ھ (تقریباً 638ء) کو مسلم افواج نے فلسطین کو فتح کیا تو بیت المقدس بھی مسلمانوں کے زیرِ انتظام آ گیا۔ یہ داستان بہت ایمان افروز ہے۔

فتحِ یرموک کے بعد سالارِ لشکرِ اسلام سیدنا ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ اب فلسطین کے شہر "قیساریہ"[1] کو فتح کرنے کی تیاری کی جائے یا بیت المقدس کا رُخ کیا جائے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کے بعد بیت المقدس کی طرف روانگی کا حکم فرمایا۔

مسلم افواج بیت المقدس میں پہنچنا شروع ہوئیں، پھر جب سپہ سالار سیدنا ابو عُبَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس پہنچے تو مسلمانوں نے زوردار انداز میں "لا اِلٰہ الّا اللہ" اور "اللہ اکبر" کی صدائیں بلند کیں، جس سے عیسائیوں پر سخت رُعب طاری ہو گیا۔

اُن کا بڑا پادری کہنے لگا: یہ شہر مقدس جس شخص کے ہاتھوں پر فتح ہو گا ہمیں اُس کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہے، مَیں قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر دیکھتا ہوں، اگر یہ وہی شخص ہوا تو ہم ہتھیار ڈال دیں گے، ورنہ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پھر اُس نے دیوار پر چڑھ کر سالارِ لشکر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو عیسائیوں سے کہنے لگا: بے فکر ہو کر اِن سے لڑو اور اپنے شہر کی حفاظت کرو، یہ فاتحِ بیت المقدس نہیں ہے۔[2]

قلعہ کو فتح کرنے کے لیے چار ماہ تک لڑائی ہوتی رہی، مگر کامیابی نہ ملی۔ بالآخر اُن کے بڑے راہب نے قلعے کی دیوار پر چڑھ کر سیدنا ابو عُبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ہمارے شہر کو صرف ایک ہی شخص فتح کر سکتا ہے، اُس کے اوصاف ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور وہ تم نہیں ہو۔ آپ نے پوچھا: تمہاری کتابوں میں اُس کے کیا اوصاف لکھے ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: بیت المقدس کو فتح کرنے والا محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کا صحابی ہو گا، اُس کا نام "عمر" ہو گا اور "فاروق" کے لقب سے مشہور ہو گا اور وہ دین کے معاملے میں نہایت سخت گیر ہو گا، اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے گا۔[3]

سیدنا ابو عُبَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی یہ بات سنی تو مُسکرا کر فرمایا: فَتَحْنَا الْبَلَدَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ ربِّ کعبہ کی قسم!

---

[1] اب یہ شہر فلسطین پر ظالمانہ یہودی قبضہ سے قائم ہونے والی ناجائز ریاست "اسرائیل" کا حصہ ہے۔

[2] لَيْسَ هُوَ هٰذَا الرَّجُلَ، فَأَبْشِرُوا وَقَاتِلُوا عَنْ بَلَدِكُمْ وَدِيْنِكُمْ وَحَرِيْمِكُمْ۔ (فتوح الشام، ج:1، ص:223)

[3] إِنَّهُ يَفْتَحُ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ صَاحِبُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اِسْمُهُ عُمَرُ يُعْرَفُ بِـ "الْفَارُوْقِ"، وَهُوَ رَجُلٌ شَدِيْدٌ لَا تَأْخُذُهُ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ، وَلَسْنَا نَرٰى صِفَتَهُ فِيْكُمْ۔ (فتوح الشام للواقدی، ج:1، ص:225، دار الکتب العلمیة)

ہم نے اس شہر کو فتح کرلیا۔ پھر آپ نے راہب سے فرمایا: تم جن کا ذکرِ خیر کررہے ہو وہ ہمارے خلیفہ ہیں، نبیِ کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ راہب نے کہا: اگر واقعی ایسی بات ہے تو تم جنگ روک دو اور اُنھیں یہاں بلاؤ، ہم اُن کو دیکھیں گے، اگر ان میں تمام صفات وہی ہوئیں جو ہمارے علم میں ہیں تو ہم ان کے لیے شہر کے دروازے بغیر جنگ کے ہی کھول دیں گے اور اُن کو جزیہ بھی ادا کریں گے۔ آپ نے یہ بات منظور فرمالی اور امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف آوری کے لیے خط لکھا۔

خط پہنچنے پر مشورہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے، جب بیت المقدس کے قلعے کے قریب پہنچے تو عیسائی راہب نے آپ کو غور سے دیکھنا شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد بلند آواز سے کہا: خدا کی قسم! یہ وہی شخص ہیں جن کی صفات ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں اور اِنھیں کے ہاتھوں پر بیت المقدس اور دیگر شہر فتح ہوں گے۔

پھر اُس نے اپنی قوم کو کہا: یہ کیا تاخیر ہے! قلعے سے جلدی اُترو اور اِن کے پاس جاکر امان اور ذمہ داری حاصل کرو، خدا کی قسم! یہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے صحابی ہیں۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی قلعے کی دیوار سے اُترے اور شہر کا دروازہ کھول دیا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر صلح وامان کی درخواست کی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، امن وامان اور عہد وپیمان کا اعلان فرمایا۔ رات اسلامی لشکر کے ساتھ گزار کر اگلے دن بروز پیر نمازِ فجر کے بعد عظیم الشان فتح ونصرت کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔[1]

بیت المقدس... فتحِ فاروقی کے بعد

دورِ فاروقی میں بیت المقدس کی فتح کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر پادریوں کے ورغلانے پر عیسائیوں نے مذہبی جنگوں کا آغاز کیا، جنھیں صلیبی جنگیں کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی صلیبی جنگ کے نتیجے میں 1099ء کو عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا، جس کے بعد فلسطینی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا اور عیسائیوں نے خوب لوٹ مار کی۔

تقریباً 88 سال کے بعد ۵۸۳ھ / 1187ء میں عظیم الشان اسلامی سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ (م:1193ء) نے بیت المقدس کو فتح کرکے دوبارہ اسلامی حکومت قائم کی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطان نے فتح کے بعد صلیبیوں والا انداز اختیار نہیں کیا، اُنھوں نے قتلِ عام اور لُوٹ مار کے بجائے عیسائیوں کو چالیس دن کے اندر شہر سے نکل جانے کی اجازت دی۔

پھر 761 سال تک بیت المقدس پر اسلامی حکومت قائم رہی۔ 1948ء میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اتحادیوں کی سازش سے فلسطین کے علاقہ میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی سلطنت قائم کی گئی۔

---

[1] فَمَسَحَ الْبُتْرُكُ عَيْنَهُ وَنَظَرَ إِلَيْهِ، وَزَعَقَ بِأَعْلَى صَوْتِهِ: هٰذَا وَاللهِ الَّذِي نَجِدُ صِفَتَهُ وَنَعْتَهُ فِي كُتُبِنَا وَمَنْ يَكُونُ فَتْحُ بِلَادِنَا عَلَى يَدَيْهِ بِلَا مُحَالَةٍ. ثُمَّ إِنَّهُ قَالَ لِأَهْلِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ: يَا وَيْحَكُمْ انْزِلُوا إِلَيْهِ وَاعْقِدُوا مَعَهُ الْأَمَانَ وَالذِّمَّةَ. هٰذَا وَاللهِ صَاحِبُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ... فَفَتَحُوا الْبَابَ وَخَرَجُوا إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْأَلُونَهُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ وَالذِّمَّةَ وَيُقِرُّونَ لَهُ بِالْجِزْيَةِ. (فتوح الشام، ج:1، ص:233)

فلسطین پر ناجائز قبضہ سے اسرائیل کا قیام

تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر انصاف پسند شخص جانتا ہے کہ یہودی فطری طور پر شرارتی اور سازشی قوم ہیں۔ قرآنِ کریم کی مختلف آیات میں بیان فرمایا گیا کہ یہودیوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانیاں کیں، اُنھیں اذیتیں پہنچائیں، کئی انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کی ناکام سازش کی، وہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں، اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام نے اُن پر لعنت فرمائی اور ربّ تعالیٰ نے اُنھیں ذلّت ورسوائی کی سزا میں مبتلا فرمایا۔

ربّ تعالیٰ کی ناراضی اور یہودیوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ تھا کہ وہ صدیوں تک دُنیا کی مختلف سلطنتوں میں ذلیل ہوتے رہے، ایک ملک سے نکالا جاتا تو دوسرے میں پناہ لیتے، وہاں سے ملک بدر کیا جاتا تو تیسرے ملک میں سر چھپاتے... یوں ہی سلسلہ چلتا رہا۔

انیسویں صدی کے آخر میں یہودی منصوبہ سازوں نے یہودی عوام کو ورغلایا کہ بیت المقدس کو سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام نے اپنی سلطنت کا دار الحکومت بنایا تھا اور ہماری کتابوں میں ہم سے اِس سرزمین کا وعدہ کیا گیا ہے؛ لہٰذا دُنیا بھر کے یہودیوں کو یہاں جمع ہونا چاہیے؛ تاکہ بیت المقدس میں ایک یہودی اسٹیٹ قائم کی جاسکے۔

اُس وقت فلسطین سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ تھا اور ترکی حکمران شعائرِ اسلامیہ سے متعلق غیرت مند تھے، اُنھوں نے فلسطین میں یہودیوں کے آباد ہونے پر پابندی لگادی۔ یہودیوں نے ترکی خلیفہ سلطان عبد الحمید ثانی رحمہ اللہ (م:1918ء) کو خریدنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، ایک موقع پر سلطان کو پچاس لاکھ سونے کے سکے "لیرہ" بطور ذاتی تحفہ، سلطنت کے لیے بھاری رقم اور سیاسی اتحاد کی پیش کش کی؛ تاکہ فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کی اِجازت دی جائے۔ سلطان نے اُنھیں دُھتکار کر یہ تاریخی جملہ کہا: اگر تم مجھے پوری دُنیا کے برابر سونا دو تو مَیں اُسے بھی ٹھکرادوں گا؛ کیونکہ فلسطین میری ذاتی جاگیر نہیں ہے، یہ اُمتِ مسلمہ کا ورثہ ہے، جس خطے کو مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کرکے حاصل کیا اُس کا سودا نہیں کیا جاسکتا۔ (الموسوعة التاريخية، ج:9، ص:476، الناشر: موسوعة الدرر السنية)

سلطنتِ عثمانیہ سے مایوس ہوکر 1917ء میں یہودیوں نے برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کرلیا کہ یہودی برطانیہ کی حمایت کریں گے، اِس کے عوض برطانیہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کے لیے ہر ممکن مدد کرے گا، اِسے "معاہدہ بالفور" کہا جاتا ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر برطانیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور معاہدہ بالفور کے مطابق فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنا شروع کردیا۔ یہ سلسلہ تیزی سے جاری رہا۔ نومبر 1947ء میں اقوامِ متحدہ نے امریکا اور برطانیہ کی سرپرستی میں یہ ظالمانہ منصوبہ منظور کیا کہ فلسطین کے 56 فیصد رقبہ پر نئی یہودی ریاست قائم کردی جائے، حالانکہ اُس وقت یہودی فلسطین کی آبادی کا صرف 33 فیصد تھے۔ چنانچہ 14 مئی 1948ء کو شیطانی ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

طوفان الاقصیٰ آپریشن اور اُس کی ضرورت

1948ء سے اب تک امریکہ کی پشت پناہی میں اسرائیلی فورسز کی مسلمانوں سے بے شمار لڑائیاں ہو چکی ہیں، آئے روز فلسطین کے علاقوں پر ناجائز قبضہ کر کے وہاں نئی یہودی بستیاں آباد کی جاتی ہیں۔ دراصل یہودیوں کا خواب گریٹر اسرائیل / عظیم اسرائیل ہے۔ اُن کا منصوبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے نبی (ﷺ) نے ہمیں مدینہ سے نکالا تھا، پھر اُن کے حکم پر عمر (رضی اللہ عنہ) نے ہمیں عرب سے نکالا تھا، ہم پھر مدینہ میں جا کر آباد ہوں گے اور وہاں تک کے سارے خطے کو اسرائیل کا حصہ بنائیں گے۔ یہ بات ہرگز مبالغہ آرائی نہیں، محققین کی کتابوں کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ پر گریٹر اسرائیل کے نقشے موجود ہیں۔

یہ بات بھی انتہائی افسوس ناک ہے کہ اِس وقت کئی اسلامی ممالک اسرائیل کو تسلیم کر کے اُس کے ساتھ تعلقات کا آغاز کر چکے ہیں اور متعدد دولت مند اور طاقت وَر مسلم ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لیے مذاکرات کر رہے ہیں۔ سلام ہو غیرت مند فلسطینی مسلمانوں کو! وہ بے سروسامانی کے عالم میں اپنے جان ومال اور اولاد کو داؤ پر لگا کر اسرائیل کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔

اسرائیل کے خلاف حالیہ آپریشن کرنے والی فلسطینی تنظیم حمّاس کی بنیاد 1987ء میں عظیم عالم وروحانی پیشوا پیرِ طریقت ابو محمد حافظ احمد یاسین علیہ الرحمہ نے رکھی۔ 2004ء میں شیخ احمد یاسین نمازِ فجر ادا کرنے کے لیے جا رہے تھے کہ اسرائیلی فوج نے اُنھیں میزائل کے ذریعے نشانہ بنا کر شہید کر دیا تھا۔ حمّاس فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم ہے، اِس کی مختلف شاخیں ہیں، جو مذہبی، تبلیغی، تعلیمی اور رفاہی خدمات سرانجام دیتی ہیں، ایک شاخ فلسطین کے دفاع کی خاطر جہاد کا فریضہ سرانجام دیتی ہے، اِسے مجاہدِ اسلام حضرت عِزّ الدین القَسّام علیہ الرحمہ کے نام سے ”القسام بریگیڈ“ کہا جاتا ہے۔

07 اکتوبر، 2023ء کو حماس کے القسام بریگیڈ نے اسرائیل کے خلاف ایک آپریشن شروع کیا، جسے ”طوفان الاقصیٰ آپریشن“ کا نام دیا گیا، اِس کے آغاز میں اسرائیلی ہوائی اڈوں اور فوجی چھاؤنیوں وغیرہ پر 5,000 راکٹ اور میزائل داغے گئے، پھر کچھ ہی دیر میں مجاہدین زمینی وفضائی ذرائع سے بھی اسرائیلی علاقوں میں داخل ہو گئے، اب تک اِس آپریشن میں 1300 اسرائیلی واصلِ جہنم ہو چکے ہیں۔

طوفان الاقصیٰ آپریشن کے مجاہدین نے اسرائیلی فورسز سمیت پوری دُنیا کو حیران کر دیا، اِس حوالے سے یہ بھی اہم ہے کہ:

1) یہ باور کروایا جاتا تھا کہ اسرائیلی فوج دُنیا کی طاقت وَر فوج ہے اور اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسیاں ”موساد“ اور ”شاباک“ انتہائی خطرناک ایجنسیاں ہیں، مگر طوفان الاقصیٰ آپریشن کی نہ تو اسرائیلی ایجنسیوں کو خبر ہوئی، نہ ہی فورسز اور میزائل شکن نظام یہ حملہ روک سکے۔
2) حمّاس کے حالیہ آپریشن سے گریٹر اسرائیل کا خواب بھی چکنا چور ہو گیا ہے۔ 06 اکتوبر، 1973ء کی جنگِ کپور کے بعد یہ اسرائیل پر سب سے بڑا اور کامیاب حملہ تھا۔

حرفِ آخر... طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں

طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اسرائیلی فورسز باولے کتّے کی طرح فلسطینی شہر غزہ پر حملہ آور ہوئی ہیں، تاحال غزہ پر اندھا دھند بمباری جاری ہے اور ممنوعہ کیمیائی ہتھیاروں کو بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ ہسپتال زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں اور درندگی کی انتہا کہ غزہ کی مکمل ناکا بندی کرتے ہوئے پانی، خوراک اور بجلی بھی بند کر دی گئی ہے۔ غزہ میں انسانی بحران شدت اختیار کر رہا ہے اور یہی صورتِ حال رہی تو ہسپتال بھی بجلی سے محروم ہو جائیں گے۔

ایسے میں اُمّتِ مسلمہ کی کچھ ذمہ داریاں ہیں:

1) اُمّت پر لازم ہے کہ کھل کر فلسطینی مجاہدین کی حمایت کرے اور اسرائیلی درندگی روکنے کے لیے اپنی قوّت استعمال کرے۔ کفار کے زیرِ قبضہ علاقوں میں ظلم وستم سہنے والے کمزور مسلمانوں سے متعلق ربِّ ذوالجلال جلّ مجدہٗ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ ”اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے، حالانکہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے (ظلم سے تنگ آکر) یہ دُعا کر رہے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس شہر سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی بارگاہ سے کوئی حمایتی بنادے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنادے۔“[النساء4:75]

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے جسٹس (ر) پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: جس خطۂ زمین میں مسلمانوں پر کفار مظالم توڑ رہے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اِن کو نجات دلائیں۔ (ضیاء القرآن)

2) بیت المقدس کی حفاظت فقط فلسطینی مسلمانوں کی ہی ذمہ داری نہیں، بلکہ پوری اُمّت کا فریضہ ہے اور اُمّت کو اِس فریضہ کا احساس کرنا چاہیے۔ اگر اُمّت بیت المقدس کی حفاظت اور اُسے اسرائیلی قبضہ سے آزاد کروانے کے لیے کوشش نہیں کرتی تو روزِ قیامت اِس کا جواب دینا ہو گا۔ اِس وقت فلسطینی مسلمان اپنی ذمہ داری پوری کر چکے ہیں، اب باقی اُمّت کا امتحان ہے۔

3) اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا ایسا فریضہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ۔ جو قوم راہِ خدا میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ (بطورِ سزا) اُسے ذلیل ورُسوا فرما دیتا ہے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، قال ابن کثیر: وھذا إسناد صحیح، ج:4، ص:493، دار المعرفۃ)

آج جوانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے بجائے دانشور کہلانے والے احمق "طوفان الاقصیٰ آپریشن" کے خلاف بیانات دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اِس آپریشن سے پہلے اسرائیلی فورسز نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شہید نہیں کیا؟ فلسطینی علاقے پر ناجائز قبضہ کر کے اسرائیل قائم ہوا اور اب تک امریکہ کی پُشت پناہی میں فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں نئی یہودی بستیاں بنانے کا سلسلہ جاری ہے، اِس کے سدِّباب کے لیے اگر فلسطینی مسلمان جہاد نہ کریں تو کیا کریں؟

بعض لوگوں کو اسلامی جہاد اور کفار کے ناجائز قبضہ میں فرق سمجھ نہیں آتا۔ کفار کی جنگیں شیطانی نظام کو پروان چڑھانے کے لیے ہوتی ہیں، جب کہ اسلامی جہاد ربّ تعالیٰ کی زمین پر اُس کا دین اور اُس کا قانون نافذ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

4) مسلمانوں کو یہودیوں اور اُن کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ 1973ء میں جب اسرائیلی فوج کے ساتھ جنگِ کپور ہوئی تو اسرائیل کی بے جا حمایت پر عرب ممالک نے امریکہ اور اتحادیوں کو تیل کی فراہمی بند کر دی تھی، چنانچہ امریکی وزیر منتیں کرنے کے لیے عرب کے دورے کرتے پھرتے تھے، آج بھی ایسا ممکن ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر مَیں یہودیوں کی فلاں پروڈکٹ نہیں خریدوں گا تو اِس سے اُنھیں کیا فرق پڑے گا؟ اِس حوالے سے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر بائیکاٹ سے اُنھیں نقصان نہ بھی ہو تو کم از کم ہمارے اندر اتنی غیرت تو ہونی چاہیے کہ جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں ہم اُن کی بنائی ہوئی چیزیں استعمال نہ کریں۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً... "اور ضروری ہے کہ کافر تم میں سختی محسوس کریں۔" [التوبۃ9:123] یعنی جب دینی غیرت ظاہر کرنے کا موقع آئے تو کافر محسوس کریں کہ تم کسی بھی مشکل سے گھبرانے والے نہیں، وہ سمجھیں کہ دشمنانِ دین کے بارے تمہارے دلوں میں کوئی نرمی نہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان ایک ہاتھ میں کوکا کولا یا پیپسی اور دوسرے میں مکڈونلڈز کا برگر پکڑ کر زبان سے یہودی مظالم کی مذمت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شبِ معراج مسجدِ اقصیٰ میں امامت فرمانے والے آقا ﷺ اور اُن کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے انبیائے کرام عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَات کے صدقے میں فلسطینی مسلمانوں کی غیبی مدد فرمائے، بیت المقدس کو یہودی قبضہ سے آزاد فرمائے، مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

ربِّ لم یزل اسرائیل سمیت مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار تمام دشمنانِ اسلام کو نشانِ عبرت بنائے، مسلمانوں کو وحدت عطا کرے اور کفار کی طاقت کو منتشر فرمائے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی، معاشی مشکلات اور تمام امراض وآلام سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۴ ربیع الآخر ۱۴۴۵ھ / 20 اکتوبر 2023ء

قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری

(اسرائیلی درندگی پر اُمّتِ مسلمہ کی بے حسی کے تناظر میں)

مشمولات

- مسلمان پر لازم مختلف حقوق
- کامل مسلمان کا وصف
- ایمانی تعلق کی اہمیت
- ایمانی تعلق کی ناقدری پر وعید
- ایمانی تعلق کی قدر کرنے کی فضیلت
- ایمانی تعلق کی قدر سے متعلق ہماری صورتِ حال
- اُسوۂ نبوی
- یہودیوں کی فطرت اور جہاد کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ o [الحجرٰت 10:49]

ایک مسلمان کے ذمّے مختلف حقوق لازم ہوتے ہیں... ربّ العزت جلّ جلالہٗ کے حقوق پورے کرنا بھی اُس کی ذمہ داری ہے، سیدِ عالم ﷺ کے حقوق سے عہدہ برآ ہونا بھی اُس پر لازم ہے، والدین سمیت رشتہ داروں کے حقوق بجالانا بھی اُس کے ذمے ہے اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق بھی اُسے جواب دینا ہو گا۔

ربّ تعالیٰ کا حق سب سے زیادہ ہے؛ کیونکہ وہ خالق و مالک ہے... رحمتِ عالم ﷺ کے حقوق بھی اہم ہیں؛ کہ وہ محبوبِ خدا ہیں اور تمام نعمتیں اُنھیں کے صدقے میں ملتی ہیں... رشتہ داروں کے حقوق بھی لازم ہیں؛ کہ اِس کا حکم بھی ہے اور "رشتہ" بھی ہے۔ عام مسلمان، جس کے ساتھ نہ کوئی نسبی تعلّق ہے، نہ علاقہ ایک ہے، نہ لسانی واسطہ ہے، اُس کا حق "ایمانی تعلق" کی وجہ سے ہے اور یہ تعلق اِس قدر اہم ہے کہ قرآنِ مجید نے بھی مسلمانوں کے حقوق کی راہ نمائی فرمائی ہے اور سیدِ عالم ﷺ نے بھی اُن کی تاکید فرمائی ہے۔

مسلمان کے حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُسے حالات کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ مشکل میں ہے تو ہم اپنی مستی میں مگن رہیں، اُس پر ظلم ہو رہا ہے تو ہم اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے رہیں۔ قرآن و سنت میں جہاں مسلمانوں کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھنے اور اُن کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھ کر حل کرنے کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں وہاں دوسرے مسلمانوں کو مشکل حالات میں بے یار و مددگار چھوڑنے پر بہت سی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں۔

دین سے دُوری، دُنیاداری اور مادہ پرستی کا نتیجہ ہے کہ اِس وقت مسلمان دوسرے مسلمانوں کے حقوق سے بے خبر ہیں، اِس کی تازہ مثال غزہ کی موجودہ صورتِ حال ہے۔ اسرائیلی درندے تقریباً دو ہفتوں سے غزّہ پر آگ برسا رہے ہیں، بچوں اور خواتین سمیت چار ہزار کے قریب بے گناہ مسلمان شہید اور 12000 زخمی ہو چکے ہیں، سینکڑوں عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں، مگر پاکستان سمیت اسلامی دُنیا بے حمیّت بن کر فقط مذمتی قرار دادیں پاس کرنے پر اکتفا کیے ہوئے ہے۔

فلسطینیوں کا حق عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، وہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے خاندان سے ہیں اور اُن کی اسرائیل کے ساتھ لڑائی مسجدِ اقصیٰ اور اُس سرزمین کے تحفّظ کے لیے ہے جسے دیگر انبیائے کرام کے ساتھ ساتھ ہمارے آقا کریم ﷺ سے بھی نسبت حاصل ہے، اگر کوئی فلسطین کے بارے میں سنجیدہ نہیں تو اُسے اپنے ایمان سے متعلق سنجیدگی کے ساتھ فکر کرنی چاہیے۔

آج کے خطبہ میں ایمانی تعلق کی اہمیت، اِس کی قدر کے فضائل اور ناقدری پر وعید سے متعلق گفتگو ہو گی۔

ایمانی تعلق کی اہمیت

ہر انسان کا دوسرے لوگوں کے ساتھ مختلف وجوہات کی بنیاد پر تعلق ہوتا ہے... کسی سے خونی رشتے کی بنیاد پر تعلق ہوتا ہے تو کسی سے سسرالی واسطے کے سبب، بعض لوگوں سے ہم علاقہ ہونے کی وجہ سے قُرب بڑھتا ہے تو بعض سے کلاس فیلو ہونے کے سبب، کوئی اپنے احسانات کے ذریعے انسان کے دل میں جگہ بنالیتا ہے تو کوئی ہم زبان ہونے کی وجہ سے۔ اِسی طرح دیگر کئی اُمور کی بنیاد پر تعلق جُڑتا اور قائم رہتا ہے۔

انسان کی نظر میں تعلق کی بنیاد جتنی اہم ہو اُس پر قائم ہونے والا ربط بھی اُتنا ہی پختہ و مضبوط ہوتا ہے۔ جس شخص کی نظر میں رشتہ داری اہمّ ہے وہ اُسے نبھانے کے لیے بہت کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، جو وطن سے پیار کرتا ہے وہ ہم وطنوں کی خاطر جان تک نچھاور کر دیتا ہے، اپنی زبان اور بولی کو ہی سب کچھ سمجھنے والا لسانیّت کی بنیاد پر قتل وغارت کرنے لگتا ہے، تعلیم و تعلّم کی قدر کرنے والا اپنے اساتذہ اور شاگردوں سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے.... خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت ایمان کی ہے اور وہ دین کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلق کو سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہے، بلکہ اُس کا نظریہ ہے کہ میرا تعلق صرف اُسی سے ہے جو میرے آقا کریم ﷺ سے نسبت رکھتا ہے، جو اُن کا نہیں میرا بھی اُس سے کوئی تعلق نہیں... اور قابلِ مذمت ہے وہ شخص جس کی نظر میں دُنیاوی تعلقات و مفادات اہم ہیں اور اُس کا ایمان اتنا کمزور ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، بلکہ مسلمانوں کے بجائے غیر مسلموں سے تعلقات اُستوار کرتا رہتا ہے۔

ایمانی تعلق کی اہمیت اور قرآنِ مجید: ایمانی رشتہ کو تمام رشتوں سے اہم سمجھنے کا حکم خود قرآنِ حکیم نے دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ ”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“ [الحجرٰت 10:49] مفسرین نے لکھا: بھائی بھائی فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ایمانی تعلق کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان محبت اور رابطہ ایسا ہے جیسا سگے بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے، مسلمانوں کا نفع اور نقصان، خوشی اور غمی، فتح اور شکست، سب ایک ہیں اور ایمانی رشتہ تمام دُنیاوی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہے۔[1]

ایمانی تعلق کی اہمیت اور احادیثِ نبویہ: رسول اللہ ﷺ نے ایمانی تعلق کی اہمیت اپنے ارشادات کے ذریعے بھی بیان فرمائی ہے اور عملِ مبارک سے بھی واضح فرمائی۔

فاتحِ مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سرِ عام اپنے کافر رشتہ داروں کے بارے میں فرمایا: «أَلَا إِنَّ آلَ أَبِي - يَعْنِي فُلَانًا - لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ.» یعنی ”سنو! فلاں کی اولاد میرے ولی (دوست اور

---

[1] دیکھیے تفسیرِ خزائن العرفان و تفسیرِ ضیاء القرآن

پیارے) نہیں، میرا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن میرے پیارے ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث:215۔ صحیح بخاری، حدیث:5990)

ایک طرف کفار کے بارے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے، حالانکہ اُن کے ساتھ رشتہ داری بھی تھی، ہم علاقہ بھی تھے اور اُن کی زبان بھی عربی تھی، جب کہ دوسری طرف سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ... جو نسبی رشتہ دار بھی نہیں تھے، ننھیال بھی حبشہ سے تھا اور مادری زبان بھی عربی نہیں تھی... اُن کے بارے میں مروی ہے: «سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ.» "سلمان ہم اہلِ بیت سے ہے۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:6539۔ المعجم الکبیر، ج:6، ص:212، حدیث:6040۔ الطبقات الکبریٰ، ج:4، ص:62)

اِسی بات کو کسی نے شعر میں خوب تعبیر کیا:

حَسَن زِ بصرہ بلال از حَبْش صُہَیْب از روم
زِخاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بو العجبی ست[1]

یورپ سے متأثر، خود کو دانش وَر کہلانے والے کہتے ہیں کہ یہ دقیانوسی سوچ ہے، پوری دُنیا وطن، زبان اور رشتہ داری کی بنیاد پر تعلقات قائم کرتی ہے اور ہم ایک نیا معیار قائم کرلیں؟ ایسے لوگوں کے لیے قرآن وسنت کی نصوص ہی کافی ہیں، اِن کے ساتھ ساتھ اقبال علیہ الرحمہ کے افکار سے بھی راہ نمائی ملتی ہے:

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی[2]

اُن کی جمعیّت کا ہے مُلک و نَسَب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مُستَحکَم ہے جمعیّت تری[3]

دامنِ دیں ہاتھ سے چھُوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی[4]

---

[1] یعنی ایمان کا تعلق بھی کتنا عجیب ہے! بصرہ کے رہنے والے خواجہ حسن، حبشہ والوں کے نواسے سیدنا بلال اور روم سے تعلق رکھنے والے سیدنا صہیب رضی اللہ عنہم سبھی پیارے اور آنکھوں کے تارے ہیں، جب کہ مکہ میں رہنے والا ابوجہل بیگانہ ہے۔

[2] قیاس کرنا: دو چیزوں کو ایک جیسا قرار دینا۔ اقوامِ مغرب: یورپ سے تعلق رکھنے والی قومیں۔ یعنی اے مسلمان! اپنی ملّت کو یورپی قوموں کی طرح مت سمجھو، اُن کی ترتیب و تنظیم اور اتحاد واجتماع کے اُصول اور ہیں، جب کہ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کی ترکیب و تنظیم کے اُصول اور ہیں۔

[3] جمعیّت: اتحاد واجتماع۔ انحصار: دار و مدار۔ یعنی یورپی قوموں کا آپس میں اتحاد واجتماع "وطن" اور "نسب" کی بنیاد پر ہوتا ہے، مگر تمہارا اتحاد اور تنظیم سازی "قوّتِ مذہب" کی بنیاد پر ہے۔

[4] یعنی مسلمانو! تمہارا اجتماع واتحاد مذہب کی بنیاد پر ہے، اگر تم نے دین کا دامن چھوڑا تو تمہارا اجتماع واتحاد برقرار نہیں رہے گا اور اتحاد نہ رہا تو ملّت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

ایمانی تعلق کی قدر کرنے کی فضیلت

ایمانی تعلق کی قدر کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی غم خواری کرنا، اُن کے دُکھ اور پریشانی کو اپنا دُکھ اور پریشانی سمجھنا اور اپنی طاقت کے مطابق اُسے دُور کرنے کی کوشش کرنا ربّ تعالیٰ کا حکم بھی ہے، جانِ عالم ﷺ کی سنت بھی ہے، ایمان کی عظیم نشانی بھی ہے اور محبوبانِ خدا کی ریت بھی ہے۔

اُسوۂ نبوی: رحمتِ عالم ﷺ کا اُسوہ بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ ”یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے وہ عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں۔“[التوبہ 128:9]

کامل مسلمان کا وصف: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ،[1] وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً[2] فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔»[3] یعنی ”مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر ظلم کرے نہ اُسے (دشمن کے ہاتھوں میں یا مصائب میں) بے یار و مددگار چھوڑے... اور جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورت پوری فرماتا ہے... اور جو کسی مسلمان کی (ایک معمولی دُنیاوی) مصیبت و پریشانی دُور کرے اللہ تعالیٰ اُس سے قیامت کے دن کی (بڑی پریشانیوں میں سے) کوئی پریشانی دُور فرمادے گا... اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ (دُنیا کے ساتھ ساتھ) قیامت کے دن بھی اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 2442)

سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا حسین عمل: محبوبانِ خدا کی مبارک سیرتوں میں ایمانی رشتہ کی قدردانی کے ایسے حسین واقعات ملتے ہیں کہ اُنھیں پڑھنے، سننے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرّمہ سے ہجرت کرکے آنے والے صحابہ اور مدینہ منوّرہ میں میزبانی کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنادیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سیدنا

---

[1] لَا يَتْرُكُهُ مَعَ مَنْ يُؤْذِيهِ بَلْ يَحْمِيهِ، وزاد الطبرانی: وَلَا يُسْلِمُهُ فِي مُصِيبَةٍ نَزَلَتْ بِهِ۔ (ارشاد الساری، تحت الحدیث)

[2] وَالتَّنْوِينُ فِيهِمَا لِلْإِفْرَادِ وَالتَّحْقِيرِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4958)

[3] وفی روایۃ مسلمٍ: وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2699)

عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: إِنِّيْ أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا، فَأَقْسِمُ مَالِيْ نِصْفَيْنِ، وَلِيَ امْرَأَتَانِ فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَسَمِّهَا لِيْ أُطَلِّقْهَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا۔ [1] مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے آپ کو اور مجھے آپس میں بھائی بنادیا ہے، مَیں مدینہ منوّرہ کے مال دار ترین افراد سے ہوں اور اپنا آدھا مال آپ کو پیش کرتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں، اِن میں سے جو آپ کو پسند ہے مجھے بتادیجیے، مَیں اُسے طلاق دے دیتا ہوں، اُس کی عدت پوری ہونے کے بعد اُس سے نکاح کر لیجیے گا۔ (صحیح بخاری، حدیث:3780) اگرچہ سیدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور خود تجارت کرکے اپنے اخراجات برداشت کیے، مگر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل قیامت تک مسلمانوں کے لیے مَنارۂ نور ہے اور تربیت کرتا ہے کہ ایمان جتنا پختہ ہوتا ہے ایمانی رشتہ کی قدر بھی اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت محبوبِ الٰہی کا ارشاد: خلیفۂ بابا فرید الدین گنج شکر خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہما سے عرض کی گئی: لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو بہت ہی فراغِ باطنی (دلی سکون) حاصل ہے، آپ کو اِس دنیا کی کوئی فکر ہی نہیں۔ جب آپ نے یہ بات سنی تو فرمایا: آں قَدر غم و اَندوہ کہ مرا است ہیچ کَس را دَریں جہاں نیست؛ زیرا کہ چَندیں خَلْق می آیند و غم و اَندوہِ خویش مِی گویَند، آں ہَمَہ بر دل و جانِ مَن مِی نَشِیند، عَجَبْ دِلے باشَد کہ غمِ برادرِ مسلمان بُشنود و دَرْوَے أَثر نَکُند۔ یعنی جس قدر غم اور پریشانی مجھے ہے اِس جہاں میں کسی کو بھی نہیں ہوگی؛ کیونکہ میرے پاس اتنی زیادہ مخلوق آتی ہے اور اپنا دکھڑا سناتی ہے، سب کی پریشانیوں کا بوجھ میرے دل و جان پر آتا ہے۔ وہ دل بہت عجیب ہے جو اپنے مسلمان بھائی کا غم سنے اور اُس پر کوئی اثر نہ ہو۔

پھر حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا نُعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ ارشادِ نبوی سنایا: «اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اشْتَكٰى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهُ اشْتَكٰى كُلُّهُ۔» یعنی ”تمام مسلمان (باہمی محبت و غم خواری میں) ایسے ہیں جیسے ایک ہی شخص کے اعضا، اگر اُس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے اور سر میں تکلیف ہو تو بھی پورا جسم متأثر ہوتا ہے۔“ [صحیح مسلم، حدیث:2586] (انسان کے اعضا اگرچہ مختلف ہیں مگر روح ایک ہی ہے، چنانچہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم تکلیف میں ہوتا ہے، یوں ہی تمام مسلمانوں کا آپس میں ایسا تعلق ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان مصیبت میں ہو تو سب بے قرار ہو جائیں؛ کیونکہ سب کا ربّ بھی ایک ہے اور نبیِ مکرم ﷺ بھی ایک ہی ہیں۔)

(خیر المجالس فارسی، مجلس: سی و یکم (31)، ص:105، مطبوعہ شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی، تاریخ مشائخ چشت، مقدمہ، ص:69، زاویہ پبلشرز)

اُخوّت اِس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا فلسطیں میں　　تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

---

[1] آخَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ، قَالَ (سعدٌ) لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِنِّيْ أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا، فَأَقْسِمُ مَالِيْ نِصْفَيْنِ، وَلِيَ امْرَأَتَانِ فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَسَمِّهَا لِيْ أُطَلِّقْهَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا، قَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ۔ أَيْنَ سُوْقُكُمْ؟ فَدَلُّوْهُ عَلٰى سُوْقِ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ۔ (صحیح بخاری، حدیث:3780)

ایمانی تعلق کی ناقدری پر وعید

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایمانی تعلق کی ناقدری کرتے ہوئے اُن کی غم خواری نہ کرنا، اُن کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کو بہت ناپسند ہے اور ایسے بے حس لوگوں کے لیے سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

قرآنی وعید: سورۂ انفال میں باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے اور محبت بڑھانے کا حکم دیا، نیز کفار سے تعلقات منقطع کرنے کا حکم جاری کیا، پھر فرمایا: اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ ”اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔“ [الانفال8:73] ایک تفسیر کے مطابق آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اور یک جان نہ بنیں تو مسلمان کمزور اور کفار طاقت وَر ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑا فتنہ و فساد ہو گا۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

نبوی وعید: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدنا ابو طلحہ زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- مَا مِنَ امْرِئٍ يَّخْذُلُ امْرَأً مُّسْلِمًا[1] فِيْ مَوْضِعٍ تُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهٗ وَيُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ إِلَّا خَذَلَهُ اللهُ فِيْ مَوْطِنٍ[2] يُّحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ۔ ”جو شخص (طاقت و قدرت کے باوجود) کسی مسلمان کو ایسی جگہ بے یار و مددگار چھوڑے جہاں اُس کی بے عزتی کی جا رہی ہو اور اُس کی آبرو کو پامال کیا جا رہا ہو (اُسے ظالم سے نہ بچائے اور اُس کی مدد نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اِسے (دُنیا و آخرت میں) ایسی جگہ ذلیل فرمائے گا جہاں یہ اپنی مدد چاہتا ہو گا۔“
- وَمَا مِنَ امْرِئٍ يَّنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ يُّنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ إِلَّا نَصَرَهُ اللهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُّحِبُّ نُصْرَتَهٗ۔ ”اور جو شخص ایسی جگہ مسلمان کی مدد کرے جہاں اُس کی آبرو کو پامال کیا جا رہا ہو اور اُس کی بے عزتی ہو رہی ہو تو اللہ تعالیٰ (دُنیا و آخرت میں) اِس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں اِسے اپنی مدد محبوب ہو گی۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث:4884)

اِس حدیثِ مبارک میں جہاں یہ بات اُمّید افزا ہے کہ دوسرے مسلمان کی مدد کرنے والے خوش نصیب کو دُنیا و آخرت میں باری تعالیٰ کی مدد کی بشارت دی گئی ہے وہاں اِس بات سے عبرت بھی حاصل کرنی چاہیے کہ مسلمان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے والے اور اُسے ظالم سے نہ بچانے والے بے حس کو دُنیا و آخرت میں ذلّت و رسوائی کی وعید سنائی گئی ہے۔

---

[1] أَيْ لَمْ يَخُلْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَنْ يَظْلِمُهٗ، وَلَا يَنْصُرُهٗ۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج:5، ص:471)

[2] وَذٰلِكَ شَامِلٌ لِمَوَاطِنِ الدُّنْيَا وَمَوَاقِفِ الْآخِرَةِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث:4983)

ایمانی تعلق کی قدر سے متعلق ہماری صورتِ حال

دین سے دُوری اور دُنیاداری کا نتیجہ ہے کہ اِس وقت اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہی ہے اور ''اُمّت'' کی فکر کا تصور بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔ ماضی میں نائن / الیون کا ڈھونگ رچا کر امریکہ اور اُس کے اتحادی ممالک کی فوجیں افغانستان، پھر عراق اور لیبیا پر چڑھ دوڑیں، مگر مسلمان ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ اب غزہ میں تقریباً دو ہفتوں سے اسرائیلی فوج باولے کتوں کی طرح حملہ آور ہے اور آگ برسا رہی ہے، عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ممنوعہ ہتھیار استعمال کیے جارہے ہیں، حتّٰی کہ ہسپتال کو بھی بمباری کا نشانہ بنایا گیا ہے، اب تک بچوں اور خواتین سمیت تقریباً 4000 مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور 12000 کے قریب زخمی ہیں، اگر سوال کیا جائے کہ اُمّت نے اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے کیا کیا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ اسرائیل کی مذمت کی ہے!

ہم میں سے بے شمار لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کی آنکھوں سے اپنے تڑپتے مسلمان بھائیوں کی محبت میں ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا، کہ اور کچھ نہیں کر سکتے تو ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں اخلاص و خشوع کے ساتھ اُن کے لیے دُعا ہی کر دیتے، میچ / کھیل سے فرصت ہی نہیں کہ دل اپنے بھائیوں کے لیے دھڑکے، ایسی بے حسی پر سنجیدگی کے ساتھ فکر مند ہونا چاہیے۔ شاعر نے کہا:

مقدّر میں ہے اُس کے عمر بھر پامالِ غم رہنا
جسے پامالیٔ ملت کا غم کرنا نہیں آتا

اُسے زندہ نہ سمجھو سانس ہے گو جس کے سینے میں
مگر آزادیٔ ملّت کا دم بھرنا نہیں آتا

جواں مردوں ہی کا ہے کام قطعِ راہِ حریت
کہ اِس منزل میں بزدل کو قدم دھرنا نہیں آتا

یقیناً ہوتی ہے مرنے سے بد تر زندگی اُس کی
جسے دینِ نبی کے واسطے مرنا نہیں آتا

بُتوں کا خوف رکھتا ہے اُسے لَرزہ بہ تَن ہر دم
خدا کے خوف سے جس شخص کو ڈرنا نہیں آتا

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
اُسے جینا نہیں آتا جسے مرنا نہیں آتا

حرفِ آخر...یہودیوں کی فطرت اور جہاد کی ضرورت

مسلمان کا اپنے ربّ تعالیٰ کے ساتھ محبت وبندگی کا پختہ تعلق ہونا چاہیے، پھر اُس کی محبت کے سبب اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کے ساتھ غلامی ونیاز مندی کا مضبوط رشتہ ہونا چاہیے۔ یہ دونوں نسبتیں پختہ ہوں تو بندگانِ خدا تعالیٰ وغلامانِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے ساتھ تعلق بھی مثالی ہو جاتا ہے، پھر قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے ہر غلامِ مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں ایسا لگتا ہے کہ وہ سگا بھائی ہے، دوسرے مسلمانوں کی خوشی اپنی خوشی اور اُن کا غم اپنا غم محسوس ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور بزرگانِ دین کا اپنے ربّ تعالیٰ اور اپنے آقا کریم ﷺ کے ساتھ تعلق مضبوط تھا تو اُن کے دلوں میں مسلمانوں کی غم خواری کے جذبات بھی لائقِ تقلید تھے، قرآنِ مجید کے مطابق وہ شدید ضرورت کے باوجود بھی دوسرے مسلمانوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔[1] ہمارا اپنے ربِّ کریم اور نبیِ رحیم ﷺ سے تعلق ویسا نہیں جیسا ہونا چاہیے تو دوسرے مسلمانوں کی غم خواری بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ملتی ہے اور دونوں جہان میں رحمتیں، برکتیں اور عزتیں بھی نصیب ہوتی ہیں، جب کہ مشکل حالات میں مسلمانوں کی مدد نہ کرنے سے ربّ تعالیٰ کی ناراضی بھی ہوتی ہے اور اِس پر دونوں جہان میں ذلّت ورسوائی کی وعید بھی فرمائی گئی ہے۔

غزہ کی موجودہ صورتِ حال میں ایمانی تقاضا ہے کہ اُمّت فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے درد کو اپنا درد سمجھے اور عملی طور پر اُن کے ساتھ کھڑی ہو، اگر اسرائیلی درندگی روکنے کے لیے طاقت کا استعمال ضروری ہو تو وہ ہے ہی ایسے مواقع کے لیے۔

یہودی افواج کی بے باکی فقط اِس لیے ہے کہ اُنھیں فلسطینی مجاہدین تنہا نظر آتے ہیں، اگر اُنھیں معلوم ہو کہ اُمّت اُن کی پُشت پر موجود ہے تو اُنھیں اپنے کیمپوں سے نکلنے کی بھی جرأت نہ ہو؛ کیونکہ قرآنِ مجید کے مطابق یہودی ڈرپوک قوم ہیں، اُن پر موت کا خوف سوار رہتا ہے۔[2]

موجودہ حالات میں دل یہ بھی چاہتا ہے کہ بے سروسامانی کے باوجود، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غزہ کی حفاظت کرنے والے مجاہدین کو سلامِ عقیدت پیش کیا جائے۔

---

[1] دیکھیے: الحشر، آیت:9

[2] دیکھیے: البقرۃ، آیت:96 اور الحشر، آیت:14، 15

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِلَيْلَةٍ أَفْضَلَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ؟ ”تمہیں اُس رات کے بارے میں نہ بتاؤں جو لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے؟“ پھر فرمایا: حَارِسٌ حَرَسَ فِي أَرْضِ خَوْفٍ لَعَلَّهُ أَنْ لَا يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ.» یعنی ”جس جگہ ایسی خوف ناک صورتِ حال ہو کہ لگتا ہو اپنے گھر والوں کی طرف زندہ واپس نہیں لوٹے گا، وہاں جو مجاہد پہرہ داری کرے (اُس کی رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے)۔“ (المستدرک، حدیث: 2424)

یہ بھی یاد رہے کہ یہود ایسی سازشی قوم ہے جسے قرار دادوں کی بولی سمجھ ہی نہیں آتی، اُسے صرف جہاد اور ہتھیاروں کی بولی سمجھ آتی ہے، اِس بد بخت قوم نے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا، سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہید کرنے کی سازشیں کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کو توڑا۔ اُن کی بد معاشیوں کا حل ایک ہی ہے کہ اُنھیں طاقت کی لگام ڈالی جائے۔

امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی حمایت اور موجودہ صورتِ حال کا ذمہ دار حماس کے مجاہدین کو قرار دینا بھی قابلِ مذمت ہے۔

امریکی ٹیلی وژن سی۔این۔این کے ایک پروگرام میں فلسطینی نمائندوں کو بلایا گیا اور اُن سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حماس کے آپریشن کی مذمت کرتے ہیں؟ اُنھوں نے چینل کے نمائندوں سے کہا:

⇐ یہ آپریشن اچانک نہیں ہوا، اِس کے پیچھے ظلم کی ایک طویل تاریخ ہے، فلسطینیوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اسرائیل قائم ہوا، اب تک اسرائیلی فوج کے ہاتھوں لاتعداد بے گناہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں، آپ کو اِس آپریشن میں مرنے والے چند یہودی نظر آتے ہیں تو اسرائیلی مظالم میں مرنے والے لاتعداد شہید نظر کیوں نہیں آتے؟

⇐ حماس حکومت نہیں، ایک نجی تنظیم ہے، جب کہ دوسری طرف اسرائیلی حکومت ہے... آپ ظلم سے تنگ آ کر دُنیا کو اپنی مظلومیت کا احساس دلانے کے لیے آپریشن کرنے والی ایک نجی تنظیم کی مذمت کرتے ہیں تو اسرائیلی حکومت کی ظالم فوج کی طرف سے تسلسل کے ساتھ ہونے والے مظالم کی مذمت کرتے ہوئے آپ کو کیوں موت آتی ہے؟

⇐ آپ طوفان الاقصیٰ آپریشن پر بلک رہے ہیں تو اِس کی وجہ سے بننے والی ظلم کی طویل تاریخ آپ کو نظر کیوں نہیں آتی؟

اللہ تعالیٰ شبِ معراج مسجدِ اقصیٰ میں امامت فرمانے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے صدقے میں فلسطینی مسلمانوں کی غیبی مدد فرمائے، بیت المقدس کو یہودی قبضہ سے آزاد فرمائے، مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

ربِّ لم یزل اسرائیل سمیت مسلمانوں کے خلاف بر سرِ پیکار تمام دشمنانِ اسلام کو نشانِ عبرت بنائے، مسلمانوں کو وحدت عطا کرے اور کفار کی طاقت کو منتشر فرمائے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی، معاشی مشکلات اور امراض سے نجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبیِ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۱ ربیع الآخر ۱۴۴۵ھ / 27 اکتوبر 2023ء

اُفقِ نور پہ ہے مہرِ ہمیشہ تیرا

(تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حسین نکات)

مشمولات

- حفاظت و غلبۂ اسلام کا وعدہ اور اُس کی تکمیل کے لیے افراد کی پیدائش
- غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ
- علمِ دین کی اِشاعت اور دینی اداروں کا قیام
- بزرگانِ دین کی تعظیم
- اِشاعتِ دین کے لیے مال خرچ کرنے کی فضیلت
- شکوہ و شکایت سے اجتناب
- اُمّتِ مسلمہ کا امتحان اور مجاہدینِ بیت المقدس کی فضیلت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۔ [محمد:4]

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے دینِ اسلام کی حفاظت اور اِسے غالب رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے، یہ وعدۂ اِلٰہیہ کا ظہور ہے کہ باطل پرستوں کی لاکھ سازشوں کے باوجود آج بھی اسلام پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور اِن شاء اللہ تعالیٰ قربِ قیامت تک باقی رہے گا۔

حفاظت و غلبۂ اسلام کے وعدہ کی تکمیل کے لیے ربّ تعالیٰ نے ہر دَور میں دین کی حفاظت و خدمت کے لیے خوش نصیب افراد پیدا فرمائے۔ بعض خدامِ دین کو یہ اعزاز بخشا کہ اُن کی کاوشوں کے اثرات عالمی سطح پر ظاہر ہوئے، اُنھوں نے مختلف محاذوں پر دشمنوں کا مقابلہ کیا، خود بھی دین کی بھرپور خدمت واِشاعت کی اور ایسے افراد بھی تیار کیے جنھوں نے دُنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا سربلند کیا۔

اسلامی تاریخ کی عبقری شخصیات میں ایک حسین اور نمایاں نام قطب الاقطاب سید عبد القادر گیلانی علیہ الرحمہ کا ہے، جنھیں دُنیا غوثِ اعظم کے لقب سے جانتی ہے۔

حضور غوث الثقلین علیہ الرحمہ نے اسلام اور اسلامی علوم واقدار کی حفاظت واِشاعت کے لیے ایسی گراں قدر خدمات سرانجام دیں کہ علمی دُنیا سے تعلق رکھنے والے آپ کو "جلیل القدر عالم"، "بے مثال مدرس" اور "عظیم الشان مفتی" قرار دیتے ہیں... تصوّف و روحانیت میں ایسا مقام پایا کہ صوفیا آپ کو "قطب الاقطاب" و "غوثِ اعظم" تسلیم کرتے ہیں اور آپ سے نسبت کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں... سماجی و رفاہی خدمات کا یہ عالَم ہے کہ آپ کو اپنے وقت کا "سب سے بڑا سماجی راہ نما" کہنا بے جا نہیں... اگرچہ آپ زندگی بھر حکومتی عہدوں سے دُور رہے، مگر آپ کی تعلیمات و خدمات کا اسلامی سیاست پر اتنا گہرا اثر ہے کہ سلطان نور الدین محمود زنگی (م:1174ء) اور سلطان صلاح الدین ایوبی (م:1193ء) علیہما الرحمہ کی فتوحات، بالخصوص بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کروانے میں جن مجاہدین نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا وہ حضور غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کے تیار کردہ افراد ہی تھے۔[1]

شیخ عبد القادر گیلانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات ایسی عالی شان ہیں کہ آج کے دَور میں پائی جانے والی فکری و عملی خرابیوں سے نجات کے لیے بھی خوب راہ نمائی کرتی ہیں۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ دَورِ حاضر میں غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا دم بھرنے والے بھی آپ کی تعلیمات سے دُور ہیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے آپ کی کچھ تعلیمات کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے کتاب: هكذا ظهر جيل صلاح الدين وهكذا عادت القدس یا اِس کتاب کا ترجمہ بنام "عہدِ ایوبی کی نسلِ نَو اور القدس کی بازیابی"۔

غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

قطب الاقطاب، غوثُ الثَّقَلَین، محبوبِ سبحانی ابو محمد سید عبد القادر "مُحْیِ الدِّیْن"[1] گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یکم رمضان، 470ھ / 1078ء کو ایران کے صوبہ گیلان (جیلان) کے ایک نہایت علمی و مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت ابو صالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ پاک سے ہیں اور آپ کی والدہ اُمّ الخیر اَمَۃُ الْجَبَّار فاطمہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ یوں آپ نجیب الطرفین (حسنی، حسینی سید) ہیں۔

والدِ گرامی آپ کی کم عمری میں ہی وصال فرما گئے تھے۔ آپ 18 سال کی عمر تک گیلان میں ہی علمِ دین حاصل کرتے رہے، پھر والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر 488ھ میں بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور 9 سال تک بغداد میں اکابر اساتذہ سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے، ازاں بعد 25 سال تک عراق کے مختلف جنگلوں اور ویران مقامات پر عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں مشغول رہے۔[2]

حصولِ علم و زہد کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ عالی پر وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً 40 برس تک احیاءِ دینِ متین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کا وعظ سننے کے لیے اتنے افراد حاضر ہوتے کہ تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی، لوگ اسلام قبول کرتے اور گناہوں سے توبہ کر کے اپنی زندگی سنوارتے۔ آپ نے خود فرمایا: میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ ڈاکو، چور، فساق و فجار اور فسادی و بدعتی لوگوں نے توبہ کی۔

آپ کی تحریر کردہ کتابوں سے واضح ہے کہ آپ عقیدہ کے اعتبار سے پختہ سُنّی تھے اور عمر بھر اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی ترجمانی فرماتے رہے، جب کہ فقہی اعتبار سے آپ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مقلد تھے۔

دینی خدمات سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد 561ھ / 1166ء کو 91 برس کی عمر شریف میں آپ نے دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کیا۔ اور عراق کے شہر بغداد میں دفن ہوئے۔[3]

---

[1] اِس لقب کا درست تلفظ ایسے ہی ہے، اکثر لوگ اِسے مُحَیُّ الدِّیْن پڑھتے ہیں، جو فنی اعتبار سے صحیح نہیں۔

[2] اِس دَور میں سیاسی انتشار عروج پر تھا، حکمرانوں کی باہمی لڑائیوں کی وجہ سے انتظامی اور معاشی صورتِ حال ابتر تھی، اِس کے باوجود بغداد میں علماء و فضلا اور صوفیا کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

[3] بهجة الأسرار و معدن الأنوار، للشطنوفي، ذكر نسبه و صفته، ص:171، مؤسسة الشرف. الطبقات الكبرى للشعراني، أبو صالح سيدي عبد القادر الجيلي:248، ج:1، ص:178-186، دار الفكر

تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... بزرگانِ دین کی تعظیم

علمِ دین وہ عظیم الشان دَولت وسعادت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں عزتیں اور بلندیاں عطا فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ... "اللہ تعالیٰ تم میں سے (کامل) مومنوں اور علم والوں کے درجے بلند فرمائے گا۔" [المجادلۃ 11:58]

یوں ہی وہ پرہیز گار مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کی فرماں برداری کرکے اللہ تعالیٰ کا قُرب ووِلایت پالیتے ہیں، قرآن وسنت میں اُن کے بھی بہت سے فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں۔

دَورِ حاضر کا ایک خطرناک فتنہ یہ بھی ہے کہ دشمنانِ دین اور اُن کے کارندے علمائے حق اور اولیاء اللہ کے بارے میں بدزبانی کرکے کم علم اور ناپختہ ذہن والے مسلمانوں کو اُن سے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکابر کے لیے بطورِ توہین "بابوں" اور "بابے" جیسے الفاظ استعمال کرنے والے بھی دانشور کہلاتے ہیں اور لوگ اُن کی باتوں میں آجاتے ہیں۔

محبوبِ سبحانی علیہ الرحمہ نے اپنے عقیدت مندوں کی تربیت فرمائی کہ ہر مسلمان پر علمائے حق اور بزرگانِ دین کا دل سے احترام کرنا لازم ہے۔ ۷ ذوالقعدہ، ۵۴۵ھ کو آپ نے مدرسۂ قادریہ میں مجمعِ عام سے خطاب کرتے ہوئے علما اور اولیا سے بغض رکھنے والے بدنصیبوں کو سخت ڈانٹ پلائی اور فرمایا: يَا مُنَافِقُ! طَهَّرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْأَرْضَ مِنْكَ، مَا يَكْفِيْكَ نِفَاقُكَ! حَتّٰى تَغْتَابَ الْعُلَمَاءَ وَالْأَوْلِيَاءَ وَالصَّالِحِيْنَ بِأَكْلِ لُحُوْمِهِمْ۔ اے منافق! اللہ تعالیٰ تیرے وجود سے زمین کو پاک فرمائے، کیا تجھے تیرا نفاق کافی نہیں! (تیری بدتمیزی) یہاں تک (بڑھ گئی) کہ تُو علمائے حق، اولیاء اللہ اور نیکوں کی غیبت کرتا ہے!

پھر آپ نے سخت سزا کی وعید سنانے کے بعد فرمایا: لَا فَلَاحَ لِمَنْ لَا يُحْسِنُ ظَنَّهُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَبِعِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَيَتَوَاضَعُ لَهُمْ۔ لِمَ لَا يُتَوَاضَعُ لَهُمْ وَهُمُ الرُّؤَسَاءُ وَالْأُمَرَاءُ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں حُسنِ ظن نہ رکھے، اُس کے نیک بندوں سے متعلق اچھا گمان نہ کرے اور اُن کے لیے عاجزی نہ کرے وہ نجات نہیں پاسکتا۔ اُن کے لیے عاجزی کیوں نہ کی جائے، حالانکہ (حقیقت میں) وہی رئیس وامیر ہیں۔

مزید فرمایا: علمائے کرام اور اولیائے عظام کے سامنے تیری حیثیت کیا ہے؟ حق تعالیٰ نے نظامِ کائنات اُن کے سپرد فرمایا ہے، اُنہی کی برکت سے آسمان بارش برساتا ہے اور اُنہی کی برکت سے زمین غلہ اگاتی ہے۔[1] (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس:14)

---

[1] مَنْ أَنْتَ بِالْإِضَافَةِ إِلَيْهِمْ؟ اَلْحَقُّ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَلَّمَ الْحَلَّ وَالرَّبْطَ إِلَيْهِمْ، بِهِمْ تُمْطِرُ السَّمَاءُ وَتُنْبِتُ الْأَرْضُ۔

تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... شکوہ و شکایت سے اجتناب

انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نصیب ہوتی ہیں... جسمانی نعمتیں، رُوحانی عطائیں، خارجی نوازشات، اگر انسان یہ سب کچھ گننا چاہے تو اُس کی گنتی ختم ہو جائے گی، مگر اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار نہیں کر سکے گا۔

اِن احسانات کے ساتھ ساتھ بعض اوقات انسان پر بیماری، تنگ دستی، خوف اور پیاروں کی وفات وغیرہ مصیبتیں بھی آتی ہیں، حقیقت میں یہ بھی ربّ تعالیٰ کا احسان ہیں؛ کیونکہ اگر بندہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہے تو یہی مصیبتیں دُنیاوی اور اُخروی بھلائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں، مگر عموماً غیر تربیت یافتہ لوگ ایسی صورتِ حال میں گھبرا کر ایسے کام کرتے ہیں جو کسی "بندے" کو نہیں جچتے... ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہنے کے خلاف ہوتی ہیں... سب سے زیادہ خطرہ اُس وقت ہو جاتا ہے جب معاذ اللہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رِضا پر خوش رہنے کے خلاف کوئی بات پیدا ہوتی ہے، وہ اپنے رب کا گلہ / شکوہ کرنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اکتا جاتا ہے، اپنے مالک کی کسی بات کو بے جا سمجھ کر اُس پر اعتراض کرتا ہے، اِس طرح کے کلمات کہتا ہے کہ "مجھے مصیبت میں کیوں مبتلا کیا؟"، "یہ ناانصافی ہے"، "مصیبتوں کے لیے ہمارا گھر ہی نظر آیا تھا"، "نہ جانے اللہ ہماری کب سنے گا"، "اللہ میری تقدیر میں خوشیاں لکھنا بھول گیا" وغیرہ... ایسی کیفیت میں بہت مرتبہ کفریہ کلمات بھی منہ سے نکل جاتے ہیں۔

حضور غوث الثقلین علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "فُتُوْحُ الْغَیْب" کے اٹھارہویں مقالہ کا عنوان رکھا "اَلنَّهْیُ عَنِ الشَّكْوٰی" (شکوہ کی ممانعت)۔ اِس مقالہ میں آپ نے نہایت خوب صورت پیرائے میں یہ بات سمجھائی کہ انسان کو کسی بھی حالت میں اپنے ربّ کی تقدیر پر ناراض ہونا یا شکوہ کی معمولی سی بھی بات کرنا جائز نہیں۔

مقالہ کے آغاز میں تاکیدی نصیحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: لَا تَشْكُوَنَّ إِلٰى أَحَدٍ مَا نَزَلَ بِكَ مِنْ بَلَاءٍ، كَائِنًا مَّنْ كَانَ صَدِيْقًا أَوْ عَدُوًّا، وَلَا تَتَّهِمَنَّ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ فِيْمَا فَعَلَ فِيْكَ وَأَنْزَلَ بِكَ مِنَ الْبَلَاءِ، بَلْ أَظْهِرِ الْخَيْرَ وَالشُّكْرَ، فَكَذٰلِكَ يَظْهَرُ لَكَ الشُّكْرُ مِنْ غَيْرِ نِعْمَةٍ عِنْدَكَ خَيْرٌ مِّنْ صِدْقِكَ فِيْ إِخْبَارِكَ جَلِيَّةَ الْحَالِ بِالشَّكْوٰی۔ یعنی تم پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو بھی تکلیف یا مصیبت آئے، کسی دوست یا دشمن سے اُس کی شکایت نہ کرنا اور ربّ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش یا کسی بھی فعل پر اللہ سے بدگمانی نہ کرنا (یہ نہ سمجھنا کہ آزمائش وغیرہ میں مبتلا کر کے اللہ نے اچھا نہیں کیا اور تیرے حق میں بُرا ہو گا)، بلکہ ہمیشہ بھلائی اور شکر کا اِظہار کرنا (یہی کہنا کہ اللہ کا کرم ہے، مالک کا شکر ہے)۔ اگر تُو (اپنی کم عقلی کی وجہ سے) یہ سمجھا ہے کہ تیرے پاس کوئی نعمت نہیں اور شکر کرنا جھوٹ ہے، جب کہ شکوہ سچ ہے تو جسے تُو جھوٹ سمجھ رہا ہے یہ تیرے شکوہ کے سچ سے بہتر ہے۔

پھر ہر حال میں شکر کرنے کی وجہ سمجھاتے ہوئے فرمایا: مَنِ الَّذِیْ خَلَا مِنْ نِّعْمَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ اللهُ تَعَالٰی:

وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ [1] فَكَمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ عِنْدَكَ وَأَنْتَ لَا تَعْرِفُهَا۔ ایسا کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں میسّر نہ ہوں؟ اُس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ وہ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے "اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکو گے"، (نا سمجھ!) تجھے بے شمار ایسی نعمتیں بھی نصیب ہیں جنھیں تُو جانتا ہی نہیں۔

مزید فرمایا: كَيْفَ يُشْتَكٰى مِنْهُ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ وَخَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ حَكِيْمٌ خَبِيْرٌ، [2] رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، [3] لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ، [4] لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ، [5] وَلَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ، [6] .... هَلْ تُتَّهَمُ الْوَالِدَةُ الرَّحِيْمَةُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللّٰهُ أَرْحَمُ بِعَبْدِهٖ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا۔ [7] یعنی ربّ العالمین کا گلہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ وہ ارحم الراحمین ہے، خیر الحاکمین (سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا) ہے، بے پناہ حکمت و دانائی والا ہے، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے، مہربان ہے، ظلم نہیں کرتا.... کیا کوئی بندہ شفقت کرنے والی ماں کے بارے میں بدگمانی کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ ارشادِ نبوی کے مطابق وہ ماں سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ (بلکہ دوسری حدیثِ پاک کے مطابق پوری مخلوق کی شفقت و مہربانی کو اکٹھا کیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اُس کی کوئی نسبت نہیں، اُس کی رحمت کی تو انتہا ہی نہیں ہے۔ [8]) (فتوح الغیب، مقالہ نمبر: 18، صفحہ: 71، مؤسسۃ الشرف، لاہور)

اگر انسان مشکلات میں ملنے والے اجر و ثواب پر غور کرے اور تربیت یافتہ لوگوں کی سنگت اختیار کرے تو نہ صرف اُسے ذہنی سکون حاصل ہو، بلکہ چھوٹی سے چھوٹی آزمائش اور بڑی سے بڑی مصیبت اُس کے حق میں ڈھیروں بھلائیوں کا ذریعہ بن جائے۔

---

[1] ابراھیم 14:34

[2] ھود 11:1

[3] التوبۃ 9:117

[4] الحج 22:63 ولقمان 31:16

[5] الشوری 42:19

[6] اٰلِ عمران 3:182، الأنفال 8:51، الحج 22:10

[7] ولفظ الحدیث فی صحیح البخاری: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ «قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِّنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِيْ، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ: ﷺ أَتَرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔» (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5999)

[8] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا، وَأَخَّرَ اللهُ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَّرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔» (صحیح مسلم: 2752)
قَالَ الطِّيْبِيُّ -رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى- لَا نِهَايَةَ لَهَا، لَمْ يُرِدْ بِمَا ذَكَرَهٗ تَحْدِيْدًا..... (مرقاۃ المفاتیح)

تعلیماتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ... علمِ دین کی اِشاعت اور دینی اداروں کا قیام

غوث الثقلین علیہ الرحمہ کی زندگی میں ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر کا اکثر حصہ علمِ دین میں صرف کیا، پہلے مختلف علاقوں کا سفر کرکے اکابر سے علمِ دین حاصل کرتے رہے اور پھر اُس کی اِشاعت فرماتے رہے۔

بغداد شریف میں قاضی مُخَرِّمِی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم کی ترویج واِشاعت کے لیے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا، اُن کے بعد سرکار غوثِ اعظم علیہ الرحمہ اُس کے متولّی بنے۔ جب آپ کا وعظ سننے اور فیض پانے والوں کی تعداد میں بے پناہ اِضافہ ہوا تو آپ نے مدرسہ کی تعمیرِ نَو اور توسیع کا فیصلہ کیا، لوگ حسبِ توفیق مدرسہ کے لیے تعاون پیش کرتے، مال دار مال حاضر کرتے اور جن کے پاس مالی وُسعت نہیں تھی وہ اپنی طاقت کے مطابق خدمات پیش کرتے۔ یہ مدرسہ حضور غوث پاک کی نسبت سے "مدرسۂ قادریہ" مشہور ہوا۔

آپ نے اپنے عقیدت مندوں کے دلوں میں علمِ دین کی اِشاعت اور دینی اِدارے قائم کرنے کا جذبہ کیسے کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اِس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

مدرسۂ قادریہ کی تعمیرِ نَو کے دوران ایک غریب خاتون اپنے شوہر کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئی، اُس کا شوہر دہاڑی دار مزدور تھا، کہنے لگی: یہ میرے شوہر محترم ہیں، اِن کے ذمے میرا بیس دینار حق مہر باقی ہے، مَیں نے اِن سے کہا ہے کہ مَیں دس دینار مہر اِس شرط پر چھوڑتی ہوں کہ بقیہ دس دینار کے مطابق آپ مدرسہ کی تعمیر میں مزدوری کریں گے، ہم دونوں اِس بات پر راضی ہوگئے ہیں، اُس خاتون نے اِس حوالے سے تحریر بھی غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اُس شخص کو مدرسہ کی خدمت پر لگا دیا، چونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ غریب آدمی ہے اِس لیے اُسے ایک دن مزدوری عنایت فرماتے اور ایک دن اُجرت کے بغیر کام کرواتے (تاکہ اُس کا گزر بسر بھی ہوتا رہے اور مدرسہ کی خدمت بھی)۔ چنانچہ جب اُس نے پانچ دینار کے مطابق مزدوری کرلی تو آپ نے اُسے جانے کی اِجازت دی اور اُس کی بیوی کے ساتھ ہونے والے معاہدے کی تحریر بھی اُسے واپس فرمادی۔[1]

---

[1] إِنَّ مَدْرَسَةَ عَبْدِ الْقَادِرِ كَانَتْ لِلْقَاضِي الْمُخَرِّمِيِّ، فَلَمَّا فُوِّضَتْ إِلَى عَبْدِ الْقَادِرِ أَرَادَ أَنْ يُوَسِّعَهَا وَيَعْمُرَهَا، فَكَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَأْتُونَهُ بِشَيْءٍ فَشَيْءٍ إِلَى أَنْ عَمَرَهَا، فَاتَّفَقَ أَنَّ امْرَأَةً مِسْكِينَةً جَاءَتْ بِزَوْجِهَا، وَكَانَ زَوْجُهَا مِنَ الْفَعَلَةِ الرَّوْزَجَارِيَّةِ، وَقَالَتْ لِعَبْدِ الْقَادِرِ: هٰذَا زَوْجِي وَلِي عَلَيْهِ مِنَ الْمَهْرِ قَدْرَ عِشْرِينَ دِينَارًا، وَوَهَبْتُ لَهُ النِّصْفَ بِشَرْطِ أَنْ يَعْمَلَ فِي مَدْرَسَتِكَ بِالنِّصْفِ الْبَاقِي، وَقَدْ تَرَاضَيْنَا عَلَى هٰذَا، فَقَبِلَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَأَحْضَرَتِ الْمَرْأَةُ الْخَطَّ وَسَلَّمَتْهُ إِلَى عَبْدِ الْقَادِرِ، فَكَانَ يَسْتَعْمِلُ الزَّوْجَ فِي الْمَدْرَسَةِ، وَكَانَ يُعْطِيهِ يَوْمًا الْأُجْرَةَ وَيَوْمًا لَا يُعْطِيهِ، لِعِلْمِهِ بِأَنَّ الرَّجُلَ مُحْتَاجٌ فَقِيرٌ وَلَا يَمْلِكُ شَيْئًا، إِلَى أَنْ عَلِمَ أَنَّ الزَّوْجَ عَمِلَ بِخَمْسَةِ دَنَانِيرَ، فَأَخْرَجَ عَبْدُ الْقَادِرِ الْخَطَّ وَدَفَعَهُ إِلَى الزَّوْجِ وَقَالَ: أَنْتَ فِي حِلٍّ مِنَ الْبَاقِي۔

(الذيل على طبقات الحنابلة لابن رجب، وفيات المأة السادسة، رقم:144، ج:2، ص:191، مكتبة العبيكان)

غوث الثقلین علیہ الرحمہ نے 528ھ سے 561ھ تک تقریباً 33 سال خود دینی علوم کے اسباق پڑھائے۔ علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ، علمِ کلام اور اُصول وغیرہ کے اسباق کی تدریس فرمایا کرتے۔(زبدۃ الاسرار از شیخ محقق، ص:39)

آپ کی اپنے طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت بے مثال تھی۔ شیخ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ہم محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں پڑھنے کے لیے اُن کے پاس حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں: فَأَسْكَنَنَا فِيْ مَدْرَسَتِهٖ، وَكَانَ يُعْنِيْ بِنَا، وَرُبَّمَا أَرْسَلَ إِلَيْنَا ابْنَهٗ يَحْيٰى فَيُسْرِجُ لَنَا السِّرَاجَ، وَرُبَّمَا يُرْسِلُ إِلَيْنَا طَعَامًا مِنْ مَنْزِلِهٖ، وَكَانَ يُصَلِّي الْفَرِيْضَةَ بِنَا إِمَامًا... آپ نے ہمیں اپنے مدرسہ میں رہائش فراہم کی اور ہمارا بہت خیال فرماتے، کبھی اپنے شہزادے حضرت یحییٰ علیہ الرحمہ کو ہماری طرف بھیجتے تو وہ چراغ جلا کر روشنی کا انتظام کر دیتے، بعض اوقات اپنے دولت خانے سے ہمارے لیے کھانا بھجواتے اور فرض نمازوں کی خود امامت کرواتے تھے۔(سیر أعلام النبلاء، ج:20، رقم الترجمۃ:286)

لمحۂ فکریہ: علمِ دین کی اِشاعت اور دینی اداروں سے تعاون کے حوالے سے ہمارا رویہ بہت نامناسب ہے۔ ہم گیارہویں شریف دلانے کے لیے تو رقم خرچ کرتے ہیں، مگر گیارہویں والے پیر علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علمِ دین کی اِشاعت کے لیے مال پیش کرنے سے کتراتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: ایک آدمی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پیش کرنے کے لیے ہر ماہ یا ہر سال حلال مال سے کھانا پکوا کر تقسیم کرتا ہے، اگر وہ یہی رقم ایصالِ ثواب کی نیت سے ایک صحیح العقیدہ مستحق طالبِ علم کی دینی تعلیم پر خرچ کر دے تو کیا اُسے کھانا تقسیم کرنے جیسا ثواب ملے گا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے؟

امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ کے جواب کا خلاصہ ہے:

دینی تعلیم کے لیے مال پیش کر دینا کھانا کھلانے سے بہتر ہے اور کئی گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر آپ نے اِس پر بطور دلیل لکھا: اچھی نیت سے حلال مال خرچ کر کے کھانا کھلانے پر دس گنا ثواب ہے، قرآنِ حکیم فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ "جو ایک نیکی لائے تو اُس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔"[الانعام6:160]... جب کہ طالبِ علمِ دین کی مدد کرنے پر کم از کم سات سو گنا ثواب ملتا ہے، قرآن فرماتا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ "اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال "اللہ کی راہ" میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیاں اُگائیں، ہر بالی میں سَو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہے اِس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔"[البقرۃ2:261] علما نے فرمایا: "اللہ کی راہ" سے خصوصاً علمِ دین کے طلبہ مراد ہیں۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:305، 306، مسئلہ:153، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

حرفِ آخر... اُمّتِ مسلمہ کا امتحان اور مجاہدینِ بیت المقدس کی فضیلت

محبوبِ سبحانی شیخ عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دُنیا کی محبت سے دل کو آلودہ کرنے کے بجائے اُسے ربّ تعالیٰ کی محبت سے آباد کیا اور دُنیا جمع کرنے کے لیے محنت کرنے کے بجائے زندگی بھر دینِ اسلام کی ترویج واِشاعت کے لیے کوشش کی، چنانچہ باری تعالیٰ نے اُن کی کاوشوں کو قبول فرماتے ہوئے اُنھیں بے مثال شانِ محبوبیت سے نوازا، ہر دَور کے مسلمان بھی ٹوٹ کر اُن سے محبت کرتے ہیں اور خالقِ کائنات بھی اپنی شان کے مطابق اُن سے پیار فرماتا ہے۔

آپ کی دائمی مقبولیت و محبوبیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے تاج دارِ بریلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

تُو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تُو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
اُفقِ نور پہ ہے مہرِ ہمیشہ تیرا

غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کی مقبولیت و محبوبیت سے سبق ملتا ہے کہ جو اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور خادم بنے ربّ تعالیٰ اُسے دونوں جہان میں مخدوم و محبوب بنا دیتا ہے اور جو دین سے بے وفائی کرے اُسے دُنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہم دین کے وفادار ہیں یا نہیں؟ اِس کا جواب بیت المقدس اور غزہ کی موجودہ صورتِ حال پر غور کرنے سے مل جاتا ہے۔ 07 اکتوبر سے جاری اسرائیلی وحشیانہ بمباری میں اب تک سات ہزار کے قریب فلسطینی مسلمان شہید ہو چکے ہیں، جن میں 2700 بچے بھی شامل ہیں، 1700 افراد زخمی ہیں اور غزہ کی ناکا بندی کی وجہ سے خوراک اور پانی کی شدید قلت ہے، نیز ہسپتالوں میں سہولیات کی فراہمی بھی شدید متأثر ہے، جب کہ مسلم ممالک کی طرف سے فقط مذمتی بیانات دیے جا رہے ہیں اور عملی طور پر فلسطین کے ساتھ کوئی بھی کھڑا نظر نہیں آتا۔

دُنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر ظلم ہو تو حقیقت میں یہ تمام مسلمانوں کا امتحان ہوتا ہے کہ کون دین کی سربلندی اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لیے میدان میں آکر دشمنانِ اسلام کا راستہ روکتا ہے اور کون اپنے مفادات بچانے کی فکر میں دینی تقاضوں کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ اِس وقت فقط فلسطینی مسلمانوں کا نہیں، دُنیا بھر کے مسلمانوں کا امتحان ہے... تاہم فلسطینی اپنے امتحان میں کامیاب ہیں؛ کیونکہ وہ بے سر و سامانی کے باوجود اسرائیلی شیطانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں، جب کہ دیگر مسلمان اپنے امتحان میں کامیاب ہیں یا ناکام؟ اِس کا فیصلہ ہم خود کر سکتے ہیں۔

سورۂ محمد میں باری تعالیٰ نے جہاد کا حکم دینے کے بعد فرمایا: وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ۔ ”اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی اُن سے بدلہ لے لیتا، لیکن (وہ یہ چاہتا ہے کہ) تمھیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے۔“ [محمد 4:47] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں جہاد کا حکم نہ فرماتا، بلکہ اپنی قدرت سے دشمنانِ اسلام کو زمین میں دھنسا دیتا یا اُن پر پتھر برسا کر تباہ کر دیتا یا فرشتوں کو بھیج کر اُنھیں ہلاک کر دیتا، جیسا کہ پہلی کئی قوموں کو تباہ فرمایا... لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاد کا حکم دیا؛ اِس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ تمہارا امتحان لے، کہ تم اس کے راستے میں جہاد کرتے ہو یا نہیں؟

چند آیاتِ کریمہ کے بعد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ... ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔“ [محمد 7:47] میدانِ جنگ میں بھی ڈٹے رہو گے، اسلام پر بھی استقامت نصیب ہو گی اور پُل صراط پر بھی تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

آیاتِ کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِس وقت پوری اُمّتِ مسلمہ کا امتحان ہے، اگر اُمّت عملی طور پر اسلام، بیت المقدس اور اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر متحد ہو کر اسرائیل کے مقابلے میں کھڑی ہوتی تو وعدہ ہے کہ باری تعالیٰ مدد فرمائے گا اور ثابت قدمی نصیب ہو گی، لیکن ایسا نہ کرے تو اپنا نقصان ہے، فلسطینی مجاہدین کا نہیں۔

فلسطینی مجاہدین کی استقامت دیکھ کر ارشادِ نبوی یاد آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهٗ وَعَلٰى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهٗ، لَا يَضُرُّهُمْ خِذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ، ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ إِلٰى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ یعنی ”میری اُمّت کی ایک جماعت (شام کے شہر) دمشق کے دروازوں اور اُس کے ارد گرد، نیز بیت المقدس کے دروازوں اور اُس کے گرد اگرد جہاد کرتی رہے گی، اُن کی مدد نہ کرنے والوں کے ترکِ تعاون سے اُنھیں کوئی نقصان نہیں ہو گا، وہ قیامت کے قریب تک حق پر قائم رہتے ہوئے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔“
(مسند أبي يعلى، رقم الحديث: 6417۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد تحت الحديث: 16662: رجاله ثقات)

ایک طرف غزہ کی صورتِ حال پر مسلمان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، دوسری طرف پنجاب حکومت نے وزیرِ اعلیٰ پنجاب کی خصوصی ہدایت پر 28 اکتوبر تا 12 نومبر فیسٹیول 2023ء کا اعلان کیا ہے، جس میں مختلف تماشوں کا انعقاد ہو گا۔ اِس اعلان سے ایسا لگتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کو اُمّت کی کوئی فکر نہیں ہے۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۴۴۵ھ / 03 نومبر 2023ء

عزائم کو سینوں میں بیدار کردے

(مجاھدینِ غزوۂ ذی قَرَد رضی اللہ عنہم و محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتوں سے راہ نمائی)

مشمولات

- مسلمانوں کے عیبوں کی پردہ پوشی اور سیرتِ محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ
- حرام سے پرہیز اور سیرتِ محبوبِ اِلٰہی رحمۃ اللہ علیہ
- موجودہ حالات میں خودسپردگی کی ضرورت
- غزوۂ ذی قَرَد کا درس... خوفِ خدا اور غیرِ خدا سے بے خوفی
- غزوۂ ذی قَرَد کا درس... دُنیا سے بے رغبتی اور شوقِ شہادت
  - محبتِ دُنیا اور خوفِ موت میں مبتلا ہونے کی غیبی خبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ ۟ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ ؕ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَھۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۔ [التوبۃ9:111]

مسلمانوں کا "ماضی" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنا شان دار ہے کہ وہ بلا مبالغہ پوری دُنیا کے سامنے اپنے بزرگوں کی باتیں اور اُن کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں... جب کہ اُن کا "حال" ایسا بے حال ہے کہ اپنوں کے سامنے بھی اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے سر شرم سے جھک جاتا ہے؛ اِسی لیے ہر دَور میں اُمّت کا درد رکھنے والے مفکرین نے اپنے زمانے کے جوانوں کو یہ درس دیا کہ اپنا خوب صورت ماضی یاد کرو، اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلو اور نئی تہذیب کے جال میں نہ پھنسو۔

سال بھر کے مختلف ایّام کے ساتھ مسلم اکابرین کی حسین یادیں وابستہ ہیں، جن کے تذکرہ سے بلاشبہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور دَورِ حاضر میں پائی جانے والی خامیوں کو دُور کرنے کے لیے راہ نمائی ملتی ہے۔ ماہِ ربیع الآخر بھی ہمیں کئی باتیں یاد دلاتا ہے، مثلاً:

⟸ اِس ماہِ مبارک میں غزوۂ ذی قَرَد ہوا، جس میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان، بالخصوص سیدنا سَلَمَہ بن اَکْوَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرأت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

⟸ اِسی طرح آج، ۱۸ ربیع الآخر سلطان المشائخ، محبوبِ اِلٰہی خواجہ سید محمد نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا یومِ وصال ہے۔ آپ شیخِ شیوخِ عالَم، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و محبوب خلیفہ ہیں اور آپ کے ذریعے ربّ تعالیٰ نے لاکھوں لوگوں کو راہِ ہدایت عطا فرمائی ہے۔ اِس وقت دہلی میں آپ کا 720واں عرسِ مبارک جاری ہے۔

دَورِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کو اپنے بزرگوں کی حسین باتیں، قابلِ فخر کارنامے اور لائقِ تقلید کردار یاد کر کے اُسے اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے 30 اکتوبر، 1947ء کو لاہور میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: آپ کو صرف اپنے آباء و اَجداد کی طرح مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، آپ اُس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس کی تاریخ بہادری، شجاعت اور بلندیٔ کردار کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔[1] اور اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تُو — دَوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تُو

چنانچہ آج کے خطبہ میں حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے غزوۂ ذی قَرَد اور سیرتِ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] دیکھیے روزنامہ نوائے وقت، 15 ستمبر 2015ء، سلسلہ "قائدِ اعظم نے فرمایا"

مسلمانوں کے عیبوں کی پردہ پوشی اور سیرتِ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے دَور میں سوشل میڈیا کے ذریعے دوسروں کی توہین و تذلیل، طعن و تشنیع، عیب جوئی و بہتان تراشی اور کردار کُشی ایک فیشن بن گیا ہے۔ عمومی طور پر ہمارا مزاج مکھی کی طرح بنتا جارہا ہے، جو صاف جگہ چھوڑ کر گندگی پر بیٹھتی ہے۔ ہم اپنے عیبوں پر نظر رکھ کر اُنھیں دُور کرنے کے بجائے دوسروں کی چھپی ہوئی برائیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ربّ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا معمول ہمارے طریقے سے یکسر مختلف ہوتا ہے... دوسروں کے چھپے ہوئے عیب تلاش کرنا تو کجا! اُن کی عادت یہ ہوتی ہے کہ کسی کا عیب قدرتی طور پر معلوم ہو جائے تو اُس پر بھی پردہ ڈالتے ہیں اور یہ تربیت فرماتے ہیں کہ تم دوسروں کے عیب چھپاؤ، اِس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

سیرتِ محبوبِ الٰہی: خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی لوگوں کے عیبوں کی خوب پردہ پوشی فرماتے تھے۔

محبوبِ الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دَور میں جلال الدین خَلجی (م:1296ء) کے بعد سلطان علاء الدین خلجی (م:1316ء) بادشاہ بنا۔ ایک دن علاء الدین خلجی کا کوتوال (شاہی قلعہ کا سکیورٹی آفیسر) ملک علاء الملک حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ نے فرمایا: بادشاہ کے لیے اپنی رعایا کے حالات سے باخبر رہنا ضروری ہے، اگرچہ افسران اُسے صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہتے ہیں، مگر بہتر ہے کہ سلطان کو خود سے وہ باتیں معلوم ہوں جو افسروں کے علم میں نہیں۔ پھر آپ نے اپنا وہ رومال اُٹھایا جس سے وضو کرنے کے بعد اپنا چہرہ مبارک صاف کیا کرتے تھے۔ وہ رومال علاء الملک کو عطا کرکے فرمایا: یہ سلطان کو دے دینا اور کہنا کہ رات کو سوتے وقت اپنے چہرے پر ڈال لیا کرے۔ علاء الملک نے نہایت احترام سے وہ رومال وصول کیا، چوم کر سر پر رکھا اور اُلٹے قدم واپس چلا گیا۔

دوسرے دن علاء الملک حاضرِ خدمت ہوا اور بہت پریشان تھا۔ عرض کرنے لگا: رات کو سلطان نے آپ کا رومال چہرے پر ڈالا، کچھ دیر بعد مجھے بلوا بھیجا اور کہا: پورا ہندوستان میری آنکھوں کے سامنے ہے، مَیں نے دہلی کے ہر گھر کو اندر سے دیکھا ہے۔ پھر بادشاہ نے گھروں کی نشاندہی کرکے کہا کہ فلاں فلاں گھر میں فلاں فلاں مجرم ہے، اُن سب کو گرفتار کرکے سزا دو۔

چنانچہ میری گزشتہ رات جاگتے ہوئے گزری ہے اور پورے شہر میں تہلکہ مچ گیا ہے، لوگ سمجھ رہے ہیں کہ بادشاہ کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

یہ گفتگو سن کر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلال میں فرمایا: انسان غلط راستہ اختیار کرنے میں بہت جلد باز ہے۔ مَیں نے اُسے یہ رومال اِس لیے دیا تھا کہ وہ شہر کے مظلوموں اور مفلسوں سے باخبر ہو، مظلوموں کو ظلم و ستم سے بچائے اور غریبوں کی مفلسی دُور کرے،

مگر وہ اِس طرف توجہ کرنے کے بجائے لوگوں کے گناہوں سے پردہ اُٹھانے لگ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سَتَّارُ الْعُیُوب ہے، وہ اپنے بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے (بادشاہ کو بھی چاہیے کہ لوگوں کی پردہ پوشی کرے)۔

پھر علاء الملک سے فرمایا: فوراً بادشاہ کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو: اِس رومال کے ذریعے جو کچھ بھی معلوم ہو اُسے دل میں رکھے، کسی پر ظاہر نہ کرے اور اِس کے ذریعے صرف مظلوموں اور مفلسوں کی مدد کرتا رہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اتنا ظرف نہیں رکھتا؛ لہٰذا ذمہ دار افسران اپنے عملے کے ذریعے اُسے خبریں پہنچایا کریں۔ چنانچہ علاء الملک آپ کے حکم کے مطابق بادشاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اِس کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو وضو کی برکت سے غیبی حالات دکھاتا رہتا ہے، مگر وہ لوگوں کے عیب ظاہر نہیں کرتے اور زبان بند رکھتے ہیں، گویا دیکھنے کے باوجود اُنھوں نے دیکھا ہی نہیں، سننے کے باوجود سنا ہی نہیں اور جاننے کے باوجود اُنھیں کچھ معلوم ہی نہیں۔ (نظامی بنسری (راجکمار ہردیو کی ڈائری)، ص: 111، دوست پبلی کیشنز، ملخصًا)

تربیت: اِس واقعے سے محبوبانِ خدا کی شان بھی معلوم ہوتی ہے، جن کا رومال آنکھوں پر رکھنے کی یہ برکت ہے اُن کے اپنے علم کا عالَم کیا ہو گا!

سیدنا ابو سعید سعد بن مالک خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ؛ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ۔» ”مومن کی فراست سے ڈرو (اِس بات سے ڈرو کہ اللہ تعالیٰ اُسے مخفی اور پوشیدہ باتیں بتادے اور تمھیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے)؛ کیونکہ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: {اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔} ”بے شک اِس میں فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“ [الحجر 15:75]

(جامع ترمذی، حدیث: 3127)

نیز اِس واقعہ سے یہ تربیت بھی ملتی ہے کہ انسان کو دوسروں کے عیب تلاش کر کے اُن کا مذاق اُڑانے کے بجائے اپنی ذات کے عیب ڈھونڈ کر اُنھیں دُور کرنا چاہیے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ روایت کیا، جس میں یہ جملے بھی ہیں: طُوْبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ... یعنی ”اُس شخص کو مبارک ہو جو اپنے عیبوں کو تلاش کر کے اُنہیں دور کرنے میں اتنا مصروف ہے کہ اُس کی نظر لوگوں کے عیبوں پر پڑتی ہی نہیں۔“ (مسند البزار، حدیث: 6237)

دوسروں کی عیب جوئی سے متعلق ارشادِ ربانی ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ ”اور عیب نہ ڈھونڈو۔“ [الحجرٰت 49:12]

حرام سے پرہیز اور سیرتِ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن وسنت کی سینکڑوں نصوص میں اِس بات کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ مسلمان کو ہمیشہ حلال کمانا اور کھانا چاہیے، جب کہ حرام سے خود کو یوں بچانا چاہیے کہ جیسے انسان زہر سے پرہیز کرتا ہے۔

حرام کا دُنیا وآخرت میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ نقصان ہی نقصان ہے... حرام میں برکت ہوتی ہے نہ اُسے خرچ کرنے پر ثواب ملتا ہے... حرام کھانے والے کو ربّ تعالیٰ کی محبوبیت وقرب نصیب نہیں ہوتا... اُس کی دُعائیں ردّ کر دی جاتی ہیں اور وہ اعمالِ صالحہ کی لذت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

بزرگانِ دین کی سیرتوں میں حرام سے بچنے کی شان دار مثالیں ملتی ہیں۔ جب خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ گرامی خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے بعد دہلی واپس جارہے تھے کہ راستے میں بہت پیاس محسوس ہوئی، ہوا سخت گرم تھی اور دُور دُور تک پانی کا نام ونشان نہیں تھا۔ ایک عَلَوی صاحب نظر آئے تو اُن سے کہا: مجھے سخت پیاس لگی ہے، یہاں کسی جگہ پانی ہو گا؟ اُنھوں نے اپنے سامنے موجود ایک برتن کی طرف اِشارہ کر کے کہا: اِس میں سے پی لو۔ اُس برتن میں شراب تھی، آپ نے فرمایا: مَنْ ہَرگِز ایں نَخورَم۔ مَیں ہرگز یہ نہیں پیوں گا۔ اُنھوں نے کہا: یہاں دُور دُور تک پانی نہیں ملے گا، مَیں نے بھی پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہی اِسے لیا ہے، اگر یہ نہیں پیو گے تو تمہاری جان جاسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہَمیں خواہد بود کہ بخواہم مُرد، ہرچہ ہست می شود، کہ مَن دستِ شیخ گرِفتَہ اَم وَعَہد کردہ ام کہ مَن ہرگز ایں نَخورم۔ یعنی زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا نا کہ مَیں مر جاؤں گا! مَیں نے خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کی بیعت کی ہے اور اُن سے (شریعت کی پابندی کا) وعدہ کیا ہے (اب جان جاتی ہے تو چلی جائے، مگر) شراب نہیں پیوں گا۔ آپ یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے لاج رکھی اور کچھ فاصلے پر پانی مل گیا۔

(فوائد الفؤاد [فارسی]، مجلس:55، ص:345، ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز)

لمحۂ فکریہ: اِس وقت مسلمانوں کی عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ دُنیا کی محبت میں ہلکان ہوئے جاتے ہیں، مال بٹورنے کا کوئی ذریعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر ہر طرح سے مال جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ ”لوگوں پر وہ وقت بھی آئے گا جس میں (دین سے دُوری اور دُنیا کے لالچ کی وجہ سے) آدمی کو پرواہ نہیں ہو گی کہ مال حلال طریقے سے حاصل کیا یا حرام ذریعہ سے۔“ (صحیح بخاری، حدیث:2059)

بزرگ کہتے ہیں: لوگ کتنے کم عقل ہیں، ڈاکٹر کسی چیز کے بارے میں کہہ دے کہ یہ نقصان دہ ہے، اِس سے پرہیز لازم ہے، تو اُسے چھوڑ دیتے ہیں... مگر ربّ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دے کر اُن سے منع فرمایا ہے اُن سے نہیں بچتے!

غزوۂ ذی قَرَد کا درس... خوفِ خدا اور غیرِ خدا سے بے خوفی

مسلمان کو اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور دل میں یہ خوف ہونا چاہیے کہ ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔

خوفِ خدا پر بہت سے انعامات نصیب ہوتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ربِّ کریم اُسے دُنیا و آخرت کے ہر خوف و غم سے آزاد فرما دیتا ہے۔

بزرگانِ دین، بالخصوص صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دلوں میں خوفِ خدا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ دیگر چیزوں سے ایسے بے خوف تھے کہ اُن کے واقعات پڑھنے، سننے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

غزوۂ ذی قَرَد: ماہِ ربیع الآخر، 6ھ میں ہونے والا غزوۂ ذی قَرَد[1] بھی غیرِ خدا کا خوف نہ ہونے کی شان دار مثال ہے۔

اِس غزوہ کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ سے کچھ فاصلے پر ایک چراگاہ میں رسولِ مکرم ﷺ کی شیر دار (دُودھ دینے والی) اُونٹنیاں چرتی تھیں۔ ایک صاحب اُن کی نگہبانی پر مقرر تھے، وہ شام کو اُن کا دودھ مدینہ منورہ میں لاکر بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے تھے۔

ایک رات کو عُیَیْنَہ بن حِصن نے اپنے قبیلہ غَطَفان کے دیگر کچھ سواروں کے ہمراہ اچانک وہاں ڈاکا ڈالا، نگہبانی پر مقرر صاحب کو شہید کر دیا اور اُونٹنیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سیدنا سَلَمَہ بن اَکْوَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ فجر سے پہلے اپنے گھر سے نکلے تو اُنھیں اِس کی خبر ملی، اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے غلام سیدنا رَبَاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دینے کے لیے بارگاہِ نبوی کی طرف روانہ کیا اور اُس دَور کے طریقہ کار کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لیے بلند آواز سے تین مرتبہ یہ نعرہ لگایا: "یَا صَبَاحَاہْ"، پھر لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کیے بغیر اکیلے ہی پیدل ڈاکوؤں کے تعاقب میں دَوڑ پڑے۔ آپ ماہر تیر انداز تھے اور اتنا تیز دوڑتے تھے کہ گھوڑا بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحوں میں ڈاکوؤں کے قریب پہنچ گئے اور اُن پر تیر برسانا شروع کر دیے، وہ تمام نبیِ کریم ﷺ کے اِس شیر کا مقابلہ نہ کر سکے اور لوٹی ہوئی تقریباً سبھی اُونٹنیوں کو وہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔[2]

---

[1] غزوۂ ذی قَرَد یا غزوۃ الغابہ کے وقتِ وقوع میں اختلاف ہے، تاہم مشہور مؤرخ علامہ واقدی کی رائے کے مطابق یہ ربیع الآخر، 6ھ کو ہوا۔ أَغَارَ عُيَيْنَةُ لَيْلَةَ الْأَرْبِعَاءِ لِثَلَاثٍ خَلَوْنَ مِنْ رَبِيعٍ الْآخِرِ سَنَةَ سِتٍّ۔ (المغازی للواقدی، ج:2، ص:537، دار الأعلمی)

[2] عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ يَقُوْلُ: خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُّؤَذَّنَ بِالْأُوْلٰى، وَكَانَتْ لِقَاحُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم تَرْعٰى بِذِيْ قَرَدٍ، قَالَ: فَلَقِيَنِيْ غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَالَ: أُخِذَتْ لِقَاحُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. قُلْتُ: مَنْ أَخَذَهَا؟ قَالَ: غَطَفَانُ، قَالَ: فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ: يَا صَبَاحَاهْ، قَالَ: فَأَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ، ثُمَّ انْدَفَعْتُ عَلٰى وَجْهِيْ حَتّٰى أَدْرَكْتُهُمْ وَقَدْ أَخَذُوْا يَسْتَقُوْنَ مِنَ الْمَاءِ، فَجَعَلْتُ أَرْمِيْهِمْ بِنَبْلِيْ، وَكُنْتُ رَامِيًا، وَأَقُوْلُ: "أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعْ... وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعْ" وَأَرْتَجِزُ، حَتّٰى اسْتَنْقَذْتُ اللِّقَاحَ مِنْهُمْ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:4194)

سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ نے اُن کا تعاقب جاری رکھا... کوئی گھڑ سوار آپ کی طرف بڑھتا تو آپ درخت کے پیچھے چھپ کر اُس کی طرف تیر پھینکتے اور اُس کا کام تمام کر دیتے، اگر وہ کسی پہاڑ کے درمیان تنگ جگہ پر چھپنے کی کوشش کرتے تو آپ پہاڑ کے اُوپر چڑھ کر اُن پر پتھر برساتے، حتّٰی کہ اُنھوں نے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس نیزے بھی پھینک دیے؛ تاکہ اُن کا بوجھ ہلکا ہو اور وہ مزید تیز رفتاری سے بھاگ سکیں۔[1] ایک جگہ پر اُنھوں نے چار افراد کو بھیجا؛ تاکہ وہ آپ کو شہید کر دیں، وہ قریب پہنچے تو آپ نے اُنھیں دھمکی دی، چنانچہ وہ ڈر کر واپس بھاگ گئے۔[2]

دوسری طرف نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان بھی پہنچنے لگے، سب سے آگے سیدنا اَخرم (مُحرز) اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اِس غزوہ میں صرف اِنہی کو شہادت نصیب ہوئی، اِن کے بعد سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے، اُنھوں نے سیدنا اخرم رضی اللہ عنہ کے قاتل کو مار ڈالا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ بھی پہنچ گیا۔

دشمن بھاگ چکے تھے، چنانچہ اُن کے ساتھ لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ جب مدینہ منوّرہ کی طرف واپسی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں سے دو گنا حصہ عنایت کیا... گھڑ سوار کا بھی اور پیادہ کا بھی، نیز اپنی اُونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور یہ بھی فرمایا: كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُوْ قَتَادَةَ وَخَيْرَ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ۔ یعنی "(اِس غزوہ میں) ہمارا بہترین گھڑ سوار ابو قتادہ ہے اور بہترین پیادہ (پیدل چلنے والا) سلمہ ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث:1807)

تربیت: غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جرأت و بہادری کی ایسی مثال کوئی نہیں پیش کر سکتا! اُن کے دل خوفِ خدا سے ایسے لبریز ہوتے ہیں کہ کسی اور خوف کی گنجائش ہی نہیں رہتی... ڈاکوؤں کی جماعت کے خلاف اکیلے، بغیر سواری کے نکلنا... اُنھیں بھگانا... لوٹا ہوا مال چھین لینا، بلکہ مالِ غنیمت بھی پانا... جان سے مارنے کے لیے آنے والے مسلح لوگوں کو محض دلیری سے دھمکی لگا کر بھگا دینا... یہ سب غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں ہیں۔ موجودہ دَور میں اِس بے مثال جذبہ کے وارث دیکھنے ہوں تو حماس کے مجاہدین ہیں، جنھوں نے مسلم ممالک کے بے حس حکمرانوں کی پرواہ کیے بغیر طاقت کے نشے میں اندھے یہودیوں کو نہ صرف للکارا، بلکہ انجام سے بے خوف ہو کر اب بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

---

[1] قال سيدنا سَلَمَةُ: فَوَاللهِ! مَا زِلْتُ أَرْمِيهِمْ وَأَعْقِرُ بِهِمْ، فَإِذَا رَجَعَ إِلَيَّ فَارِسٌ أَتَيْتُ شَجَرَةً فَجَلَسْتُ فِي أَصْلِهَا، ثُمَّ رَمَيْتُهُ فَعَقَرْتُ بِهِ، حَتَّى إِذَا تَضَايَقَ الْجَبَلُ دَخَلُوا فِي تَضَايُقِهِ، عَلَوْتُ الْجَبَلَ فَجَعَلْتُ أُرَدِّيهِمْ بِالْحِجَارَةِ۔ قَالَ: فَمَا زِلْتُ كَذٰلِكَ أَتْبَعُهُمْ حَتَّى مَا خَلَقَ اللهُ مِنْ بَعِيرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَّا خَلَّفْتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِي وَخَلَّوْا بَيْنِي وَبَيْنَهُ، ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَرْمِيهِمْ حَتَّى أَلْقَوْا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِينَ بُرْدَةً وَثَلَاثِينَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّونَ، وَلَا يَطْرَحُونَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ، يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ... (صحيح مسلم، رقم الحديث: 1807)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث: 1807

غزوۂ ذی قَرَد کا درس... دُنیا سے بے رغبتی اور شوقِ شہادت

ربّ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ اُس کا بندہ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا سے دل نہ لگائے... دُنیا صرف ضرورت پوری کرنے کی حد تک ہو، دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت سے معمور رہے؛ کیونکہ دُنیا کی محبت ایسی بیماری ہے کہ جو شخص اِس میں مبتلا ہو جائے وہ نہ صرف اپنا سُکون گنوا بیٹھتا ہے، بلکہ بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار گناہوں میں بھی پھنس جاتا ہے... اِس کے برعکس جس خوش نصیب کا دل دُنیا کی محبت سے پاک ہو جائے وہ نہایت پُر سکون بھی ہوتا ہے، موت سے بے خوف ہو کر جذبۂ شہادت سے سرشار بھی ہوتا ہے اور اُس کے حُسنِ کردار کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُسے اپنا محبوب بھی بنالیتا ہے۔

سیدنا اخرم کا شوقِ شہادت: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دار کامیابیوں کا ایک راز یہ بھی تھا کہ اُن کے دل دُنیا کی محبت سے پاک تھے اور جذبۂ شہادت سے سرفراز تھے۔

غزوۂ ذی قَرَد میں صرف سیدنا اَخرم (مُحرز) رضی اللہ عنہ کو درجۂ شہادت نصیب ہوا، آپ کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ اِس غزوہ کے مرکزی مجاہد سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آنے والے مجاہدین میں سب سے پہلے سیدنا اخرم رضی اللہ عنہ پہنچے، مَیں نے اُن کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا: احتیاط کیجیے! رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے پہنچنے کا انتظار کیجیے۔ اُنھوں نے کہا: يَا سَلَمَةُ! إِنْ كُنْتَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَعْلَمُ أَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ، فَلَا تَحُلْ بَيْنِي وَبَيْنَ الشَّهَادَةِ۔ یعنی اے سلمہ! (مَیں شوقِ شہادت میں بے تاب ہوں) آپ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ کو یقین ہے کہ جنت اور جہنم حق ہیں، چنانچہ میرے اور شہادت کے درمیان رکاوٹ نہ بنیے (مجھے اکیلے ہی جانے دیجیے، مَیں جامِ شہادت پینا چاہتا ہوں)۔ وہ آگے بڑھے، ربّ تعالیٰ نے اُن کی بے تابی کی لاج رکھی اور شہادت سے نواز دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1807)

مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

بِنا کردند خوش رسمے بَخون و خاک غلطیدن
خُدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(اللہ تعالیٰ اِن پاک فطرت عاشقوں پر رحمت فرمائے، اِنھوں نے خاک اور خون میں تڑپنے کی بہت اعلیٰ رسم ایجاد کی ہے)

سیدنا اخرم (محرز) رضی اللہ عنہ کے شوقِ شہادت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُنھوں نے ایک رات پہلے دیکھا تھا کہ اُن کے لیے آسمان کا دروازہ کھولا گیا، وہ اُس میں داخل ہوئے، دوسرے آسمان تک پہنچے تو اُس کا دروازہ بھی کھولا گیا، حتّٰی کہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو اُن سے فرمایا گیا: هٰذَا مَنْزِلُكَ۔ یہ آپ کا مقام ہے۔ اُنھوں نے خلیفۂ اول بلافصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا: أَبْشِرْ بِالشَّهَادَةِ۔ آپ کو شہادت کی خوش خبری ہو۔[1]

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

دو عالَم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

لمحۂ فکریہ: صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی کامیابیوں کا ایک راز یہ بھی تھا کہ اُن کے دل دُنیا کی محبت سے پاک اور شوقِ شہادت سے معمور تھے اور ہمارے زوال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل دُنیا کی محبت سے آلودہ اور موت کے خوف سے چُور ہیں۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْآكِلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا۔ ”قریب ہے کہ قومیں (دشمنانِ اسلام) تمہارے خلاف اتحاد کر لیں / ایک دوسرے کو تمہارے مقابلے کے لیے یوں دعوت دیں جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو پیالے کی طرف دعوت دیتے ہیں۔“ کسی نے عرض کی: کیا ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایسا ہو گا؟ ارشاد فرمایا: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ۔» بلکہ اُس وقت تمہاری تعداد بہت ہو گی، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو گے (جیسے جھاگ دکھائی دیتا ہے، مگر اُس کی قدر نہیں ہوتی، ایسے ہی تم بھی بزدلی، نااتفاقی اور آرام طلبی وغیرہ کی وجہ سے تعداد زیادہ ہونے کے باوجود بے قدر ہو جاؤ گے)، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں وَہن (کمزوری / ضُعف) پیدا ہو جائے گا۔ کسی نے پوچھا: ”وہن“ کی وجہ کیا ہو گی؟ فرمایا: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔» ”دُنیا کی محبت اور موت کا خوف۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث: 4297)

اِس وقت ہم غزہ، کشمیر اور دیگر جنگ زدہ اسلامی ممالک کی صورتِ حال کو دیکھیں تو رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک کی سچائی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہود و نصاریٰ متحد ہو کر غزہ پر حملہ آور ہیں اور مسلمان اپنی مستیوں میں مگن فقط مذمت کر رہے ہیں۔

---

[1] قَالَ سيدُنا أَخْرَمُ مُخْرِزُ بْنُ نَضْلَةَ رضی الله عنه: رَأَيْتُ سَمَاءَ الدُّنْيَا أُفْرِجَتْ لِي حَتَّى دَخَلْتُهَا، حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، ثُمَّ انْتَهَيْتُ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، فَقِيلَ لِي: هٰذَا مَنْزِلُكَ۔ فَعَرَضْتُهَا عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَكَانَ أَعْبَرَ النَّاسِ۔ فَقَالَ: أَبْشِرْ بِالشَّهَادَةِ! فَقُتِلَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِيَوْمٍ۔ (الطبقات الكبرى، ج:3، ص:71، دار الكتب العلمية)

حرفِ آخر... موجودہ حالات میں خود سپردگی کی ضرورت

انسان کی جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور جن چیزوں کو انسان اپنی چیزیں کہتا ہے یہ بھی ربّ تعالیٰ کی ہی ملک ہیں۔ جو خوش نصیب اِس حقیقت کو سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے وہ "محبوبِ الٰہی" و "سلطان المشائخ" بن کر دونوں جہان میں عزت پاتا ہے... اور جو اپنے دل میں دُنیا کی محبت بسا کر احکامِ الٰہیہ سے غافل ہو جائے اُس کا حال وہی ہوتا ہے جو اِس وقت اُمت کا ہے۔

ربّ تعالیٰ نے ایمان والوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ "بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو سودا تم نے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔" [التوبۃ 9:111]

آج کے خطبہ میں شیخِ شیوخِ عالم خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ نظام الدین سید محمد محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے 720ویں عرسِ مبارک کی مناسبت سے آپ کی فقط دو خوبیوں کا تذکرہ ہوا: مسلمانوں کے عیبوں کی پردہ پوشی اور حرام سے پرہیز... ہمیں بھی چاہیے کہ دوسروں کے عیب تلاش کرنے کے بجائے اپنے عیب ڈھونڈیں اور خود کو سنوارنے کی کوشش کریں، نیز اپنے پیٹ کو حرام سے یوں بچائیں جیسے زہر سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

نیز خطبہ میں ربیع الآخر میں ہونے والے غزوۂ ذی قَرَد میں سیدنا سَلَمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری اور سیدنا اخرم رضی اللہ عنہ کے شوقِ شہادت کا تذکرہ ہوا۔ اسرائیلی فوج کی طرف سے غزہ پر وحشیانہ بمباری کو ایک ماہ مکمل ہونے والا ہے، اب تک تقریباً 9,000 نہتے مسلمان شہید ہو چکے ہیں، 20,000 سے زیادہ افراد زخمی ہیں اور تقریباً ایک لاکھ افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُمّتِ مسلمہ نے فلسطینی بھائیوں سے کیا تعاون کیا ہے؟ اسرائیلی درندوں کا راستہ روکنے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں؟ حماس کے مجاہدین، جو مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت اور اسرائیل کا ناجائز قبضہ ختم کروانے کے لیے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسرائیل سے لڑ رہے ہیں، اُن کی حمایت میں کیا کچھ کیا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ مذمتی قراردادیں پاس کی ہیں۔ اِس بے حسی کی بنیادی وجہ دُنیا کی محبت اور اپنے مفادات کا تحفظ ہے۔ اقبال نے بارگاہِ الٰہی میں آرزو کی تھی:

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے — نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے!

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۴۵ھ / 10 نومبر 2023ء

موبائل فون
کا استعمال اور شرعی تقاضے

مشمولات

- نت نئی ایجادات اور تسخیرِ کائنات
- تمام حقوق کی ادائیگی
- نقصانات سے بچنے کے لیے شرعی تقاضوں پر عمل کی ضرورت
- عقائدِ حقہ پر استقامت
- بے حیائی و بد نگاہی سے اجتناب
- فون کے استعمال سے متعلق اہم اُمور اور جہاد کی ضرورت
- جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے اجتناب
- وقت کے ضیاع سے اجتناب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالۡخَیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡھَا وَزِیۡنَۃً ؕ وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ [النحل16:8]

وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔ [الجاثیۃ45:13]

اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات میں بے شمار اشیا کو پیدا فرمایا... کچھ ہمارے علم میں ہیں اور بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود لاتعداد چیزیں ایسی بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ فقط اِس کائنات کی بات ہے، نہ جانے اُس نے کتنے جہان پیدا فرمائے اور وہی جانتا ہے کہ ہر جہان میں کیا کچھ موجود ہے!

باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنی کچھ مخلوقات کا تذکرہ کر کے ارشاد فرمایا: وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ ”اور وہ (مزید) ایسی چیزیں پیدا فرمائے گا جو تمہیں معلوم نہیں۔“ [النحل16:8] ہم بے شمار ایسی نئی ایجادات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں جو نزولِ قرآنِ مجید کے وقت موجود نہیں تھیں، بعد میں باری تعالیٰ نے انسان کو وہ چیزیں بنانے کی صلاحیت عطا کر کے اُنھیں پیدا فرمایا اور اِس شانِ قدرت کا آنے والے اوقات میں بھی اِظہار ہوتا رہے گا... ہر دَور میں ایسی نئی چیزیں بنتی رہیں گی جن کا پچھلے زمانے والوں کو تصور بھی نہیں تھا۔

یہ بھی ربّ تعالیٰ کا اِحسان ہے کہ اُس نے جسامت میں انسان سے کئی گنا بڑی اور طاقت و قوّت میں کہیں زیادہ چیزوں کو پیدا فرما کر چھوٹے اور کمزور سے ”انسان“ کے کام میں لگا دیا ہے۔ اِس احسانِ عظیم کا قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر ذکر ہے، ایک آیتِ کریمہ میں یوں ارشاد ہے: وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔ ”اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے سب کو اپنی طرف سے تمہارے کام (فائدے) میں لگا دیا ہے، بے شک اِس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔“ [الجاثیۃ45:13]

ماضی قریب میں ہونے والی جن ایجادات سے دُنیا بھر کے انسان بہت زیادہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اُن میں سے ایک موبائل فون (Mobile phone) / سیل فون (Cell phone) بھی ہے۔ 1973ء میں ہونے والی اِس ایجاد نے فقط پچاس سال میں اِس قدر ترقّی کی کہ اب یہ بے شمار سہولتوں سے آراستہ ہے اور زندگی کا اہم جزو بن چکا ہے... ہر طبقہ کے لوگ، حتّٰی کہ بچے بھی اِس کے بغیر نہیں رہ پاتے۔

بلاشبہ موبائل فون کے بے شمار فوائد ہیں، مثلاً: اِس کے ذریعے نہایت آسانی سے باہمی رابطہ رہتا ہے، دفتر / کاروبار کو بہتر طریقے سے چلانے میں بھی معاون ہے اور علمی ترقّی کے لیے بھی مددگار ہے، مگر ظاہر ہے کہ کسی بھی چیز کا غلط استعمال کیا جائے تو وہ نقصان دہ بن جاتی ہے۔ افسوس کہ ہمارے دَور میں اکثر لوگ، بالخصوص نوجوان طبقہ موبائل فون کا غلط استعمال کرتا ہے، جس کی وجہ سے بے شمار فوائد کے باوجود یہ ایک نقصان دہ ایجاد بنتی جا رہی ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں موبائل فون کے استعمال سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

نقصانات سے بچنے کے لیے شرعی تقاضوں پر عمل کی ضرورت

ربّ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو انسان کے لیے فائدہ مند بنایا ہے، مگر انسان بہت سی اشیا کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ فائدہ مند چیز نقصان دہ بن جاتی ہے۔

ہم دیگر مخلوقات کو چھوڑ کر اپنے اعضا پر ہی غور کریں تو بہت آسانی سے بات سمجھ آجائے گی... مثلاً ہمیں آنکھیں عطا ہوئیں، اِن کی قدر کسی نابینا سے پوچھیے! یا چند لمحوں کے لیے فرض کیجیے کہ اگر یہ عطا نہ ہوتیں تو کیا بیتتی! اب اگر ہم اِن کو صحیح طریقے سے استعمال کریں تو نہ صرف بے شمار دُنیاوی فائدے اُٹھا سکتے ہیں، بلکہ یہ اُخروی کامیابی کا سبب بھی بن سکتی ہیں اور اِن کے ذریعے باری تعالیٰ کا دیدار بھی نصیب ہو گا... لیکن اگر خدانخواستہ اِن کا غلط استعمال کریں تو نہ صرف کئی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو گا، بلکہ بے شمار گناہوں کا بوجھ بھی سر پر آئے گا اور معاذ اللہ باری تعالیٰ کو بھی ناراض کر بیٹھیں گے۔

اِس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھ لیجیے! جیسے اپنے اعضا کا غلط استعمال نقصان کا ذریعہ بن جاتا ہے ایسے ہی دیگر نعمتوں کا غلط استعمال بھی خرابیوں کا باعث بن جاتا ہے۔

ربّ تعالیٰ نے انسان پر یہ احسان بھی فرمایا ہے کہ اُسے دیگر مخلوقات سے فائدہ اُٹھانے اور اُن کے نقصانات سے بچنے کے لیے عقل سے نوازا ہے، پھر مزید یہ انعام بھی فرمایا کہ عقل کی راہ نمائی کے لیے شریعت عطا فرمائی ہے۔ انسان کی اپنی عقل اُسے مختلف چیزوں کے فوائد و نقصانات سے آگاہ کرتی ہے اور اگر کہیں عقل غلطی کرے تو دین و شریعت سے اچھے اور بُرے کی پہچان ہو جاتی ہے۔

کسی بھی چیز سے نقصان تب ہوتا ہے جب انسان شیطان کے بہکاوے میں آکر اور خواہشات کے جال میں پھنس کر شریعت و عقل کے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال دیتا ہے۔ اگر ہم دینِ اسلام کے احکام پر عمل کرتے اور اپنے مفادات کی خاطر شریعت کے تقاضوں کو پسِ پُشت نہ ڈالتے تو آج عالمی سطح پر مسلمانوں کا خون اتنا سستا ہوتا نہ ہی ہمارے آپس کے معاملات اِس طرح بگڑے ہوتے۔

فون کا معاملہ بھی اِسی طرح کا ہے... اگر انسان بے عقل نہ بنے اور شریعت کے تقاضوں کو نہ بھولے تو بلاشبہ یہ حد درجہ مفید چیز ہے، لیکن اگر "میرا فون، میری مرضی" والی بات ہی رہی تو آنے والے دَور کے حالات آج سے بھی زیادہ خطرناک ہوں گے۔

ہمیں مسلمان ہونے کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اپنی زندگی کا اُصول بنالینا چاہیے کہ موبائل فون کا استعمال ہو یا کوئی اور کام... بہر حال ہمیں شریعت پر عمل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ شرعی تقاضوں کو تبھی پورا کر پائیں گے جب اُن کا علم ہو گا، چنانچہ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ قرآن و سنت کے اُصولوں سے موبائل فون / سیل فون کو استعمال کرنے کے بارے میں کیا ہدایات ملتی ہیں۔

شرعی تقاضا... بے حیائی و بد نگاہی سے اجتناب

ہمارے دَور میں فحاشی و بے حیائی پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارا فون ہے، کوئی بھی شخص بغیر کسی بڑی رقم کو خرچ کیے فحاشی پر مشتمل کوئی ویڈیو، تصویر یا تحریر سوشل میڈیا پر ڈال سکتا ہے، بلکہ بعض بدبختوں نے تو اِسے کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

فحاشی پھیلانے کا انجام: ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“[النور 24:19] مفسرینِ کرام نے لکھا کہ فحاشی پر مشتمل تحریریں لکھنے اور پھیلانے والے، حیاسوز تصاویر یا ویڈیوز بنانے اور نشر کرنے والے... خواہ وہ فلموں / ڈراموں کی صورت میں ہوں یا کاروباری اشتہارات کی صورت میں... سب کو اِس آیت سے سبق لیتے ہوئے دُنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

گناہِ جاری کا انجام: انسان اگر کوئی ایسا اچھا کام کرے جس کا فائدہ تادیر ہو تو اُس کی وفات کے بعد بھی اُس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اِسے صدقۂ جاریہ کہا جاتا ہے... یوں ہی اگر انسان ایسی برائی کرے جس کی نحوست تادیر ہو تو اُس کے مرنے کے بعد بھی اُس کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھے جاتے ہیں، اِنھیں گناہِ جاری کہا جاتا ہے۔ موبائل فون کو بے حیائی کے لیے استعمال کرنا گناہِ جاری ہے اور ایسا کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جتنے لوگ اُس کی وجہ سے بدنگاہی یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے اُن سب کے گناہوں کے برابر اِسے بھی گناہ ملے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لِیَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَہُمۡ کَامِلَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۙ وَ مِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِیۡنَ یُضِلُّوۡنَہُمۡ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ ۔ ”تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اُٹھائیں اور ان لوگوں کے کچھ بوجھ بھی اُٹھائیں جنہیں وہ بغیر علم گمراہ کر رہے ہیں، سنو! یہ کیا ہی بُرا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔“[النحل 16:25]

بدنگاہی اور اُس سے بچنے کی فضیلت: انسان کی عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و رحمت سے خود کو کنٹرول نہ کرے تو شیطانی اثرات کے سبب وہ بہت جلد غیر اخلاقی سرگرمیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی صورتِ حال ہماری بھی ہے... سمارٹ فون کا بے دریغ استعمال کرنے والے صرف ایک دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ بدنگاہی کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں!

شریعتِ مطہرہ نے نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ رازدارِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سیدنا حُذیفہ بن یمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ارشادِ نبوی روایت کیا: «اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ مَسْمُوْمَةٌ، فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللهِ أَثَابَهُ جَلَّ وَعَزَّ إِيْمَانًا يَّجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ۔» یعنی ”بدنگاہی شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے بدنگاہی چھوڑ دے اللہ عزّ و جلّ اُسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا کہ بندہ اپنے دل میں اُس ایمان کی مٹھاس پالے گا۔“(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7875)

شرعی تقاضا... جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے اجتناب

جھوٹ، غیبت، چُغلی، مسلمانوں کی عزت اُچھالنا، اُن کے درمیان نفرتیں ڈالنا اور بلاوجہ اُنھیں تکلیف دینا... یہ سب ایسے کبیرہ گناہ ہیں جن سے شریعتِ مطہرہ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، مگر فون کا غلط استعمال کرنے والے اُس کے ذریعے نہ صرف اِن تمام گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، بلکہ جانے اَن جانے میں اِن جرائم کو فروغ دینے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ مثلاً:

- ہوتے کسی اور جگہ ہیں، مگر فون پر جھوٹ بولتے ہیں کہ فلاں جگہ ہوں۔
- طویل کالز یا چیٹ میں کوئی ضرورت کی بات کرنے کے بجائے دوسروں کے اخلاق و کردار پر تبصرے کرکے اور اُن کے عیب ظاہر کرکے غیبت اور چغلی وغیرہ کرتے ہیں۔
- دوسروں کی اِجازت کے بغیر اُن کی تصویر یا ویڈیو بنا کر یا اُن کی وائس کو ریکارڈ کرکے بلیک میل کرتے ہیں یا اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔
- سنی سنائی باتیں شیئر کرتے ہیں، حتّٰی کہ بغیر تحقیق کیے قرآن وسنت کی طرف جھوٹ منسوب کر دیتے ہیں۔

جھوٹ، منافقت کی نشانی: سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (صحیح بخاری، حدیث:34) یعنی "جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ (عمل کے اعتبار سے) پکا منافق ہے اور جس شخص میں ان میں سے ایک بات ہو اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اُسے چھوڑ دے:

1) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔
2) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
3) جب وعدہ کرے تو دھوکا دے (وعدہ خلافی کرے)۔
4) اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔"

بغیر تحقیق بات پھیلانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر جہنم کی وعید ارشاد فرمائی گئی ہے اور روزمرہ باتوں میں بھی بلا تحقیق سنی سنائی باتیں پھیلانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ "انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔" (صحیح مسلم، حدیث:5)

شرعی تقاضا...وقت کے ضیاع سے اجتناب

موبائل فون کا غلط استعمال کرنے والے اِس کی وجہ سے نہ جانے اپنا کتنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں:

⇐ فیس بک اور یوٹیوب وغیرہ پر کئی کئی گھنٹے نظریں جما کر بیٹھے رہنے والے اگر جائزہ لیں کہ اِس وقت میں ہم نے کیا پایا؟ تو اُنھیں احساس ہو گا کہ وہ غیر ضروری، بلکہ نقصان دہ اُمور میں مصروف رہے۔

⇐ اکثر نوجوان اپنے فون کو اتنا وقت دیتے ہیں کہ اُن کے والدین سے اُن کی تعلیم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ سرد آہ بھرنے کے بعد بتائیں گے کہ اُسے فون سے ہی فرصت نہیں ملتی، پڑھے گا کیا! حتّٰی کہ جن تعلیمی اداروں میں موبائل فون کے استعمال پر پابندی نہیں وہاں طلبہ اسباق کے دوران بھی فون پر مصروف ہوتے ہیں۔

⇐ افسران وملازمین اپنی ڈیوٹی کے اوقات میں بھی فون پر وقت ضائع کرتے رہتے ہیں... مریض توجہ کا منتظر ہے، مگر ڈاکٹر صاحب فون پر مصروف ہیں، سائلین کی لائن لگی ہے، مگر صاحب کو فون سے فرصت نہیں... یہی حال دیگر افراد کا بھی ہے۔

وقت کی قدر: اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا "وقت" نہایت قیمتی چیز ہے۔ یہ ایسی دولت ہے جو صرف ایک بار ملتی ہے اور ضائع ہو جائے تو نقصان کا اِزالہ اور تلافی ممکن نہیں... بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ صحت عطا کر دیتا ہے، غربت وافلاس کے بعد پھر سے مال میسر ہو جاتا ہے، لیکن جو گھڑیاں گزر جاتی ہیں ساری دنیا کے اسباب جمع ہو کر بھی ان کو واپس نہیں لا سکتے۔

اٹھارہویں پارے کے آغاز میں باری تعالیٰ نے اُن لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے، جنھیں دُنیا وآخرت کی کامیابی نصیب ہو گی۔ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ... "یقیناً ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں خُشوع وخُضوع کرتے (عاجزی کرتے اور گڑگڑاتے) ہیں اور جو کسی بے ہودہ (فضول) بات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔۔۔" [المؤمنون 23:1-3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کھیلنے کے لیے کسی کبوتری کے پیچھے لگا ہوا تھا تو فرمایا: شَيْطَانٌ يَّتْبَعُ شَيْطَانَةً۔ "شیطان شیطانہ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔" (سنن ابی داود، حدیث: 4940۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 3765)

محدثینِ کرام نے لکھا: اُس شخص کو شیطان اِس لیے فرمایا کہ وہ عبادت کو چھوڑ کر ایک بے مقصد کام میں مصروف اور غفلت میں مبتلا تھا اور کبوتری کو شیطانہ اِس لیے فرمایا کہ وہ اِس غفلت کا سبب تھی۔[1]

---

[1] وَإِنَّمَا سَمَّاهُ شَيْطَانًا؛ لِمُبَاعَدَتِهِ عَنِ الْحَقِّ وَاشْتِغَالِهِ بِمَا لَا يَعْنِيهِ، وَسَمَّاهَا شَيْطَانَةً لِأَنَّهَا أَوْرَثَتْهُ الْغَفْلَةَ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَالشُّغْلَ عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي كَانَ بِصَدَدِهِ فِي دِينِهِ وَدُنْيَاهُ۔ (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، تحت الحديث: 4506)

شرعی تقاضا... تمام حقوق کی ادائیگی

سیل فون کے غلط استعمال کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کئی ایسے حقوق ادا کرنے سے غافل ہو جاتا ہے جو شرعی اور اخلاقی طور پر اُس کے ذمہ ہیں، بلکہ انسان خود اپنی ذات کے حقوق بھی پورے نہیں کر پاتا۔

⟸ موبائل فون پر وقت ضائع کرنے والوں کے والدین اور احباب کو شکوہ ہوتا ہے کہ اُن کے پاس ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہے، میاں بیوی کے درمیان بہت مرتبہ تلخی ہو جاتی ہے کہ مجھے چھوڑ کر فون کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔

گزشتہ روز (9 نومبر کو) یومِ اقبال منایا گیا، اقبال علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
اِحساسِ مروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات

⟸ ماہرین کا کہنا ہے کہ موبائل فون کے زیادہ استعمال سے انسان ذہنی تناؤ اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، چنانچہ ہائی بلڈ پریشر، شوگر، سر درد، نیند میں کمی، جسمانی سستی اور موٹاپے کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے؛ کیونکہ جب انسان طویل وقت تک فون کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوتا ہے تو دماغ کے علاوہ سبھی اعضا فارغ ہوتے ہیں اور تمام تر دباؤ دماغ پر ہوتا ہے، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا اور تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی صحت کو خراب کرتا ہے۔

حقوق ادا کرنے کی اہمیت: دینِ اسلام ہماری تربیت فرماتا ہے کہ ہمارے ذمے مختلف حقوق کی ادائیگی لازم ہے، باری تعالیٰ کے بھی حقوق ہیں اور اُس کے بندوں کے بھی۔ چنانچہ کسی ایک کام میں یوں منہمک ہونے کی اِجازت نہیں کہ تمام وقت اُسی میں صرف ہو جائے اور دوسرے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے حکیم الامّت سیدنا ابو دَرْداء اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ سیدنا سلمان اپنے بھائی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہما کے گھر گئے تو دیکھا کہ وہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اہلیہ کے حقوق ادا نہیں ہو پاتے۔ چنانچہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ۔ آپ کے ذمے آپ کے ربّ کا حق بھی ہے، آپ کی ذات کا حق بھی ہے اور آپ کے گھر والوں کا حق بھی ہے، چنانچہ ہر ایک کا حق پورا کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَانُ۔ "سلمان نے سچ کہا ہے۔" (صحیح بخاری: 1968)

سوچیے! اگر نفلی عبادات کی وجہ سے دیگر حقوق چھوڑنے یا اپنی صحت وغیرہ سے غافل ہونا درست نہیں تو موبائل فون کی وجہ سے والدین یا دوسروں کے حقوق سے غافل ہونا یا اپنی صحت خراب کرنا کیسا ہے۔

شرعی تقاضا... عقائدِ حقہ پر استقامت

فون کے غلط استعمال کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ اِس کی وجہ سے بے شمار لوگ اسلامی عقائد سے نہ صرف دُور ہو رہے ہیں، بلکہ اسلامی عقائد کے بارے میں بد زبانی کرنے لگے ہیں۔ کوئی شخص انجینئر، ڈاکٹر یا اسکالر کے روپ میں آتا ہے اور مفسرین و محدثین اور ائمۂ مجتہدین کی تشریحات کے برعکس قرآن و سنت کا من گھڑت مفہوم بیان کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے، سننے والے صحیح عقیدہ کو اچھی طرح سمجھے بغیر اُسے سننے لگتے ہیں، آہستہ آہستہ غلط باتیں ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہیں اور ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ انسان بے باک ہو کر سمجھتا ہے کہ مجھے بزرگوں کی تشریحات کی ضرورت نہیں، مَیں خود قرآن و سنت کو سمجھ سکتا ہوں۔

عقیدہ پر استقامت: قرآنِ مجید اور احادیثِ طیبہ میں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد اُمّت کئی فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور لوگ بزرگوں کا راستہ چھوڑ کر نئے نئے عقائد اختیار کر لیں گے۔ فرقہ پرستی کے وقت صحیح عقیدہ پر استقامت اور حق کی پہچان کے لیے کیا کرنا ہو گا؟ اِس بارے میں ہمیں حکم دیا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت عقائد کے حوالے سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اکثریت کے نظریات اختیار کریں اور فرقوں سے بچیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر دَور میں اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت "اہلِ سنت وجماعت" کے نظریات پر قائم رہی اور اب بھی اِنہیں نظریات پر قائم ہے۔

قرآنِ مجید میں یہ حکم یوں عطا کیا گیا: "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو"... اور نبیِ کریم ﷺ نے کسی حدیث میں یوں فرمایا: "جماعت کو اختیار کرنا"، کسی حدیث میں حکم دیا: "سوادِ اعظم کی پیروی کرنا" اور کسی حدیث میں تربیت فرمائی: "میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا"۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا... "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹ جانا۔" [اٰلِ عمران 3:103] "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" اِس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی پیروی کرو۔ جب کہ خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے بعد سب سے بڑے فقیہ و مجتہد صحابی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس کی تفسیر کی: اِطاعت کرو اور جماعت (مسلمانوں کی اکثریت) کے عقائد پر قائم رہو۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے روایت کیا: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ۔[2] یعنی "مجھے اپنی اُمت پر جن کا سب سے زیادہ خوف ہے اُن میں سے چرب زبان منافق بھی ہے (سب سے زیادہ خوف ہے کہ بد عقیدہ، دل کا جاہل شخص جو ظاہری علم رکھتا ہو گا، قرآن و سنت کا غلط مفہوم بیان کر کے اپنی زبان دانی سے اُمّت کو گمراہ کرے گا)۔" (مسند احمد، حدیث: 143)

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «اِلْزَمُوْا هٰذِهِ الطَّاعَةَ وَالْجَمَاعَةَ، فَإِنَّهُ حَبْلُ اللهِ الَّذِيْ أَمَرَ بِهِ... (رواه الحاكم في المستدرك، رقم الحديث: 8663، وقال: حديث صحيح على شرط الشيخين، وأقره على ذلك الذهبي)

[2] (أخوف) أي مِنْ أخوفِ (ما أخافُ على أمّتي كلّ منافقٍ عليمِ اللسانِ) أي عالمٍ للعلمِ مُنطلقِ اللسانِ به لكنه جاهلُ القلبِ فاسدُ العقيدةِ، يَغُرُّ الناسُ بشقشقةِ لسانه، فيقع بسببِ اتباعهِ خلقٌ كثيرٌ في الزلل. (فيض القدير للمناوي، ج:1، ص:221)

حرفِ آخر... فون کے استعمال سے متعلق اہم اُمور اور جہاد کی ضرورت

دَورِ حاضر کی ایجاد موبائل / سیل / سمارٹ فون نے انسانی زندگی میں ایک انقلاب بپا کر دیا ہے، یہ چھوٹی سی ڈیوائس بلاشبہ بے شمار فوائد پر مشتمل ہے اور ہر طبقہ و نسل کے لوگ اِس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، مگر واضح بات ہے کہ انسان کسی بھی چیز کا غلط استعمال کرے تو وہ فائدہ مند ہونے کے بجائے نقصان دہ بن جاتی ہے، یہی صورتِ حال فون کی بھی ہے۔

قرآن و سنت کے اُصولوں سے راہ نمائی ملتی ہے کہ:

1) فون کی ایجاد شوق یا فیشن کے طور پر نہیں، ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے... اور ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی رکھنا چاہیے۔

2) ربّ تعالیٰ حیا کو پسند فرماتا اور اِسے فروغ دینے پر انعام سے نوازتا ہے، جب کہ بے حیائی اُسے سخت ناپسند ہے اور اِسے پھیلانے پر اُس نے دُنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی وعید فرمائی ہے؛ لہٰذا ہمیں بے حیا بننے سے بھی بچنا چاہیے اور بے حیائی پھیلانے سے بھی۔

3) آنکھوں کی حفاظت کی جائے تو ایمان کی چاشنی نصیب ہوتی ہے، جب کہ بد نگاہی سے دل مُردہ ہو جاتا ہے؛ لہٰذا موبائل فون اور دیگر ذرائع استعمال کرتے ہوئے بد نگاہی سے بچنا چاہیے، ورنہ دل مَر گیا تو ہم "چلتے پھرتے مُردے" ہوں گے۔

4) جھوٹ، غیبت، چُغلی، مسلمانوں کی عزت اُچھالنا، اُن کے درمیان نفرتیں ڈالنا اور بلا وجہ اُنھیں تکلیف دینا... یہ سب کبیرہ گناہ ہیں، چنانچہ موبائل فون استعمال کرتے ہوئے اِن سب سے مکمل پرہیز لازم ہے۔

5) وقت نہایت قیمتی چیز ہے اور فون یا کسی بھی غیر ضروری کام میں وقت ضائع کرنا دُنیا و آخرت کے نقصان کا سبب ہے؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ فون استعمال کرنے کے لیے وقت کی حد مقرر کریں، بلکہ غیر ضروری تمام ایپس کو حذف (Uninstall / اَن انسٹال) کر دیں۔

6) فون میں یوں مگن ہونا کہ نماز یا جماعت چھوٹ جائے، والدین کو وقت نہ دے سکیں، احباب بے مروّتی کا شکوہ کریں، تعلیمی ترقّی میں رکاوٹ پیدا ہو یا ذہنی صحت متأثر ہونے لگے... یہ سب پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔

7) عقیدہ صحیح نہیں تو اچھے اعمال قبول نہیں ہوں گے؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ صحیح عقائد اور کسی حد تک اُن کے دلائل بھی لازمی سیکھیں۔ صحیح عقائد پر عبور کے بغیر بد مذہبوں اور بے دینوں کی تقریریں سننا ایمان کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

8) والدین کو چاہیے کہ فون کے استعمال سے متعلق اپنی اولاد کی کڑی نگرانی کریں، اُن کے ہاتھ میں انٹرنیٹ والا فون تھما کر نگرانی نہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے اُنھیں تیار اسلحہ پکڑا کر سمجھنا کہ خطرے والی کوئی بات نہیں۔

9) حتَّی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ اپنی جان و مال، اپنی صلاحیتوں اور اپنے فون کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کی جائے۔ اِس کے لیے موبائل فون سے متعلق شرعی احکام بھی سیکھنے چاہییں۔[1]

---

[1] مطالعہ کیجیے "موبائل فون شریعت کے آئینے میں"، از مفتی محمد اظہر عطاری۔ نیز دیکھیے "موبائل فون کے ضروری مسائل"، از مولانا محمد طفیل احمد مصباحی

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ اجتماعی وانفرادی طور پر اُمّتِ مسلمہ کا "حال" بے حال ہے۔اِن حالات کی بڑی وجہ دینی تقاضوں سے غفلت اور اسلامی احکام سے دُوری ہے۔ سوچیے کہ اگر مسلم حکمران دینی تقاضوں پر عمل کرتے، جہاد نہ چھوڑتے، اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کرنے کے بجائے اسلام کی سربلندی کے لیے متحد ہوتے تو غزہ یوں آگ میں جل رہا ہوتا! اسرائیلی درندوں کو غزہ میں آگ برساتے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے، دس ہزار سے زیادہ بے گناہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں، تیس ہزار سے زیادہ زخمی ہیں اور لاکھوں بے گھر ہو چکے ہیں... مگر اُمّت زیادہ سے زیادہ مذمتی قرار دادیں پاس کر رہی ہے۔

وحشی یہودیوں کا علاج فقط جہاد ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ ۔ "اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ مشرکین (کفار) سے جہاد کرو۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 2504۔ سنن نسائی، حدیث: 3096) حدیثِ مبارک سے معلوم ہوا کہ جہاد کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:

⟸ میدانِ جنگ میں اسلام کی سربلندی کے لیے دشمنانِ دین سے لڑنا۔

⟸ مجاہدین کے ساتھ مالی تعاون کرتے ہوئے اُنھیں جنگی ساز وسامان اور زادِ راہ فراہم کرنا۔

⟸ اپنی زبان اور تحریر کے ذریعے دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنا، اُن کی سازشوں کا پردہ چاک کرنا اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا۔

⟸ بے بس عوام کے حق میں جہاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لیے فتح ونصرت اور کفار کی شکست وہلاکت کی دُعا کریں۔

امام جعفر صادق اپنے والدِ گرامی امام محمد باقر سے، وہ اپنے والدِ ماجد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے والدِ بزرگوار سیدنا امام حسین سے اور وہ اپنے والدِ محترم سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجوھھم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ "دُعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمان وزمین کا نور ہے۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث 1812)

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے کہا:

بے حس انسانوں کی دنیا میں بے بس لوگ ایسے بھی بستے ہیں	مہنگے ہتھیاروں کی آتش میں جن کے جسم و جاں سَستے ہیں
ظالِم کا ظُلم ہے حد سے بڑا اَسبابِ حیات کو رُوک دیا	بوڑھے بچے اور بیمار اب کھانے پانی کو تَرستے ہیں
آزادی چھیننے والوں کے حامی ہیں عالمی غنڈے سب	آزادی مانگنے والوں پر بارود کے گولے بَرستے ہیں
اَندھی ہیں حقوق کی تنظیمیں گونگے حاکم سب مُلکوں کے	بہری عالَم کی عدالتیں اور بے کار یہ اَمن کے دَستے ہیں
لیڈر نہیں وہ تو گیدڑ ہیں جو غاصِب کو کچھ کہہ نہ سکے	اور حق کے لیے لڑنے والے شیروں پر پھبتیاں کَستے ہیں
وہ دِن اَب دُور نہیں اِتنا جب ہوگی عیاں تدبیرِ خُدا	روئیں گے وہ ان شاء اللہ جو مظلوموں پر ہَستے ہیں
دُنیا کی سیاست میں ثاقِب کچھ ایسے سانپ بھی آئے نظر	جو پلتے ہیں غیروں کی گودوں میں اور اپنوں ہی کو ڈَستے ہیں

۲ جمادی الاُولیٰ ۱۴۴۵ھ / 17 نومبر 2023ء

تعمیرِ ”خودی“ کر
اثرِ آہِ رَسا دیکھ!

(عرسِ امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے)

مشمولات

- ”خودی“ کا مفہوم اور اہمیت
- خودی کی پہلی منزل... خودشناسی
- خودی کی دوسری منزل... خودداری
- خودی کی تیسری منزل... خوداعتمادی
- مسئلۂ فلسطین کا حل... تعمیرِ خودی
- تعمیرِ خودی اور امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔[الحشر 19:59]

انسان کی زندگی پر اُس کے نظریات وخیالات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ نیت نیک ہو، مقصد اعلیٰ ہو، نگاہ بلند اور اِرادہ پختہ ہو تو اَن ہونی بھی ہو جاتی ہے اور انسان ایسے کام کر گزرتا ہے جو حد درجہ مشکل لگتے ہیں... لیکن اگر نیت اچھی نہ ہو، مقصد گھٹیا ہو، نظر وقتی مفاد پر ہو اور اِرادہ کمزور ہو تو انسان وقت گزاری میں لگا رہتا ہے اور کوئی بھی بڑا کام نہیں کر پاتا۔

اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے کرم پر بھروسا کر کے پختہ ارادے کی برکت سے ایسے کارنامے سرانجام دیے جن کے بارے میں جان کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اپنے بیگانے سبھی اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے مسلمان نوجوانوں کو اپنے بزرگوں کی داستانیں بتاتے ہوئے فرمایا:

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا[1]

عرض مَیں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر وجہاں دار وجہاں بان وجہاں آرا[2]

بڑے بڑے کام کرنے کی ہمت وطاقت تب نصیب ہوتی ہے جب انسان خود کو پہچانے، غیرت مند وخوددار بنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسا کی برکت سے اُس میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے۔ اِنہی خوبیوں کو شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ "خودی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں یہ خوبی اختیار کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور بقولِ اقبال مسئلۂ فلسطین سمیت اُمّت کے بیشتر مسائل کا حل یہ ہے کہ "خودی" کو مضبوط کیا جائے۔

مسلم جوانوں کے دلوں میں "خودی" کے نظریۂ اقبال کو عملی طور پر پروان چڑھانے والی شخصیات میں سرِ فہرست نام امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اُن کے تیسرے سالانہ عرسِ مبارک کی مناسبت سے آج اِسی موضوع پر گفتگو ہو گی۔

---

[1] دارا: بادشاہ۔ تجھے اُس قوم نے اپنی محبت بھری گود میں پالا ہے جس نے شاہوں کے تاج پاؤں میں کچل ڈالے تھے۔

[2] صحرا نشین: ریگستان کے رہنے والے۔ جہاں گیر: دُنیا کو فتح کرنے والے۔ جہاں دار: جہان پر حکومت کرنے والے / بادشاہ۔ جہاں بان: دُنیا کا نظام چلانے والے۔ جہاں آرا: دُنیا کو زینت عطا کرنے والے۔ اے مسلم نوجوان! تجھے کیا بتاؤں کہ ریگستان کے رہنے والے تیرے بزرگوں کی کیا شان تھی! وہ جہان بھر کے فاتح بھی تھے، حکمران بھی تھے، نظامِ دُنیا چلانے والے بھی تھے اور دُنیا کو زینت بھی اُنھوں نے ہی عطا کی تھی۔

”خودی“ کا مفہوم اور اہمیت

اقبال علیہ الرحمہ کا نظریہ ”خودی“ کوئی نئی بات نہیں، یہ فکر قرآن وسنت کی نصوص اور اکابر کی سیرت وکردار سے ہی حاصل شدہ ہے... اور یہ نظریہ اِس قدر اہم ہے کہ اگر کسی فرد کے دل میں اُتر جائے تو اُس کی زندگی میں انقلاب بپا کر دیتا ہے اور قوم کو سمجھ آجائے تو قوم کی غلامی ومحکومی کو عروج وترقی میں بدل دیتا ہے۔

”خودی“ فارسی کا لفظ ہے، اِس کے مختلف معانی ہیں،[1] اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اِس سے مراد ”خود شناسی“ (اپنی پہچان)، ”خودداری“ (غیرت مندی / اپنی عزت کا خیال) اور ”خود اعتمادی“ ہے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے خودی کا نظریہ پروان چڑھاتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اگر خودی کو تعمیر کریں تو اُس سے کیا برکتیں نصیب ہوتی ہیں، وہ کہتے ہیں:

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اِشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردُوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شَرارے
تعمیرِ خودی کر، اَثرِ آہِ رَسا دیکھ![2]

---

[1] اِس کا ایک معنیٰ تکبر بھی ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے اِسی معنیٰ میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

رضا! جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے! قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

ایک اور شعر میں امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

مِٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا! مَیں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں

[2] گَرْدُوں: آسمان۔ نَاپَیْدَ: معدوم / غیر موجود۔ بَحرِ تَخَیُّل: خیالات کا سمندر۔ شَرَارے: چنگاریاں۔ رَسا: پہنچنے والی۔ یعنی اے انسان! اپنی خودی کو پروان چڑھا، پھر دیکھنا ہر شے تیری عظمت کو تسلیم کرے گی... زمانہ تیرے اِشارے بھی سمجھے گا، آسمان کے ستارے تجھے دُور سے دیکھ کر رشک کریں گے، تیرے خیالات کے سمندر کی کوئی حد نہیں ہوگی، تیرے دل سے نکلنے والی محبت بھری آہوں کی چنگاریاں آسمان تک پہنچیں گی... بس خودی کی تعمیر کر، پھر دیکھ کہ تیری ”آہ“ کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے!

خودی کی پہلی منزل... خود شناسی

خودی کو پروان چڑھانے کے لیے پہلی منزل ”خود شناسی“ و ”خود آگاہی“ ہے، یعنی خود کو پہچاننا۔ خود کو پہچاننے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اپنا نسب و نسل جان لے یا اپنی زبان اور اپنے وطن کے بارے میں معلومات ہوں، بلکہ خود شناسی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنا کر، پھر سیدِ عالم ﷺ کا اُمّتی بنا کر اپنی مخلوق میں جو عظمت عطا فرمائی ہے اُسے جانیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہمیں کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے! کیا صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں! اور اُن صلاحیتوں کے ذریعے کیا کچھ کر سکتے ہیں!

کئی کئی گھنٹے موبائل فون پر اور دیگر بے ہودہ کاموں میں وہی شخص وقت ضائع کرتا ہے جسے احساس نہ ہو کہ مَیں کون ہوں؟ جب یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ مَیں انسان ہوں، باقی سب کچھ ربّ تعالیٰ نے میرے فائدے کے لیے بنایا ہے اور مجھے اپنی محبت و معرفت کے لیے بنایا ہے تو انسان اپنا وقت بے ہودہ کاموں میں ضائع نہیں کرتا۔ ارشادِ ربّانی ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ ”وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے (فائدے کے) لیے بنایا۔“ [البقرۃ 2:29] اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تُو نہیں جہاں کے لیے

جو شخص خود کو نہیں پہچان پاتا وہ زندگی بھر دُنیا جمع کرنے کی تگ و دَو میں لگا رہتا ہے، اشکِ سحر گاہی کی لذت، بارگاہِ الٰہی میں راز و نیاز کی چاشنی اور دیگر عالی اُمور تو کُجا! وہ فرض نماز کو ادا کرنے کے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتا، حالانکہ باری تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ ”اور میں نے جن اور انسان اِسی لیے بنائے کہ وہ میری عبادت کریں۔“ [الذّٰریٰت 56:51]

جب مسلمان ربّ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو سمجھ کر اُنھیں صحیح استعمال کرتے تھے تو پوری دُنیا پر چھائے ہوئے تھے، اُن کی علمی تحقیقات ایسی تھیں کہ آج بھی عقل حیران رہ جاتی ہے، سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں اُنھوں نے وہ کارنامے سرانجام دیے کہ جدید سائنس بھی اُن کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں، جہاں بانی و حکمرانی کے شعبہ میں تو مسلم حکمرانوں کی مثال ہی نہیں ملتی... آج ہم اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہے ہیں تو دوسروں کا منہ تکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی خودی کو پروان چڑھاتے اور خود کو پہچان کر اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے تو سب کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہوتا۔

امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ آخری دم تک اُمّت کو خود شناسی کا درس دیتے رہے، اُن کی گفتگو کا یہ بنیادی نکتہ ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو اِس بات کی قدر کرنی چاہیے کہ ربّ تعالیٰ نے ہمیں کس عظیم الشان نبی کا اُمّتی بنایا ہے! وہ کثرت کے ساتھ یہ شعر پڑھتے تھے:

شاہوں کے تکبر سے بھی دب کر نہ رہا میں
کس بارگاہِ خاص کا آخر گدا ہوں میں

خودی کی دوسری منزل... خودداری

خودی کو پروان چڑھانے کے لیے دوسری اہم منزل ''خودداری'' ہے، یعنی اپنی عزتِ نفس کا پاس رکھنا، غیرت مند ہونا اور خود کو ذِلّت وخواری سے بچانا۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظمت کو سمجھتا ہے تو اُس میں خودداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس بیدار ہو جائے کہ ربّ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے جھکنے کے لیے بنایا ہے تو انسان مخلوق کے سامنے سر نہیں جھکاتا، عاجزی کرے تو صرف اُس کے سامنے کرتا ہے جس کے سامنے عاجزی سے ربّ تعالیٰ خوش ہو۔ پھر وہ ہر ایسے کام سے خود کو بچاتا ہے جس کی وجہ سے عزتِ نفس مجروح ہو، غیرت کے خلاف ہو اور ذلّت اُٹھانی پڑے۔

رازدارِ رسول سیدنا حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهُ۔» یعنی ''مومن کو اِس بات کی اِجازت نہیں کہ وہ خود کو ذلّت میں مبتلا کرے۔'' (جامع ترمذی، حدیث:2254)

انسان جب بغیر اشد ضرورت کے دوسروں سے کوئی چھوٹی بڑی چیز مانگتا ہے، شدید مجبوری کے بغیر دوسروں سے لالچ رکھتا ہے تو نہ صرف اُس کی خودی وخودداری آہستہ آہستہ مَر جاتی ہے، بلکہ وہ لوگوں کی نظر میں بھی بے وقعت ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے دوسروں سے مانگنے اور اُن سے لالچ رکھنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔ سیدنا سَہل بن سعد ساعِدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیِ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: مجھے ایسا عمل بتایئے جس کے ذریعے مَیں اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی بن جاؤں اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: «اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ۔» ''دُنیا سے بے رغبت ہو جاؤ (دُنیا سے دل لگانے کے بجائے آخرت سنوارنے کی کوشش کرو) تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنا محبوب بنالے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اُس کا لالچ نہ کرو تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔'' (سنن ابن ماجہ:4102)

قوم کے لیڈر اگر قرضوں اور امداد پر گزارا کرنے کی عادت ڈال لیں تو نہ اُن کی اپنی خودداری باقی رہتی ہے، نہ قومی حمیت کی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ ہی دینی غیرت کا مظاہرہ اُن کے بس کی بات ہوتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سکھایا تھا کہ اگر فقر وتنگ دستی میں خودداری باقی نہ رہے تو وہ عذابِ الٰہی ہے، لیکن اگر فقر میں بھی غیرت باقی رہے تو یہ امیری کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اُنھوں نے کہا:

خودداری نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری

علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نمایاں کارنامہ ہے کہ اُنھوں نے بہت مختصر وقت میں جوانوں کا جذبۂ خودداری بیدار کیا اور اسلام وتحفّظِ ناموسِ رسالت کی خاطر مَر مٹنے کا درس دیا۔ اُن کی تقریریں سننے والوں کے طرزِ زندگی میں یہ جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔

خودی کی تیسری منزل... خود اعتمادی

خودی کو پروان چڑھانے کے لیے تیسری اہم چیز "خود اعتمادی" ہے، یعنی انسان جب کسی اچھے اور عالی شان کام کا اِرادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسا کرتے ہوئے یہ اعتماد و یقین رکھے کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ مَیں اِسے کرلوں گا، خود کو بے بس نہ سمجھے۔

جب خود شناسی کی توفیق ملتی ہے... اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظمت کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ شعور بھی پیدا ہوتا ہے کہ میری تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں ربّ تعالیٰ کے کرم و قدرت سے ہیں، مَیں بھی اُسی کی قدرت سے ہوں اور میری ہر صلاحیت بھی اُسی کے کرم سے ہے... تو انسان میں بڑے بڑے کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اُس کا نظریہ ہوتا ہے کہ مَیں نے تو نہیں کرنا، اللہ تعالیٰ نے کروانا ہے، اُس کے لیے کچھ بھی مشکل یا ناممکن نہیں، اگر مَیں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کروں تو وہ مجھ سے کروالے گا۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ یعنی "اے حبیب! اہم کاموں میں اپنے صحابہ کے ساتھ مشورہ کیجیے، پھر جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کیجیے، بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:159]

ربّ تعالیٰ کے کرم پر بھروسا کرکے اپنے اندر اعتماد کا جذبہ پیدا کرنے والا شخص کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ... "اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے تو وہ اُسے (دونوں جہان میں) کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے (اُس کے ارادے کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں)..." [الطلاق 65:3]

افسوس! ہمارے دَور میں خود کو دانشور کہلوانے والے نوجوانوں کو خود اعتمادی اور بڑے کام کرنے کا شعور ہی نہیں دیتے۔

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ شاعرِ مشرق کے یہ اشعار بکثرت سنایا کرتے تھے:

اقبال یہاں نام نہ لے علمِ خودی کا — موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات[1]

بہتر ہے کہ بے چارے ممولوں کی نظر سے — پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات[2]

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی — موسیقی و صورت گری و علمِ نباتات[3]

---

[1] اقبال! ہندوستان میں انگریز نے جو تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں یہاں خودی / خود اعتمادی کی بات نہ کرنا، اِن اِداروں کے بچوں کو یہ باتیں راس نہیں آئیں گی۔

[2] انگریز کے تعلیمی اِداروں کے ماحول نے اِن بچوں کو ممولوں (کمزور چڑیوں) کی طرح کر دیا ہے، اِن سے باز کے حالات و مقامات پوشیدہ رہیں تو بہتر ہے۔

[3] جن کو غلام بنا کر رکھنا ہو اُن کے تعلیمی اداروں میں ایسے علوم نہیں سکھائے جاتے جن سے خودی و خود اعتمادی پروان چڑھے۔ غلاموں کو موسیقی، تصویر سازی اور جڑی بوٹیوں میں مگن رکھا جاتا ہے؛ تاکہ اُن میں کوئی بڑا کام کرنے کی سوچ ہی پیدا نہ ہو۔

مسئلۂ فلسطین کا حل... تعمیرِ خودی

اقبال علیہ الرحمہ کے دَور میں فلسطین پر یہودی ریاست کے قیام کے لیے سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔ 1917ء میں یہودیوں نے برطانوی سامراج کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہودی برطانیہ کی حمایت کریں گے، اِس کے عوض برطانیہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کے لیے ہر ممکن مدد کرے گا، اِسے "اعلان بالفور" کہا جاتا ہے۔

چنانچہ پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر برطانیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور معاہدہ بالفور کے مطابق فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ تیزی سے جاری رہا۔ نومبر 1947ء میں اقوامِ متحدہ نے امریکا اور برطانیہ کی سرپرستی میں یہ ظالمانہ منصوبہ منظور کیا کہ فلسطین کے 56 فیصد رقبہ پر نئی یہودی ریاست قائم کر دی جائے۔ چنانچہ 14 مئی 1948ء کو شیطانی ریاست "اسرائیل" کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

ناجائز یہودی ریاست "اسرائیل" کے قیام سے اب تک بزدل مسلم حکمران کوئی عملی قدم اُٹھانے کے بجائے اقوامِ متحدہ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مظلوم فلسطینیوں کو انصاف دلایا جائے، چنانچہ اقوامِ متحدہ میں بحث شروع ہوتی ہے، اولاً تو امریکہ اسرائیل کے خلاف پیش کی جانے والی قرارداد کو ویٹو کر دیتا ہے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو اقوامِ متحدہ کی طرف سے رسمی طور پر قراردادِ مذمت پاس کر دی جاتی ہے، جسے اسرائیل ردی کی ٹوکری میں ڈال کر اقوامِ متحدہ کو منہ چڑاتا ہے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے تقریباً ایک صدی قبل فلسطین کے حوالے سے جو کچھ فرمایا تھا وہ آج حرف بحرف سچ دکھائی دے رہا ہے:

تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے[1]

سُنا ہے مَیں نے غلامی سے اُمّتوں کی نجات
"خودی" کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے[2]

---

[1] جَنیوا (Geneva): سویٹزرلینڈ کا معروف شہر جہاں اقوامِ متحدہ کے کئی دفاتر موجود ہیں۔ فَرَنگ: یورپ۔ رَگِ جاں: خون کی سب سے بڑی رگ جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ یعنی مسئلۂ فلسطین کو نہ تو برطانیہ کبھی حل کرے گا، نہ اقوامِ متحدہ؛ کیونکہ اہلِ یورپ کی رگِ جان یہودیوں کے قبضے میں ہے، اُن کی معیشت و ریاست پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور وہ ویسا ہی کریں گے جیسا یہودی چاہتے ہیں۔

[2] مَیں نے سن رکھا ہے کہ کسی قوم کو غلامی سے چھٹکارا تبھی ملتا ہے جب وہ اپنی خودی کو پروان چڑھاتی ہے اور دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے زورِ بازو سے ظالموں کا پنجہ توڑتی ہے۔

رواں ہفتے میں غـــزہ کی صورتِ حال کے پیشِ نظر اسلامی تعـاون تنظیم (او۔ آئی۔ سی) کا سربراہی اجلاس سعودی حکومت کی میزبانی میں منعقد ہوا... 57 اسلامی ممالک کے سربراہ شریک تھے... ایٹمی طاقت کے حامل ملک کے وزیرِ اعظم صاحب بھی موجود تھے اور تیل کے ذخائر سے مالا مال ممالک کے سربراہان بھی شریک تھے... غزہ کے شہیدوں کا لہو اُن کے سامنے تھا... اسرائیلی درندگی سب کو معلوم تھی... اِس کے باوجود اسرائیل کے خلاف کسی بھی عمـلی اقـدام پر اتفاق نہیں ہو سکا، بلکہ فقط جنگ بندی کا مطـالبہ کیا گیا اور مذمتی قراردادیں پاس کی گئیں۔

کانفرنس کی کارروائی جاننے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کا اصل مسئلہ طـاقت یا دولت اور افراد کی کمی نہیں، اصل مسئلہ بُزدلی اور دین سے دُوری ہے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (بہت اہتمام کے ساتھ) درجِ ذیل کلمات تعلیم فرماتے جیسے (بچوں کو) لکھنا سکھایا جاتا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔» ”اے اللہ! مَیں بخل (کنجوسی) سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! مَیں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، خداوندا! تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ہمیں ناکارہ عمر کی طرف لوٹایا جائے اور مَیں دُنیا کے فتنے میں مبتلا ہو جانے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6390)

اِس سے بڑی بزدلی کیا ہو گی کہ 12,000 کے قریب بے گناہ مسلمانوں کی شہادت کے بعد بھی مسلم حکمرانوں کی غیرت نہیں جاگی اور فقط مذمت کو ہی بڑا کارنامہ سمجھ لیا گیا۔

ایک ہندوستانی شاعر نے کچھ اشعار کہے تھے، موجودہ صورتِ حال کے تناظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن اشعار میں حماس کی طرف سے او۔ آئی۔ سی کے ممبران کو مخاطب کیا گیا ہے:

لگے گی آگ تو آئیں گے گھر کئی زد میں
یہاں پہ صرف ہمارا مکان تھوڑی ہے

مَیں جانتا ہوں کہ دشمن بھی کم نہیں لیکن
ہماری طرح ہتھیلی پہ جان تھوڑی ہے

جو آج صاحبِ مسند ہیں، کل نہیں ہوں گے
کرائے دار ہیں، ذاتی مکان تھوڑی ہے

حرفِ آخر... تعمیرِ خودی اور امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے اُمّتِ مسلمہ میں اپنے اشعار کے ذریعے ایک نئی روح پھونکی، جوانوں کے جذبوں کو جوان کیا اور اُنھیں اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل کر دوبارہ سے عروج پانے کا راستہ دکھایا۔

افکارِ اقبال میں مرکزی بات یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی "خودی" کو پروان چڑھائے، یعنی:

⟸ مسلمان خود کو پہچانے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انسان اور پھر اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کا اُمّتی بنا کر کتنے بڑے اِعزاز سے نوازا ہے! مجھے کس مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے! کیا کیا صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں! اور مَیں اُن صلاحیتوں کے ذریعے کیا کچھ کر سکتا ہوں!

⟸ مسلمان خوددار و غیرت مند بنے اور ہر اُس کام سے بچے جس کی وجہ سے عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور ذلّت اُٹھانی پڑتی ہے۔

⟸ مسلمان اپنے اندر خود اعتمادی کا جذبہ مضبوط کرتے ہوئے یہ شعور بیدار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مَیں بہت کچھ کر سکتا ہوں؛ کیونکہ کوئی بھی کام مَیں نے خود تو نہیں کرنا، اللہ تعالیٰ نے کروانا ہے، اُس کے لیے کچھ بھی مشکل یا ناممکن نہیں، اگر مَیں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کروں تو وہ مجھ سے کروالے گا۔

بقولِ اقبال خود شناسی، خودداری اور خود اعتمادی سے انسان وہ درجہ پاتا ہے کہ ملائکہ بھی اُس پر رشک کرتے ہیں اور اِس جذبہ کی حامل قوم دُنیا کے لیے لائقِ تقلید بن جاتی ہے... لیکن اگر انسان خود کو نہ پہچان سکے، غیرت مند نہ رہے اور رحمتِ الٰہی پر بھروسا نہ کرے تو وہ خود اپنے لیے بھی وبالِ جان بن جاتا ہے اور بحیثیتِ قوم بھی ایسے افراد غلامی و محکومی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا:

اُس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی "خودی" سے انصاف

فطرت افراد سے اِغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

"خودی" کا جذبہ اللہ تعالیٰ کی محبت و اِطاعت اور سیدِ عالم ﷺ کے عشق و غلامی سے عروج تک پہنچتا ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اِطاعت اور سیدِ عالم ﷺ کی غلامی سے منہ پھیرے تو اِس جرم کی سزا میں اُسے خود شناسی، خودداری اور خود اعتمادی سے محروم کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرتا رہتا ہے اور اُسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ "اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے اُنھیں اپنی جانیں بھلا دیں (اُن کاموں سے غافل کر دیا جن سے اُنھیں فائدہ ہو)، یہی نافرمان لوگ ہیں۔" [الحشر 19:59]

امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ نے بہت مختصر عرصے میں اقبال علیہ الرحمہ کا نظریۂ خودی نہایت خوب صورتی کے ساتھ جوانوں کو فقط سکھایا ہی نہیں، بلکہ اُن کے دلوں میں اُتارا۔

اُنھوں نے اُمّت کو خود شناسی کا سبق دیتے ہوئے غلامیٔ رسول ﷺ کی قدر کرنے کی تلقین کی اور غیرت مند اُمّتی کی حیثیت سے ناموسِ رسالت پر مَر مٹنے کا جذبہ دیا، اُن کی تقریروں کا مرکزی نقطہ ہوتا تھا کہ جانِ عالم ﷺ سے "اَنھے واہ پیار" (والہانہ محبت) کریں اور دوسروں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھیں بھی نہیں... وہ کبھی مجاہدینِ یرموک و قادسیہ کی باتوں سے ایمانی جذبات کو گرماتے تو کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی اور شہاب الدین غوری کی داستانیں سنا کر دل موہ لیتے۔ فتحِ بیت المقدس کے موقع پر پڑھا جانے والا خطبہ اپنے رعب دار انداز میں پڑھتے اور فرماتے: یہ میں کسی قبرستان میں پڑھوں تو مُردے بھی کیفیت میں آجائیں۔

والدہ کی گود سے لے کر میدانِ عمل میں آنے تک اُن کی تربیت غیرت مند عشّاق نے کی۔ اُنھوں نے لکھا: عشقِ رسول ﷺ مجھے اپنی ماں کی گود سے ملا ہے، میری والدہ اُٹھتے بیٹھتے ہر بات پر "صدقے یا رسول اللہ!" کہتی تھیں، یہ جملہ میرے لاشعور میں بس گیا۔[1]

وہ اپنی شعوری زندگی کا اکثر حصہ عالمِ اسلام کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے وابستہ رہے... یہیں سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی اور پھر یہیں تدریس فرمائی۔

اُن کے محبوب اساتذہ میں ایک نمایاں نام مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کا ہے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ ایسے غیرت مند عالمِ دین تھے کہ کبھی کسی دُنیادار سے مرعوب نہیں ہوئے، وہ سرکاری میٹنگز میں حکمرانوں کے سامنے جرأت کے ساتھ کلمۂ حق بیان کرتے، ڈانٹ بھی دیتے اور حکمران اُن سے مرعوب رہتے تھے۔[2] یہی محبت و غیرت اُنھوں نے اپنے شاگرد امیر المجاہدین علیہ الرحمہ میں بھی منتقل کی۔

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ نے اپنی ایک کتاب کے شروع میں یہ تاریخی جملے تحریر فرمائے:

عروج و زوال تاریخ کا حصہ ہیں... جو قومیں دورِ انحطاط میں اپنے افکار و نظریات پر سختی سے کاربند رہیں اُن کے دوبارہ عزت و وقار حاصل کرنے اور سربلند ہونے میں دیر نہیں لگتی، لیکن جو قومیں اپنے افکار و نظریات کو چھوڑ کر اغیار کی نقالی میں مصروف ہو جاتی ہیں، تباہی و بربادی ہمیشہ کے لیے اُن کا مقدّر بن جاتی ہے۔ (تعلیلاتِ خادمیہ، حرفِ آغاز، ص:12 تا 14)

---

[1] ماہنامہ النظامیہ، امیر المجاہدین نمبر، ص:28، مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

[2] دیکھیے ماہنامہ النظامیہ [خصوصی شمارہ]، اگست / ستمبر، 2021ء، مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

۹ جمادی الاُولیٰ ۱۴۴۵ھ / 24 نومبر 2023ء

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!

(عالمی یومِ اطفال (World Children's Day) کی مناسبت سے)

مشمولات

- زندگی کے مختلف ادوار اور بچپن کی نزاکت واہمیت
- بچوں کی تربیت سے متعلق ہماری حالتِ زار
- بچوں پر شفقت
- بچوں کے حقوق
- بچوں کی تربیت
- بچوں سے متعلق اہم نکات اور جنگوں میں بچوں کے حقوق
- بچوں کی تربیت سے متعلق اہم نکات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ۔[الفرقان 74:25]

انسان کی زندگی میں مختلف ادوار آتے ہیں... پیدائش کے بعد کچھ وقت وہ ایک انتہائی کمزور بچے کی حیثیت سے گزارتا ہے، جب نہ تو اُسے سمجھ بوجھ ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کچھ کرنے کے قابل ہوتا ہے... پھر آہستہ آہستہ بولنا شروع کرتا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگتا ہے... پھر لڑکپن شروع ہوتا ہے، جس میں عقل وشعور کے دروازے کھلتے ہیں اور جسمانی طاقت بھی بڑھتی ہے... پھر جوانی کا دَور آتا ہے، جب اُس کی ذہنی وجسمانی طاقت جوبن پر ہوتی ہے، وہ صلاحیتوں کے مطابق سب کچھ سمجھتا بھی ہے اور بہت کچھ کر بھی سکتا ہے... پھر رفتہ رفتہ بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے، جسمانی قوّت بھی کمزوری میں بدلنے لگتی ہے اور عقل وشعور میں بھی فتور پیدا ہونے لگتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: ثُمَّ یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا ۚ وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۔ یعنی "پھر اللہ تمہیں بچے کی صورت میں پیدا کرتا ہے، پھر (تمہیں پروان چڑھاتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر (زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے بعض اِس سے پہلے ہی وفات پاجاتے ہیں اور (وہ تمہیں) اِس لیے (بھی باقی رکھتا ہے) کہ تم ایک مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور اِس لیے کہ تم عقل سے کام لو۔"[المؤمن 67:40]

بچپن زندگی کا وہ مرحلہ ہے جس میں عقل وشعور ناپختہ ہوتا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اِس عمر میں جو کچھ دل ودماغ میں آجائے وہ بھولتا نہیں، جو عادت پڑ جائے وہ چھوٹتی نہیں اور جو تربیت دی جائے اُس کا اثر عمر بھر باقی رہتا ہے۔ یہ ناپختہ عمر پختہ عمر کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور لاشُعوری کا یہ وقت شُعوری دَور کو سنوارنے کے لیے انتہائی اہم ہوتا ہے۔

بچپن کی نزاکت واہمیت کے پیشِ نظر اسلام نے جہاں بچوں پر شفقت ورحمت کا حکم دیا ہے اور اُن کے حقوق سکھائے ہیں وہاں اُن کی تعلیم وتربیت کی بھی بھرپور تاکید فرمائی ہے اور اچھی تربیت نہ کرنے کو ایک جُرم قرار دیا ہے۔

بچوں کے حقوق سے متعلق شعور وآگہی عام کرنے کے لیے دُنیا بھر میں ہر سال 20 نومبر کو عالمی یومِ اطفال / بچوں کے عالمی دن (World Children's Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔

07 اکتوبر، 2023ء کو غزہ پر شروع ہونے والے اسرائیلی حملوں میں اب تک پانچ ہزار سے زیادہ بے گناہ بچے شہید ہو چکے ہیں۔ انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کی بغل میں بیٹھ کر اسرائیل نے دُنیا کو بچوں کے عالمی دن پر پانچ ہزار سے زیادہ بچوں کے قتل کا تحفہ دیا ہے۔ یہ ایک طرف عالمی اداروں اور تنظیموں کے منہ پر طمانچہ ہے، دوسری طرف مسلم حکمرانوں کی غیرت پر بھی سوالیہ نشان ہے۔

عالمی یومِ اطفال کی مناسبت سے آج بچوں پر شفقت، اُن کی تعلیم وتربیت اور اُن کے حقوق سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

بچوں پر شفقت

ویسے تو بچوں کی محبت اور اُن پر شفقت انسان کی فطرت میں شامل ہے، مگر جب انسان ربّ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کا حکم سمجھ کر بچوں سے پیار کرتا ہے تو یہ عمل باعثِ رحمت بھی ہو جاتا ہے اور ذریعۂ ثواب بھی۔ بچوں پر شفقت سے متعلق نبیِ کریم ﷺ کی پیاری باتیں اور حسین معمولات جان کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا[1] وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا وزيد في روايةٍ: حَقَّهُ۔[2] یعنی "جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 421۔ مسند احمد: 22755۔ مکارم الأخلاق للطبرانی، حدیث: 147)

سیدنا جابر بن سَمُرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ فجر (یا نمازِ ظہر) ادا کی، پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور مَیں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ چل پڑا، کچھ بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ أَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَّاحِدًا، قَالَ: وَأَمَّا أَنَا فَمَسَحَ خَدَّيَّ، قَالَ: فَوَجَدْتُّ لِيَدِهِ بَرْدًا أَوْ رِيْحًا كَأَنَّمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ۔» رسول اللہ ﷺ ایک ایک کر کے سب بچوں کے دونوں رُخساروں پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرنے لگے، میرے رخساروں پر بھی آپ ﷺ نے دستِ اقدس پھیرا تو مَیں نے آپ کے مبارک ہاتھ کی (خوشگوار) ٹھنڈک اور (نہایت پیاری) خوشبو محسوس کی، ایسا لگتا تھا کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک خوشبو والے کے برتن سے نکالا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2329)

احادیثِ کریمہ کے مطابق جانِ عالم ﷺ بچوں سے پیار فرماتے، نَومولود کو گھٹی سے نوازتے، اذان سناتے، اُنھیں چومتے، اُن کی دل جوئی کے لیے بعض اوقات اُن کے ساتھ کھیلتے اور انعام عطا فرماتے، نیا پھل پہلے اُنھیں عطا کرتے اور دُعاؤں سے نوازتے۔

سیدنا عبد اللہ بن ہِشام رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے کہ اُن کی والدہ ماجدہ سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا اُنھیں رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں لائیں، راوی نے کہا: فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ۔ وفي رواية: وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ۔[3] رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور اُنھیں برکت کی دُعا سے نوازا۔ چنانچہ دعائے نبوی کی برکت سے اُنہیں تجارت میں ہمیشہ برکت ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2501)

---

[1] الظاهر أن ضمير المتكلم كناية عن المسلمين۔ (لمعات التنقيح شرح مشكوة المصابيح، تحت الحديث: 4970)

[2] وروى الترمذي عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (جامع الترمذی، رقم الحدیث: 1921)

[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، رقم: 896

بچوں کی تربیت

اولاد انسان کے لیے ربّ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام بھی ہے اور عظیم امتحان بھی... انعام اتنا بڑا ہے کہ نہ صرف دُنیا میں کام آتی ہے، بلکہ نیک ہو تو انسان کے مرنے کے بعد بھی اُس کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ بن جاتی ہے... اور امتحان اتنا عظیم کہ روزِ قیامت اولاد کے حقوق اور اُن کی تعلیم و تربیت سے متعلق پوچھا جائے گا۔

تربیت کا قرآنی حکم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ ”اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر (کافر اور بُت) ہیں... اُس پر سخت، طاقت ور فرشتے مقرر ہیں، اللہ اُنھیں جو حکم دیتا ہے وہ اُس کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی کرتے ہیں جو اُنھیں حکم دیا جاتا ہے۔“ [التحریم 6:66]

احادیثِ طیبہ کی روشنی میں مفسرینِ کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا: گھر والوں کو آگ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ اُنھیں نیکی کا شوق دلایا جائے اور بُری باتوں سے روکا جائے، نیز علمِ دین سکھایا جائے اور دینی تربیت دی جائے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

تربیت کا نبوی حکم: اولاد کی اچھی تربیت پر زور دیتے ہوئے سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِّنْ نَّحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔ یعنی ”والدین کی طرف سے اولاد کے لیے اچھی تربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہے۔“ (جامع ترمذی: 1952)

”اچھی تربیت“ سے مراد یہ ہے کہ اُنھیں دین سکھایا جائے۔

محدثینِ کرام علیہم الرحمہ نے لکھا: دینی تربیت بہترین تحفہ اِس لیے ہے کہ باقی تحائف کا فائدہ وقتی ہے، جب کہ اچھی تربیت کا فائدہ دُنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی... صرف اولاد کو ہی نہیں بلکہ والدین کو بھی... اور صرف دُنیا میں ہی نہیں، بلکہ والدین کے مرنے کے بعد قبر میں بھی اُنھیں فائدہ ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ملخصًا)

تربیت سے متعلق سوال: بچوں کی اچھی تربیت کرنا ایسی اہم ذمہ داری ہے جس کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔

خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ، أَحَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ؟ حَتّٰى يَسْأَلَ الرَّجُلَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ۔ یعنی ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے پوچھے گا کہ اُس نے اپنی ذمہ داری کی حفاظت کی یا اُسے ضائع کیا (جو حقوق اُس پر لازم تھے اُنھیں ادا کیا یا کوتاہی کی)، حتّٰی کہ آدمی سے اُس کے گھر والوں کے بارے میں بھی سوال فرمائے گا۔“ (صحیح ابن حبان، حدیث: 5103)

بچوں کی تربیت سے متعلق اہم نکات

بچوں کی اچھی تربیت اہم بھی ہے اور محنت طلب امر بھی۔ ایسا نہیں کہ انسان ایک آدھ دن بچوں پر توجہ دے تو یہ ذمہ داری پوری ہو جائے گی، بلکہ اِس کے لیے فکر مند ہونا پڑتا ہے... ہر وقت توجہ رکھنا پڑتی ہے... منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے... بلکہ اچھی تعلیم و تربیت کے لیے تربیت کرنے کے گُر سیکھنے پڑتے ہیں۔ بچوں کی تربیت سے متعلق اہم اُصولوں میں سے چند پیشِ خدمت ہیں۔

عقائد کی تربیت: جب بچے کو سمجھ بوجھ آنے لگتی ہے تو سب سے پہلے اُسے بنیادی اسلامی عقائد سکھانا ضروری ہے۔[1]

سیدنا لقمان حکیم سلام اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کی تربیت کرتے ہوئے اُسے کچھ نصیحتیں کی تھیں، ربّ تعالیٰ نے وہ شان دار نصیحتیں قرآنِ حکیم میں ذکر فرمائیں۔ پہلی نصیحت میں بنیادی عقیدہ سکھاتے ہوئے فرمایا: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ ”میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ کرنا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔“[لقمٰن 13:31]

تعلیمِ قرآن: بنیادی اسلامی عقائد کے بعد سب سے اہم یہ ہے کہ بچے کو قرآنِ مجید کی تعلیم دی جائے... صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سکھایا جائے اور اُس کی عقل و فہم کے مطابق قرآنی واقعات و مضامین سنا کر اُس کے دل میں قرآنِ کریم کی محبت ڈالی جائے۔

سیدنا جُندُب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی حاضری کا شرف نصیب ہوا، تب ہم نَو عمر تھے۔ فرمایا: فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ قَبْلَ أَنْ نَّتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ إِيْمَانًا۔ ہم نے پہلے ارکانِ ایمان سیکھے، پھر قرآنِ مجید کا علم حاصل کیا، چنانچہ قرآنِ کریم کے ذریعے ہمارے ایمان میں مزید ترقی ہوئی۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 61)

تلقینِ محبتِ خدا و مصطفٰی: اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سلامتیٔ ایمان کی ضمانت ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ بچے کے دل میں ربِّ کریم جلّ جلالہٗ اور اُس کے حبیبِ رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈالنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مَیں ایک روز سواری پر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حاضر تھا، آپ نے فرمایا: يَا غُلَامُ! إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ یعنی ”لڑکے! مَیں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں: احکامِ الٰہیہ کی پابندی کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت

---

[1] مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان نے بچوں کو اسلامی عقائد و اعمال کی تعلیم کے لیے ”عقائد و عبادات“ نامی رسالہ شائع کیا، جو نہایت آسان زبان میں سوالات و جوابات پر مشتمل ہے اور متعدد علمائے کرام کا تصدیق یافتہ ہے، اِسے بچوں کے نصاب میں شامل کرنا بے حد مفید ہے۔
عقائد و عبادات پڑھنے یا ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے لنک پر کلک کریں: https://drive.google.com/file/d/1hkkF44xsBJVUnOSlRQm3q2ebPEDa8R81/view?usp=sharing

فرمائے گا، حقوقِ خدا کا لحاظ رکھو تم اُسے اپنے سامنے پاؤ گے (ہر جگہ اُس کی خصوصی رحمت نصیب ہو گی)، جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔" پھر آپ ﷺ نے اُنھیں عقیدۂ تقدیر کی حسین تربیت عطا فرمائی۔ (جامع ترمذی، حدیث:2516)

القائے واقعاتِ اکابر: بچہ جن لوگوں کی باتیں سنتا ہے اُن سے پیار کرنے لگتا ہے اور اُن جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اُسے رحمتِ عالم ﷺ اور بزرگانِ دین کے واقعات سنائے جائیں؛ تاکہ اُسے محبت بھی نصیب ہو اور اتباع کا شوق بھی۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كُنَّا نُعَلِّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلِّمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزواتِ مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے جیسے قرآنِ پاک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ:3/297، دار احیاء التراث)

آداب کی تعلیم: بنیادی اسلامی عقائد واعمال کے ساتھ ساتھ بچوں کو اسلامی آداب (سنتیں اور مستحبات) بھی سکھانے چاہییں۔

پروردۂ آغوشِ نبوت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَا بُنَيَّ! إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ۔ "بیٹے! جب گھر والوں کے پاس جاؤ تو اُنھیں سلام کہو، تم پر بھی برکت ہو گی، تمہارے گھر والوں پر بھی برکت ہو گی۔" (جامع ترمذی، حدیث:2698)

اُمّ المؤمنین سیدتنا اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے سیدنا عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا: مَیں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا، (بعض اوقات) میرا ہاتھ کھانے کے پیالے میں گھومتا تھا (برتن کی مختلف جگہوں سے کھانا لیتا تھا)، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (میری تربیت کرتے ہوئے) فرمایا: «يَا غُلَامُ! سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ۔» یعنی "لڑکے! بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔"[1] (صحیح بخاری:5376)

بُری عادتوں سے بچانا: سب جانتے ہیں کہ بچپن کی عادتیں مشکل سے ہی چھوٹتی ہیں، چنانچہ یہ بھی ضروری ہے کہ بچے کو اچھی عادتیں سکھائی جائیں اور بُری عادتوں سے روکا جائے۔

عمِّ رسول ﷺ سیدنا عبّاس کے شہزادے سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک نَو عمر شخص نے عرفات کے دن وہاں حاضر (باپردہ) عورتوں کی طرف دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اُن کا چہرہ دوسری طرف پھیر کر فرمایا: إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ مَّنْ مَلَكَ فِيْهِ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَلِسَانَهُ غُفِرَ لَهُ۔ "آج وہ دن ہے کہ جو شخص اپنے کان، آنکھ اور زبان کو قابو میں رکھے، اُس کی مغفرت ہو جائے گی۔" (شعب الایمان، حدیث:3777)

---

[1] شارحینِ حدیث نے لکھا: اگر برتن میں ایک ہی قسم کی چیز ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، مختلف اقسام کی چیزیں ہوں تو کسی جانب سے بھی لے سکتے ہیں۔

بچوں کی تربیت سے متعلق ہماری حالتِ زار

یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ اسلام نے بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت پر جتنا زیادہ زور دیا ہے ہم اُس سے اتنا ہی زیادہ غافل ہوتے جارہے ہیں۔ ہمارے دَور میں والدین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنھیں بچوں کی تربیت سے متعلق فکر ہی نہیں ہوتی، وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تو بچہ ہے... بڑا ہو کر خود ہی سیکھ جائے گا۔

بچوں کی اچھی تربیت سے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنے کردار کو سنواریں، خود دینِ متین کے احکام سیکھیں اور اُن پر عمل کریں؛ کیونکہ بچے جو کچھ گھر میں دیکھتے اور سنتے ہیں وہ نہ صرف اُن کے دل ودماغ میں محفوظ ہو جاتا ہے، بلکہ اُس کا اثر اُن کے روزمرہ کے معمولات میں بھی نظر آتا ہے۔

ہمارے دَور میں بچوں کی زبانوں پر گالیاں، نماز سے لاپرواہی، علمِ دین سے غفلت وغیرہ اِسی لیے ہیں کہ اُن کے والدین کی اپنی صورتِ حال بھی ایسی ہی ہے... والدین اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بعض اوقات ایسے اداروں میں بھیج دیتے ہیں جہاں اسلامی تہذیب نہیں سکھائی جاتی... اُن کے ساتھ بیٹھ کر گانے سنتے ہیں اور بے ہودہ فلمیں، ڈرامے دیکھتے ہیں... اُن کے سامنے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور گالیاں بکتے ہیں... اُن سے یا اُن کے سامنے دوسروں سے جھوٹ بولتے ہیں اور وعدہ خلافی کرتے ہیں... اُنھوں نے غلطی ہو جانے پر شاید ہی کبھی والدین کو دوسروں سے معذرت کرتے دیکھا ہو... شاید ہی کبھی اُنھوں نے والدین سے نبیِ کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے واقعات سنے ہوں... والدین کو نماز باجماعت کی پابندی کرتے ہوئے بھی چند خوش نصیب بچوں نے ہی دیکھا ہو گا۔

بُری تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ دورِ حاضر کے بے شمار نوجوان دُنیا میں اپنے والدین کے لیے وبالِ جان بنے ہوئے ہیں اور آخرت کی شرمندگی سے اللہ بچائے!

والدین اور دیگر سرپرستوں کو چاہیے کہ اپنی بھی اِصلاح کریں اور بچوں کی تربیت سے متعلق بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔

قرآنِ مجید میں نیک اولاد سے متعلق انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی متعدد دُعائیں مذکور ہیں۔ خالقِ کائنات نے اپنے پیارے بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ بھی ذکر فرمایا کہ وہ اپنے ربِّ کریم کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ ”اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما (ہمیں ایسی نیک بیویاں اور صالح اولاد عطا فرما کہ اُن کے اچھے اعمال دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل خوش ہو) اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا (ہمیں ایسا پرہیزگار وعبادت گزار بنادے کہ ہم پرہیزگاروں کا پیشوا بننے کے قابل ہوں اور وہ دینی باتوں میں ہماری اقتدا کریں)۔“ [الفرقان 74:25]

بچوں کے حقوق

قرآن وسنت میں جہاں اولاد پر والدین کے حقوق کو واضح کیا گیا ہے وہاں والدین پر اولاد کے حقوق کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ نے مَشْعَلَةُ الْإِرْشَادِ فِيْ حُقُوْقِ الْعِبَاد کے نام سے ایک رسالہ لکھا، اُس میں احادیثِ نبویہ کی روشنی میں اولاد کے 80 حقوق بیان فرمائے۔ خلاصہ کے طور پر چند اہم حقوق یہ ہیں:

⟸ دین دار گھرانے سے تعلق رکھنے والی نیک خاتون سے شادی کی جائے؛ تاکہ بچے پر اچھے اثرات مرتب ہوں۔

⟸ حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کے وقت شرعی احکام کا لحاظ رکھا جائے۔

⟸ بچہ پیدا ہو تو اُس کے کان میں اذان سنائی جائے، میٹھی چیز سے گھٹی دی جائے اور اُس کا عقیقہ کیا جائے۔

⟸ اچھا نام رکھا جائے، خصوصًا احادیثِ کریمہ میں بیان فرمائے گئے ناموں میں سے کسی کا انتخاب ہو یا بزرگوں میں سے کسی کے نام پر نام رکھا جائے اور پیار میں بھی کسی گھٹیا نام یا لقب سے نہ پکارا جائے۔

⟸ حلال روزی کھلائی جائے اور گنجائش کے مطابق تمام ضروریات فراہم کی جائیں۔

⟸ شفقت ومہربانی کی جائے، دل نہ توڑا جائے اور جھوٹا وعدہ نہ کیا جائے۔

⟸ بولنے لگے تو سب سے پہلے اُسے "اَللّٰہ، اَللّٰہ" پھر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، پھر پورا کلمہ طیبہ سکھایا جائے۔

⟸ بنیادی اسلامی عقائد ذہن نشین کروائے جائیں، قرآنِ مجید کی تعلیم دی جائے اور دینی آداب سکھائے جائیں۔ یہ بھی اہم بات ہے کہ تعلیم وتربیت کے لیے کسی صحیح العقیدہ نیک استاذ کا انتخاب کیا جائے۔

⟸ مختلف ذرائع سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کی محبت دل میں ڈالی جائے۔

⟸ ضرورت ہو تو ڈانٹ اور ہلکی پھلکی مار سے بھی کام لیا جائے، مگر تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔

⟸ کچھ وقت کھیلنے کی اجازت دی جائے۔

⟸ برے دوستوں کی صحبت سے بچایا جائے اور ناچ گانے والی جگہوں پر جانے سے روکا جائے۔

⟸ سات سال کا ہو جائے تو زبان سے نماز کی تاکید کی جائے اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر سرزنش کی جائے۔

⟸ بیٹوں اور بیٹیوں میں برابری رکھی جائے، بلاوجہ بیٹوں کو ترجیح نہ دی جائے۔

⟸ دس سال کا ہونے پر اُس کا بستر الگ کر دیا جائے۔

⟸ جوان ہو جائے تو شادی میں بلاوجہ تاخیر نہ کی جائے اور نیک گھرانے کا رشتہ تلاش کیا جائے۔ (فتاوی رضویہ، ج:24، ص:451 تا457)

⟸ ہمارے دَور میں یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ موبائل فون اور انٹرنیٹ کے استعمال کے حوالے سے اُن کی کڑی نگرانی کی جائے۔

حرفِ آخر... بچوں سے متعلق اہم نکات اور جنگوں میں بچوں کے حقوق

بچپن کا وقت پُر لطف بھی ہوتا ہے اور نازک بھی، اِس عمر میں جو کچھ دل و دماغ میں آجائے وہ بھولتا نہیں، جو عادت پڑ جائے وہ چھوٹتی نہیں اور جو تربیت ملے اُس کا اثر عمر بھر باقی رہتا ہے۔ چنانچہ دینِ متین نے بچوں پر شفقت و مہربانی کا بھی حکم دیا ہے اور اُن کی اچھی تعلیم و تربیت کی بھی بھرپور تاکید فرمائی ہے۔

جانِ عالم ﷺ بچوں سے خوب پیار فرماتے، نَومولود بچوں کو گھٹی سے نوازتے، اذان سناتے، اُنھیں چومتے، اُن کے سروں اور چہروں پر اپنا دستِ شفقت پھیرتے، اُن کی دل جوئی کے لیے بعض اوقات اُن کے ساتھ کھیلتے اور انعام بھی عطا فرماتے، نیا پھل پہلے اُنھیں عطا کرتے اور دُعاؤں سے نوازتے۔

اچھی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اولاد کو بچپن میں ہی بنیادی اسلامی عقائد سکھائے جائیں، قرآنِ مجید کی تعلیم دی جائے، اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کی محبت ڈالی جائے، رحمتِ عالم ﷺ اور بزرگانِ دین کے واقعات سنائے جائیں، اچھی عادتیں ڈالی جائیں اور بُری عادتوں سے روکا جائے۔

اگر اِسی نہج پر تربیت کی جائے تو بچے کی تمنّا وہی ہو جس کا اقبال علیہ الرحمہ نے ذکر کیا:

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری	زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دُور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!	ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے!
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب	علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو	نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب ہم خود کو اپنی اولاد کے سامنے بطور نمونہ پیش کریں، اگر خود اُن کے سامنے تمام کام اُلٹے کریں تو اُن سے سنورنے کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے!

بچوں کے حقوق سے متعلق شعور و آگہی پھیلانے کے لیے ہر سال 20 نومبر کو عالمی یومِ اطفال / بچوں کے عالمی دن (World Children's Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔

بچوں سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جب ہم غزہ کے مظلوم بچوں کا تصور کرتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ 07 اکتوبر، 2023ء کو غزہ پر شروع ہونے والی اسرائیلی درندگی میں اب تک پانچ ہزار سے زیادہ بچے شہید ہو چکے ہیں۔ بچوں کے لیے کام کرنے والے عالمی ادارے یونیسیف کے عہدے داران نے اپنے حالیہ بیان میں کہا ہے کہ غزہ کی پٹی بچوں کے لیے دنیا کی سب سے زیادہ

خطرناک جگہ بن چکی ہے، اتنی بڑی تعداد میں بچوں کی اموات کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ اِن شہادتوں کے ساتھ ساتھ 800,000 سے زیادہ بچے اپنے گھروں سے بے گھر ہو چکے ہیں۔

انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کی چھتری کے نیچے اسرائیل نے دُنیا کو بچوں کے عالمی دن پر پانچ ہزار سے زیادہ بچوں کے قتل کا تحفہ دیا ہے۔

یہودیوں کی اِس انتہا پسندی و ظلم کے مقابلے میں جب ہم رحمتِ عالم ﷺ کی حسین تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں تو اسلام کی برتری واضح ہو جاتی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جہاد کے لیے روانہ کرتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے: اِنْطَلِقُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَلَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا وَّلَا صَغِيْرًا وَّلَا امْرَأَةً، وَّلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ، وَأَصْلِحُوْا «وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ»[البقرة2: 195]۔ یعنی "اللہ کے نام سے برکت لیتے ہوئے چلو! اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اور رسول اللہ کے دین پر ثابت قدم رہتے ہوئے۔ کسی قریبِ مرگ بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی چھوٹے بچے کو نہ مارنا اور کسی خاتون کو ہلاک نہ کرنا... خیانت نہ کرنا اور اپنی غنیمتیں جمع کر لینا... اصلاح کرنا اور بھلائی کرنا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" (سنن ابو داؤد، حدیث:2614)

رسول اللہ ﷺ کے اِس ارشادِ مبارک کے ہر ہر لفظ پر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دل و جان سے عمل کیا۔ دورِ صحابہ اور بعد میں ہونے والی اسلامی جنگوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی بھی بے گناہوں کا قتلِ عام نہیں کیا۔

ماضی قریب میں افغانستان، عراق اور لیبیا وغیرہ میں امریکی افواج نے جو مظالم ڈھائے وہ بھی سب کے سامنے ہیں اور اِس وقت اسرائیلی درندے غزہ میں جس بے دردی کے ساتھ فلسطینی مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ایسے ظالم و سفاک لوگوں کو انسانی حقوق کی بات کرتے ہوئے شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔

اسرائیلی درندگی جہاں عالمی اداروں اور تنظیموں کے منہ پر طمانچہ ہے وہاں اُمّتِ مسلمہ کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ پچاس سے زائد اسلامی ممالک نہتے فلسطینی مسلمانوں کا قتلِ عام نہ رکوا سکے۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ / یکم دسمبر 2023ء

حصولِ رحمت کے اسباب

مشمولات

- رحمتِ الٰہی کی محتاجی
- حصولِ رحمت کا سبب... رواداری / آسانی کرنا
- حصولِ رحمت کا سبب... صبر و رضا
- حصولِ رحمت کا سبب... مسلمانوں کے درمیان اصلاح
- مخلوقِ خدا پر مہربانی کرنا
- اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد
- حجِ بیت اللہ
- اسبابِ رحمت کی تلخیص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝ یَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہر عیب سے پاک ہے اور اُس کی تمام صفات بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ ”رحمٰن“ و ”رحیم“ ہونا اُس کی عظیم الشان صفات ہیں، جو متعدد آیاتِ قرآنیہ میں ذکر فرمائی گئی ہیں۔

ربّ تعالیٰ کی شانِ رحمت ایسی بے مثال ہے کہ حدیثِ مبارک کے مطابق اگر پوری مخلوق کی شفقت و مہربانی کو اکٹھا کیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اُس کی کوئی نسبت نہیں، اُس کی رحمت کی تو انتہا ہی نہیں۔[1]

پوری مخلوق جس چیز کی سب سے زیادہ محتاج ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے... انسان غور کرے تو اُس کا وجود بھی رحمتِ الٰہیہ سے ہے، کہ مالکِ کریم کی رحمت نہ ہوتی تو انسان پیدا ہی نہ ہوتا اور اُس کے پاس موجود تمام نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہیں... فقط دُنیا ہی نہیں، آخرت کی ہر نعمت بھی محض باری تعالیٰ کے کرم سے ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: لَنْ یُّنْجِیَ أَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُہٗ۔ ”تم میں کسی کو بھی اُس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا (اعمال پر ناز نہ کرو، یہ فقط اِس لیے کیے جاتے ہیں کہ اِن کی برکت سے باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہو، نجات صرف اور صرف رحمتِ الٰہی سے ہی ہو گی)۔“ صحابۂ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کا عمل بھی (نجات) نہیں (دلائے گا)؟ فرمایا: وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ۔ یعنی ”مَیں بھی فقط اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جنت میں جاؤں گا۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6463، 6467)

ہونا تو یہ چاہیے کہ انسان ہمیشہ باری تعالیٰ سے اُس کے رحم و کرم کی بھیک مانگتا رہے، مگر عموماً غیر تربیت یافتہ لوگوں کو جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اپنے مہربان ربّ سے دُعائیں مانگتے ہیں، جب مصیبت میں پھنستے ہیں تو باری تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں۔

موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ اگر ہم اپنی نالائقی کی وجہ سے آسانی میں اُس کی رحمت کے بھکاری نہیں بن سکے تو کم از کم اب فضل و کرم کے اُمیدوار بنیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں چند ایسے اُمور کا تذکرہ ہو گا جن کی برکت سے باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ لِلّٰہِ مِائَۃَ رَحْمَۃٍ أَنْزَلَ مِنْہَا رَحْمَۃً وَّاحِدَۃً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَہَائِمِ وَالْہَوَامِّ، فَبِہَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِہَا یَتَرَاحَمُوْنَ وَبِہَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰی وَلَدِہَا، وَأَخَّرَ اللّٰہُ تِسْعًا وَّتِسْعِیْنَ رَحْمَۃً یَّرْحَمُ بِہَا عِبَادَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔» (صحیح مسلم: 2752)
قَالَ الطِّیْبِیُّ - رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی - لَا نِہَایَۃَ لَہَا، لَمْ یُرِدْ بِمَا ذَکَرَہٗ تَحْدِیْدًا ..... (مرقاۃ المفاتیح)

حصولِ رحمت کا سبب... رواداری / آسانی کرنا

رب تعالیٰ مسلمان کی جو خوبیاں بہت پسند فرماتا ہے اُن میں سے ایک برداشت سے کام لینا اور نرمی کرنا بھی ہے، جسے موجودہ دَور کی اصطلاح میں "رَواداری"[1] کہا جاتا ہے۔ قرآن وسنت میں بندگانِ خدا کے ساتھ حُسنِ اخلاق اور رواداری سے پیش آنے کی بے شمار برکتیں بیان فرمائی گئی ہیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ ایسا کرنے والے پر باری تعالیٰ خصوصی رحمت فرماتا ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى۔ (جملہ دُعائیہ ہو تو مفہوم ہو گا) "جو شخص بیچنے، خریدنے اور تقاضا کرنے (اپنا حق مانگنے) میں آسانی کرے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو!" (جملہ خبریہ ہو تو معنیٰ ہو گا) "جو شخص بیچنے، خریدنے اور تقاضا کرنے میں آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت فرماتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2076)

رازدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ اُس کے پاس آیا۔ اُس سے کہا گیا: هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ تم نے کوئی بھلائی کی ہے؟ وہ کہنے لگا: مَا أَعْلَمُ۔ میرے علم میں نہیں (کہ میں نے کوئی اچھا کام کیا ہو)۔ کہا گیا: اُنْظُرْ! سوچ لو! کہا: مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ۔ اور تو کوئی بھلائی معلوم نہیں، البتہ مَیں دُنیا میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا اور تقاضا (کے وقت اُن پر احسان) کرتا تھا، چنانچہ خوش حال کو مہلت دے دیتا اور تنگ دست کو معاف کر دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ۔ "اللہ تعالیٰ نے اُسے جنت سے نواز دیا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3451)

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے فرمایا: أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ۔ "میرا حق تجھ سے زیادہ ہے کہ مَیں معاف کر دوں۔" (کیونکہ تُو محتاج تھا، مَیں بے نیاز ہوں) چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوا: تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي۔ "میرے بندے کو معاف کر دو۔" (صحیح مسلم: 1560)

توجہ طلب: ہمارے دَور میں تحمل وبرداشت اور چشم پوشی ختم ہونے کے قریب ہیں۔ گھریلو معاملہ ہو یا کاروباری، قومی مفادات کی بات ہو یا دینی اُمور کی... ہر پہلو سے جذباتی پن کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ رحمتِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے ہمیں رواداری وبرداشت کی عادت ڈالنی چاہیے۔

یہ بھی یاد رہے کہ دینی اقدار کے بارے میں مفاہمت کر لینا اور کمزوری کا مظاہرہ کرنا رواداری نہیں، بے غیرتی وبے حمیّتی ہے۔ ذاتی معاملات میں رواداری کے ساتھ ساتھ دین کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے اور حسبِ موقع دینی غیرت کا بھی بھرپور مظاہرہ کیا جائے۔

---

[1] رواداری فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا مفہوم ہے: رعایت کرنا، گوارا کرنا، برداشت کرنا، گنجائش نکال کر جائز رکھنا۔

حصولِ رحمت کا سبب... صبر ورِضا

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو آزمانے کے لیے اُنھیں مختلف مشکلات میں مبتلا فرماتا ہے... کبھی خوف مسلط کیا جاتا ہے، کبھی معاشی مشکلات آتی ہیں، کبھی غذائی قلّت سے آزمائش ہوتی ہے اور کبھی پیاروں کی وفات سے امتحان لیا جاتا ہے۔ مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہنا اور اسلامی احکام پر استقامت اختیار کرنا باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ خوبی اختیار کرنے پر ملنے والے انعامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ربِّ کریم خصوصی رحمتوں سے نوازتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ یعنی "اور (اے محبوب!) صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے o وہ لوگ کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں o یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے دُرود (خصوصی نوازشات) ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔" [البقرۃ2:155 تا157]

غیر تربیت یافتہ لوگ مشکل حالات میں گھبرا کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو کسی "بندے" کو نہیں جچتیں... شرعی احکام کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں اور زبان پر ایسی باتیں لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہنے کے خلاف ہوتی ہیں۔

بے صبری کی بدترین صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرلے۔ صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ امریکہ سمیت دیگر کئی ترقی یافتہ ممالک میں بھی خودکشی کی شرح بڑھ رہی ہے۔ غیر مسلم اگر زندگی سے تنگ آکر خود کو مار ڈالتا ہے تو زیادہ عجیب بات نہیں؛ کیونکہ اُس کا عقیدہ و نظریہ اُسے صبر ورضا کی تربیت ہی نہیں دیتا... لیکن اگر ایک مسلمان یہ حرکت کرے تو حیران کُن بھی ہے اور فکر انگیز بھی؛ کیونکہ مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ اُس کو ملنے والی ہر بھلائی بھی ربّ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اور اُس پر آنے والی ہر مشکل بھی اُس کے مہربان ربّ کی حکمت اور اُسی کے حکم سے ہے، ربّ تعالیٰ اِس مشکل کے ذریعے اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے اور صبر کرنے پر اُسے نوازنا چاہتا ہے... یہ عقیدہ رکھنے والا مسلمان اگر مشکلات سے تنگ آکر خودکشی کرتا ہے تو یقیناً عجیب بات ہے۔

نبیِ مکرم ﷺ نے کسی بھی دُنیاوی مصیبت سے تنگ آکر موت کی تمنّا کرنے سے منع کیا اور باری تعالیٰ سے ہمیشہ خیر مانگنے کی تربیت فرمائی۔ پروَردۂ آغوشِ نبوت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ، وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔» یعنی "تم میں سے کوئی بھی مصیبت پہنچنے کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنّا نہ کرے، اگر ضرور تمنّا کرنی ہو تو یوں دُعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ! اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو موت دے دے!" (صحیح بخاری، حدیث: 5671)

حصولِ رحمت کا سبب... مسلمانوں کے درمیان اصلاح

اللہ تعالیٰ جن اعمال کو بہت پسند فرماتا ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان بھائیوں کے باہمی معاملات کو بہتر بنانے کی کوشش کرے... بچھڑنے والوں کو ملائے، ناراض مسلمانوں کی آپس میں صلح کروائے، باہمی غلط فہمیاں دُور کروائے، آپس میں محبت بڑھانے کے لیے اپنا کردار ادا کرے اور اچھی نیت کے ساتھ عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی خوبیاں بتائے... ایسا کرنے والے کو خالقِ کائنات اپنی خصوصی رحمت سے نوازتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔ ”یقیناً مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کروادو اور اللہ سے ڈرو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“[الحجرٰت49:10]

پروَردۂ آغوشِ نبوت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ ایک روز سرکارِ عالی وقار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ نے تبسُّم فرمایا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے کیوں تبسُّم فرمایا ہے؟ اِرشاد ہوا: میرے دو اُمَّتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دوزانُو گر پڑیں گے۔ ایک عرض کرے گا: یااللہ! میرے اِس بھائی سے مجھے اِنصاف دِلا، اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے فرمائے گا: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِأَخِيكَ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ حَسَنَاتِهِ شَيْءٌ؟ ”تُو اپنے بھائی کے ساتھ کیا کرے گا، اِس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں رہی (دیگر مظلوم اِس کی نیکیاں لے چکے ہیں)!“ وہ عرض کرے گا: يَا رَبِّ فَلْيَحْمِلْ مِنْ أَوْزَارِي۔ (اِس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں) تو یہ میرے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے! اتنا اِرشاد فرما کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ پاک سے آنسو ٹپک پڑے، فرمایا: إِنَّ ذَاكَ الْيَوْمَ عَظِيمٌ يَحْتَاجُ النَّاسُ أَنْ يُحْمَلَ عَنْهُمْ مِنْ أَوْزَارِهِمْ۔ ”وہ دن بہت عظیم ہو گا، لوگوں کو ضرورت ہو گی کہ کوئی دوسرا اُن کا بوجھ اُٹھالے!“ چنانچہ اللہ تعالیٰ مظلوم سے فرمائے گا: ”دیکھ تیرے سامنے کیا ہے؟“ وہ عرض کرے گا: اے پَروردگار! میں اپنے سامنے سونے کے شہر اور سونے کے محلّات دیکھ رہا ہوں جو موتیوں سے آراستہ ہیں۔ اے اللہ! یہ شہر اور عمدہ محلات کس پیغمبر یا صِدّیق یا شہید کے لیے ہیں؟ اللہ عزّوجلّ فرمائے گا: هٰذَا لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ۔ ”یہ اُس کے لیے ہیں جو اِن کی قیمت ادا کر دے۔“ وہ بندہ عرض کرے گا: اِن کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: أَنْتَ تَمْلِكُهُ۔ ”تُو بھی اِن کی قیمت ادا کر سکتا ہے؟“ وہ عرض کرے گا: کس طرح؟ کریم ربّ فرمائے گا: بِعَفْوِكَ عَنْ أَخِيكَ۔ ”اِس طرح کہ تُو اپنے بھائی کو مُعاف کر دے۔“ بندہ عرض کرے گا: يَا رَبِّ! فَإِنِّي قَدْ عَفَوْتُ عَنْهُ۔ یااللہ! میں نے اِسے مُعاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَخُذْ بِيَدِ أَخِيكَ فَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ۔ یعنی ”اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور دونوں جنّت میں چلے جاؤ۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُصْلِحُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔» ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مخلوق میں صُلح کراؤ، اللہ تعالیٰ بھی (روزِ قیامت) مسلمانوں میں صُلح کروائے گا۔“ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:8718)

حصولِ رحمت کا سبب... مخلوقِ خدا پر مہربانی کرنا

اللہ کریم جلّ جلالہٗ اپنی مخلوق، بالخصوص مسلمانوں سے بے حد محبت فرماتا ہے... اُس نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کو بھی رؤوف ورحیم بنایا ہے اور جو مسلمان مخلوقِ خدا پر شفقت ومہربانی کرے باری تعالیٰ اُسے بھی دونوں جہان کی رحمتوں سے نوازتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ... یعنی "رحم کرنے والوں پر رحمٰن جَلَّ جَلَالُہٗ رحمت فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان کا مالک تم پر رحمت فرمائے گا۔" (سنن ترمذی، حدیث:1924)

انسان تو انسان رہے جانوروں پر مہربانی بھی رائیگاں نہیں جاتی۔ سیدنا قُرّہ رضی اللہ عنہ نے آقا کریم ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! إِنِّيْ لَآخُذُ الشَّاةَ لِأَذْبَحَهَا فَأَرْحَمُهَا۔ مَیں جانور کو ذبح کرنے کے لیے اُسے پکڑتا ہوں تو مجھے اُس پر رحم آنے لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللهُ۔» "اگر تم بکری پر رحم کروگے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔" (المستدرک علی الصحیحین:6482)

جیسے رحم کرنے پر رحمتِ الٰہی کی بشارت دی گئی ہے، ایسے ہی بے رحمی پر رحمتِ خداوندی سے محرومی کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔»[1] یعنی "جو (مخلوق پر) رحم نہ کرے باری تعالیٰ اُس پر رحمت نہیں فرماتا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6013) حدیثِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں پر مہربانی نہ کرنے والا حقیقت میں اُن کا نقصان نہیں کرتا، بلکہ خود کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؛ کیونکہ یہ دوسرے پر رحم نہ کرے تو بھی اُسے وہ مل جائے گا جو اُس کے نصیب میں ہے، مگر اِس بے رحم شخص کو اگر باری تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم فرمادے تو کوئی بھی اِس پر مہربانی کرنے والا نہیں ہوگا۔

اِس وقت تقریباً ہر شخص مشکل حالات سے گزر رہا ہے اور شدت کے ساتھ رحمتِ الٰہی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، ایسے میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم کمزوروں کا سہارا بنتے ہیں؟ ہم سے کوئی چیز خریدنے والا مالی اعتبار سے پریشان ہو تو کیا اُسے کم داموں میں دیتے ہیں؟ جس سے ہم خرید رہے ہیں اگر وہ مجبور لگتا ہو تو کیا اُسے قیمت سے کچھ زیادہ دیتے ہیں؟ کیا اپنے ماتحت افراد کی معمولی کوتاہیوں سے دَرگزر کرتے ہیں یا بات بات پر ڈانٹنے کی عادت ہے؟ کیا اپنے رشتہ داروں، بالخصوص بوڑھے والدین کی خدمت اور اُن سے حُسنِ سلوک کرتے ہیں؟ دوسرے مسلمانوں پر غم کی کیفیت ہو تو کیا ہمارے دل اُن کے ساتھ دھڑکتے ہیں یا ہم اپنی مستی میں مگن رہتے ہیں؟ اگر جواب مثبت ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کرنا چاہیے... لیکن اگر ایسا لگے کہ ہمارے دلوں میں دوسروں پر مہربانی کے جذبات نہیں ہیں تو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہماری محرومیوں کی وجہ ہماری "بے رحمی" ہی نہ ہو!

---

[1] هُوَ بِالرَّفْعِ فِيهِمَا عَلَى الْخَبَرِ-وَقَالَ عِيَاضٌ: هُوَ لِلْأَكْثَرِ-وَيَجُوزُ أَنْ تَكُونَ شَرْطِيَّةً، فَيُقْرَأُ بِالْجَزْمِ فِيهِمَا۔ (فتح الباری، ملتقطًا)

حصولِ رحمت کا سبب... اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد

اسلام سچا مذہب اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، دیگر تمام مذاہب جھوٹے اور جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ قرآن وسنت کے مطابق مسلمان کو چاہیے کہ اپنی طاقت کے مطابق کفر کو مٹانے اور اسلام کو پوری دُنیا میں غالب کرنے کے لیے کوشش کرتا رہے۔ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے خوش نصیبوں کو باری تعالیٰ خصوصی رحمت سے نوازتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ دیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ رحمتِ الٰہی کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ [البقرۃ2:218]

باری تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اُنھیں ہمیشہ سربلند رکھے گا۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمۡ وَلَنۡ یَّتِرَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ۔ یعنی ”(مسلمانو!) تم ہی غالب رہو گے اور اللہ (کی مدد) تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا۔“ [محمد47:35]

ربّ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً سچا ہے، دَورِ صحابہ سے لے کر ماضی تک... جب بھی، جہاں بھی مسلمانوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے استقامت کا مظاہرہ کیا باری تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اُنھیں فتح اور عزت سے نوازا... غزوۂ خندق، فتحِ مکہ، معرکہ حُنَین، ایران سے فلسطین تک کی حیران کن فتوحات، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری علیہم الرحمہ کی کامیابیاں اِس آیتِ کریمہ میں کیے گئے وعدۂ الٰہیہ کی حسین اور دلکش تفسیریں ہیں۔

اِس وقت اُمّتِ مسلمہ کی مجموعی صورتِ حال نہایت پریشان کُن ہے۔ اسرائیلی درندگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غزہ کے حالات پر ہر دردمند مسلمان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، جنگ زدہ باقی ممالک کے حالات بھی خوش کُن نہیں ہیں۔ اِس رُسوائی کی ایک بڑی وجہ مسلم حکمرانوں کی بزدلی اور جہاد کو چھوڑنا ہے۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں [1]

---

[1] مسلمانوں کے زوال کا سبب بے زری (دولت کی کمی) نہیں، مسلمانوں کا زوال کسی اور وجہ سے ہے جو تُو خود جانتا ہے۔

حصولِ رحمت کا سبب... حجِ بیت اللہ

مومن کا دل جن آرزوؤں کی تکمیل کے لیے بہت بے تاب رہتا ہے اُن میں سے ایک "تمنّائے زیارتِ حرمَین شریفَین" ہے..

نہ جانے کتنی آنکھیں اِس تمنّا کے سبب اشک بار رہتی ہیں اور نہ جانے کتنے دل اِس آس میں بے قرار رہتے ہیں! بقولِ نیازی علیہ الرحمہ:

اِس آس پہ جیتا ہوں کہہ دے کوئی یہ آکر
چل تجھ کو مدینے میں سرکار بلاتے ہیں

زیارتِ حرمین شریفین اگر عمرہ کی صورت میں ہو تو بھی بڑی سعادت ہے، لیکن اگر باری تعالیٰ حج کا شرف عطا فرمائے تو رحمت کی بارش موسلا دھار برستی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ مکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔» یعنی "جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے حج کیا اور اُس میں نہ تو فحش کلامی کی، نہ ہی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے یوں پاک ہو کر لَوٹا جیسے اُسی دن پیدا ہوا ہو۔" (صحیح بخاری، حدیث: 1521)

پاکستان میں وزارتِ مذہبی اُمور نے 27 نومبر (2023ء) سے عازمینِ حج کی درخواستیں وصول کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور ہزاروں خوش نصیب یہ شرف حاصل کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے، مگر وہ غلط فہمی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حج کس مسلمان پر فرض ہے؟

حج کس پر فرض ہے؟ وہ عقل مند، بالغ مسلمان جس کے اعضا سلامت ہوں اور اُس کے پاس بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ اتنا مال ہو کہ سفری اخراجات ادا کرنے کے ساتھ ساتھ واپسی تک کے لیے گھر والوں کو درمیانے درجے کا خرچ دے سکے، اُس پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، حتّٰی کہ اگر ضرورت سے زیادہ چیزیں بیچ کر حج کر سکتا ہو تو ایسا کرنا بھی لازم ہے۔

کب فرض ہے؟ جب مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو اُسی سال حج کے لیے جانا فرض ہے اور تاخیر کرنا گناہ ہے۔ جو شخص شرائط پائے جانے کے باوجود چند سال تک حج نہ کرے وہ فاسق ہے اور اُس کی گواہی مردود ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حبانِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 1732) وفی روایۃ: تَعَجَّلُوْا إِلَى الْحَجِّ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهٗ۔ (مسند احمد، حدیث: 2867) یعنی "جس پر حج فرض ہو وہ جلدی کرے، نہ جانے آنے والے سال کیا صورتِ حال ہو گی! (زندہ رہے گا یا نہیں! جا سکے گا یا نہیں!)"

محرم کی شرط: کوئی خاتون اپنے شوہر یا محرم کے بغیر حج یا عمرہ کے لیے نہیں جاسکتی، اگر ایسا کرے تو سخت گناہ گار ہے۔

اگرچہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کے مطابق وزارتِ مذہبی اُمور کی طرف سے خاتون کو محرم کے بغیر حج کے لیے جانے کی مشروط اِجازت دی گئی ہے، مگر مفتیانِ کرام نے اِس فیصلے کو شرعی اُصولوں کے خلاف قرار دیا ہے۔

شہزادۂ عمِّ رسول ﷺ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے اِرشاد فرمایا: «لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ.» ”کوئی بھی مرد کسی بھی (اجنبی) عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے... اور کوئی بھی عورت محرم کے بغیر ہرگز (شرعی) سفر نہ کرے۔“ یہ اِرشاد سُننے کے بعد ایک صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کی: يَارَسُوْلَ اللهِ! اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَ كَذَا، وَخَرَجَتِ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! فلاں غزوہ کے مجاہدین میں میرا نام بھی درج ہے اور میری بیوی حج کرنے کے لیے روانہ ہو چکی ہے، (اب مَیں جہاد میں شرکت کروں یا اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے چلا جاؤں؛ تاکہ وہ اکیلی سفر نہ کرے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ». ”جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔“ (صحیح بخاری، حدیث:3006)

حرفِ آخر... اسبابِ رحمت کی تلخیص

”رحمت“ کا معنی ہے: مہربانی کرنا اور بھلائی سے نوازنا۔ باری تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مہربان ہے، دُنیا میں ہر مخلوق اپنی حیثیت وضرورت کے مطابق اُس کی رحمت سے حصہ پاتی ہے، اگرچہ قیامت کے دن اُس کی رحمتیں فقط اہلِ ایمان کو نصیب ہوں گی۔

ربّ تعالیٰ کی رحمت کس کو نصیب ہوتی ہے؟ اِس بارے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اُس کی رحمت نہ تو کسی ضابطہ کی پابند ہے اور نہ ہی کسی عمل پر منحصر ہے، وہ جب چاہے، جسے چاہے، جتنی چاہے رحمت عطا فرمائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یعنی ”اے حبیب! آپ فرما دیجیے: فضل و کرم تو یقیناً اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے ۝ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل واحسان والا ہے۔“ [اٰلِ عمران 3:73، 74]

اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ نے کئی ایسے اعمال ارشاد فرمائے ہیں جن کی برکت سے ربّ تعالیٰ رحمت کی خیرات عطا فرماتا ہے، چنانچہ ہمیں وہ کام کرنے چاہییں اور اُنھیں کرتے ہوئے یہ حُسنِ ظن بھی رکھنا چاہیے کہ اِن کے سبب رحمتِ الٰہیہ عطا ہو گی:

⟸ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری، بالخصوص نماز اور زکوٰۃ کی پابندی پر رحمتِ خاص کی بارش برستی ہے۔[1]

---

[1] وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [النور 24:56]

⟸ رضائے الٰہی کے لیے حجِ بیت اللہ کرنے والے سعادت مندوں پر بھی دریائے رحمت جوش میں آتا ہے۔

⟸ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے والوں کو دونوں جہان کی عزتیں اور رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

⟸ برداشت کرتے ہوئے آسانی پیدا کرنے والے اور رواداری کا مظاہرہ کرنے والے کو خصوصی رحمتِ الٰہیہ نصیب ہوتی ہے۔

⟸ مشکل حالات میں صبر کرنے والے اور اپنے مہربان ربّ کی رضا پر راضی رہنے والے کو مالکِ کریم کی خصوصی رحمت عطا ہوتی ہے۔

⟸ مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے والا اور اُن کے باہمی معاملات کو سنوارنے کی کوشش کرنے والا رحمت سے وافر حصہ پاتا ہے۔

⟸ مخلوقِ خدا پر مہربانی ورحم کرنے والے پر ربّ تعالیٰ خاص رحمت فرماتا ہے۔

⟸ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرنے والا دریائے رحمت میں غوطہ زنی کرتا ہے۔[1]

⟸ رات کو اُٹھ کر صلاۃ اللیل (تہجد) ادا کرنے والا اور اپنے اہلِ خانہ کو اُٹھانے والا بھی رحمت کا خصوصی فیضان پاتا ہے۔[2]

⟸ خاموشی کے ساتھ توجہ اور دل جمعی سے قرآنِ مجید کی تلاوت سننے پر، نیز فترِ آنِ حکیم کے درس وتدریس پر خصوصی رحمت کی بہار آتی ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ ہمیں دُنیا وآخرت میں اپنی خصوصی رحمت سے نوازے اور رحمت کا سبب بننے والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باری تعالیٰ بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے، فلسطینی مجاہدین کی غیبی مدد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

قادرِ مطلق اسرائیل سمیت مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار تمام دشمنانِ اسلام کو نشانِ عبرت بنائے، مسلمانوں کو وحدت عطا کرے اور کفار کی طاقت کو منتشر فرمائے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِ الکریم ﷺ

---

[1] لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [النمل 46:27]

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔» (سنن ابو داؤد، حدیث:1450)

[3] وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [الاعراف 204:7]

وفی روایة أبی هریرة مرفوعا: وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ... (صحیح مسلم، حدیث:2699)

۲۳ جمادی الاُولیٰ ۱۴۴۵ھ / 08 دسمبر 2023ء

رحمت سے محرومی کے اسباب

(عالمی یومِ انسدادِ بدعنوانی کی مناسبت سے)

مشمولات

- رحمتِ اِلٰہی کی محتاجی
- بدعنوانی کی بدترین صورت... حکمرانوں کی بدعنوانی
- محرومی کا سبب... قطع رحمی
- محرومی کا سبب... ترکِ جہاد
- محرومی کا سبب... بدعنوانی
- ذرائعِ رحمت واسبابِ محرومی کی تلخیص
- بدعنوانی کی ایک بُری صورت... عدالتی بدعنوانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا وَمَا یُمۡسِکۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ [فاطر 2:35]

ربّ تعالیٰ کی رحمت سے ہی تمام جہان قائم ہیں اور مخلوق میں سے ہر ایک ہر لمحہ اُس کی رحمت کا محتاج ہے۔ وہ کرم فرمائے تو کوئی محروم نہیں کر سکتا اور وہ محروم کرے تو کوئی نوازنے والا نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا وَمَا یُمۡسِکۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ یعنی "اللہ لوگوں کو جو رحمت عطا کرے تو اُسے روکنے والا کوئی نہیں، اور جو کچھ روک دے تو اُس کے روکنے کے بعد اُسے دینے والا کوئی نہیں اور وہی غالب، بے حد حکمت والا ہے۔" [فاطر 2:35]

پوری مخلوق جس چیز کی سب سے زیادہ محتاج ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے... انسان کا وجود بھی رحمتِ الٰہیہ سے ہے، کہ مالکِ کریم کی رحمت نہ ہوتی تو انسان پیدا ہی نہ ہوتا اور اُس کے پاس موجود تمام نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہیں۔

ربّ تعالیٰ کی رحمت نہ تو کسی ضابطہ کی پابند ہے اور نہ ہی کسی عمل پر منحصر ہے، وہ جب چاہے، جسے چاہے، جتنی چاہے رحمت عطا فرمائے، تاہم اللہ جلّ جلالہٗ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ نے کئی ایسے اعمال ارشاد فرمائے ہیں جن کی برکت سے ربّ تعالیٰ رحمت کی خیرات عطا فرماتا ہے، چنانچہ ہمیں وہ کام کرنے چاہییں اور اُنھیں کرتے ہوئے یہ حُسنِ ظن بھی رکھنا چاہیے کہ اِن کے سبب رحمتِ الٰہیہ عطا ہو گی... اِسی طرح قرآن و سنت میں کچھ ایسے اُمور کا بھی تذکرہ ہے جن کی نحوست سے انسان محروم کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ہمیں اُن کاموں سے بچنا چاہیے اور اگر پہلے کبھی اُن کا ارتکاب کر چکے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے۔

اِس وقت ہم جن حالات سے دوچار ہیں اُن کا بھی تقاضا ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں کہ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو سربلند رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یقیناً اُس کا وعدہ سچا ہے... تو آخر کن کرتوتوں کی وجہ سے ہم محروم ہوتے جا رہے ہیں!

محرومی کا ایک سبب "بد دیانتی" و "بد عنوانی" بھی ہے، جو ہمارے معاشرے میں روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اِسی طرح محرومی کا ایک سبب اپنے مفادات میں مگن ہو کر اسلام کی سربلندی سے غافل ہونا اور جہاد کو ترک کرنا بھی ہے، جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر اُمّتِ مسلمہ ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے۔

9 دسمبر کو دُنیا بھر میں یومِ انسدادِ بد عنوانی (International Anti-Corruption Day) منایا جاتا ہے۔ نیز غزہ کے مظلوم مسلمان اُمّتِ مسلمہ کو جہاد کے لیے پکار رہے ہیں۔ چنانچہ رحمتِ باری کی طرف متوجہ کرنے کے لیے آج محرومی کے اسباب کا ذکر ہو گا۔

محرومی کا سبب... قطع رحمی

ربّ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ مسلمان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے، اگر اُنھیں ضرورت ہو تو حسبِ استطاعت اُن سے مالی تعاوُن کرے اور اُن کے دُکھ درد میں شریک ہو، ایسا کرنے پر رحمتِ الٰہیہ کی خوش خبریاں عطا ہوئی ہیں، جب کہ رشتہ داروں سے کسی شرعی وجہ کے بغیر تعلق توڑنا باری تعالیٰ کو ناپسند ہے اور ایسا کرنے والا شخص خصوصی رحمت سے محروم رہ جاتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن ابو اَوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ ہم عرفہ کی رات کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا: «إِنَّا لَا نُحِلُّ لِرَجُلٍ أَمْسَى قَاطِعَ رَحِمٍ إِلَّا قَامَ عَنَّا۔» یعنی "اگر یہاں کوئی قطع رحمی کرنے والا (رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا) موجود ہے تو وہ اُٹھ کر چلا جائے۔" سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک نوجوان حلقہ میں پیچھے بیٹھا تھا، وہ اُٹھ کر اپنی خالہ کے پاس گیا اور اُسے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد سنایا (اُس سے معذرت کر کے قطع تعلقی ختم کر دی)، پھر واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس نوجوان سے اُٹھ کر جانے کی وجہ پوچھی تو اُس نے خالہ کا معاملہ عرض کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اِجْلِسْ فَقَدْ أَحْسَنْتَ، أَلَا إِنَّهَا لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔» "بیٹھ جاؤ! یقیناً تم نے اچھا کیا، بے شک اُس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جن میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔"[1] (شعب الایمان، حدیث: 7590۔ شرح السنۃ، حدیث: 3439)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی وجہ سے پوری قوم کیوں رحمت سے محروم ہو جاتی ہے؟ محدثینِ کرام نے فرمایا: جس قوم میں ایک شخص اپنے رشتہ داروں کی حق تلفی کرتا ہو اور دوسرے اُس کے اِس گناہ پر مدد کرتے ہوں یا باوجودِ قدرت اُسے نہ روکتے ہوں تو وہ سب لوگ رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں؛ کیونکہ قدرت کے باوجود گناہ سے نہ روکنا بھی گناہ ہے۔ (مرآۃ المناجیح، ملخصًا)

قطع رحمی سے متعلق ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں تو بہت افسوس ہوتا ہے، معمولی باتوں پر رشتہ داروں سے تعلق توڑ لینا ہمارا معمول ہے، اگر ہم اپنی سوچ میں بہتری لائیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگزر کرنے کی عادت ڈالیں تو رزق و عمر میں برکت[2] کے ساتھ ساتھ ذہنی سکون بھی نصیب ہو گا۔

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ فِي حَلْقَةٍ، فَقَالَ: «إِنَّا لَا نُحِلُّ لِرَجُلٍ أَمْسَى قَاطِعَ رَحِمٍ إِلَّا قَامَ عَنَّا»، قَالَ: فَلَمْ يَقُمْ إِلَّا فَتًى كَانَ فِي أَقْصَى الْحَلْقَةِ، فَأَتَى خَالَةً لَهُ، فَقَالَتْ: مَا جَاءَ بِكَ؟ مَا هٰذَا عَنْ أَمْرِكَ؛ فَأَخْبَرَهَا بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ رَجَعَ فَجَلَسَ فِي مَجْلِسِهِ۔ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا لِي لَمْ أَرَ أَحَدًا قَامَ مِنَ الْحَلْقَةِ غَيْرَكَ»، فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ لِخَالَتِهِ وَمَا قَالَتْ لَهُ، فَقَالَ: «اِجْلِسْ فَقَدْ أَحْسَنْتَ، أَلَا إِنَّهَا لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔» (شعب الإيمان، رقم الحديث: 7590)
وروى البخاري عنه مرفوعًا «إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَنْزِلُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔» (الأدب المفرد، حديث: 63)

[2] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔» (البخاري: 5986)

محرومی کا سبب... بد عنوانی

"ایمان" امانت داری کا نام ہے اور "اسلام" مسلمانوں کو اپنی تمام ذمہ داریاں دیانت داری (Honesty) کے ساتھ پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادات ہوں یا بندوں کے ساتھ معاملات... نبی کریم ﷺ کے احکام کی پاسداری ہو یا بزرگوں کی تعلیمات پر عمل... گھریلو ذمہ داریاں ہوں یا دفتری اُمور... نچلی سطح کے کام ہوں یا سرکاری ڈیوٹی... اسلام تربیت فرماتا ہے کہ مسلمان کو تمام اُمور دیانت داری کے ساتھ سرانجام دینے چاہییں۔ دیانت دار کو دونوں جہان میں ربّ تعالیٰ کی رحمتیں نصیب ہوتی ہیں، جب کہ بد عنوانی و بد دیانتی رحمت و برکت سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔

بد عنوانی کرنے والا دُنیا میں بھی ذلیل و رُسوا ہوتا ہے اور روزِ قیامت بھی اُسے شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۔ "بلاشبہ اللہ خیانت (بد دیانتی) کرنے والوں کی سازش کامیاب نہیں ہونے دیتا۔" [یوسف 12:52]

مفسرینِ کرام نے لکھا کہ آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بد دیانت شخص کتنی ہی چالاکی سے کام کیوں نہ لے، بالآخر اُس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور اُسے ذلّت و رُسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[1]

بد عنوان شخص سے خلقِ خدا بھی نفرت کرتی ہے اور خدا تعالیٰ بھی اُسے ناپسند فرماتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ "بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔" [الانفال 8:58]

بد دیانتی صرف یہی نہیں کہ کوئی شخص اپنا مال بطورِ امانت رکھے تو اُسے پورا واپس نہ کیا جائے، بلکہ اِس کی مختلف صورتیں ہیں... اگر استاذ تدریس کا اہل ہی نہ ہو یا جان بوجھ کر شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرے تو وہ اپنے منصب سے خیانت کرنے والا ہے... صحافی بغیر تحقیق کے خبریں نشر کرے تو یہ اُس کے حق میں بد عنوانی ہے... تاجر اپنے گاہک کو بتائے کچھ اور دکھائے کچھ اور، دے کچھ اور تو یہ اُس کی بد دیانتی ہے... حکومتی ذمہ دار اپنے منصب کا ناجائز استعمال کرے تو یہ اُس کی کرپشن ہے... جج لاعلمی میں فیصلہ کرے یا ظالم کی طرف داری کرے تو یہ اُس کی بے ایمانی ہے۔ غرضیکہ فقط مالی خیانت ہی بد دیانتی نہیں، بلکہ جس شخص کی جو بھی ذمہ داری ہے اگر وہ اُسے پورا نہ کرے تو یہ اُس کے حق میں بد دیانتی و بد عنوانی ہے۔[2]

---

[1] وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ، يَعْنِيْ أَنَّ صَاحِبَ الْخِيَانَةِ لَا بُدَّ وَأَنْ يُفْتَضَحَ۔ (مفاتیح الغیب [التفسیر الکبیر]، تحت الآیۃ)

[2] وَالْمَجَالَاتُ الَّتِيْ تَدْخُلُ فِيْهَا الْأَمَانَةُ كَثِيْرَةٌ، مِنْهَا: الدَّيْنُ وَالْأَعْرَاضُ وَالْأَمْوَالُ وَالْأَجْسَامُ وَالْأَرْوَاحُ وَالْمَعَارِفُ وَالْعُلُوْمُ وَالْوِلَايَةُ وَالْوِصَايَةُ وَالشَّهَادَةُ وَالْقَضَاءُ وَالْكِتَابَةُ وَنَقْلُ الْحَدِيْثِ وَالْأَسْرَارُ وَالرِّسَالَاتُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَسَائِرُ الْحَوَاسِّ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنَ التَّفْصِيْلِ مَا يُنَاسِبُهَا۔ (نضرۃ النعیم فی أخلاق الرسول الکریم، ج:3، ص:509)

دیانت داری کی تربیت: قرآن وسنت میں جابجا مسلمانوں کو دیانت داری کا حکم دیا گیا ہے اور بد دیانتی سے روکا گیا ہے۔

سیدنا فَضَالہ بن عُبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پاک کے مطابق جانِ عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھی فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ...» "مَیں تمہیں بتاؤں کہ مومن کون ہے؟ "مومن" وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے امین سمجھیں (لوگوں کو اُس کی دیانت داری پر اتنا بھروسا ہو کہ وہ کہیں کہ یہ نہ تو کسی کو جانی نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کسی کے مال میں خیانت کرے گا)۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:24)

"مومن" امان سے ہے اور امان کا معنی ہے "محفوظ ہو جانا"۔ مومن کا معنی تب صادق آئے گا جب اُسے کہنے کی ضرورت نہ پڑے کہ مَیں کسی کو نقصان نہیں دیتا، بلکہ لوگ کہیں: یہ امین و دیانت دار ہے۔

خائن کے ساتھ دیانت داری: بہت سے لوگوں کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دیانت دار لوگوں سے تو خیانت نہیں کرتے، مگر جس نے اُنھیں دھوکا دیا ہو اُس پر غصہ آتا ہے اور کہتے ہیں: جب اُس نے ہمیں دھوکا دیا ہے تو ہم اتنے شریف و دیانت دار کیوں بنیں! ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے کہ اگر کسی نے ہمارے ساتھ بد دیانتی کی ہے تو بھی ہم اُس سے بد دیانتی نہ کریں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے شہزادے کچھ یتیم بچوں کے نگران تھے، اُن یتیموں کے حساب کی لکھت پڑھت حضرت یوسف بن ماہک علیہ الرحمہ کیا کرتے تھے۔ یتیموں نے بڑے ہو کر اپنے نگران صاحب کو مغالطہ دیا اور اُن سے ایک ہزار (چاندی کے) درہم لے لیے۔ حضرت یوسف نے کہا: بعد میں کسی وقت مجھے اُن کے مال میں سے دو ہزار درہم ملے، مَیں نے اُن کے نگران کو کہا کہ اُنھوں نے آپ کو مغالطہ دے کر ایک ہزار درہم لے لیے تھے، اب اُن کے دو ہزار درہم میرے پاس موجود ہیں، اِن میں سے آپ کا حق وصول کر لوں؟ اُنھوں نے کہا: مَیں ایسا نہیں کروں گا؛ کیونکہ مجھے میرے والدِ گرامی نے بتایا تھا کہ اُنھوں نے رحمتِ عالم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.»[1] "جو تجھے امین بنائے (تمہیں دیانت دار سمجھ کر مال یا ذمہ داری دے) اُسے امانت ادا کرو اور جو تم سے بد دیانتی کرے تم اُس سے خیانت مت کرو۔" (سنن ابو داؤد، حدیث:3534)

کسی نے ناحق طور پر مال لیا ہو اور اُس کے مال سے اپنا حق وصول کرنا ممکن ہو تو اگرچہ بعض صورتوں میں اپنا حق لینے کی اجازت ہوتی ہے، جس کی تفصیل دار الافتا میں رابطہ کر کے معلوم کی جا سکتی ہے، مگر حدیثِ مبارک میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی اور صحابی رضی اللہ عنہ کے شہزادے نے اُس کے تقاضے پر پوری طرح عمل کر کے سکھایا کہ مسلمان کو کس قدر دیانت دار ہونا چاہیے۔

---

[1] عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ الْمَكِّيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ لِفُلَانٍ نَفَقَةَ أَيْتَامٍ كَانَ وَلِيَّهُمْ، فَغَالَطُوهُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَدَّاهَا إِلَيْهِمْ، فَأَدْرَكْتُ لَهُمْ مِنْ مَالِهِمْ مِثْلَيْهَا، قَالَ: قُلْتُ: أَقْبِضُ الْأَلْفَ الَّذِي ذَهَبُوا بِهِ مِنْكَ؟ قَالَ: لَا، حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.» (سنن أبي داود، رقم الحديث:3534)

بد عنوانی کی ایک بُری صورت... عدالتی بد عنوانی

بد عنوانی کی تمام صورتیں ہی معاشرے کا ناسُور ہوتی ہیں، مگر "عدالتی بد عنوانی" زیادہ بُری ہے؛ کیونکہ اِس شعبہ سے لوگوں کو انصاف کی اُمّید ہوتی ہے... اگر اِس شعبہ کے افراد بھی دیانت داری سے کام نہ لیں تو انصاف کہاں سے حاصل ہو گا!

پاکستان کا موجودہ عدالتی نظام برطانیہ سے وراثت میں ملا ہوا ہے اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ پون صدی گزر جانے کے باوجود حکمرانوں نے اِسے اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے بجائے اُسی طرح مسلط کر رکھا ہے۔ یہ نظام اِس قدر پیچیدہ ہے کہ مقدمہ بازی میں سائلین کی عمریں بیت جاتی ہیں اور تنگ آکر وہ عدالتوں کا رُخ کرنے سے بھی ہچکچاتے ہیں۔

ایک طرف عدالتی نظام میں کئی سقم ہیں، جنھیں دُور کرنا حکومت اور عدلیہ کی مشترکہ ذمہ داری ہے... دوسری طرف اِس نظام سے متعلق افراد کی بد عنوانی اور مجرموں کی حمایت بھی مشکلات میں اِضافہ کرتی ہے۔ پیشہ وَر وُکلا فیس وصول کرنے کی خاطر مجرم و ظالم لوگوں کی وکالت کرتے ہیں... جان بوجھ کر جھوٹ کو سچ اور ظالم کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسی طرح کئی جج صاحبان کے رویوں میں بھی واضح طور پر تعصب نظر آتا رہتا ہے۔

قرآن وسنت میں مُنْصِفِین (Judges) کو بھی تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ پوری طرح علم کے بعد عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کریں اور وُکلا کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ فقط مظلوموں کا ساتھ دیں اور مجرموں کی ہرگز وکالت نہ کریں۔

مُنْصِف کے لیے ہدایات: ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ "اے حبیب! یقیناً ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اُتاری؛ تاکہ آپ لوگوں میں اُس (حق) کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرنا۔" [النساء4:105]

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: آیتِ کریمہ میں بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، لیکن درحقیقت قیامت تک کے حکام وججز کو سنانا مقصود ہے، کہ فیصلہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں، ملزم کو بغیر رُورِعایت کے پوری سزا دیا کریں۔ (نور العرفان، بتغییر یسیر)

سیدنا بُرَیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضیوں (ججز) کی تین قسمیں ہیں، ایک جنتی ہے اور دو جہنمی ہیں:

1) فَأَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ۔ "جنتی قاضی وہ شخص ہے جو حق کو جانتا ہو اور برحق فیصلہ کرے۔"

2) وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ "جو حق کو جاننے کے باوجود فیصلے میں ناانصافی کرے وہ دوزخی ہے۔"

3) وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ "جو جہالت کے ساتھ لوگوں کے فیصلے کرے وہ بھی جہنمی ہے۔"

(سنن ابو داؤد، حدیث: 3573۔ سنن ابن ماجۃ: 2315)

وُکلا کے لیے ہدایات: دیگر مسلمانوں کی طرح وُکلا پر بھی لازم ہے کہ صرف حلال طریقے سے روزی کمائیں، فقط مظلوم کی وکالت کریں اور ظالم سے ہر گز تعاون نہ کریں۔

مجرموں کی وکالت کرنے سے منع کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِــيْمًا۔ "اور اُن لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑنا جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں، بے شک اللہ بہت خیانت کرنے والے، بڑے گناہ گار کو پسند نہیں فرماتا۔"[النساء4:107]

مجرموں کے دفاع کے لیے بحث کرنے والوں کو ڈانٹتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے فرمایا: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔ "(اے لوگو!) سن لو، یہ تم ہی ہو جنھوں نے دُنیا کی زندگی میں اُن (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کیا تو قیامت کے دن اُن کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑا کرے گا یا کون اُن کا حمایتی ہو گا؟"[النساء4:109] دُنیا میں تو تم دھوکا دیتے ہو اور اپنے مؤکل کو سزا سے بچانے کی کوشش کرتے ہو، مگر جب قیامت کے دن ظالم وخائن کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور وہ عذاب کا فیصلہ فرمائے گا تو کس کی مجال ہو گی کہ اُس وقت مجرموں کی وکالت کرتے ہوئے دھوکا دے کر، جھوٹ بول کر اُن کے حق میں فیصلہ کروالے اور اُنھیں عذاب سے بچالے؟

بدعنوانی کی بدترین صورت... حکمرانوں کی بدعنوانی

عہدہ جتنا بڑا ہو ذمہ داری بھی اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ عام شخص بددیانتی کرے تو وہ بھی مجرم ہے، سرکاری عہدے دار بے ایمانی سے کام لے تو اور بڑا مجرم ہے اور ملک کے سربراہ بدعنوان ہوں تو وہ بدترین مجرم ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔"[الانفال8:27] ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ سے خیانت کا مطلب ہے: فرائض کو ترک کرنا... اور رسول اللہ ﷺ سے خیانت کا مفہوم ہے: آپ کی سنت کو ترک کرنا۔ احکامِ شرعیہ کو پورا کرنا امانت ہے اور اُن میں کمی کرنا یا اُنھیں ترک کرنا خیانت ہے۔ (دیکھیے تبیان القرآن، زیرِ آیت)

اِس آیتِ کریمہ سے خصوصی طور پر اربابِ اختیار کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جسٹس (ر) پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی اور امانتوں میں خیانت کوئی معمولی بات نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے۔ خیانت کا یہ جرم بھی از حد سنگین ہے اور اِس پر مرتب ہونے والے نتائج بھی ملک اور قوم کے لیے تباہ کن ہیں؛ اس لیے اس پر جو سزا ملے گی اُس کی شدت اور سختی کا تم خود اندازہ کر لو۔ (ضیاء القرآن، ملتقطًا)

محرومی کا سبب... ترکِ جہاد

اپنی بساط وطاقت کے مطابق اسلام کی سربلندی کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اِس سلسلے میں اگر کفار کے خلاف اسلحہ کے ساتھ جہاد ضروری ہو تو دینِ خدا کے تحفظ کے لیے جہاد کرنا بھی لازم ہے۔

قرآن وسنت میں کثرت کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور مجاہدینِ اسلام کے لیے رحمتِ الٰہی کی بشارتیں عطا ہوئی ہیں، جب کہ جہاد کو چھوڑ دینے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو رحمتِ الٰہیہ سے محرومی کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

سیدنا ابو عَبْس عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔ یعنی ”جس بندۂ مومن کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہوں اُسے (جہنم) کی آگ نہیں چھوئے گی۔“ (صحیح بخاری: 2811)

دُنیاوی مفادات میں مگن ہو کر جہاد چھوڑنے والوں سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ”اگر تم (راہِ خدا میں جہاد کے لیے) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“ [التوبۃ 9:39] یعنی دین کی حفاظت وسربلندی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے، وہ خود مجاہدینِ اسلام کی مدد پر قادر ہے، اگر تم دین کی خاطر کوشش کروگے تو تمہیں رحمت وسعادت نصیب ہوگی اور اگر تم نے سستی کی تو اللہ تعالیٰ دوسروں کو یہ سعادت عطا کر دے گا۔

اِس وقت انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی سرزمین فلسطین کی صورتِ حال بہت پریشان کُن ہے۔ 07 اکتوبر، 2023ء سے شروع ہونے والے حملوں میں اب تک تقریباً 18,000 مسلمان شہید ہو چکے ہیں، خوراک اور صحت کی سہولیات کی بھی شدید قلت ہے۔ اِن حالات میں مسلم حکمرانوں پر فرض ہے کہ اسرائیلی مظالم روکنے اور مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کا اہتمام کریں۔ ایسے ہی عام مسلمانوں پر اپنی طاقت کے مطابق اہلِ فلسطین کی مدد لازم ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی روایت کیا: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ۔ ”اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ مشرکین (کفار) سے جہاد کرو۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث: 2504)

معلوم ہوا کہ جہاد کی مختلف صورتیں ہیں اور اپنی طاقت کے مطابق اُنھیں اختیار کرنا لازم ہے: (1) مجاہدین کو جنگی ساز وسامان اور زادِ راہ فراہم کرنا۔ (2) خود میدان میں جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا۔ (3) اپنی زبان اور قلم کے ذریعے دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنا، ان کی سازشوں کا پردہ چاک کرنا، لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینا، مسلمانوں کے لیے فتح ونصرت اور کفار کی شکست وہلاکت کی دعا کرنا۔

حرفِ آخر... ذرائعِ رحمت واسبابِ محرومی کی تلخیص

ہمارے آقا کریم ﷺ کو خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے جو بے شمار خصوصیات عطا فرمائی ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ "رحمتِ عالم" ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔" [الانبیاء 107:21]

جانِ رحمت ﷺ کے صدقے میں باری تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ کو اپنی رحمت سے نوازنے کے لیے مختلف ذرائع پیدا فرمائے ہیں، آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیبہ کے مطابق کئی اعمال ایسے ہیں جن کی برکت سے ربّ تعالیٰ رحمت کی خیرات عطا فرماتا ہے، چنانچہ ہمیں وہ کام کرنے چاہییں اور اُنھیں کرتے ہوئے یہ حُسنِ ظن بھی رکھنا چاہیے کہ اِن کے سبب رحمتِ الٰہیہ عطا ہوگی:

⟸ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری، بالخصوص نماز اور زکوٰۃ کی پابندی پر رحمتِ خاص کی بارش برستی ہے۔[1]

⟸ رضائے الٰہی کے لیے حجِ بیت اللہ کرنے والے سعادت مندوں پر بھی دریائے رحمت جوش میں آتا ہے۔

⟸ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے والوں کو دونوں جہان کی عزتیں اور رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

⟸ برداشت کرتے ہوئے آسانی پیدا کرنے والے اور رواداری کا مظاہرہ کرنے والے کو خصوصی رحمتِ الٰہیہ نصیب ہوتی ہے۔

⟸ مشکل حالات میں صبر کرنے والے اور اپنے مہربان ربّ کی رضا پر راضی رہنے والے کو مالکِ کریم کی خصوصی رحمت عطا ہوتی ہے۔

⟸ مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے والا اور اُن کے باہمی معاملات کو سنوارنے کی کوشش کرنے والا رحمت سے وافر حصہ پاتا ہے۔

⟸ مخلوقِ خدا پر مہربانی ورحم کرنے والے پر ربّ تعالیٰ خاص رحمت فرماتا ہے۔

⟸ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرنے والا دریائے رحمت میں غوطہ زنی کرتا ہے۔[2]

⟸ رات کو اُٹھ کر صلاۃ اللیل (تہجد) ادا کرنے والا اور اپنے اہلِ خانہ کو اُٹھانے والا بھی رحمت کا خصوصی فیضان پاتا ہے۔[3]

⟸ خاموشی ودل جمعی سے قرآنِ مجید کی تلاوت سننے پر، نیز قرآنِ حکیم کے درس وتدریس پر خصوصی رحمت کی بہار آتی ہے۔[4]

---

[1] وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [النور 56:24]

[2] لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [النمل 46:27]

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ۔» (سنن ابو داود، حدیث: 1450)

[4] وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ [الاعراف 204:7]

وفی روایة أبی هریرة مرفوعا: وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ... (صحیح مسلم، حدیث: 2699)

کافر رحمتِ الٰہی سے مکمل طور پر محروم ہوتا ہے، کفر کے علاوہ بھی کچھ ایسے اعمال بھی بتائے گئے ہیں جن کی نحوست کے سبب مسلمان خصوصی رحمت سے محرومی کا مستحق ٹھہرتا ہے، اُن میں سے چند یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرم ﷺ کی نافرمانی خاص رحمت سے دُوری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 4022) یعنی "عمر میں نیکی سے ہی اِضافہ اور برکت ہوتی ہے، تقدیر (معلّق) صرف (مقبول) دُعا سے ہی ٹل سکتی ہے اور بے شک آدمی گناہ کرنے کے سبب (مال اور صحت وغیرہ) رزق (کی برکت) سے محروم ہو جاتا ہے۔" (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ ولمعات وتیسیر)
- دُنیاوی مفادات میں مگن ہو کر راہِ خدا میں جہاد کو چھوڑ دینا محرومی کا اہم سبب ہے۔
- بد دیانت بھی اپنے کرتوتوں کی وجہ سے محرومی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔
- رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والوں کو رحمتِ خاصہ سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔
- کمزوروں پر ظلم کرنا ایسا سنگین جرم ہے جو رحمت سے دُوری کا باعث بن جاتا ہے۔
- کسی شرعی وجہ کے بغیر مسلمان سے نفرت رکھنے کا انجام خصوصی رحمت سے محرومی بتایا گیا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں دُنیا و آخرت میں اپنی خصوصی رحمت سے نوازے، رحمت کا سبب بننے والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور محرومی کا ذریعہ بننے والے اعمال سے بچائے۔

باری تعالیٰ بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے، فلسطینی مجاہدین کی غیبی مدد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

قادرِ مطلق اسرائیل سمیت مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تمام دشمنانِ اسلام کو نشانِ عبرت بنائے، مسلمانوں کو وحدت عطا کرے اور کفار کی طاقت کو منتشر فرمائے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

---

[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَّا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔» (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2565)

یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ / 15 دسمبر 2023ء

پیارے آقا ﷺ بطحا کی ہے بولی

عربی

(عالمی یومِ عربی زبان کی مناسبت سے)

مشمولات

- نسبتوں سے محبت
- روزمرہ گفتگو میں مأثور عربی الفاظ بولنا
- عربی کی فضیلت واہمیت
- فہمِ قرآن وسنت کے لیے تشریحاتِ اکابر کی ضرورت
- عربی الفاظ کو دُرُست طریقے سے ادا کرنا
- محبتِ رسول ﷺ کے چند تقاضے
- عربی الفاظ کو دُرُست لکھنا اور پڑھنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا o نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا o اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا o [المزمل 73:1-4]

محبت سچی ہو تو محبوب کی ہر نسبت پیاری لگتی ہے... اُس کے تذکرے سے دل کو چین ملتا ہے، اُس کے تعلق داروں کے ساتھ وابستگی سے ایک اِعزاز محسوس ہوتا ہے، اُس کا نام آنکھوں کا تارا اور دل کا اُجالا ہوتا ہے، اُس کی باتیں کانوں میں رَس گھولتی ہیں، اُس کا دیس اپنے وطن سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اور اُس کی بولی (Language) بول کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت دیگر تمام چیزوں کی محبت سے بڑھ کر نہ ہو تب تک ایمان کی چاشنی و کمال نصیب نہیں ہو سکتا، چنانچہ ہر مسلمان کو باری تعالیٰ سے، پھر اُس کا محبوب ہونے کے سبب آقا کریم ﷺ سے والہانہ محبت ہونی چاہیے۔

محبتِ رسول ﷺ کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کی ہر نسبت سے محبت کی جائے... زبان آپ کے ذکرِ خیر سے تَر رہے، آپ کے ساتھ نسبت والی ہر صاحبِ ایمان شخصیت کا احترام کیا جائے، آپ کے ارشاداتِ عالیہ کو دونوں جہان کا سرمایہ سمجھ کر اُن پر عمل کیا جائے اور آپ کی پیاری بولی "عربی زبان" بولنے کو اپنے لیے اعزاز سمجھ کر اُسے کم از کم ضروری حد تک سیکھا جائے اور قرآن و سنت میں تعلیم فرمائے گئے کلمات / دُعاؤں کو اپنے معمولات میں شامل کیا جائے۔

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے مشہورِ زمانہ سلام میں کیا خوب کہا!

اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی دُرود
اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

نبیِ رحمت ﷺ کی نسبت سے "عرب" اور "عربی" کے ساتھ ہر مسلمان کو محبت ہونی چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ وَكَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ۔ "عرب کے ساتھ تین وجہ سے محبت کرو: کیوں کہ مَیں عربی ہوں (اور محبوب کی نسبتیں بھی محبوب ہوتی ہیں)، قرآنِ مجید عربی ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6999۔ شعب الایمان، حدیث: 1364۔ المعجم الاوسط: 5583[1])

18 دسمبر عربی زبان کا عالمی دن (World Arabic Language Day) ہے، عربی زبان سے ہماری محبت زندگی بھر کے لیے ہے... تاہم اِس دن کی مناسبت سے آج عرب اور عربی کے ساتھ محبت سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] وَقَدْ وَرَدَتْ أَخْبَارٌ كَثِيرَةٌ فِي حُبِّ الْعَرَبِ يَصِيرُ الْحَدِيثُ بِمَجْمُوعِهَا حَسَنًا۔ (كشف الخفاء ومزيل الإلباس لأبي الفداء إسماعيل بن محمد العجلوني الدمشقي، ج: 1، ص: 64، المكتبة العصرية)

عربی کی فضیلت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انسان کو بولنے کی قوّت عطا فرمائی۔ یہ بھی قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانی ہے کہ تمام انسانوں کی زبانیں (منہ میں موجود عضو) ایک جیسی ہیں، مگر اِن زبانوں سے بولی جانے والی بولیاں اور اُن کے لہجے بے شمار ہیں۔

دُنیا کی سب سے فصیح وبلیغ زبان عربی ہے، جب سب زبانیں ختم ہو جائیں گی تب بھی عربی باقی رہے گی۔ اِس جہت سے بھی عربی زبان محبت کے قابل ہے، مگر مسلمانوں کی عربی کے ساتھ محبت ایمانی تقاضے سے ہے۔ شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے کہا:

پیارے آقا شہِ بطحا کی ہے بولی عربی
دل کو لگتی ہے تبھی پیاری یہ میٹھی عربی

اپنے محبوبِ مکرّم کے مُبارک دل پر
رب نے قرآں کی عبارت بھی اُتاری عربی

قبر میں جوں ہی فرشتوں نے سوالات کیے
حکمِ خالق سے زباں سب ہی کو آئی عربی

باغِ جنت میں بہشتی کریں گے جب باتیں
فضلِ باری سے وہ بولیں گے وہاں بھی عربی

کہنا سیکھو عربی کے کلماتِ مسنون
ہے سعادت کا سبب بولنا ایسی عربی

جس سے اَورادِ نماز اور تلاوت ہو صحیح
فرضِ دینی ہے کہ سیکھیں سبھی اِتنی عربی

قبر میں نُور بَھرے جب رُخِ سلطانِ عَرَب
اے خدا! میں پڑھوں اِک نعت نبی کی عربی

یہ بھی فیضانِ نبی سے ہے مدارس کا کمال
کہ سمجھتے ہیں عجم والے بھی خاصی عربی

قابلِ رشک ہیں وہ جامعہ کے سارے شیوخ جن سے ثاقب نے ہے سیکھی بڑی اچھی عربی

عربی الفاظ کو دُرست طریقے سے ادا کرنا

قرآنِ مجید کی تلاوت رضائے الٰہی کا ذریعہ اور اجر و ثواب کا ذخیرہ ہے، اِسی طرح سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ اور آپ کے تعلیم فرمودہ کلمات و دُعائیں پڑھنا بھی سعادتِ دارَین کا باعث ہے، مگر یہ بات ذہن نشین کرنا بھی ضروری ہے کہ عربی ایسی فصیح زبان ہے کہ جس کے کچھ حروف کو تبدیل کرنا تو دُور کی بات ہے، بہت مرتبہ اِس کی حرکات (زبریں، زیریں اور پیشیں) تبدیل کرنے سے بھی معنیٰ بدل جاتا ہے، بلکہ کسی لفظ کو اُس طرح نہ پڑھا جائے جس طرح وہ عربی میں ہے تو بھی مفہوم بدلنے کا امکان ہوتا ہے۔

چنانچہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم عربی الفاظ کو صحیح طریقے سے ادا کرنا سیکھیں؛ تاکہ قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور دعائیں وغیرہ صحیح پڑھ سکیں، ورنہ بجائے ثواب پانے کے گناہِ کبیرہ کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں۔

تلاوتِ قرآنِ مجید سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ "اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔" [المزمل 73:4] یعنی ہر لفظ کا مخرج صحیح ادا کرو، حرکات و سکنات اور مدّوں کا لحاظ کرو اور جہاں وقف ہے وہاں وقف کرو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صاحبِ قرآن ﷺ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ۔»[1] وفی روایۃ: یَجْهَرُ بِهٖ۔ یعنی "جو قرآنِ مجید کو (صحیح تلفّظ اور) خوش اِلحانی کے ساتھ بلند آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔" (صحیح بخاری: 7527)

اِس حدیث کے راویوں میں سے ایک صاحب حضرت عبد الجبار علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ حضرت عبد اللہ ابن ابی مُلَیکہ علیہ الرحمہ سے پوچھا: اگر کسی کی آواز خوب صورت نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ تو اُنھوں نے فرمایا: یُحَسِّنُهٗ مَا اسْتَطَاعَ۔ وہ اپنی طاقت کے مطابق خوب صورت پڑھنے کی کوشش کرے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 1471)

ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ بلا مبالغہ 90٪ یا اِس سے زیادہ لوگ قرآنِ مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھتے، اِس سے بھی بڑھ کر افسوس ناک بات یہ کہ ہمیں اِس بات کا شعور ہی نہیں کہ قرآنِ مجید کا صحیح تلفظ سیکھنا اور اُسے صحیح پڑھنا فرضِ عین ہے۔[2] کتنی عجیب بات ہے کہ ہم بھاری فیسیں ادا کر کے عصری تعلیم، اِنگلش لینگویج اور کمپیوٹر وغیرہ کے مختلف کورسز کرتے ہیں، مگر بغیر کسی فیس کے قرآنِ پاک کا صحیح تلفّظ سیکھنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے... صحیح تلفظ سیکھنے کے لیے کسی تجوید پڑھے ہوئے صاحب سے سیکھیے، علمِ تجوید سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیجیے، نیز اِس مقصد کے لیے تیار کی گئی ایپس، مثلاً "مدنی قاعدہ" سے استفادہ کیجیے۔

---

[1] حدیثِ مبارک کے اِن کلمات کے مختلف معانی ہیں: شیخ قاری علیہ الرحمہ نے لکھا: مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ: أَیْ لَمْ یُحَسِّنْ صَوْتَهٗ بِهٖ، أَوْ لَمْ یَجْهَرْ، أَوْ لَمْ یَسْتَغْنِ بِهٖ عَنْ غَیْرِهٖ، أَوْ لَمْ یَتَرَنَّمْ، أَوْ لَمْ یَتَحَزَّنْ، أَوْ لَمْ یَطْلُبْ بِهٖ غِنَی النَّفْسِ، أَوْ لَمْ یَرْجُ بِهٖ غِنَی الْیَدِ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[2] فتاوٰی رضویہ، ج:6، ص:343، ملخصًا، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ

عربی الفاظ کو دُرست لکھنا اور پڑھنا

انسانوں کی مختلف بولیاں ربّ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہیں، زبان بھی ربّ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی ہے اور اُس کی بولی بھی مالکِ کریم کے ہی کرم سے ہے۔

اچھے مقصد کے لیے کوئی بھی زبان سیکھنا جائز ہے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبیِ کریم ﷺ نے مجھے سُریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: «إِنِّي وَاللهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابٍ.» یعنی "قسم بخدا! مجھے یہودیوں کی تحریر پر اعتماد نہیں ہے۔" (تبلیغِ دین کے سلسلے میں یہودیوں کے ساتھ خط وکتابت کی ضرورت پیش آتی ہے اور اُن سے لکھوایا یا پڑھوایا جائے تو وہ اپنے مفاد کے لیے غلط ترجمانی کرسکتے ہیں) سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَیں نے آدھے ماہ (پندرہ دن) سے بھی پہلے سُریانی زبان سیکھ لی، فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ. میرے سریانی زبان سیکھنے کے بعد جب آپ ﷺ یہود کو خط لکھوانا چاہتے تو مَیں لکھنے کا شرف پاتا اور جب اُن کا خط آتا تو آپ کی بارگاہ میں مَیں اُسے پڑھتا۔[1] (جامع ترمذی، حدیث: 2715)

چنانچہ ضرورت کے تحت کوئی بھی زبان سیکھنا جائز ہے، مگر محبت کے ساتھ جس زبان کو سیکھنا چاہیے وہ فقط عربی زبان ہے۔ مسلمان کو عربی کے حوالے سے اتنی معلومات ہونی چاہییں کہ وہ عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے الفاظ کو صحیح پڑھ بھی سکے اور عربی کے کچھ الفاظ لکھنا پڑیں تو صحیح لکھ بھی سکے۔

علما نے لکھا: قرآنِ کریم کو عربی رسم الخط کے ساتھ رسمِ قرآنی (رسمِ عثمانی) میں لکھنا فرض ہے اور انگریزی یا رومن وغیرہ کسی بھی دوسری زبان یا دوسرے رسم الخط میں لکھنا حرام ہے۔[2] بلکہ دوسرے اہم عربی الفاظ مثلاً "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ"، "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور إِنْ شَاءَ اللّٰه" وغیرہ کو بھی عربی رسم الخط میں ہی لکھنا چاہیے۔

ہماری حالت یہ ہے کہ بہت سی ڈگریاں رکھنے والے حضرات کو عربی میں سلام لکھنے کا طریقہ بھی نہیں آتا اور انگریزی سے اتنے مرعوب ہوتے ہیں کہ اُس کے لیے صبح، شام حاضر ہیں... قرآنِ مجید تو صحیح طور پر پڑھنا نہیں جانتے، مگر انگریزی بولنے کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں... دین سیکھنے کے لیے اُن کے پاس وقت نہیں، مگر انگریزی ایسے ہے جیسے یہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو۔

ہر چیز اپنے درجہ میں اچھی لگتی ہے، ضرورت کو بھی ضرورت ہی کے درجہ میں رکھنا چاہیے، فخر نہیں بنانا چاہیے۔

---

[1] حضور ﷺ قدرتی طور پر تمام زبانیں جانتے ہیں، جب حضور جانوروں، پتھروں، کنکروں کی بولیاں سمجھتے ہیں تو انسانوں کی بولی کیوں نہ سمجھیں گے، یہ حکم عالی اُمّت کی تعلیم کے لیے ہے کہ اُمراء وسلاطین اپنے ہاں دوسری قوموں کی زبان دانی رکھیں (اور اہم ریاستی معاملات میں غیر مسلموں پر بھروسا نہ کریں)۔ (مرآۃ المناجیح)

[2] دار الافتاء جامعہ نعیمیہ، فتوٰی کوڈ: 20,322/21، جاری شدہ مؤرخہ: 29/06/2001

روزمرہ گفتگو میں مأثور عربی الفاظ بولنا

نبیِ کریم ﷺ نے جہاں عبادات، معاملات اور دیگر اُمور سکھائے ہیں، وہاں روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ نبیِ مکرم ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اپنی بول چال میں آپ ﷺ کے سکھائے ہوئے عربی الفاظ استعمال کیا کریں، یوں سنت پر عمل کرکے روزانہ مفت میں ڈھیروں نیکیاں بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ مثلاً:

⇐ Good Night/ Good Morning وغیرہ کے بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه لکھنے اور کہنے کی عادت ڈالیں۔

سیدنا عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ نبیِ کریم ﷺ نے اُسے جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَشْرٌ۔» ''اِس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔'' پھر دوسرے شخص نے حاضر ہوکر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ۔ نبیِ کریم ﷺ نے اُسے بھی جواب سے نوازا، وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «عِشْرُوْنَ۔» ''اِس کے لیے بیس نیکیاں ہیں۔'' پھر تیسرا شخص آیا اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه۔ آپ ﷺ نے اُسے بھی جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو فرمایا: «ثَلَاثُوْنَ۔» ''اِس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔'' (سنن ابوداؤد، حدیث:5195)

⇐ چھینک کے وقت مسنون کلمات کہنے کی عادت اپنائیں۔ احادیثِ طیبہ کا خلاصہ ہے کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اُسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن یا اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہنا چاہیے۔ اگر چھینکنے والا یہ کہے تو سننے والے پر واجب ہے کہ فوری طور پر جواباً اِتنی آواز سے يَرْحَمُكَ الله کہے کہ چھینکنے والا سُن لے۔ پھر چھینکنے والا کہے: يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ۔ (اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری بخشش فرمائے) یا یہ کہے: يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرمائے)۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:474)

⇐ کوئی نعمت ملے یا کوئی چیز/ بات پسند آئے تو Very Good یا Great یا زبردست کے بجائے یوں کہا کریں:

- سُبْحٰنَ الله، یعنی اللہ تعالیٰ ہر اُس وصف سے پاک ہے جو اُس کی شایانِ شان نہیں۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے تو اُسے بے شمار رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔
- مَا شَآءَ اللهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، یعنی جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایات کا مفہوم ہے: ''جسے کوئی چیز پسند آئے/ کوئی نعمت ملے، وہ کہے: مَا شَآءَ اللهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ تو اُسے نظرِ بد وغیرہ کوئی آفت نہیں پہنچے گی۔''[1]

(شعب الایمان، حدیث:4207۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی، حدیث:207۔ الدعوات الکبیر، حدیث:566)

---

[1] في أسانيد هذه الأحاديث كلام، لكنها مؤيدة بآية الكهف، الرقم: 39: وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔۔۔

○ برکت کی دُعا دینا، مثلاً: بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ. یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ سیدنا ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ۔ یعنی "جب تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی پسندیدہ چیز دیکھے تو اُس کے لیے برکت کی دُعا کرے۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3509)

⟸ کسی کے احسان پر Thank you اور شکریہ کے بجائے جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا کہا کریں، اِس کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔» یعنی "جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی گئی، اُس نے بھلائی کرنے والے کو کہا: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا تو اُس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔" (جامع ترمذی، حدیث: 2035)

⟸ کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو تو Ok یا Done کے بجائے إِنْ شَاءَ اللّٰه کہنے کا معمول بنائیں۔ اِرشادِ ربّانی ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ ... "اور کسی کام کے متعلق ہرگز یہ نہ کہا کرو کہ مَیں کل اِس کو کر دوں گا ۝ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کر لو۔" [الکہف 18:24] یعنی جب کسی کام کا ارادہ کرو تو یوں کہا کرو: "إِنْ شَاءَ اللّٰهُ یہ کروں گا"، اگر إِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے تب کہہ لو۔

حدیثِ نبوی کا مفہوم ہے کہ اگر انسان کسی (اچھے اور جائز) کام کے ساتھ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہے تو اِس کی برکت سے وہ کام ہو جاتا ہے۔[1]

⟸ رُخصت ہوتے یا کسی کو رُخصت کرتے وقت By By کے بجائے سلام کہنے کی سنت پوری کرنے کے ساتھ فِيْ أَمَانِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ / "خدا حافظ" کہا کریں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ رحمت ﷺ جب کسی شخص کو الوداع کرتے تو اُس کا ہاتھ پکڑتے اور یہ دُعا دیتے: «أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ۔» "مَیں تیرا دین، تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔" (جامع ترمذی، حدیث: 3442) اللہ تعالیٰ تیرے دین، تیری امانت اور اچھے خاتمہ کی حفاظت فرمائے۔

⟸ مختلف احادیثِ طیبہ میں مذکور دُعائیں پڑھنے کی عادت بنا کر دونوں جہان کی برکتیں سمیٹیں۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی سوچے انگریزی الفاظ بولنے میں کیا حرج ہے، اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ دورِ جاہلیت میں نیک خواہشات کے اِظہار کے لیے ایک دوسرے کو أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَّأَنْعِمْ صَبَاحًا (یعنی صبح بخیر / شب بخیر، Good Night / Good Morning) کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اِن الفاظ سے منع فرما کر سلام کہنے کا حکم فرمایا۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 5227)

---

[1] روى سيدنا أبو هريرة مرفوعًا في قصة سيدنا سليمان عليه السلام قوله ﷺ: لَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْنَثْ، وَكَانَ دَرَكًا فِي حَاجَتِهٖ۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 6720) قَالَ الْمَنَاوِيُّ: فَالْحَدِيْثُ إِخْبَارٌ بِأَنَّ تَقْيِيْدَ الْفِعْلِ بِالْمَشِيْئَةِ سَبَبٌ لِتَمَامِ الْمُرَادِ وَعَدَمَهٗ لِعَدَمِهٖ، فَلَا يَنْبَغِيْ لِلْعَبْدِ أَنْ يُعْرِضَ عَنِ الْمَشِيْئَةِ۔ (التنوير شرح الجامع الصغير، ج:8، ص:43)

فہمِ قرآن وسنت کے لیے تشریحاتِ اکابر کی ضرورت

قرآنِ حکیم کا پیغام سمجھنے اور احادیثِ کریمہ کا مفہوم جاننے کے لیے عربی سیکھنا رضائے الٰہی کا باعث بھی ہے اور اجر وثواب کا ذریعہ بھی، مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ چند عربی الفاظ کے معانی جان لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب انسان خود اِس قابل ہوگیا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم اور احادیثِ طیبہ کا "ترجمہ" یا اُن کی "ترجمانی" کرسکے، عربی الفاظ جان لینے کا مطلب فقط یہ ہے کہ اب بزرگانِ دین کی تشریحات کا مطالعہ کرکے بہتر انداز سے سمجھا جاسکتا ہے، نہ یہ کہ اب خود سے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔

قرآن وسنت کے کلمات فصاحت وبلاغت کے اُس اعلیٰ درجہ پر ہیں کہ وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی ہے وہ بھی حقیقی معانی تک رسائی کے لیے بزرگانِ دین کی تشریحات کے محتاج ہیں، حتّٰی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی نبی کریم ﷺ کی تشریح کے بغیر کئی آیاتِ مبارکہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ پاتے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی عجمی شخص عربی کے چند الفاظ جان کر یہ سمجھے کہ اب میں خود سے قرآن و سنت کو سمجھ سکتا ہوں، اب مجھے کسی بزرگ کی تفسیر وغیرہ کی ضرورت نہیں تو اُس سے بڑا احمق کون ہوگا!

ہمارے دَور میں سوشل میڈیا کے ذریعے ایسے لوگ بھی قرآن وسنت کی غلط تشریح کرکے گمراہی پھیلا رہے ہیں جنھیں عربی گرائمر بھی نہیں آتی، حالانکہ قرآن وسنت کی صحیح ترجمانی کے لیے کئی علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔[1]

سیدنا ابو ثعلبہ خُشَنِی رضی اللہ عنہ نے ایک ارشادِ نبوی روایت کیا جس میں قیامت کی کچھ نشانیوں کا تذکرہ ہے، اُس میں یہ جملے بھی ہیں:

حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا، وَهَوًى مُّتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ، وَرَأَيْتَ أَمْرًا لَّا يَدَانِ لَكَ بِهٖ[2] فَعَلَيْكَ خُوَيْصَّةَ نَفْسِكَ، وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ؛ فَإِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ...[3]» یعنی "جب تم یہ حالات دیکھو کہ (اتباعِ حق اور فکرِ آخرت کے بجائے) بخیلی کی تابع داری ہو رہی ہے... خواہشات کی پیروی ہو رہی ہے... دُنیا کو ترجیح دی جارہی ہے... ہر شخص اپنی رائے پر خوش اور نازاں ہے... اور ایسا معاملہ دیکھو کہ تمہارے اندر اُسے روکنے کی طاقت نہ ہو تو خود کو بچانا اور عوام کو چھوڑ دینا؛ کیونکہ اب صبر کے ہی کچھ دن باقی ہوں گے..." (سنن ابن ماجہ، حدیث:4014)

"ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے گا" اِس کا مطلب ہے: لوگ خود قرآن وسنت کو سمجھ کر اُن سے مسائل اخذ کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں گے اور اماموں کی تقلید بھی نہیں کریں گے، جو اُنھیں سمجھ آئے گا اُس کے بارے میں سمجھیں گے کہ بس یہی صحیح ہے۔[4]

---

[1] ملاحظہ کیجیے "اُصولِ ترجمۂ قرآن"، از شرفِ ملت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، مطبوعہ بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ

[2] قَوْله: "لَا يَدَانِ" بِكَسْر النُّون، أَي: لَا قدرَة وَلَا طَاقَة لَك عَلَى دَفْعِهِ وإنكاره۔ (كفاية الحاجة فی شرح سنن ابن ماجه: 487/2)

[3] وتمام الحديث: اَلصَّبْرُ فِيْهِنَّ عَلٰى مِثْلِ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِيْنَ رَجُلًا يَّعْمَلُوْنَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ۔

[4] أَيْ: مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ، وَالْقِيَاسِ عَلَى أَقْوَى الْأَدِلَّةِ وَتَرْكِ الِاقْتِدَاءِ بِنَحْوِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ۔ (مرقاة المفاتيح)

حرفِ آخر... محبتِ رسول ﷺ کے چند تقاضے

ربّ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق سرورِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بھی محبت فرماتا ہے اور آپ ﷺ کی نسبتیں بھی اُسے بہت پیاری ہیں... جب وہ خالق ومالک اُن کی اتنی عزت افزائی فرماتا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے آقا کریم ﷺ سے دیوانہ وار محبت کریں اور اُن کی ہر نسبت کو اپنی جان سے عزیز سمجھیں۔

سرکارِ دوعالم ﷺ سے محبت کے مختلف تقاضے ہیں، مثلاً:

⟸ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی اِطاعت کریں... آپ پر نازل ہونے والے قرآنِ حکیم اور آپ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والی احادیثِ طیبہ پر عمل کو دونوں جہان کی کامیابی کا ذریعہ سمجھیں۔

⟸ سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ نسبت والے تمام حضرات کا احترام کریں اور کسی کی بھی توہین نہ کریں۔

⟸ جانِ عالم ﷺ کی پیاری بولی "عربی" سے محبت کریں، چنانچہ:

- اِس کا صحیح تلفّظ سیکھیں؛ کیونکہ قرآنِ کریم کو صحیح پڑھنا فرض ہے، اگر کوئی شخص صحیح طرح نہیں پڑھتا تو وہ ثواب کے بجائے گناہ کا مستحق ہوتا ہے۔ نماز بھی تبھی صحیح ہوتی ہے جب قرآنِ مجید اور دیگر کلمات صحیح طریقے سے پڑھے جائیں۔
- عربی کے اہم الفاظ کو صحیح لکھنا اور پڑھنا سیکھیں؛ کیونکہ قرآنِ مجید کو عثمانی رسم الخط میں لکھنا فرض ہے اور دیگر عربی الفاظ بھی عربی رسم الخط میں ہی لکھنے چاہییں۔
- سلام، جوابِ سلام، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، سُبْحٰنَ اللّٰہ، مَا شَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہ، بَارَكَ اللّٰہُ فِیكَ، جَزَاكَ اللّٰہُ خَیْرًا اور إِنْ شَاءَ اللّٰہ وغیرہ عربی الفاظ بولنے کی عادت ڈالیں، اِن سے ڈھیروں برکتیں بھی نصیب ہوتی ہیں اور سنت پر عمل کا ثواب بھی ملتا ہے۔
- مدارسِ اہلِ سنت، جہاں حکومتی سرپرستی کے بغیر سرورِ عالم ﷺ کی پیاری بولی پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اُن سے رابطہ رکھیں، تعاون کریں اور اُن کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔

⟸ جانِ عالم ﷺ کے دیس میں رہنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں، یعنی اہلِ عرب سے دلی طور پر محبت کریں۔

نبیِ رحمت ﷺ نے متعدد ارشاداتِ عالیہ میں اہلِ عرب سے محبت کرنے کا حکم دیا اور اُن کے ساتھ بُغض رکھنے سے منع فرمایا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَأَحِبَّ الْعَرَبَ مِنْ قَلْبِكَ وَلْتَرُدَّ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ قَلْبِكَ۔ "(صحیح عقیدہ والے مسلمان) اہلِ عرب سے دلی محبت کرو اور اپنے بارے جو عیوب ونقائص تم جانتے ہو وہ تمہیں لوگوں (کی تحقیر وتذلیل) سے روکیں۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7947) یعنی اہلِ عرب سے سچی محبت کرو اور لوگوں کی تحقیر وتذلیل کے بجائے اپنے عیب دُور کرنے کی کوشش کرو۔

اِس وقت حَرَمین شریفین کے بعد عرب کے سب سے مقدس علاقے، سرزمینِ انبیا "فلسطین" کے باسی دُنیا بھر کے مسلمانوں کو ایمانی محبت اور دینی غیرت یاد دلا رہے ہیں۔ 07 اکتوبر سے جاری اسرائیلی وحشیانہ بمباری اور زمینی کارروائی میں اب تک 18,000 سے زائد نہتے بے گناہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔

جو افراد زندہ ہیں اُن کی صورتِ حال یہ ہے کہ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق غزہ کے 36 ہسپتالوں میں سے صرف 11 کام کر رہے ہیں، باقی سب اسرائیلی درندگی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی فوج نے غزہ کے 20 لاکھ شہریوں کو "المواصی" زون میں جانے کی ہدایت کی ہے، جو صرف ساڑھے آٹھ مربع کلومیٹر پر محیط ہے، یہ رقبہ اسلام آباد کے بین الاقوامی ایئرپورٹ کے رقبے سے بھی کم ہے۔

دوسری طرف حال ہی میں امریکہ نے اقوامِ متحدہ میں جنگ بندی کی قرارداد کو ویٹو کر کے گویا اسرائیلی درندوں کو اِجازت دی ہے کہ وہ اپنا ظلم جاری رکھیں۔

اگر اِن مظالم کے بعد بھی اُمّتِ مسلمہ اسرائیل کی فقط مذمت ہی کرتی رہی اور عملی اقدامات کے ذریعے درندوں کو نہ روک سکی تو روزِ قیامت باری تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔

اللہ تعالیٰ سرورِ عالم ﷺ کے طفیل فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

ربِّ کریم ہمیں جانِ عالم ﷺ کی تمام نسبتوں کے ساتھ والہانہ محبت سے نوازے، آپ ﷺ کی پیاری بولی عربی کے ساتھ دلی لگاؤ عطا کرے اور قرآن و سنت صحیح پڑھنے، صحیح سمجھنے، اُس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ / 22 دسمبر 2023ء

عقیدۂ توحید اور ولادتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

(کرسمس کے تناظر میں)

مشمولات

- عقیدۂ توحید کی اساسیت اور اُمّتِ مسلمہ کی شرک سے حفاظت
- عقیدۂ توحید کی مختصر وضاحت
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ
- کرسمس کی حقیقت اور کفار کے تہواروں میں شرکت کی ممانعت
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقائد
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ o [اٰلِ عمران 3:59]

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی راہ نمائی کے لیے متعدد انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو مبعوث فرمایا، حالات بدلنے کے ساتھ اُنھیں عطا ہونے والی شریعتوں کے احکام بھی تبدیل ہوتے رہے، مگر سیدنا آدم علیہ السلام سے ہمارے آقا کریم ﷺ تک، تمام انبیائے ذی شان عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کا دین، اُصول اور عقائد ایک ہی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَمَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسٰۤی اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ... "اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا، جس کی اس نے نوح کو تاکید فرمائی اور جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو تاکید فرمائی کہ دین کو قائم رکھو (تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھو) اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو (نئے عقائد اختیار کر کے فرقے نہ بناؤ)۔" [الشوریٰ 42:13]

سبھی انبیا میں مشترک دین کا بنیادی عقیدہ "توحید" ہے۔ یعنی تمام انبیائے کرام نے اپنی اُمّتوں کی تربیت فرمائی کہ ربّ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، وہ اپنی ذات وصفات اور افعال واحکام وغیرہ میں تنہا ہے۔

تمام انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی طرف سے عقیدۂ توحید کی تاکید کے باوجود پہلی اُمتوں کی بڑی تعداد توحید کو چھوڑ کر شرک وکفر میں مبتلا ہو گئی، سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا کلمہ پڑھنے والوں (عیسائیوں / Christians) میں سے بھی بے شمار نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر واضح شرک کیا اور نصِ قرآنی کے مطابق کافر قرار پائے۔

خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں آپ کی اُمّت کو یہ اِعزاز حاصل ہے کہ مجموعی طور پر یہ اُمّت نہ تو کبھی شرک وکفر میں مبتلا ہوئی اور نہ ہی قیامت تک اِس میں گرفتار ہو گی۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر ارشاد فرمایا:

- إِنِّیۡ فَرَطُکُمۡ وَأَنَا شَهِیۡدٌ عَلَیۡکُمۡ۔ "بلاشبہ مَیں تمہارا پیش رَو ہوں (پہلے جا کر تمہاری شفاعت وغیرہ کا انتظام کرنے والا ہوں) اور یقیناً مَیں تم پر نگہبان وگواہ ہوں۔"
- وَإِنِّیۡ وَاللّٰہِ لَأَنۡظُرُ إِلٰی حَوۡضِیَ الۡآنَ۔ "اور قسم بخدا! یقیناً مَیں اِس وقت (قیامت کو ملنے والے) اپنے حوض (کوثر) کو دیکھ رہا ہوں۔"
- وَإِنِّیۡ قَدۡ أُعۡطِیۡتُ مَفَاتِیۡحَ خَزَائِنِ الۡأَرۡضِ أَوۡ مَفَاتِیۡحَ الۡأَرۡضِ۔ "اور تحقیق مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئیں۔"

○ وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلٰكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔ یعنی "اللہ کی قسم! یقیناً مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ تم (مجموعی طور پر) میرے بعد شرک کروگے، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ تم دُنیا میں رغبت کرنے لگوگے (دُنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے کئی گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے)۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6426)

جہاں یہ خوش خبری دی گئی کہ اُمّتِ مسلمہ مجموعی طور پر کبھی بھی شرک میں مبتلا نہیں ہوگی، وہاں یہ تاکید بھی فرمائی گئی کہ ہر مسلمان کے دل میں شرک وکفر سے نفرت ہونا لازم ہے، اُسے چاہیے کہ اپنی طاقت کے مطابق شرک وکفر کو مٹانے اور اسلام وشریعت کو فروغ دینے کی کوشش کرے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں تین خوبیاں ہوں اُسے اِن کی برکت سے ایمان کی مٹھاس نصیب ہو جائے گی:

1) أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ "اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ اُسے دیگر تمام سے زیادہ محبوب ہوں۔"

2) وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ۔ "وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے بندۂ خدا سے محبت کرے۔"

3) وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔ "وہ کفر کی طرف جانے کو یوں ناپسند سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند جانتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6941)

محدثینِ کرام علیہم الرحمہ نے لکھا: کفر سے نفرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی زبان اور عمل کے ذریعے اسلام کی مدد کرے، شریعت کا دفاع کرے، سنتِ رسول ﷺ کو اختیار کرے اور کفر وشرک کو مٹائے۔[1]

شرک وکفر کو مٹانے والی اِس اُمّت کے کچھ افراد دُنیاوی مفادات کی خاطر شرکیہ رسموں میں شریک ہونے لگے ہیں اور جانے اَن جانے میں غیر مسلموں کے کفریہ مذہبی تہواروں کو اچھا کہتے پھرتے ہیں۔

عیسائیوں نے خود سے یہ طے کر لیا کہ وہ 25 دسمبر کو "کرسمس" کے عنوان سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جشنِ ولادت منایا کریں گے، چنانچہ وہ اِس دن کو اپنا مذہبی تہوار مناتے ہیں اور بہت ساری بے ہودہ وکفریہ رسمیں پوری کرتے ہیں، افسوس کہ موجودہ دَور میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اِس خالص عیسائی تہوار میں شریک ہوتی ہے یا عیسائیوں کو مبارک باد دیتی ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کچھ گفتگو ہوگی۔

---

[1] وَمِنْ عَلَامَاتِ هٰذِهِ الْمَحَبَّةِ نَصْرُ دِيْنِ الْإِسْلَامِ بِالْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالذَّبُّ عَنِ الشَّرِيْعَةِ الْمُقَدَّسَةِ وَالتَّخَلُّقُ بِأَخْلَاقِ الرَّسُوْلِ عليه الصلاةُ والسلامُ... (إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، تحت الحدیث)

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ

عیسائی خود کو توحید پرست اور سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اُمّتی کہتے ہیں، مگر اُن سے متعلق اکثر عیسائیوں / Christians کا عقیدہ وہ نہیں ہے جو اُنھوں نے سکھایا تھا۔

عیسائیوں کے متعدد فرقے کہتے ہیں کہ اِلٰہ / خدا تعالیٰ واحد ہے، اُس کا ظہور تین طرح سے ہے اور یہ تینوں اقانیم معبود ہیں:

1) باپ، یعنی باری تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ۔
2) بیٹا، یعنی سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام۔
3) اور روح القدس، یعنی سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام، نعوذ باللہ من ذلك۔

اِس جھوٹے تصور کو عقیدۂ تثلیث (Trinity) کہا جاتا ہے، یہ اعتقاد خالص شرک و کفر ہے، قرآنِ مجید نے واضح طور پر اِس کی نفی فرمائی ہے، حتّٰی کہ اِس عقیدے کے کفر ہونے میں شک کرنے والا بدبخت بھی کافر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ ”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا: بلاشبہ اللہ تین (معبودوں) میں سے تیسرا ہے، حالانکہ عبادت کا مستحق تو صرف ایک ہی معبود ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اِن اقوال سے باز نہ آئے تو جو اِن میں کافر رہیں گے اُن کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔“ [المائدۃ 5:73]

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ولادت قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانی ہے، ربّ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، اِس سے بدبخت عیسائیوں نے یہ شوشا چھوڑا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقتِ حال واضح فرمانے کے لیے نہایت واضح روشن مثال بیان کی، ارشاد فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ ”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، جسے اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا: ”ہو جا“ تو وہ فوراً ہو گیا۔“ [اٰلِ عمران 3:59]

یعنی بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے عقل کے اندھو! حضرت آدم کی پیدائش تو اِن سے بھی زیادہ غیر معمولی طریقے سے ہوئی ہے؛ یہ تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، جب کہ حضرت آدم باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ جب حضرت آدم فقط کلمہ ”کُن“ سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں تو حضرت عیسیٰ باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بارے میں اسلامی عقائد

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے متعلق اسلامی عقائد نہایت واضح اور معتدل ہیں:

⟸ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب و معزز رسول ہیں۔ آپ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اِس بات سے کیجیے کہ مخلوق میں سب سے بلند شان ہمارے آقا کریم ﷺ کی ہے، آپ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ عزت و فضیلت آپ کے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، پھر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام کو عطا ہوئی، اِن کے بعد پوری مخلوق میں سب سے اُونچا مقام سیدنا عیسیٰ روح اللہ اور سیدنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام کا ہے۔[1]

⟸ آپ کو کئی عظیم الشان معجزات سے نوازا گیا۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ آپ مٹی کے پرندے بنا کر اُن میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جان دار ہو کر اُڑنے لگتے... آپ کی دُعا سے پیدائشی نابینا کو آنکھیں مل جاتیں اور کوڑھ کے بیمار بھی شفایاب ہو جاتے... آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے اور لوگوں کو بتا دیتے کہ اُنھوں نے کیا کھایا ہے اور گھروں میں کیا چھپا کر رکھا ہے۔

⟸ آپ کی ولادت قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانی ہے، کہ اللہ کریم نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔

⟸ یہ بھی شانِ قدرت کا عجب اِظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا تھا۔ آیتِ کریمہ کے مطابق جو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو سولی دی گئی اُنھیں کچھ معلوم نہیں، وہ غلط فہمی میں ہیں۔ (النساء4:157 تا159) چنانچہ آپ اب بھی زندہ ہیں اور آسمان میں موجود ہیں، ابھی آپ کے بارے میں موت کا وعدہ پورا ہونا باقی ہے۔

⟸ قیامت سے پہلے آپ زمین پر دوبارہ تشریف لائیں گے، اسلامی عقائد اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام کی ترویج و اِشاعت کریں گے، پھر وفات کا وعدہ پورا ہو گا اور جانِ عالم ﷺ کے پاس روضۂ مطہرہ میں دفن ہوں گے۔

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام کی بغیر باپ کے ولادت

سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام کی والدہ ماجدہ کا اسمِ مبارک "مریم" ہے، وہ نہایت پاک دامن اور دین دار خاتون تھیں، سیدتنا مریم کے والدِ گرامی کا نام "عمران بن ماثان" اور والدہ محترمہ کا نام "حَنَّہ" ہے، علیہم الرضوان۔

ایک موقع پر سیدہ مریم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا عبادت والی جگہ پر موجود تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کو ایک خوب صورت نوجوان کی شکل میں آپ کی طرف بھیجا۔ چنانچہ آپ نے اجنبی نوجوان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی، سیدنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا:

---

[1] تکمیل الایمان، از شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی، ص:124، 125۔ بہارِ شریعت، ج:1(ب)، حصہ اول، ص:54، مکتبۃ المدینہ، ملتقطًا

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ یعنی ”مجھے آپ کے رب نے بھیجا ہے؛ تاکہ مَیں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔“

[مریم19:19]

خوش خبری ملنے پر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیران ہو کر کہا: نہ تو میرا کسی سے نکاح ہوا ہے اور نہ ہی مَیں بدکار عورت ہوں تو پھر میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو گا؟ اُنھیں جواب دیا گیا: كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ ”اللہ یوں ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اُسے صرف اتنا فرماتا ہے: ”ہو جا“ تو وہ کام فوراً ہو جاتا ہے۔“[اٰلِ عمران3:47]

دوسری آیتِ کریمہ ہے: كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ ”ایسا ہی ہے، آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے بہت آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنادیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت (بنادیں) اور یہ ایسا کام ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“[مریم19:21]

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُسی وقت حاملہ ہو گئیں اور کچھ عرصہ بعد ولادت ہو گئی۔ اب اُنھیں پریشانی تھی کہ لوگ پوچھیں گے: نکاح کے بغیر بچہ کیسے پیدا ہوا؟ تو کیا جواب دوں گی! اُنہیں حکم ملا: جب کوئی پوچھے گا تو آپ خاموش رہنا، بس اشارہ کر دینا کہ اصل صورتِ حال اِس بچے سے پوچھو۔ چنانچہ جب وہ سیدنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اُٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا: اے مریم! آپ کے والدین نہایت نیک تھے، بغیر نکاح کے یہ بچہ کیسے پیدا ہو گیا؟ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اِشارہ کر دیا کہ بچے سے پوچھ لو، یہ جواب دے گا۔ لوگوں نے کہا: یہ نَومولود بچہ ہمیں کیسے بتائے گا؟ سیدنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

- اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا o ”بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔“
- وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۡ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا o ”اور اُس نے مجھے مبارک (لوگوں کو نفع پہنچانے والا، خیر کی تعلیم دینے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور اس کی توحید اور عبادت کی دعوت دینے والا) بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے جب تک میں زندہ رہوں۔“
- وَبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا o ”اور (مجھے) اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا (خدمت گزار) بنایا اور مجھے متکبر، بدنصیب نہ بنایا۔“
- وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا o ”اور مجھ پر سلامتی ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن وفات پاؤں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔“[مریم19:30تا33]

عقیدۂ توحید کی مختصر وضاحت

"توحید" وہ بنیادی عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ سمیت تمام انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوات والتَّسۡلِیۡمات نے اپنی اُمتوں کو اِس کی کامل تبلیغ اور بھرپور تاکید فرمائی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ۔ "اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف وَحی فرماتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم میری ہی عبادت کرو۔" [الانبیاء 25:21]

سیدنا عیسیٰ نے بچپن میں ہی بطورِ معجزہ کلام فرمایا تو سب سے پہلے یہ بات فرمائی: "مَیں اللہ کا بندہ ہوں"، یعنی زبانِ اقدس سے پہلا جملہ وہ ارشاد فرمایا جس سے آپ کو خدا کا شریک ٹھہرانے والوں کے عقیدے کی نفی ہوتی ہے۔

نبیِ کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو عرب میں بُت پرستی عام تھی، آپ ﷺ نے پوری قوّت کے ساتھ توحید کا درس دیا، کفار نے ہر طرح سے آپ کو روکنے کی کوشش کی، مگر آپ نے تمام تکالیف کو برداشت کیا، لیکن پیغامِ توحید پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

عقیدۂ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ اُس کی ذات میں، نہ اُس کی صفات میں، نہ اُس کے اسما (ناموں) میں، نہ اُس کی سلطنت میں اور نہ ہی اُس کے افعال و احکام میں... وہ جسم اور اعضا و جوارح سے پاک ہے... سب کچھ وہی کرتا ہے اور اُس کا ہر فعل پُر حکمت ہوتا ہے، مگر اُس کے کسی فعل کی "علت" یا "غرض" نہیں ہوتی... وہ کسی کا محتاج نہیں، مگر تمام جہان اُس کا محتاج ہے... وہ تنہا معبود ہے، اُس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں... صرف وہی واجب الوجود ہے، باقی سب اپنے وُجود میں اُس کے محتاج ہیں۔ اُس کی ذات کو عقل کے ذریعے سمجھنا ناممکن ہے، بلکہ اُس کی ذات میں غور و فکر کی اِجازت ہی نہیں، اُس کے افعال اور اُس کی قدرتوں میں غور کرنا چاہیے؛ تاکہ اُس کی معرفت نصیب ہو۔ اِن مختصر جملوں کی مختصر وضاحت اِس طرح ہے کہ:

⟸ ذات میں اُس کا کوئی شریک نہیں: یعنی نہ تو اُس کی کسی کے ساتھ کسی بھی طرح کی رشتہ داری ہے اور نہ ہی اُس کی کوئی جنس یا جزو ہے۔

⟸ صفات میں اُس کا کوئی شریک نہیں: یعنی کسی دوسرے کی کوئی بھی صفت اُس کی کسی صفت جیسی نہیں... مخلوق کے تمام اوصاف اُسی کے عطا کیے ہوئے ہیں اور بعد میں پیدا ہوئے ہیں، جب کہ اُس کی تمام صفات ذاتی اور قدیم ہیں۔

جن صفات کے بارے میں ہمیں لگتا ہے کہ وہ اُس کی صفات جیسی ہیں... مثلاً وہ بھی سنتا ہے اور انسان بھی سنتا ہے، اِسی طرح وہ بھی دیکھتا ہے اور انسان بھی دیکھتا ہے... یہ ہماری خوبیاں ہرگز اُس کی صفات جیسی نہیں؛ کیونکہ اُس کی تمام خوبیاں ذاتی ہیں، جب کہ انسان کو ہر خوبی اُس نے عطا فرمائی ہے، نیز اُس کی تمام صفات ازلی ہیں، جب کہ انسان خود بھی حادث ہے (پہلے نہیں تھا، بعد میں پیدا ہوا) اور اُس کی تمام صفات بھی حادث ہیں۔

⟸ ناموں میں کوئی شریک نہیں: کسی کا بھی نام اُس کے ناموں جیسا نہیں (مخلوق کی صفات اور اُن پر دلالت کرنے والے نام اُسی کے عطا کردہ ہیں)۔

⟸ سلطنت میں اُس کا کوئی شریک نہیں: یعنی وہ ایسا حاکمِ مطلق اور بے نیاز بادشاہ ہے کہ ہر ہر ذرہ اُس کی بادشاہی میں شامل ہے، مگر اِس بے مثال سلطنت میں وہ تنہا ہے، نہ اُس کا کوئی وزیر ہے اور نہ ہی کوئی مشیر ہے۔

⟸ افعال واحکام میں اُس کا کوئی شریک نہیں: یعنی ہر چیز کو اُسی نے پیدا فرمایا ہے اور ہر کام اُسی کی مشیت وارادے سے ہے، مگر نہ تو پیدا کرنے اور دیگر افعال میں کوئی اُس کا معاوِن ومددگار ہے اور نہ ہی وہ اپنے فیصلے وحکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

⟸ وہ جسم اور اعضا سے پاک ہے: انسان سننے کے لیے کانوں اور دیکھنے کے لیے آنکھوں کا محتاج ہے، اِسی طرح اُسے دیگر اعضا کی ضرورت ہے، جب کہ باری تعالیٰ ہر موجود کو دیکھتا ہے، مگر آنکھوں سے پاک ہے... وہ ہر آواز کو سنتا ہے، مگر کانوں سے پاک ہے... اِسی طرح دیگر اعضا اور جسم سے بھی اُس کی شان بلند ہے۔

⟸ اُس کے افعال کی علت وغرض نہیں: جب کسی کام کے بارے میں پوچھیں: "کیوں کیا؟" تو جواب میں علت (وجہ) کو ذکر کیا جائے گا.. اور جب پوچھیں: "کس لیے کیا؟" تو جواباً غرض مذکور ہوگی۔ "کیوں" اور "کس لیے" سے ہٹ کر کام کے جو نتائج وثمرات ہوتے ہیں اُنہیں "حکمت" اور "فائدہ" کہا جاتا ہے۔ افعالِ باری تعالیٰ میں "علت" یا "غرض" نہیں ہوتی، اُس کی شان اِس بات سے بلند ہے کہ وہ علت کا محتاج ہو یا اُس کی کوئی خوبی کسی فعل کے ذریعے مکمل ہو... تاہم اُس کے ہر فعل میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔

⟸ وہ تنہا معبود ہے: کسی کو معبود سمجھ کر اُس کی حد درجہ تعظیم کرنے اور اُس کے سامنے انتہائی عاجزی کرنے کو "عبادت" کہا جاتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے... اُس کے علاوہ کسی کو لائقِ عبادت سمجھنا یا اُس کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا "شرک" اور بدترین کفر ہے۔ یاد رہے کہ ہر تعظیم عبادت نہیں ہوتی، تعظیم عبادت تب ہوتی ہے جب معظَّم کو معبود سمجھا جائے۔

⟸ وہ واجب الوجود ہے: یعنی وہ کسی دوسرے سبب کے بغیر محض اپنی ذات کے تقاضا سے موجود ہے اور اُس کا عدم (نہ ہونا) محال ہے... اُس کے علاوہ ہر چیز اُس کے بنانے سے ہے اور ہر چیز کا عدم ممکن ہے (ہر چیز کے بارے میں یہ ممکن ہے کہ وہ نہ ہو)۔ اُس کے علاوہ کسی کو واجب الوجود سمجھنا خالص شرک اور بدترین کفر ہے۔ (اِن عقائد سے متعلق مزید دیکھیے فتاوٰی رضویہ: 29/339۔ بہارِ شریعت، حصہ اول)

⟸ عقل اُس کا اِحاطہ نہیں کر سکتی: عقل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، مگر اِس کی ایک حد ہے، یہ مخلوق کو سمجھ اور پرکھ سکتی ہے، خالق کی شان اِتنی بلند ہے کہ نہ تو عقل اُس کی ذات کا اِحاطہ کر سکتی ہے اور نہ ہی ہمیں اُس کی ذات میں غور وفکر کی اِجازت ہے، اُس کے افعال اور اُس کی قدرتوں میں غور کرنا چاہیے؛ تاکہ اُس کی معرفت نصیب ہو۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: «تَفَكَّرُوْا فِيْ آلَاءِ اللهِ، وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللهِ۔» "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں (اُس کے افعال اور عظمت وبزرگی) میں غور وفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور مت کرنا (کیونکہ تمہاری عقل اُس کی ذات کا ادراک کرنے کے قابل نہیں)۔"

(العظمة لأبي الشيخ، الحديث: 1۔ شعب الإيمان، الحديث: 120۔ الترغيب والترهيب، الحديث: 671)

حرفِ آخر... کرسمس کی حقیقت اور کفار کے تہواروں میں شرکت کی ممانعت

انسانوں کی راہ نمائی کے لیے بھیجے گئے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو اپنے اپنے ادوار / زمانوں کے تقاضوں کے مطابق مختلف شریعتیں عطا ہوئیں، مگر اُن تمام کا دین ایک ہی ہے، یعنی سیدنا رسول اللہ ﷺ نے جو عقائد تعلیم فرمائے سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی وہی عقائد سکھائے تھے۔

"عقیدۂ توحید" ہر نبی کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ رہا ہے، اِس کے باوجود گزشتہ اُمتیں اپنے انبیا کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کفر و شرک میں مبتلا ہو گئیں، مگر سرکارِ دو عالم ﷺ کے صدقے میں آپ کی اُمّت پر یہ احسان فرمایا گیا کہ یہ مجموعی طور پر کبھی بھی شرک میں مبتلا نہیں ہو گی۔

ہمیں تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اسلام سے ٹوٹ کر محبت کریں اور کفر و شرک سے بھرپور نفرت رکھیں، اپنی طاقت کے مطابق اسلام کی ترویج و اِشاعت کے لیے کوشش کریں اور کفر و شرک کا خاتمہ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ کفر و شرک کو مٹانے والی اُمّت کا کوئی فرد کفریہ رسموں میں شریک ہو... یا شرکیہ تہواروں کی تعریف کرے... یا غیر اسلامی تقریبات پر مبارک باد دے!

اِسی ہفتے میں عیسائیوں کا مذہبی تہوار کرسمس آنے والا ہے۔ چنانچہ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ سیدنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی تاریخِ ولادت سے متعلق قرآن و سنت میں کوئی تصریح نہیں، بلکہ عیسائیوں کی موجودہ کتابوں میں بھی تاریخِ ولادت کا ذکر نہیں۔ اُن کی پیدائش کے صدیوں بعد عیسائیوں نے خود ہی یہ طے کیا کہ ہر سال 25 دسمبر کو جشنِ ولادت منایا جائے گا، اب دنیا بھر میں عیسائی 25 دسمبر کو "کرسمس" کے نام سے سیدنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کا یومِ ولادت مناتے ہیں اور کئی بے ہودہ و کفریہ رسمیں بھی پوری کرتے ہیں۔

عیسائیوں کو کرسمس کی مبارک باد دینا کیسا ہے؟ Happy Christmas (کرسمس مبارک) اور کیک کاٹنے کے شرعی حکم کی وضاحت سے پہلے "مبارک باد" کے لفظ پر غور کیجیے کہ یہ برکت کی دُعا ہے، اب اپنے ضمیر سے پوچھیے: کیا ضمیر گوارا کرتا ہے کہ ہم کافر سے کہیں: اللہ تجھے برکت اور بھلائی دے۔ بہر حال شرعی حکم یہ ہے کہ:

- اگر کوئی مسلمان جائز طریقے سے کسی عیسائی کے سامنے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش پر خوشی کا اِظہار کرے اور عیسائیوں کے اِس تہوار کی تعظیم ہرگز مقصود نہ ہو تو کسی حد تک جائز ہو سکتا ہے، لیکن اس کے نتیجے میں جو صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے اُس کی وجہ سے (سدِّ ذرائع کے تحت) علما اِسے بھی ممنوع قرار دیتے ہیں۔

- رواداری کے نام پر اُن کی عبادت گاہوں میں جانا یا اُن کی مذہبی رسومات میں شرکت کرنا یا اُنھیں دُعا دینا بلاشبہ حرام ہے۔[1]
- جب کہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ اُن میں کفر لازم آتا ہے، مثلاً:
  - کفار کے کسی مذہبی تہوار کو اچھا اور جائز سمجھنا۔
  - یا اُن کے مذہبی تہوار کی وُقعت اور شان و شوکت بڑھانے کے لیے اُس میں شرکت کرنا۔
  - یا اُن کے مذہبی تہوار کے موقع پر صرف تہوار کی وجہ سے خریداری وغیرہ کرنا۔
  - یا اُن کی کسی ایسی رسم کو اچھا سمجھ کر پورا کرنا جو کفر و شرک پر مشتمل ہو... اِن تمام صورتوں میں کفر لازم آتا ہے۔[2]

کفار / بے دینوں کے پاس بیٹھنے سے متعلق ارشادِ خداوندی ہے: وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ ”اے سننے والے! جب تُو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں تو اُن سے منہ پھیر لے جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔“ [الانعام6:68]

سیدنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ولادتِ باسعادت فلسطین کے معروف شہر ”بَیْتُ اللَّحْم“ میں ہوئی، اِس وقت جائے ولادتِ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے باسی انتہائی مشکل حالات سے گزر رہے ہیں۔

07 اکتوبر، 2023ء سے جاری اسرائیلی درندگی میں اب تک تقریباً 20,000 بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید ہو چکے ہیں، 50,000 کے قریب زخمی ہیں، جن کے علاج کے لیے ہسپتال بھی دستیاب نہیں اور لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

عالمی اداروں کے مطابق اسرائیلی فوج جان بوجھ کر مختلف طریقوں سے فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہی ہے۔ اِس درندگی کو نہ روک پانا امن کے عالمی ٹھیکیداروں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے، لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک اور قابلِ مذمت بات یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں نے تاحال اپنے مسلمان بھائیوں کے تحفّظ کے لیے کوئی ٹھوس اِقدام نہیں کیا، فقط مذمتی قرار دادیں پاس کی ہیں۔

خونِ مسلم اتنا قیمتی ہے کہ حدیثِ پاک کا مفہوم ہے: ربّ تعالٰی کی بارگاہ میں ایک مسلمان کا ناحق قتل پوری دُنیا کی تباہی سے زیادہ سخت ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث: 1395۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 2619)

---

[1] سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: مَنْ بَنٰى بِبِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوْزَهُمْ وَمِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتّٰى يَمُوْتَ وَهُوَ كَذٰلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (السنن الکبرٰی، للبیہقی، حدیث: 18863)

[2] مزید معلومات کے لیے دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، جلد: 21، صفحہ: 188۔ بہارِ شریعت، حصہ: 9، ص: 466۔ فتاوٰی تاج الشریعہ، ج: 2، ص: 104

۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ / 29 دسمبر 2023ء

حقیقت میں عقل مند شخص کون ہے؟

(نئے شمسی سال کے آغاز کی مناسبت سے)

مشمولات

- عقل کی اہمیت اور عقل مندی کی نشانی
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "ماضی" سے سبق حاصل کرنا
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "حال" کو سنوارنا
- وقت کی قدر اور سیرتِ اعلیٰ حضرت و مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہما
- عقل مندی کا تقاضا... اپنے "مُستَقبل" کے لیے تیاری
- سب سے بڑا عقل مند
- سالِ نَو کی آمد پر دُعا اور ایذائے مسلم کی حرمت
- سب سے بڑی دانائی اور سب سے بڑی حماقت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یُؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ o [البقرۃ2:269]

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو دیگر مخلوقات سے افضل و برتر پیدا فرمایا، اِسے نہایت عمدہ صورت، موزوں قد و قامت سے نوازا اور قوتِ گویائی کا اِعزاز عطا فرمایا، مزید یہ کہ عقل و شعور دے کر صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔

عقلِ انسانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، حتّٰی کہ جسمانی طور پر کمزور انسان اِس عقل کے ذریعے اتنی بڑی بڑی چیزوں کو مُسَخَّر کرلیتا ہے کہ اُس کی اپنی عقل بھی حیران رہ جاتی ہے۔ عقل کا درست استعمال کرکے صرف دُنیا ہی نہیں، بلکہ آخرت کی کامیابی بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور اِس کو صحیح استعمال نہ کرنا سخت شرمندگی کا باعث ہوگا۔

عقل سے فائدہ اُٹھانے والوں کی تحسین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ ”عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“ [البقرۃ2:269] قرآنِ مجید سب کی ہدایت کے لیے نازل ہوا، مگر سب اِس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، نصیحت اُنھیں ہی حاصل ہوتی ہے جو اپنی عقل کا درست استعمال کرتے ہیں۔

عقلِ سلیم عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ باری تعالیٰ نے یہ بھی احسانِ عظیم فرمایا کہ اِس عقل کی راہ نمائی کے لیے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو مبعوث فرما کر دین اور شریعت سے نوازا... اب اگر انسان کی عقل کہیں ٹھوکر کھائے اور وہ بے عقلی کرکے اُسے عقل مندی کا نام دینے لگے تو دین و شریعت اُس کی راہ نمائی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حقیقت میں ”عقل مندی“ کیا ہے اور حماقت و بے وقوفی کیا ہے؟

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ”عقل مند“ وہ شخص ہے جو اپنے ”ماضی“ (Past) سے سبق حاصل کرے، اپنے ”حال“ (Present) کو شریعت کے مطابق بنانے اور اُسے سنوارنے کی کوشش کرے اور اپنے ”مُستَقبِل“ (Future) کے لیے تیاری کرے۔ قوی اُمّید ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہان میں کامیاب ہوگا... اِس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنا محاسبہ نہ کرے، ماضی کی غلطیاں دُور نہ کرے، اپنے حال کو شریعت کے مطابق بنانے و سنوارنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے مستقبل سے بے فکر رہے وہ بہت بے عقلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور خدشہ ہے کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اِسے سخت شرمندگی اُٹھانا پڑے۔

دو دن بعد ہماری زندگی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہونے والا ہے... شمسی سال 2023ء مکمل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نئے شمسی سال 2024ء کا آغاز ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ اِس موقع پر ”عقل مند“ ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے گزشتہ سال کے اعمال کا جائزہ لیں اور اپنے مستقبل کی فکر کرتے ہوئے اپنے حال کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

عقل مندی کا تقاضا... اپنے "ماضی" سے سبق حاصل کرنا

"عقل مند" ہونے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے "ماضی" (Past)، یعنی گزشتہ ایام کا جائزہ لے.. ماضی میں اچھے اقوال و اعمال کی توفیق پر ربّ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو غلطیاں ہوئی ہیں اُن پر توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ آئندہ اُنھیں دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اِس عمل کو "محاسبہ" اور "خود احتسابی" (Self-Censorship and Accountability) بھی کہا جاتا ہے۔

خود احتسابی / محاسبہ کامیابی کا زینہ ہے، اِس کے ذریعے انسان اپنے اندر پیدا ہونے والے مثبت اور منفی رجحانات کا پتا لگا سکتا ہے، اپنی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھ سکتا ہے، اپنے اخلاق و کردار کو سنوار سکتا ہے اور لاپرواہی سے جان چھڑا سکتا ہے۔ دُنیا بھر کی کمپنیاں، تنظیمیں اور اِدارے حساب کتاب / آڈٹ (Audit) کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے بہتری کا لائحۂ عمل تشکیل دیتے ہیں۔

کتنی نالائقی والی بات ہے کہ انسان عارضی دُنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے تو سال بسال آڈٹ (Audit) کرتا ہے مگر اپنی دائمی اُخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ماضی کا محاسبہ نہیں کرتا۔

ارشادِ ربّانی: اللہ تعالیٰ نے خود احتسابی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ضرور ہر شخص غور کرتا رہے کہ اُس نے کل (روزِ قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے۔" [الحشر 18:59]

فرمانِ نبوی: سیدنا ابو یعلیٰ شدّاد بن اَوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ[1] وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔» یعنی "عقل مند و محتاط شخص وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرے اور موت کے بعد نفع دینے والے اعمال کرے... اور عاجز (بے عقل و غیر محتاط) وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے پڑا رہے اور اللہ سے (انعام و اکرام کی) تمنا رکھے۔"[2] (جامع ترمذی، حدیث: 2459۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 4260)

قولِ فاروقی: سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا، وَتَزَيَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ، وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا۔ یعنی خود اپنا محاسبہ کرو اِس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے، بڑی پیشی کے لیے خود کو سنوارو، جو دنیا میں اپنا محاسبہ کرتا رہا اُسی کے لیے قیامت کے دن حساب دینا آسان ہو گا۔ (ترمذی: 2459)

---

[1] مَنْ دَانَ نَفْسَهُ: جَعَلَهَا دَنِيَّةً مُطِيْعَةً لِأَمْرِهٖ تَعَالٰى مُنْقَادَةً لِحُكْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ۔ وَفِي النِّهَايَةِ: أَيْ: أَذَلَّهَا وَاسْتَعْبَدَهَا۔ وَقِيْلَ: حَاسَبَهَا... قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْعُلَمَاءِ: مَعْنٰى "دَانَ نَفْسَهُ" حَاسَبَهَا۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 5289)

[2] ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح

عملِ ذوالنورین: فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک دن اپنے کھجوروں کے باغ سے تشریف لا رہے تھے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنے سر پر رکھا ہوا تھا، حالانکہ اُس وقت آپ 400 غلاموں کے مالک تھے، لوگوں نے عرض کی: امیر المؤمنین یہ کیا حال ہے؟ (کسی خدمت گزار کو حکم فرمادیں، خود سر پر بوجھ اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟) فرمایا: أُرِيْدُ أَنْ أُجَرِّبَ نَفْسِيْ۔ مَیں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں... اگرچہ میرے پاس غلام ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں، مگر میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کا تجربہ / محاسبہ کروں کہ کہیں لوگوں میں عزت کی وجہ سے وہ اِس کام سے انکار تو نہیں کرتا۔[1]

(کشف المحجوب فارسی، الباب السادس فی الملامۃ، ص:79، سنگِ میل پبلی کیشنز)

لمحۂ فکریہ: دین سکھاتا ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً، خصوصاً ایک مرحلے کے اختتام پر اپنا محاسبہ کریں اور آئندہ بہتری کے لیے کوشش کریں، جب کہ ہماری عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ سال کی آخری رات کو نیو ایئر نائٹ کے نام پر شریعت کی کھلی خلاف ورزیاں کرتے ہیں، یوں اختتامی لمحات میں گزشتہ گناہوں / کوتاہیوں سے معافی مانگنے کے بجائے اُن میں مزید اِضافہ کر لیتے ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ کسی بھی کام کا آغاز اور اختتام اہمیت کا حامل ہوتا ہے... آغاز اچھا ہو تو اچھے نتیجے کی اُمید قائم کی جاتی ہے اور اختتام سے نتیجہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

حدیثِ مبارک میں تربیت فرمائی گئی کہ ہر مجلس / نشست کا اختتام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید، توحید کی گواہی اور استغفار پر ہونا چاہیے، اِس کی برکت سے اُس نشست میں ہونے والی خطاؤں کی معافی مل جاتی ہے۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اُمّت کی تربیت کے لیے) نماز کا سلام پھیرتے ہی یہ دُعا کرتے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَوَاتِيْمَ عَمَلِيْ رِضْوَانَكَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ۔» یعنی "اے اللہ! میری عمر کے آخری حصہ کو میری زندگی کا بہترین حصہ بنانا... اے اللہ! میرا آخری عمل تیری رضا (والا عمل) ہو... اے اللہ! میرا بہترین دن اُس دن کو بنا جس میں میری تجھ سے ملاقات ہونی ہے!" (المعجم الاوسط، حدیث: 9411۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی، حدیث: 121)

ہمیں چاہیے کہ سال کے اختتام پر تلاوتِ قرآنِ مجید، ذکرِ الٰہی، دُرود و سلام اور دُعا و استغفار کا اہتمام کریں؛ تاکہ گزشتہ کوتاہیوں کی معافی ملے۔ گناہ والے کام ہر وقت حرام ہیں، اُن پر کسی مرحلے کا اختتام بہت بدنصیبی ہے۔

---

[1] مرا غلامان هستند که این کار بکنند، ولیکن می خواهم که من نفسِ خود را تجربه کنم؛ تا جاهِ خلق اُو را از هیچ کارے باز دارد؟

[2] عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: مَنْ جَلَسَ فِيْ مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْمَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ذٰلِكَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 3433، ورواہ أبو داود فی سننہ عن أبی برزۃ الأسلمی مرفوعًا، رقم الحدیث: 4859)

عقل مندی کا تقاضا... اپنے "حال" کو سنوارنا

"عقل مند" ہونے کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے "حال" (Present)، یعنی موجودہ وقت کو با مقصد و مفید کاموں میں گزارے اور فضول و نقصان دہ کاموں میں ضائع نہ کرے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ "ماضی" انسان کے اختیار میں نہیں؛ کہ وہ گزر چکا ہے، "مستقبل" کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ نصیب ہو گا یا نہیں، چنانچہ جو وقت اُس کے اختیار میں ہے وہ صرف "حال" ہے... دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ انسان ماضی میں کچھ کر نہیں سکتا اور مستقبل کا علم نہیں ہے، جو وقت موجود ہے اُس سے فائدہ اُٹھانا عقل مندی ہے اور اُسے ضائع کر دینا حماقت ہے۔

قرآن و سنت میں وقت کی قدر کرتے ہوئے اُس میں خود کو سنوارنے پر بہت زور دیا گیا ہے اور یہ بات سمجھانے کے لیے مختلف طریقوں سے راہ نمائی فرمائی گئی ہے۔

وقت کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر مختلف اوقات کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں: وَالصُّبْحِ، وَالْفَجْرِ، وَالضُّحٰى، وَالْعَصْرِ، وَاللَّيْلِ، وَالنَّهَارِ... صبح کی قسم، فجر کی قسم، چاشت کی قسم، عصر کی قسم، رات کی قسم، دن کی قسم۔ انہی اوقات سے دن، راتیں اور پھر ہفتے، مہینے و سال بنتے ہیں۔

ضیاعِ وقت کی مذمت: انسان کی ایک بڑی خامی یہ بھی ہے کہ جس وقت اُسے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تب وہ اُس نعمت کی قدر نہیں کرتا، پھر جب نعمت ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو افسوس کرتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اب افسوس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ وقت بھی ربّ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک ہے، اِس کی قدر بھی بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.» "دو نعمتوں سے متعلق بہت سے لوگ نقصان / خسارے میں ہیں: صحت اور فراغت۔" (صحیح بخاری، رقم:6412)
یعنی تندرستی اور وقت و فرصت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں، مگر بہت سے لوگ اِن کی قدر نہیں کرتے اور اِنھیں ضائع کر کے شرمندہ ہوتے ہیں، پھر شرمندگی کا فائدہ نہیں ہوتا۔

بہترین اور بدترین انسان: سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: بہترین انسان کون ہے؟ فرمایا: «مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ.» "جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں"، اُس نے پوچھا: بدترین انسان کون ہے؟ فرمایا: «مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ.» "جس کی عمر لمبی ہو اور عمل برے ہوں۔" (جامع ترمذی:2330)

محدثین نے لکھا کہ پہلا شخص بہترین اِس لیے ہے کہ اُسے نیکیوں میں ترقّی اور رحمتِ الٰہی حاصل کرنے کا وقت بھی ملا اور اچھے اعمال کی توفیق بھی نصیب ہوئی، چنانچہ اُس کی نیکیاں دوسرے لوگوں سے بڑھ کر ہیں... جب کہ دوسرے کے بدترین ہونے کا سبب یہ ہے کہ اُسے وقت تو ملا، مگر اُس نے اپنے وقت کو بُرے کاموں میں برباد کیا، یوں اِس کے گناہ باقی لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔

وقت کے قدردان: ہمارے بزرگوں نے وقت کی ایسی قدر کی کہ اُن کی باتیں سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو کسی والیٔ ریاست نے پیغام بھیجا: حضور! کبھی احسان کرتے ہوئے میرے پاس تشریف لائیں یا مجھے حاضر ہونے کی اِجازت دیں۔ آپ نے جواباً فرمایا: میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت اُسی کی اِطاعت کے لیے ہے، مَیں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں؟ (ماہنامہ النظامیہ، امام احمد رضا نمبر [دسمبر 2018ء]، ص:139، مجلس علماء نظامیہ پاکستان)

جامعہ نظامیہ رضویہ اور تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان کو بامِ عروج تک پہنچانے والی شخصیت، ہزاروں علما کے استاذ، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصال کے دن (26 اگست 2003ء کو) معمول کے مطابق جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تشریف فرما تھے اور لوڈشیڈنگ کے سبب اپنے دفتر کے دروازے کے قریب بیٹھ کر فتوٰی تحریر فرما رہے تھے۔ آپ کے رفیقِ خاص مولانا غلام فرید ہزاروی دامت برکاتہٗ نے اُنھیں دیکھ کر کہا: کچھ دیر لائٹ آنے کا انتظار کر لیجیے۔ آپ فرمانے لگے: اِس وقت میں جو کام ہو سکتا ہے اُسے کر لینا چاہیے (اگلے لمحے کا کیا اعتبار ہے)۔ چنانچہ پورا دن اسباق، فتوٰی نویسی اور دیگر دینی مصروفیات میں گزار کر نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد وصال فرما گئے۔ (ماہنامہ النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر [اگست 2018ء]، ص:199، ملخصًا)

لمحۂ فکریہ: وقت کی قدر اور اپنی اصلاح سے متعلق ہماری صورتِ حال بہت پریشان کن ہے، اگر ہم رات کو سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے معمولات کا جائزہ لیا کریں تو اِس بات کا احساس ہو گا کہ ہماری زیادہ تر گفتگو اور بیشتر کام ایسے ہیں جن کا نہ تو دُنیا میں کوئی خاص فائدہ ہے اور نہ ہی وہ آخرت میں نفع بخش ہیں۔ اِس سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ کہ ہمیں اپنے وقت کے ضیاع اور اپنی حالت کی خرابی کا احساس ہی نہیں کہ اپنا "حال" سنوار سکیں۔

جب جہنمی جہنم میں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں دوزخ سے نکال، اب ہم دُنیا میں جا کر اچھے کام کریں گے تو اُنہیں جواب میں فرمایا جائے گا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔ "اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر (لمبی زندگی) نہیں دی تھی کہ جس میں نصیحت قبول کر لیتا وہ شخص جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس (عذاب کا) ڈر سنانے والا بھی تشریف لایا تھا تو اب مزہ چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔" [الفاطر 35:37]

ہمیں چاہیے کہ عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے وقت کی قدر سیکھیں اور اُس میں خود کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

عقل مندی کا تقاضا... اپنے "مُستَقبِل" کے لیے تیاری

"عقل مند" ہونے کا تیسرا اہم تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے "مُستَقبِل" (Future)، یعنی آنے والے وقت کے لیے تیاری کرے، جو باتیں اور کام اُس کے بہتر مستقبل کے لیے ضروری ہیں اُنہیں اختیار کرے اور جن اُمور کی وجہ سے اُس کا مستقبل خراب ہو سکتا ہے اُن سے مکمل اجتناب کرے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ دانا شخص اپنے مستقبل کی ضرورت کا اندازہ لگا کر اُس کے مطابق تیاری کرتا ہے... اگر کسی جگہ فقط دو چار دن رہنا ہو تو وہاں کے لیے تیاری بھی اُتنی ہی ہوتی ہے اور جس جگہ کئی مہینے یا متعدد سال رہنا ہو وہاں کے لیے رہائش، سواری اور دیگر چیزوں کا بندوبست بھی اُسی مناسبت سے ہوتا ہے۔

قرآن و سنت میں جابجا انسان کو اِس حقیقت کا احساس دلایا گیا ہے کہ اُس نے دُنیا میں ایک محدود وقت تک رہنا ہے اور ایک دن ضرور یہاں سے کوچ کرنا ہے... جب کہ اُخروی زندگی دائمی ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ عقل مندی کا تقاضا ہے کہ انسان دُنیا کی فکر اُتنی ہی کرے جتنا اُس نے دُنیا میں رہنا ہے اور اپنی توجہ کا مرکز آخرت کو بنائے جو اُس کا اصل گھر ہے۔ اُس سے بڑا احمق کون ہوگا جو عارضی دُنیاوی زندگی کی لذت پانے کے لیے اپنے ربّ کی نافرمانی کرے اور دائمی زندگی کا سکون تباہ کر لے!

سب سے بڑا عقل مند: شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: مَیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر آپ ﷺ کو سلام پیش کیا، پھر عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! سب سے بڑا عقل مند، سب سے بڑھ کر محتاط اور سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ ارشاد فرمایا: «أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِّلْمَوْتِ وَأَشَدُّهُمُ اسْتِعْدَادًا لِّلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ، أُولٰئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ۔» یعنی "(سب سے زیادہ عقل مند، سب سے بڑھ کر محتاط اور سب سے زیادہ معزز وہ مسلمان ہیں) جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھیں اور موت آنے سے پہلے موت کے بعد کے لیے بہترین تیاری کریں، یہی سب سے بڑے دانا ہیں، اِنھوں نے دُنیا و آخرت کی عزت پائی۔"[1]

(المعجم الکبیر، حدیث: 13536۔ مکارم الاخلاق، حدیث: 3۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 4259)

---

[1] وفی روایۃ الحاکم: كُنْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَحُذَيْفَةُ وَابْنُ عَوْفٍ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ رضی اللہ عنہم، فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔» قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: «أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَّأَحْسَنُهُمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا قَبْلَ أَنْ يَّنْزِلَ بِهِمْ، أُولٰئِكَ مِنَ الْأَكْيَاسِ۔» ثُمَّ سَكَتَ الْفَتٰى۔ (المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث: 8623)
ولفظ ابن ماجۃ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا، وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا، أُولٰئِكَ الْأَكْيَاسُ۔ (رقم الحدیث: 4259)

لمحۂ فکریہ: جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو خوشیاں منائی جاتی ہیں اور غیر تربیت یافتہ لوگ فحاشی و عریانی اور دیگر گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں، توجہ طلب بات یہ ہے کہ کس بات کی خوشی منا رہے ہیں؟

- اگر اِس بات کی خوشی ہے کہ زندگی میں ایک سال کا اِضافہ ہو گیا تو یہ غلط فہمی ہے؛ کیونکہ حقیقت میں ایک سال بڑھا نہیں، بلکہ کم ہوا ہے، زندگی تو مقرر ہے جس کا بقیہ حصہ روز بروز کم ہو رہا ہے۔ کسی شاعر نے بہت سبق آموز بات کہی:

اِک اور اینٹ گر گئی دیوارِ حیات سے　　نادان کہہ رہے ہیں "نیا سال مبارک"

- اور اگر اِس بات پر خوش ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے ہمیں سنورنے کا ایک اور موقع عطا فرمایا ہے تو اِس احسان کا تقاضا یہ نہیں کہ اِس وقت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے، بلکہ اِس انعام کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مالک کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ ذہن بنائیں کہ آئندہ سال میں وہ کام کریں گے جو ہمیشہ کی اُخروی زندگی کے لیے فائدہ مند ہوں۔

نئے سال کے آغاز پر کیا کرنا چاہیے؟ ایک خوب صورت دُعا سے اِس بارے میں راہ نمائی ملتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نیا مہینہ یا سال شروع ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ دُعا سیکھتے اور پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَرِضْوَانٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، وَجَوَازٍ[1] مِّنَ الشَّيْطَانِ۔» (المعجم الاوسط، حدیث: 6241) یعنی اے اللہ! اِس مہینے اور سال کو یوں داخل فرما کہ ہمیں ظاہری طور پر بھی امن و سلامتی عطا ہو اور باطنی طور پر بھی... ہمارا ظاہر بھی تیرا فرماں بردار ہو اور باطن بھی نورِ ایمان سے منوّر ہو... اِس مہینے اور سال میں ہمیں رحمٰن جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا نصیب ہو اور شیطان سے دُوری مل جائے۔ (ترجمہ و تشریح ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح ولمعات التنقیح، زیرِ حدیث: 2428)

غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی نیو ائیر نائٹ پر شراب نوشی اور ناچ گانے کے پروگرامز... فحاشی، آتش بازی، ہوائی فائرنگ، موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے سلنسر نکال کر گلیوں سڑکوں پہ گھومنا اور لوگوں کا سکون برباد کرنا، وَن ویلنگ کا تماشا کرتے ہوئے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا... یہ سب اُمور عام ہوتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں اِن تمام کاموں سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

سیدنا ابو شُرَیح خُوَیلِد خُزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ۔ "اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں۔" عرض کی گئی: کون سا شخص؟ فرمایا: اَلَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ "جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔" (صحیح بخاری: 6016)

اگر سال کا آغاز اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے ہو تو اُس میں خیر و برکت کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے!

---

[1] بعض قلمی نسخوں میں یہ لفظ "وَجِوَارٍ" ہے، جب کہ دیگر میں "وَجَوَازٍ" ہے۔ پہلے کا معنیٰ: شیطان کے مقابلے میں اللہ کی حمایت و پناہ نصیب ہو۔

حرفِ آخر... سب سے بڑی دانائی اور سب سے بڑی حماقت

اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان فرماتے ہوئے اُسے عقل و شعور سے نوازا اور مزید کرم فرماتے ہوئے عقل کی راہ نمائی کے لیے شریعت عطا فرمائی۔ اگر انسان اپنی عقل کو شریعت کے تابع رکھ کر اُس کا درست استعمال کرے تو دونوں جہان میں عزت پاتا ہے.. اور اِس عقل کا غلط استعمال دونوں جہان میں رسوائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ انسان کتنی ہی بڑی حماقت کیوں نہ کرے وہ یہی سمجھتا ہے کہ مَیں بہت دانا ہوں، اِس کا مطلب ہے کہ داناوہ نہیں جو خود کو دانا کہے، بلکہ حقیقت میں داناوہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ دانا قرار دیں۔

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ "عقل مند" وہ شخص ہے جو اپنے "ماضی" (Past) سے سبق حاصل کرے، اپنے "حال" (Present) کو شریعت کے مطابق بنانے اور اُسے سنوارنے کی کوشش کرے اور اپنے "مُستَقبِل" (Future) کے لیے تیاری کرے۔ قوی اُمّید ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہان میں کامیاب ہو گا... اِس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنا محاسبہ نہ کرے، ماضی کی غلطیاں دُور نہ کرے، اپنے حال کو شریعت کے مطابق بنانے اور سنوارنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے مستقبل سے بے فکر رہے وہ بہت بے عقلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور خدشہ ہے کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اِسے سخت شرمندگی اُٹھانا پڑے۔

ماہِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ میں آپ کے ایک ارشادِ گرامی کا تذکرہ بھی ایمان افروز ہو گا۔ خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے: إِنَّ أَكْيَسَ الْكَيْسِ التَّقْوٰى، وَأَحْمَقَ الْحُمْقِ الْفُجُوْرُ۔ بلاشبہ سب سے بڑی دانائی تقوٰی ہے اور سب سے بڑی حماقت (وبے وقوفی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی) نافرمانی ہے۔" (السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث: 13009، ج:6، ص:574)

آپ کا یہ فرمان اگر محض محبت و حُسنِ عقیدت کی بنیاد پر مان لیا جائے تب بھی بے جا نہیں، لیکن اگر اِس کی حکمت پر غور کریں تو لُطف دوبالا ہو جاتا ہے... سب سمجھتے ہیں کہ داناوہ ہے جو نفع بخش چیز کو اپنائے اور بے فائدہ کو چھوڑ دے، جب کہ بے وقوف وہ ہے جو فائدے والا کام کرنے کے بجائے بے فائدہ میں اپنا وقت ضائع کر دے... دُنیا و آخرت میں سب سے زیادہ فائدہ مند چیز اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری ہے، جب کہ سب سے زیادہ نقصان دہ چیز اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی ہے... چنانچہ فرماں بردار فائدہ کو اختیار کرتا ہے، وہ سب سے زیادہ عقل مند ہے، جب کہ نافرمان اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرتا ہے، وہ سب سے بڑا احمق ہے۔

دو دن بعد نیا شمسی سال شروع ہونے والا ہے۔ اگرچہ شرعی احکام میں قمری مہینوں کا اعتبار کرنا لازم ہے اور دُنیاوی معاملات میں بھی اُنھیں ہی ترجیح دینی چاہیے، مگر دُنیاوی معاملات میں شمسی مہینوں کا اعتبار منع نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِس نئے شمسی سال کی آمد پر وقت کی قدر جانیں، ماضی کی کوتاہیوں کو دُور کرنے کی کوشش کریں، حال کو سنواریں اور مستقبل کے لیے تیاری کریں۔

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے وقت کی قدر سے متعلق خوب کہا:

اِنہی لمحوں سے دن، ہفتے، مہینے، سال بنتے ہیں
یہی گزریں تو "ماضی"، جاری ہوں تو "حال" بنتے ہیں

سبق "ماضی" سے لے کر گر سنوارا جائے "حال" اپنا
تو آنے والے لمحے روشن "استقبال" بنتے ہیں

یہ لمحے قیمتی سرمایہ ہیں اِس زندگانی کا
اِنہیں ضائع جو کرتے ہیں، وہی کنگال بنتے ہیں

گزاریں لمحہ لمحہ جو خدا کی ہی اِطاعت میں
ولی اور غوث ہوتے ہیں، قطب، اَبدال بنتے ہیں

کہے ٹِک ٹِک گھڑی کی، سانسیں تیری ہو رہی ہیں کم
یہی پیغام دینے کے لیے گھڑیال بنتے ہیں

فقط تخمینوں سے کچھ نہ ملے گا، ہے عمل لازم
وگرنہ زائچے، جدول نئے، ہر سال بنتے ہیں

بلا ناغہ کیے جائیں، اگرچہ ہوں وہ کم **ثاقب**
خدا کے ہاں پسندیدہ، وہی اَفعال بنتے ہیں

اگر ہم 2023ء کی بڑی غلطیوں پر غور کریں تو اُمّت کا ایک بہت بڑا اجتماعی جرم اسرائیلی درندوں کے سامنے اپنے فلسطینی مسلمان بھائیوں کو بے یار و مددگار چھوڑنا ہے۔ 07 اکتوبر سے جاری اسرائیلی درندگی میں اب تک تقریباً 21,000 بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید ہو چکے ہیں، 60,000 کے قریب زخمی ہیں، جن کے علاج کے لیے ہسپتال بھی دستیاب نہیں اور لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

حدیثِ مبارک میں نبیِ کریم ﷺ نے دوسرے مسلمان کی مدد کرنے والے خوش نصیب کو یہ بشارت دی کہ اُسے دُنیا و آخرت میں باری تعالیٰ کی مدد نصیب ہوتی ہے، جب کہ مسلمان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے والے اور اُسے ظالم سے نہ بچانے والے بے حس کو وعید فرمائی کہ وہ دُنیا و آخرت میں ذلّت و رسوائی کا مستحق ہے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 4884)

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ / 05 جنوری 2024ء

افضل البشر بعد الأنبیا رضی اللہ عنہ کی شانِ خشیت

مشمولات

- قربِ الٰہی کی فضیلت اور مقرّبینِ بارگاہ کی بے خوفی و خشیت
- اسلامی عقیدہ کے مطابق ترتیبِ افضلیت
- افضلیتِ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
- افضل البشر بعد الانبیا رضی اللہ عنہ اور خشیتِ الٰہی
- خشیتِ اِلٰہی کی ضرورت اور جہاد سے متعلق ارشادِ صدیقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی o الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی o وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی o وَلَسَوْفَ یَرْضٰی o [الّیل92: 17تا21]

اللہ تعالیٰ کی عطائیں اور نوازشات بے شمار ہیں، اُس کی طرف سے ملنے والا سب سے بڑا اِنعام واِعزاز یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنا قرب عطا فرمادے۔ تمام فضیلتیں اور عزتیں اِسی اِعزاز سے وابستہ ہیں، جتنا قرب زیادہ ملتا ہے دونوں جہان میں اُتنی ہی زیادہ عزت و فضیلت بھی نصیب ہوتی ہے... مختصر یہ کہ جو سب سے زیادہ قریب ہے وہی سب سے افضل بھی ہے۔

"قربِ الٰہی" سے "مکانی قرب" (جگہ قریب ہونا) مراد نہیں؛ کیونکہ ربّ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، بلکہ "قُرب سے نوازنے" کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندے کو اپنی معرفت عطا فرماتا ہے، اُس پر لُطف و کرم کرتا ہے اور اُس سے راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا قُرب کسے عطا فرماتا ہے؟ یہ محض اُس کی مشیت ورحمت کی بات ہے، اُس کی رحمت نہ تو کسی ضابطہ کی پابند ہے اور نہ ہی کسی عمل پر منحصر ہے۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے، جتنا چاہے اپنا قرب عطا فرماتا ہے... تاہم وہ جسے اپنے قریب کرنا چاہے اوّلاً اُسے ایمان کی دولت سے نوازتا ہے، پھر اپنی اِطاعت و فرماں برداری کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ایمان کے بغیر ربِّ کریم کا قرب پانا ناممکن ہے اور اعمالِ صالحہ اگرچہ شرط نہیں، تاہم اِن کی برکت سے ربّ تعالیٰ کرم کرتا ہے اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ جس قدر ایمان کامل ہو، فرماں برداری میں اِضافہ ہو اور اچھے اعمال کی کثرت ہو بندہ اُتنا ہی اپنے ربّ کے قریب ہوتا ہے اور فضیلت پاتا ہے۔

جس خوش نصیب کو ربّ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو وہ دونوں جہان میں مخلوق سے بے خوف ہو جاتا ہے، تاہم جس قدر قرب بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر باری تعالیٰ کے جلال، اُس کی عظمت اور اُس کی شانِ بے نیازی کا ڈر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ یعنی قرب پانے والے خوش نصیب کو نہ تو کسی مخلوق کا خوف ہوتا ہے، نہ ہی اُسے سزا و عذاب کا ڈر ہوتا ہے، تاہم ربّ تعالیٰ کی خشیت بڑھنا قربِ الٰہی کی نشانی ہے۔

تمام اُمّتوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان، اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ اِطاعت، سیدِ عالم ﷺ کی سب سے بڑھ کر خدمت و غلامی اور اعمالِ صالحہ میں نرالی شان رسول اللہ ﷺ کے خلیفۂ اوّل بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ قربِ الٰہی آپ کو حاصل ہے اور آپ ہی سب سے افضل ہیں۔

افضل البشر بعد الانبیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں خشیتِ الٰہی اور اِحساسِ جواب دہی کی کیفیت بھی بے مثال تھی۔

۱۳ ہجری میں جُمادَی الاُخریٰ کی ۲۲ ویں شب کو آپ رضی اللہ عنہ کا وصالِ اقدس ہوا۔ چنانچہ یومِ وصال کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی افضلیت اور خشیت واِحساسِ جواب دہی سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق ترتیبِ افضلیت

قرآنِ مجید اور احادیثِ طیبہ میں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد اُمّت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور لوگ نئے نئے عقائد اختیار کرلیں گے۔ اِس صورتِ حال میں صحیح عقیدہ پر استقامت اور حق کی پہچان کے لیے حکم دیا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت عقائد کے حوالے سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اکثریت کے نظریات اختیار کریں اور فرقوں سے بچیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ ہر دَور میں اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت "اہلِ سنت وجماعت" ہی رہی اور رہے گی۔

اہلِ سنت وجماعت کا ہمیشہ سے اِس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ:

- پوری مخلوق میں سب سے زیادہ قرب وفضیلت اور عزت ووجاہت ہمارے آقا کریم ﷺ کو عطا ہوئی ہے۔ آپ کے فضائل کو شمار کرنا اور آپ کی تعریف وتوصیف کا حق ادا کرنا مخلوق کے بس میں نہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کے بعد دیگر انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ کسی بھی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل سمجھنے والا بدنصیب کافر ہے۔
- انبیائے کرام کے بعد مقرب فرشتے عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سب سے زیادہ معزز ہیں، مثلاً سیدنا جبرائیل، سیدنا میکائیل، سیدنا اسرافیل، سیدنا عزرائیل اور سادات حاملانِ عرش (عرشِ الٰہی کو اُٹھانے والے فرشتے) عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات۔ کوئی بھی غیرِ نبی اِن کی بلند شان تک نہیں پہنچ سکتا۔
- اِن کے بعد بارگاہِ الٰہی میں سب سے بڑا رُتبہ سرورِ عالم ﷺ کے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کو ترتیبِ خلافت کے مطابق حاصل ہے۔ یعنی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے بعد انسانوں میں سب سے اُونچا مقام خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، پھر خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ رابع سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا۔ اِن کے بعد عشرۂ مبشّرہ میں بقیہ صحابۂ کرام، حضراتِ حسنَیْنِ کریمَین، اہلِ بدر، اہلِ اُحد اور اہلِ بیعتِ رضوان اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اِن سب سے جنت کا وعدہ کرتے ہوئے باری تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ "اور ہر ایک سے اللہ تعالٰی جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے۔" [الحدید 10:57]
- اِن کے بعد دیگر صالحین ومتقین افضل ہیں، پھر عام فرشتے عام مسلمانوں سے زیادہ عزت وفضیلت رکھتے ہیں۔

(اعتقاد الأحباب فی الجمیل والمصطفٰی والآل والأصحاب، فتاوٰی رضویہ، ج:29، ص:339 تا 390، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ۔ مطلع القمرین فی إبانۃ سبقۃ العمرین۔ نیز دیکھیے تبیان القرآن، زیرِ آیتِ البینۃ 7:98)

افضلیتِ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ اوّل بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا افضل البشر بعد الانبیا ہونا قرآن و سنت کی متعدد صریح نصوص سے ثابت ہے اور اِس کا انکار کرنے والا گمراہ ہے۔[1]

آیتِ قرآنی: تاج دارِ صداقت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے:[2]

- وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۔ "اور عن قریب سب سے بڑے پرہیز گار کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔"
- اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ "جو اپنا مال دیتا ہے؛ تاکہ اُسے پاکیزگی ملے۔"
- وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى۔ "اور اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، (وہ) صرف اپنے ربِّ اعلیٰ کی رضا چاہتا (ہے)۔"
- وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔ "اور یقیناً عن قریب وہ راضی ہو گا۔" [اللّیل 92:17 تا 21]

اِن آیاتِ کریمہ سے واضح طور پر شانِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی پہلو معلوم ہوتے ہیں:

⟸ آپ رضی اللہ عنہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اور آپ کو بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت حاصل ہے۔ اِس آیتِ کریمہ میں ربّ تعالیٰ نے آپ کو اَتْقٰی (سب سے بڑا پرہیز گار) فرمایا اور دوسری آیتِ کریمہ میں ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ "بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔" [الحجرٰت 49:13] دونوں آیتوں کو جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفۂ اوّل بلا فصل رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور سب سے مُقرّب ہیں۔

⟸ آپ رضی اللہ عنہ راہِ خدا میں اپنا مال بے حساب خرچ کرتے تھے، جس کی ربّ تعالیٰ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی۔

⟸ آپ رضی اللہ عنہ ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور آپ کی نیت اتنی خالص تھی کہ خود خالقِ کائنات نے گواہی دی: وہ کسی کے احسان کا بدلہ نہیں دینا چاہتے، صرف اپنے ربِّ اعلیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔

⟸ آخرت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی اعلیٰ شان عطا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گا اور اُنھیں اتنا انعام عطا فرمائے گا کہ وہ بھی اپنے مالک کے انعام پر خوش ہوں گے۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ، ج:29، ص:615... یاد رہے کہ افضلیتِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تعلق عقائد سے ہے، اِس کے خلاف کسی کا قول تو کیا کوئی حدیثِ واحد صحیح پیش کرے تو بھی یہ اُس کے فہم کی غلطی ہے، اِس مسئلہ میں قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:5، ص:580 تا 582)

[2] اِن آیاتِ کریمہ میں اگرچہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے، مگر مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات آپ سے متعلق ہی نازل ہوئیں۔

ارشادِ نبوی: متعدد احادیثِ نبویہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیا ہیں۔

اُن کی افضلیت و خلافت کی طرف واضح اشارہ اِس بات سے بھی ملتا ہے کہ ربیع الاول 11ھ کے ابتدائی ایام میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ مبارک میں اضافہ ہوا تو جمعہ شریف کو آپ نے نمازِ عشا کے وقت حکم فرمایا: «مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔» ”ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار عرض کی گئی: وہ بہت نرم دل ہیں، جب وہ آپ کو مصلیٰ پر نہیں دیکھیں گے تو اُن کے آنسو نہیں تھم سکیں گے، اُن کے لیے تلاوت کرنا بھی ممکن نہیں ہو گا، کسی اور کو امامت کا حکم دے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہی فرمایا: «مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔» ”ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ (صحیح بخاری:712) چنانچہ ایک رائے کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شبِ جمعہ (جمعرات) کی نمازِ عشا سے پیر کی نمازِ فجر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں سترہ نمازوں کی امامت کرواتے رہے۔[1]

فرمانِ مرتضوی: مولَی المسلمین خلیفۂ رابع سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کئی شادیاں کیں، اُن میں سے ایک شہزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما نے ایک دن اپنے والدِ گرامی حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر و افضل آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: «أَبُوْ بَكْرٍ۔» یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں میں سب سے پہلا نمبر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ شہزادۂ والا شان نے پوچھا: اِن کے بعد کس کا رتبہ ہے؟ فرمایا: «ثُمَّ عُمَرُ۔» یعنی دوسرا نمبر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ شہزادۂ والا شان نے کہا: اِن کے بعد تو آپ ہی کا رتبہ ہے نا؟ آپ نے عاجزی کرتے ہوئے فرمایا: «مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔» یعنی مَیں تو ایک عام مسلمان ہوں۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3671)

جو لوگ سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اپنا ”مولیٰ“ مانتے ہیں اُنھیں چاہیے کہ آپ کی زبانِ پاک سے نکلے ہوئے یہ تعریفی کلمات بھی دل و جان سے قبول کریں، ”مولیٰ“ کہنا اور بات ہے، جب کہ ماننا کچھ اور ہے۔

درج بالا گفتگو سے واضح ہو چکا کہ اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل اور بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ قرب والے ہیں۔

موجودہ دَور میں بعض لوگ خود کو سنّی کہلانے کے باوجود اِس عقیدے کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو سب سے افضل کہتے ہیں اور کچھ تقسیم کرتے ہیں کہ ظاہری خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جب کہ روحانی خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اِن فتنہ پروروں کے گمراہ کُن عقائد و نظریات سے بچنا چاہیے۔

---

[1] صَلَّى أَبُوْ بَكْرٍ بِالنَّاسِ سَبْعَ عَشْرَةَ صَلَاةً۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: 197/7۔ الطبقات الکبریٰ: 172/2۔ مرقاۃ المفاتیح، تحت: 1140)

افضل البشر بعد الانبیا رضی اللہ عنہ اور خشیتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ جب بندے کو اپنے قُرب سے نواز تا ہے تو اُسے اپنی معرفت عطا فرماتا ہے، اُس پر لُطف و کرم کرتا ہے اور اُس سے راضی ہو جاتا ہے۔

معرفتِ اِلٰہی کے نتیجے میں قرب پانے والے کا دل خشیتِ الٰہی سے معمور ہونے لگتا ہے، جیسے جیسے معرفت بڑھتی ہے ویسے ویسے خشیتِ الٰہی اور احساسِ جواب دہی میں بھی اِضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ یعنی "اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علم والوں کو ہی خوفِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔" [فاطر 28:35]

اللہ کی ذات وصفات کی سب سے زیادہ معرفت رسول اللہ ﷺ کو ہے، چنانچہ آپ ﷺ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اُمّ المؤمنین بنتِ صدیقِ اکبر سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔ "اللہ کی قسم! مَیں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6101)

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے:

1) گناہوں کی سزا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا۔
2) اللہ تعالیٰ کے جلال، اُس کی عظمت اور اُس کی شانِ بے نیازی سے ڈرنا۔

پہلی قسم کا خوف عام مسلمانوں میں سے پرہیز گاروں کو نصیب ہوتا ہے اور دوسری قسم کا خوف قربِ خاص والوں کو ملتا ہے۔

انبیائے کرام عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَات کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ قرب و معرفت اور فضل و کمال سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے، چنانچہ آپ کی خشیتِ الٰہی بھی بے مثال ہے۔ حیاتِ صدیقی میں خشیتِ الٰہی کی ایسی شان دار مثالیں ملتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

آیتِ کریمہ سننے پر کیفیت: سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: مَیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ "جو برائی کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار۔" [النساء 4:123] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَا أُقْرِئُكَ آيَةً أُنْزِلَتْ عَلَيَّ؟» "اے ابو بکر! کیا میں تمہیں وہ آیت نہ پڑھاؤں جو ابھی مجھ پر نازل ہوئی ہے؟" مَیں نے عرض کی: جی ہاں، کیوں نہیں یارسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم! چنانچہ آپ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسے ہی مَیں نے یہ آیتِ مبارکہ سنی تو (خوفِ الٰہی اور احساسِ جواب دہی کے سبب) مجھے ایسے لگا کہ میری کمر کی ہڈی ٹوٹ جائے گی، مَیں نے (درد کی وجہ سے) انگڑائی لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کیفیت کی وجہ دریافت فرمائی تو مَیں نے عرض کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَابَكْرٍ وَّالْمُؤْمِنُونَ فَتُجْزَوْنَ بِذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى تَلْقَوُا اللهَ وَلَيْسَ لَكُمْ ذُنُوبٌ، وَأَمَّا الْآخَرُونَ فَيُجْمَعُ ذٰلِكَ لَهُمْ حَتّٰى يُجْزَوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ «یعنی "اے ابو بکر! (گھبراؤ نہیں) مسلمانوں کے گناہوں کی معافی دُنیاوی آزمائشوں کے ذریعے ہو جائے گی، حتّٰی کہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں گناہوں سے پاک ہو کر پیش ہوں گے، لیکن دیگر لوگوں کے گناہ جمع ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ اُنھیں قیامت کے دن اُن کی سزا دی جائے گی۔" (جامع ترمذی، حدیث:3039)

جزا و سزا سے متعلق قرآنی آیاتِ مبارکہ ہم بھی سنتے ہیں، مگر ہمارے دلوں کی کیفیت میں عموماً کوئی تبدیلی نہیں آتی، جب کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی کیفیت سے متعلق ارشاد ابھی ذکر کیا گیا۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ ربّ تعالیٰ کی معرفت جتنی زیادہ ہو خشیت بھی اُتنی ہی زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

لقمۂ حرام سے پرہیز: ایک مرتبہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے آپ کو کھانے کی کوئی چیز پیش کی، اُس کی کمائی حلال ہوتی تھی، چنانچہ آپ نے اُسے حلال سمجھتے ہوئے قبول کر کے تناوُل فرما لیا، بعد میں اُس نے بتایا کہ مَیں نے دورِ جاہلیت میں ایک شخص کے لیے کَہانت[1] کی تھی، میں کاہن تھا تو نہیں، تاہم بناوٹی طور پر کہانت کر دی تھی... آج اُس شخص سے ملاقات ہوئی تو اُس نے معاوضہ دیا... آپ نے جو کھایا ہے یہ بھی اُسی میں سے ہے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی بے چین ہو گئے کہ میرے پیٹ میں حرام لقمہ کیوں چلا گیا![2] چنانچہ آپ نے تکلّف سے قے کرنے کی کوشش کی، مگر وہ چیز باہر نہ نکلی۔ کہا گیا: پانی پئیں تب باہر آئے گی۔ آپ نے پانی منگوا کر پیا اور کافی کوشش کے بعد پیٹ میں جو کچھ تھا وہ سب قے سے باہر نکلا تو آپ پُر سکون ہوئے۔[3] کسی نے کہا: يَرْحَمُكَ اللهُ! كُلُّ هٰذَا مِنْ أَجْلِ هٰذِهِ اللُّقْمَةِ؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے! اِس چھوٹے سے لقمے کی وجہ سے آپ نے اتنی تکلیف اُٹھائی ہے؟ ارشاد فرمایا: لَوْ لَمْ تَخْرُجْ إِلَّا مَعَ نَفْسِي لَأَخْرَجْتُهَا۔ اگر یہ حرام لقمہ نکالنے کے لیے جان بھی جاتی تو مَیں نے نکالنا ہی تھا۔ پھر اِس

---

[1] ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر یا ستاروں کی چال سے یا فال نکال کر یا جنات کے ذریعے مستقبل کی باتیں بتانے کو "کہانت" کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے شعبدہ باز کو "کاہن" کہتے ہیں۔ اسلام نے اِن کاموں سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اِستخارہ کا حکم دیا ہے۔

[2] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهٖ، فَجَاءَ يَوْمًا بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ: تَدْرِي مَا هٰذَا؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ، إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ، فَلَقِيَنِي فَأَعْطَانِي بِذٰلِكَ، فَهٰذَا الَّذِي أَكَلْتَ مِنْهُ، فَأَدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ، فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهٖ». (صحیح بخاری، حدیث:3842)

[3] قَالَ (أبوبكر له): إِنْ كِدْتَّ أَنْ تُهْلِكَنِي، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي حَلْقِهٖ فَجَعَلَ يَتَقَيَّأُ، وَجَعَلَتْ لَا تَخْرُجُ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ هٰذِهٖ لَا تَخْرُجُ إِلَّا بِالْمَاءِ، فَدَعَا بِطَسْتٍ مِنْ مَاءٍ، فَجَعَلَ يَشْرَبُ وَيَتَقَيَّأُ حَتّٰى رَمٰى بِهَا۔

کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُلُّ جَسَدٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ، فَخَشِيْتُ أَنْ يَّنْبُتَ شَيْءٌ مِّنْ جَسَدِيْ مِنْ هٰذِهِ اللُّقْمَةِ۔ میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو گوشت حرام سے پرورش پائے جہنم اُس کے بہت قریب ہے“ تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں اِس لقمۂ حرام سے میرے جسم کی پرورش نہ ہو۔(حلیۃ الأولیاء، ج:1، ص:31) بے خبری میں حرام لقمہ کھالیا جائے تو قے کرنا لازم نہیں، لیکن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اِس عمل کے ذریعے تربیت فرمانا چاہتے تھے کہ حرام سے بچنے کے لیے کتنا فکر مند ہونا چاہیے!

نہایت بدبخت ہیں وہ لوگ جو اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت یا باغِ فَدَک سے متعلق کسی کا حق چھینا ہے... وہ ہستی جس نے زندگی بھر حرام لقمہ سے پیٹ کو محفوظ رکھا، اُس پر اِس طرح کی بے سروپا اِلزام تراشی سورج کی طرف منہ کرکے تھوکنے کے مترادف ہے۔

انتخابِ خلیفہ اور احساسِ جواب دہی: سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر کام میں ربّ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور اِس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ایک دن اِس سے متعلق جواب دینا ہے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا تو کسی نے کہا: عمر بہت سخت مزاج ہیں، اُنھیں خلیفہ منتخب کرکے آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ آپ تکلیف کی وجہ سے لیٹے ہوئے تھے، ارشاد فرمایا: مجھے بٹھاؤ۔ جب سہارے کے ساتھ بٹھایا گیا تو فرمانے لگے: هَلْ تُفَرِّقُنِيْ إِلَّا بِاللهِ؟-وفی روایۃ: لَأَنَا أَعْلَمُ بِاللهِ وَبِعُمَرَ مِنْكُمَا- فَإِنِّيْ أَقُوْلُ إِذَا لَقِيْتُهٗ: اِسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرَ أَهْلِكَ۔ یعنی تم مجھے بارگاہِ الٰہی میں جواب دینے سے متعلق ڈرا رہے ہو؟ قسم بخدا! مَیں اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی تم سے زیادہ رکھتا ہوں اور عمر (رضی اللہ عنہ) کو بھی تمہاری بنسبت زیادہ جانتا ہوں، یقیناً جب مَیں ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو عرض کروں گا: خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر وافضل کو مسلمانوں پر اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، رقم:9764، المکتب الاسلامی۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:3، ص:207، دار الکتب العلمیۃ)

خلیفۂ اوّل بلا فصل سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سائل کو جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنے سے پہلے اِس بات پر خوب غور کیا تھا کہ ایک دن اِس سے متعلق پوچھا جائے گا اور مجھے بتانا ہوگا کہ مَیں نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔

تقریباً ایک ماہ بعد پاکستان میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے، ہمیں بھی ووٹ کاسٹ کرنے سے پہلے اِس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حکمران کا انتخاب کوئی معمولی بات نہیں، روزِ قیامت ہمیں جواب دینا ہوگا کہ ہم نے جسے ووٹ دیا وہ اُس کا اہل تھا یا نہیں؟ حدیثِ مبارک کے مطابق نااہل کو منصب سپرد کرنا قیامت کی نشانی ہے۔

حرفِ آخر... خشیتِ الٰہی کی ضرورت اور جہاد سے متعلق ارشادِ صدیقی

اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کی کوئی حد نہیں، اُس کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنا قرب عطا فرماتے ہوئے اُسے اپنی معرفت سے نواز دے، لُطف ومہربانی فرمائے اور راضی ہو جائے۔

وہ جسے چاہے اپنے قریب فرمالیتا ہے، اِس کی نہ کوئی شرط ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ... تاہم قربِ الٰہی کے لیے ایمان شرط ہے اور عموماً اعمالِ صالحہ کی برکت سے کرم نوازی ہو جاتی ہے۔ پھر جسے جتنا زیادہ قرب ملتا ہے وہ اُسی قدر افضل ہو جاتا ہے۔

مخلوق میں سب سے زیادہ قرب اور عزت ووجاہت ہمارے آقا کریم ﷺ کو حاصل ہے، آپ ﷺ کے بعد دیگر انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کا درجہ سب سے اُونچا ہے، پھر خاص فرشتوں علیہم السلام کا قُرب دیگر مخلوق سے زیادہ ہے اور اُن کے بعد رسول اللہ ﷺ کے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کو ترتیبِ خلافت کے مطابق افضلیت حاصل ہے۔

یعنی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کے بعد انسانوں میں سب سے اُونچا مقام خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، پھر خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ ثالث سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ رابع سیدنا علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا۔ یہ ترتیب قرآن وسنت کی کئی نصوص سے ثابت ہے۔ کوئی دوسرا کسی خاص وصف میں اِن سے بڑھ کر ہو تو یہ ممکن ہے، مگر علی الاطلاق افضلیت کی یہ ترتیب اہلِ سنت وجماعت کا ہمیشہ سے اجماعی عقیدہ رہا ہے اور اِس کا انکار گمراہی ہے۔

جس خوش نصیب کو ربّ تعالیٰ کا قرب ومعرفت نصیب ہو اُسے خشیتِ الٰہی بھی عطا ہوتی ہے، وہ مخلوق کے خوف اور سزا کے ڈر سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، مگر باری تعالیٰ کے جلال، اُس کی عظمت اور اُس کی شانِ بے نیازی کا ڈر بڑھتا جاتا ہے۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دیگر افعال واقوال کی طرح خشیتِ الٰہی بھی لائقِ تقلید ہے۔ ربّ تعالیٰ کے خوف اور تقویٰ کا یہ عالَم تھا کہ قرآنِ حکیم نے آپ رضی اللہ عنہ کو "سب سے بڑا متّقی" قرار دیا۔

اِس وقت ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ بے شمار لوگ نماز چھوڑتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں، مگر اُنھیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں! ہمیں اِس کا جواب بھی دینا ہے، بلکہ معاذ اللہ! بے دین لوگ بے باکی سے کہتے ہیں: "مولوی تو ہر وقت ڈراتے ہی رہتے ہیں"، جب کہ ایسے افراد کی تعداد بھی کم نہیں جو اِس لیے عمل سے غافل ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں ہم تو بخشے ہی جائیں گے، ہمیں محنت ومشقت کی کیا ضرورت!

سوچنا چاہیے کہ اگر افضل البشر بعد الانبیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں خوفِ خداوندی کا یہ عالم ہے تو ہم کس کھاتے میں ہیں!

اِس وقت اُمّتِ مسلمہ کو خلیفۂ اوّل بلافصل سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد کی طرف توجہ کی بہت ضرورت ہے جو آپ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا تھا: لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللهُ بِالذُّلِّ۔ جو قوم راہِ خدا میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ (بطورِ سزا) اُس پر ذلت وخواری مسلّط فرما دیتا ہے۔

(السيرة النبوية لابن كثير، قال ابن كثير: وهذا إسناد صحيح، ج:4، ص:493، دار المعرفة۔ كنز العمال، حديث: 14064۔ السيرة النبوية لابن هشام، ج:2، ص:661، مصطفى البابي مصر۔ البداية والنهاية، ج:8، ص:89، دار هجر)

یہ جہاد سے منہ موڑنے کا ہی نتیجہ ہے کہ 07 اکتوبر سے جاری تاریخ کی ایک بدترین اسرائیلی دہشت گردی میں اب تک تقریباً 22,000 بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید ہو چکے ہیں، 60,000 کے قریب زخمی ہیں، جن کے علاج کے لیے ہسپتال بھی دستیاب نہیں اور لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

اگر اُمّت مذمتی قراردادوں سے باہر نکل کر عملی اقدام کرتی اور فرمانِ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کرتی تو بے گناہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد شہید کرنے کی جرأت کسی کو بھی نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ خلیفۂ اوّل بلافصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل ہمیں بھی اپنا قرب ومعرفت عطا فرمائے، اپنی خشیت سے نوازے اور اسوۂ صدیقی پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

باری تعالیٰ فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ / 12 جنوری، 2024ء

بنی ہیں مومنوں کا موسمِ بہار سردیاں

مشمولات

- احوال کی تبدیلی اور غور و فکر کی اہمیت
- سخت سردی کا حقیقی سبب
- سخت سردی میں دُعا اور رُجوع الی اللہ
- موسمِ سرما... نیکیوں میں اِضافہ کا سنہری موقع
- سردی میں مَشقّت پر اجر اور بعض اُمور کی رُخصت
- سردی سے متعلق مزید اہم اُمور
- موسمِ سرما سے متعلق اہم اُمور کی تلخیص اور جنت کا موسم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ۚ لَا یَرَوۡنَ فِیۡہَا شَمۡسًا وَّلَا زَمۡہَرِیۡرًا ۔[الدھر 13:76]

اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کی یہ شان ہے کہ اُس کی ذاتِ مقدّسہ بھی ہر طرح کی تبدیلی سے پاک ہے اور اُس کی صفاتِ عالیہ میں بھی کوئی تَغَیُّر نہیں ہو سکتا... اُس کی بادشاہی کو بھی زوال نہیں اور اُس کا حکم بھی ہمیشہ نافذ رہے گا... جب کہ مخلوق کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور یہ تبدیلی و تغیُّر ربّ تعالیٰ کی لامتناہی قدرت پر عظیم نشانی ہے۔

کبھی بارش کی کثرت سے سیلاب آجانا اور کبھی بارش نہ برسنے سے خشک سالی ہو جانا... کہیں ہوا کم چلنے سے حبس و گھٹن ہونا اور کہیں تیز ہوا چلنے سے آندھی آنا... کسی کے لیے آسائشوں اور راحتوں کی کثرت ہونا اور دوسرے کا پریشانیوں اور آفتوں میں گھرا ہونا... کسی وقت چلچلاتی دھوپ سے سخت گرمی اور کسی وقت جما دینے والی ہوا سے سخت سردی... یوں ہی آتش فشاؤں کا پھٹنا، دن اور رات کی آنکھ مچولی، ماہ و سال کا گزرنا، انسانوں کی رنگت، نسل، بولی اور دیگر اُمور کا مختلف ہونا... یہ سب تغیُّرات اِس بات کے واضح دلائل ہیں کہ کوئی ایسی ذات موجود ہے جو بے حد قدرت کی مالک ہے اور یہ سب انتظامات اُس کے حکم سے ہو رہے ہیں۔

قرآن و سنت میں حکم دیا گیا ہے کہ مخلوق کی پیدائش اور اُن میں ہونے والی تبدیلیوں میں غور و فکر کر کے ایمان اور ربّ تعالیٰ کی قدرت پر یقین کو پختہ کیا جائے۔

نشانیوں میں غور و فکر نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ۔ ”اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن کے پاس سے اکثر لوگ گزر جاتے ہیں اور اُن سے بے خبر رہتے ہیں (نشانیاں دیکھتے ہیں، مگر اُن میں غور و فکر کر کے فائدہ نہیں اُٹھاتے)۔“[یوسف 105:12]

گرمی اور سردی کے مَوسَم بھی ربّ تعالیٰ کی حکمت و تقدیر سے ہیں۔ یہ ہمیں قدرتِ الٰہیہ میں غور و فکر کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ نافرمانوں پر ہونے والے عذابِ الٰہی کی مختلف صورتیں یاد دلاتے ہیں۔

گزشتہ کچھ دنوں سے پاکستان کے بیشتر علاقوں میں سردی کی شدّت ہے۔ اگرچہ متعدد ممالک میں موسمِ سرما اِس سے کہیں سخت ہوتا ہے، اُن کے اعتبار سے تو یہ زیادہ نہیں، مگر پاکستان کے عمومی درجۂ حرارت کے اعتبار سے سردی کچھ زیادہ ہے۔ اِس حوالے سے ہر مجلس و نشست میں یہ بحث تو گرما گرم ہے کہ ”سردی بہت ہے“، مگر اِس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کہ اِس سردی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے! حالانکہ موسمِ سرما مسلمان کے لیے اپنی نیکیوں میں اِضافہ کرنے کا سنہری موقع ہوتا ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں سردی سے متعلق کچھ اسلامی تعلیمات کا تذکرہ ہو گا۔

سخت سردی کا حقیقی سبب

دنیا دار الاسباب ہے، اِس میں اللہ عزّوجلّ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب رکھا ہے، جب وہ سبب پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مسبَّب کو پیدا فرما دیتا ہے۔ مثلاً دَوا بیماری سے شفا کا سبب ہے، مگر حقیقت میں شفا اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عطا فرماتا ہے، یوں ہی بھوک مٹانے کے لیے کھانا سبب ہے، سیری رحمتِ الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔

پھر اسباب دو طرح کے ہیں: کچھ ظاہری اسباب ہیں اور کچھ باطنی و حقیقی... ظاہری اسباب وہ ہیں جنھیں انسان اپنی عقل سے جان سکتا ہے اور باطنی اسباب وہ ہیں جو یا تو خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ کے ارشاد فرمانے سے معلوم ہوتے ہیں یا رحمتِ کائنات ﷺ کے بتانے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دونوں طرح کے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

شدید سردی کا ظاہری سبب کیا ہے؟ یہ ہمیں معلوم ہے، مثلاً زمین تک سورج کی تپش نہ پہنچنا... جب کہ اِس کا حقیقی سبب وہ ہے جو عالمُ الغیب جَلَّ جَلَالُہٗ کی عطا سے نبیِ غیب دان ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حقیقی سبب سمجھنے سے پہلے یہ جان لیجیے کہ ربّ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کے لیے جنت میں ایسی عظیم الشان نعمتیں پیدا فرمائی ہیں کہ اُن کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا... ایسے ہی اپنے نافرمانوں کے لیے جہنم میں مختلف قسم کے ایسے ہَول ناک عذاب رکھے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جہنم کے کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں اِس قدر تیز گرمی ہے کہ اُس کا تصور بھی ناممکن ہے، جب کہ اُس کے کچھ طبقات میں سردی اتنی شدید ہے کہ دُنیا کی سخت ترین سردی کا بھی اُس کے ساتھ کوئی تقابل نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ فرمانِ نبوی کا مفہوم ہے کہ جہنم نے ربّ تعالیٰ سے عرض کی کہ اُس میں مختلف طرح کا عذاب حد درجہ سخت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ۔ ”ربّ تعالیٰ نے اُسے (سال میں) دو سانسوں (دو مرتبہ اپنی گرمی / سردی نکالنے) کی اجازت دی: ایک سانس سردی میں اور دوسرا گرمی میں، چنانچہ یہ وہی تیز ترین گرمی اور سخت ترین سردی ہے جو تم پاتے ہو۔“

(صحیح بخاری، حدیث: 536۔ صحیح مسلم، حدیث: 617)

ذہن میں سوال آ سکتا ہے کہ اگر سخت سردی جہنم کا اثر ہے تو کسی جگہ سردی اور کسی جگہ گرمی کیوں ہوتی ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سورج کی تیز تپش کے دنوں میں بھی بعض مقامات ٹھنڈے ہوتے ہیں، جب کہ سخت سردی کے دنوں میں بھی کچھ جگہوں کا موسم گرم ہوتا ہے... ایسے ہی جہنم کی سانس کے سبب ہونے والی گرمی و سردی کا اثر بھی مختلف علاقوں میں مختلف طرح سے ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے جیسا باری تعالیٰ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ چاہے گرمی والا اثر ظاہر کرتا ہے اور جہاں چاہے سردی والا۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، زیرِ حدیث: 591، بتغییر وتیسیر)

یہ بھی ذہن میں رہے کہ قرآن وسنت میں بیان فرمائی گئی وہ چیزیں جن کی پوری حقیقت فی الحال ہمیں معلوم نہیں، اُنھیں ماننے کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان بالغیب ہی معتبر ہے، ورنہ روزِ قیامت دیکھنے کے بعد تو سبھی مان جائیں گے۔ جہنم کی سانس سے گرمی اور سردی کا تعلق بھی ایمان بالغیب سے ہے، اگرچہ ہم نے یہ دیکھا نہیں ہے، مگر ہمیں ارشادِ نبوی پر پورا یقین ہے اور ہم دل وجان سے اِسے تسلیم کرتے ہیں۔

سخت سردی میں دُعا اور رُجوع الی اللہ

دینِ متین سکھاتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اُس کی ناراضی وعذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ تیز گرمی میں جہنم کی تپش کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور سخت سردی میں جہنم کی بے پناہ ٹھنڈک کو یاد کرکے خود کو سنواریں۔ نیز اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعائیں کریں کہ وہ ہمیں دوزخ سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔

روایت کے مطابق جب مسلمان سخت سردی والے دن کہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، مَا أَشَدَّ بَرْدَ هٰذَا الْيَوْمِ! اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنْ زَمْهَرِيْرِ جَهَنَّمَ! اللہ کے علاوہ کوئی لائقِ عبادت نہیں، آج کتنی سخت سردی ہے! اے اللہ! مجھے جہنم کی سخت سردی سے پناہ عطا فرما! تو اللہ تعالیٰ جہنم کو فرماتا ہے: إِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ قَدِ اسْتَجَارَنِيْ مِنْ زَمْهَرِيْرِكِ، وَإِنِّيْ أُشْهِدُكِ أَنِّيْ قَدْ أَجَرْتُهُ۔ یعنی "بلاشبہ میرے ایک بندے نے تیری سخت سردی سے میری پناہ مانگی ہے اور مَیں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ ضرور مَیں نے اُسے تیری سخت سردی سے پناہ دے دی ہے۔" (عمل الیوم واللیلۃ لابن سنّی، الحدیث: 306۔ الأسماء والصفات للبیہقی، ج:1، ص:459، الحدیث: 387)

چنانچہ سردی کی شدت میں "سردی... سردی" کی رَٹ لگانے کے بجائے ربّ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں مصروف ہونا چاہیے اور توبہ کرتے ہوئے آئندہ نافرمانی سے بچنے کا پختہ ارادہ کرنا چاہیے؛ تاکہ جہنم کی سخت سردی سے اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان نصیب ہو۔

اِسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ جب ہوا چلے تو بارگاہِ الٰہی میں خیر وبھلائی کی دُعا کریں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «اَلرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ ... فَرَوْحُ اللهِ تَأْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَتَأْتِيْ بِالْعَذَابِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَلَا تَسُبُّوْهَا، وَسَلُوا اللهَ خَيْرَهَا، وَاسْتَعِيْذُوْا بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا۔»[1] "ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے، یہ (پیاروں کے لیے) رحمت اور (نافرمانوں کے لیے) عذاب لاتی ہے، جب تم ہوا کو دیکھو تو اُسے بُرا نہ کہو! اللہ تعالیٰ سے اُس کی خیر وبھلائی کی دُعا کرو اور اُس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو!" (سنن ابوداؤد، حدیث: 5097)

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ۔ (صحیح مسلم، حدیث: 899)

موسمِ سرما... نیکیوں میں اِضافہ کا سنہری موقع

سعادت مندی وخوش نصیبی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ باری تعالیٰ نیکیوں میں اِضافہ کا موقع بھی عطا فرمائے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق سے بھی نوازے۔

ویسے تو ہر موسم اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی اِطاعت کر کے نیکیوں میں اضافہ کی کوشش کرنی چاہیے، مگر کئی ایسے اُمور ہیں جو ربّ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور اُنھیں موسمِ سرما میں انجام دینا بہت آسان ہوتا ہے۔ اِس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ موسمِ سرما نیکیوں میں اِضافہ کا سنہری موقع ہے۔ بہت خوش نصیب ہے وہ شخص جسے اللہ کریم سردیوں سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

سیدنا ابو سعید سعد بن مالک خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلشِّتَاءُ رَبِيْعُ الْمُؤْمِنِ۔ ”سردی کا موسم مومن کے لیے بہار (کی طرح) ہے۔“ (مسند احمد، حدیث: 11716[1]) یعنی جس طرح موسمِ بہار میں سبزہ اور زمین کی پیداوار بکثرت ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خوب فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایسے ہی سردی کے موسم میں مسلمان زیادہ عبادت کر کے اپنی نیکیوں میں خوب اِضافہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ چند ایسی نیکیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور موسمِ سرما میں اُنھیں بجالانا بہت آسان ہے، ہمیں کوشش کر کے اُن کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

روزہ: اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیے ہیں، اِن کے علاوہ روزہ رکھنا لازم نہیں،[2] تاہم شریعتِ مطہرہ شوق دلاتی ہے کہ روزہ خالقِ کائنات کی پسندیدہ عبادت ہے، چنانچہ حسبِ استطاعت نفلی روزوں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

مقبولانِ بارگاہ تو گرمیوں میں بھی نفلی روزوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، البتہ عوام بھوک پیاس کے خوف سے اُن کا بہت کم اہتمام کرتے ہیں۔ موسمِ سرما میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور شدید بھوک پیاس کا خوف بھی نہیں ہوتا، چنانچہ روزہ آسان ہوتا ہے اور ثواب پورا ملتا ہے[3]؛ لہٰذا اِس موسم میں ہم سب کو نفلی روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے رمضان المبارک کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں تو اِس موسم میں بھی اُن کی قضا کا اہتمام نہ کرنا سخت نالائقی ہے۔

---

[1] قال الهيثمي في "مجمع الزوائد": إسناده حسن، تحت الحديث: 5217

[2] اگر بندہ روزہ کی منت مان کر اُسے خود اپنے اُوپر لازم کرلے تو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

[3] روزہ کا بنیادی ثواب سردیوں میں بھی پورا ملتا ہے، تاہم گرمیوں کے روزے میں مشقت زیادہ برداشت کرنے کا ثواب الگ سے ہے۔

حضرت عامر بن مسعود جُمَحی رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ.»

"سردیوں میں روزہ ٹھنڈی غنیمت (کی طرح نہایت آسانی سے حاصل ہونے والا عظیم فائدہ) ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث:797)

قضائے رمضان کی اہمیت: بغیر شرعی وجہ کے رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے... پھر کسی عذر سے چھوڑا ہو یا بلاعذر، بہر حال اُس کی قضا اُسی طرح فرض ہے جس طرح ادا فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ یعنی "(جو رمضان کے روزے نہ رکھ سکے) وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔" [البقرۃ2:185]

اگر کسی شخص نے شرعی عذر کی وجہ سے روزے چھوڑے تھے اور رمضان المبارک کے بعد اُن کی قضا کا موقع ملا مگر اُس نے سستی کی، پھر بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے قضا کرنے کے قابل نہ رہا تو اُس پر لازم ہے کہ اُن روزوں کا فدیہ ادا کرے، اگر زندگی میں فدیہ ادا نہ کیا تو مرنے سے پہلے اُس پر لازم ہے کہ اپنے بعد والوں کو وصیت کرے: "میرے مال سے اتنے روزوں کا فدیہ ادا کر دینا"، حتّٰی کہ اگر اُس نے کسی بھی طرح سے اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم قرار پائے گا۔

چنانچہ اگر کسی شخص کے ذمے رمضان المبارک کے کچھ روزوں کی قضا باقی ہے تو اُسے موسمِ سرما سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فوراً اُن کی قضا کا اہتمام کرنا چاہیے، قضائے رمضان نفلی روزوں سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

قیام اللیل: دن اور رات دونوں کو ربّ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے، مگر رات کی تنہائی میں ربّ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کا اپنا ہی لُطف ہے اور اُس وقت ربِّ کریم کی رحمت بھی خوب جوبن پر ہوتی ہے۔

گرمیوں میں عوام کے لیے رات کے وقت اُٹھنا اور نماز وغیرہ پڑھنا قدرے مشکل ہوتا ہے؛ کیونکہ راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور نیند پوری نہیں ہوتی... جب کہ سردیوں کی راتیں لمبی ہوتی ہیں، سونے کے بعد پُرسکون ہو کر رات کے آخری پہر میں اُٹھنا اور نماز وغیرہ ادا کرنا آسان ہوتا ہے، چنانچہ اِس اعتبار سے بھی موسمِ سرما مومن کے لیے بہار کی طرح ہے۔

سیدنا ابو سعید سعد خُدری رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: اَلشِّتَاءُ رَبِيْعُ الْمُؤْمِنِ قَصُرَ نَهَارُهُ فَصَامَ، وَطَالَ لَيْلُهُ فَقَامَ۔

"سردی مومن کے لیے بہار (کی طرح) ہے، سردیوں کا دن چھوٹا ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس میں (آسانی سے) روزہ رکھتا ہے... اور رات لمبی ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس میں (بلا مشقت) قیام کرتا ہے۔" (السنن الکبریٰ، حدیث:8456۔ شعب الایمان، حدیث:3655)

حدیثِ مبارک کے مطابق رات کے آخری تنہائی حصے میں ربِّ کریم کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دُعا مانگے؟ کہ مَیں اُس کی دُعا قبول کروں... کون ہے جو مجھ سے سوال کرے؟ کہ مَیں اُسے عطا کروں... کون ہے جو مجھ سے بخشش کی درخواست کرے؟ کہ مَیں اُسے معاف کر دوں۔" (صحیح بخاری، حدیث:1145)

سردی میں مَشقّت پر اجر اور بعض اُمور کی رُخصت

موسمِ سرما میں کچھ کام آسان ہوتے ہیں، جب کہ بعض اُمور قدرے دشوار ہو جاتے ہیں، مثلاً اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو تو وضو کچھ مشکل ہوتا ہے... مگر یہ بات بہت اُمید افزا ہے کہ جن کاموں پر مشقت اُٹھانا پڑتی ہے اُن کا اجر و ثواب بھی کہیں زیادہ عطا کیا جاتا ہے اور کئی چیزوں میں شریعت کی طرف سے گنجائش بھی دی گئی ہے۔

کامل وضو: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ ”کیا مَیں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! کیوں نہیں؟ (ضرور ارشاد فرمایئے) فرمایا: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ.» ”مشقتوں میں پورا وضو کرنا، مساجد کی طرف قدموں کی کثرت کرنا (مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی کرنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا (دل کو نماز اور مسجد سے لگائے رکھنا)، تمہارے لیے یہی رِباط (جہاد کے لیے تیاری کی طرح) ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 251)

اِس حدیثِ مبارک کے مطابق سردی میں... جب پانی استعمال کرنا مشکل ہوتا ہے... سنت کے مطابق تمام اعضا کو دھونا ایسا عظیم الشان عمل ہے جس کی برکت سے گناہوں کی بھی معافی ملتی ہے اور درجات کی بلندی بھی عطا ہوتی ہے۔

موزوں پر مسح: اگر کوئی شخص پورا وُضو کرنے کے بعد چمڑے کے موزے پہن لے تو پہلی مرتبہ وضو ٹوٹنے کے بعد 24 گھنٹے تک (مسافر ہونے کی صورت میں 72 گھنٹے تک) اُسے یہ اِجازت ہے کہ جب دوبارہ وضو کرنا ہو تو موزوں پر مسح کر لے، یعنی اُن کے اُوپر والے حصے پر تین تر انگلیاں پھیر لے، پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں، تاہم ممکن ہو تو موزے اُتار کر پاؤں دھونے کا زیادہ ثواب ہے۔[1]

یاد رہے کہ عام طور پر جو جرابیں پہنی جاتی ہیں اُن پر مسح جائز نہیں، اُنھیں اُتار کر پاؤں دھونا ضروری ہے؛ کیونکہ قرآنِ مجید میں وضو کے وقت پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے، تاہم احادیث کی ایک بڑی تعداد میں موزوں پر مسح کا ذکر ہے؛ لہٰذا اُن کی گنجائش تو ثابت ہو گی، مگر جرابوں سے متعلق کثیر احادیثِ کریمہ موجود نہیں ہیں؛ لہٰذا اِس حوالے سے قرآنِ مجید کے حکم پر عمل کرنا ہی ضروری ہے۔

اعضا کو خشک کرنا: مستحب ہے کہ وضو کے بعد اعضائے وضو کو کپڑے وغیرہ سے خشک نہ کیا جائے، لیکن اگر موسم کے تقاضے یا کسی اور وجہ سے خشک کیا جائے تو اِس میں کوئی گناہ نہیں، بلا کراہت جائز ہے۔

---

[1] موزوں پر مسح سے متعلق مزید مسائل جاننے کے لیے کتبِ فقہ ملاحظہ کریں۔

سردی سے متعلق مزید اہم اُمور

شریعتِ مطہرہ نے زندگی کے دیگر معاملات کی طرح موسمِ سرما سے متعلق بھی روشن تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ ذکر کیے گئے اُمور کے علاوہ مزید چند باتوں کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، مثلاً:

❖ مومن کا مزاج اِطاعتِ الٰہی کے حوالے سے اتنا پختہ ہونا چاہیے کہ کوئی بھی موسم ہو... کیسی ہی مشکل ہو... اور کسی بھی طرح کے حالات ہوں، وہ بہر حال ربّ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے اور نافرمانی سے بچتا رہے۔ ''بندہ'' ہونے کا تقاضا ہے کہ انسان ہر کام اپنے مالک کی مرضی کے مطابق کرے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: مَیں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا سلیقہ ایک غلام سے سیکھا ہے۔ وہ یوں کہ مَیں بازار سے ایک غلام خریدنے گیا، اُس سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگا: جو آپ رکھ دیں۔ پوچھا: کیا کھاتے ہو؟ اس نے کہا: جو آپ کھلا دیں۔ پوچھا: کیا پیتے ہو؟ کہا: جو آپ پلا دیں۔ پوچھا: آخر تمہاری بھی تو کوئی خواہش ہو گی! کہنے لگا: میری ایک ہی خواہش ہے ''آقا کے حکم کی تعمیل کرنا اور اُسے راضی رکھنا''۔ غلام کی اِس گفتگو سے میں سمجھا کہ اگر غلامی کا تقاضا ہے کہ اپنی مرضی ختم کر دی جائے تو ''بندہ'' ہونے کا تقاضا کیا ہو گا!

❖ کسی بھی موسم کو بُرا کہنا منع ہے۔ ہر انسان کی اپنی پسند ہوتی ہے، کچھ لوگ گرمی کے موسم میں پُر سکون رہتے ہیں اور بعض کو موسمِ سرما میں سہولت ہوتی ہے۔ موسم کوئی بھی پسند ہو، بہر حال کبھی بھی زبان پر ہر گز ایسا لفظ نہ آئے جس سے ربّ تعالیٰ کی قدرت پر اعتراض کا پہلو نکلتا ہو۔

حدیثِ مبارک میں زمانے کو بُرا کہنے پر سخت وعید فرمائی گئی؛ کیونکہ زمانہ خود سے کچھ نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے... اِسی طرح سردی اور گرمی بھی خود سے نہ آتی ہیں نہ جاتی ہیں، اِن کا وجود بھی باری تعالیٰ کے حکم سے ہے اور شدت بھی اُسی کی قدرت سے ہے؛ لہٰذا سردی یا گرمی پر ہر گز اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

❖ سردی کی شدت کم کرنے کے لیے آگ جلائی جاتی ہے، اِسی طرح ہیٹر وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ تربیت فرمائی گئی ہے کہ رات کو سونے سے پہلے آگ کو، اِسی طرح آگ والے ہیٹر کو بجھا دیا جائے۔

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ۔

''جب تمہارا سونے کا ارادہ ہو تو آگ کو بجھا دیا کرو۔'' (صحیح بخاری، حدیث: 6294)

ہمارے ہاں گیس سے چلنے والے ہیٹرز کا استعمال بھی عام ہے، اِنھیں چلتا چھوڑ کر سونا بھی بہت مرتبہ نقصان کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ماضی میں کئی ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ رات کو آگ بجھنے کی وجہ سے کمرے میں گیس بھر گئی اور دم گھٹنے سے سوئے ہوئے افراد وفات پا گئے؛ لہٰذا گیس کو بھی بند کر کے سونا چاہیے۔

حرفِ آخر... موسمِ سرما سے متعلق اہم اُمور کی تلخیص اور جنت کا موسم

مخلوق میں تبدیلی و تغیُّر ہوتا رہتا ہے اور یہ خالق کے موجود و قادر ہونے کی واضح نشانی ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ اِن نشانیوں میں غور و فکر کر کے اپنے ایمان و یقین کو مزید پختہ کریں۔

گرمی اور سردی کے موسم بھی ربّ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تیز گرمی اور سخت سردی ہمیں جہنم کی بے پناہ تپش اور اُس کے بعض طبقات کی بے حد ٹھنڈک یاد دلاتی ہیں؛ تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور جہنم کے عذاب سے ربِّ کریم کی پناہ مانگیں۔

گزشتہ کچھ دنوں سے پاکستان کے بیشتر علاقوں میں سردی کی شدّت ہے۔ اِس حوالے سے ہر جگہ ''سردی... سردی'' کا شور ہے، مگر اِس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کہ اِس سردی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے! آج کے خطبہ میں موسمِ سرما کے حوالے سے قرآن و سنت کی روشنی میں کچھ باتیں ذکر کی گئیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے ربِّ کریم کی فرماں برداری سے متعلق یہ ذہن بنالینا چاہیے کہ کوئی بھی موسم ہو اور کسی بھی طرح کے حالات ہوں، میں نے بہر حال ربّ تعالیٰ کے حکم پر چلنا ہے اور اُس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔

یہ بات بھی ضروری ہے کہ موسم کی صورتِ حال ہو یا کچھ اور... کبھی بھی ایسی بات زبان پر نہ آئے جس سے ربّ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کا پہلو نکلتا ہو۔

حدیثِ پاک کے مطابق موسمِ سرما مومن کے لیے بہار کی طرح ہے، ہمیں چاہیے کہ اِس سے خوب فائدہ اُٹھائیں:

⟸ سردیوں میں روزہ رکھنا بہت آسان ہے، چنانچہ اُس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر زندگی میں کبھی رمضان المبارک کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں تو یہ بوجھ سر سے اُتاریں، قضائے رمضان ذمے میں نہ ہو تو نفلی روزے رکھنا بھی بہت بڑی سعادت ہے۔

⟸ سردیوں کی راتیں طویل ہوتی ہیں، کچھ دیر نیند پوری کرنے کے بعد اُٹھ کر ربّ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونا بہت آسان ہے، چنانچہ ہمیں چاہیے کہ رات کو بروقت سوئیں اور آخری پہر میں رحمتوں کی خیرات حاصل کرنے کے لیے اُٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہوں۔ قضا نمازیں نوافل سے اہم ہیں؛ لہٰذا ذمے میں قضا باقی ہو تو پہلے اُس کا اہتمام کیا جائے۔

⟸ اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو تو بھی حتَّی الامکان سنت کے مطابق کامل وُضو کریں۔ مشقت کے باوجود سنت کے مطابق کامل وضو کرنے والے، کثرت کے ساتھ مسجد میں جا کر باجماعت نماز کی پابندی کرنے والے اور شوقِ نماز میں ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنے والے خوش نصیبوں کو گناہوں کی معافی اور بلندیٔ درجات کی بشارت دی گئی ہے۔

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے سردیوں سے متعلق خوب کہا:

خدا کی نعمتوں میں ہوتی ہیں شمار سردیاں
عبادتوں کے واسطے ہیں سازگار سردیاں

یہ فصلِ سرد صالحین کے لیے ہے قیمتی		جو دن ہیں اِس میں مختصر تو ہیں طویل راتیں بھی
سہولتیں ہیں جن میں روزوں اور قیامِ لیل کی		بنی ہیں مومنوں کا موسمِ بہار سردیاں

جو سخت سردی میں وُضو کرے گا بہترین سا		وہ خوش نصیب نیکیاں ہی نیکیاں کمائے گا
بلند درجے ہوں گے اُس کے بخشے گا اُسے خدا		رِضائے حق سے کرتی ہیں یوں ہم کنار سردیاں

فضا ہوئی ہے پُر سکوں اُٹھے دِلوں میں وَلوَلے		کلامِ پاک کی تلاوتوں کے دَور ہیں سجے
اَساتذہ تلامذہ مُطالعے میں ہیں لگے		ہیں غور و فکر کے لیے بھی خوش گوار سردیاں

اے ثاقبِ حقیر موسموں کے اختلاف میں		چھپی ہیں خالقِ حکیم کی بہت سی حکمتیں
ہے لازمی ہمیشہ اُس کا شکر ہم ادا کریں		شدید گرمیاں ہوں یا ہوں بَرف بار سردیاں

اِس بات کی طرف توجہ کرنے سے بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سردی و گرمی دُنیا میں ہماری آزمائش کے لیے ہیں، اگر یہاں اپنے ربّ تعالیٰ کو راضی کریں تو وہ جنت میں ایسے عظیم محلات سے نوازے گا جہاں نہ سردی ہو گی نہ گرمی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۔ ”وہ (اہلِ جنت) جنت میں (آرام واِعزاز کے ساتھ) مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ جنت میں نہ (گرمی کی) دھوپ پائیں گے اور نہ سردی کی ٹھنڈک۔“ [الدھر 13:76]

کاش اپنے گھروں کے اندر گرم بستروں میں نیند کے مزے لینے والی اُمّت کو غزہ کے اُن مظلوم مسلمانوں کی تکلیف کا بھی احساس ہو جو تین ماہ سے اسرائیلی درندوں کا ظلم برداشت کر رہے ہیں... تقریباً 23,000 افراد کی شہادت کے ساتھ ساتھ لاکھوں افراد اپنے شہر میں رہتے ہوئے یوں ”بے گھر“ ہیں کہ ہزاروں مریضوں کے علاج کے لیے مناسب ہسپتال دستیاب نہیں اور سردی کی شدت سے بچنے کے لیے موزوں چھت نہیں ہے۔

جب روزِ قیامت بے گناہوں کے خون کا حساب لیا جائے گا تو لگتا ہے کہ نااہل مسلم حکمرانوں کے دامن بھی اُن کے خون سے آلودہ ہوں گے۔

۷ رجب المرجّب ۱۴۴۵ھ / 19 جنوری 2024ء

تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ اور ہماری حالتِ زار

مشمولات

- اعانتِ دین اور معین الدین رحمۃ اللہ علیہ
- اتباعِ سنت کی ترغیب
- خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ و منقبت
- خواجہ اجلّ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنت
- تعظیمِ صحابۂ کرام کی تاکید
- وُضو میں ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ
- علمِ دین اور علمائے حق کی تعظیم کا درس
- حکمرانوں کی اِصلاح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ [التوبۃ9:119]

ہر دَور میں شیطان اور اُس کے چیلوں کی کوشش رہی ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون، یعنی نظامِ مصطفی ﷺ کی بہار نہ آئے، ورنہ ہماری تاریکیوں کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی... جب کہ سیدِ عالَم ﷺ اور آپ کے غلاموں کا ہمیشہ سے یہ مشن تھا، ہے اور رہے گا کہ "یہ زمین اللہ عزّوجلّ اور اُس کے رسول ﷺ کی ہے اور یہاں نظام بھی وہی ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے عطا فرمایا ہے۔" یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

جن خوش نصیبوں کو دین کی خدمت کرنے والوں کی سنگت اور اُن سے تعاون کی توفیق نصیب ہوئی وہ روزِ قیامت نہایت مسرور ہوں گے اور اُن کا حشر خدّامِ دین کے ساتھ ہو گا اِن شاء اللہ تعالیٰ... جب کہ ایسے بدنصیب جنھوں نے دشمنانِ دین کا ساتھ دیا، قیامت کے روز اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں گے، مگر اُس وقت کا افسوس کسی کام نہیں آئے گا۔

بعض خدّامِ دین کو سرکارِ دوعالَم ﷺ کے فیضان سے خصوصی حصہ عطا ہوتا ہے، اُن کی کاوشیں ایسی بابرکت ہوتی ہیں کہ ایک انقلاب بپا ہو جاتا ہے، مخلوق کی بڑی تعداد کو اُن کے ذریعے اسلام قبول کرنے اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کی سعادت ملتی ہے، حتّٰی کہ اُن کے قبروں میں تشریف لے جانے کے بعد بھی اُن کا فیضان جاری رہتا ہے اور اُن کی تعلیمات لوگوں کی راہ نمائی کرتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبیِ کریم ﷺ کے خصوصی فیضان سے دین کی بے پناہ خدمت کرنے والوں میں ایک نمایاں نام نائبِ رسول ﷺ، غریب نواز، خواجۂ خواجگان سید حَسَن سِجْزی قُدِّس سِرّہ العزیز کا بھی ہے، آپ نے دینِ متین کا پیغام اِس طرح عام کیا کہ آپ کو "مُعِیْنُ الدِّیْن" (دین کی مدد کرنے والا) کہا جاتا ہے۔

اسلام کی سربلندی کے لیے آپ نے جو کوششیں کیں اُن کے اثرات ایک خطے یا ایک طبقے تک ہی نہیں، بلکہ عالمی سطح پر رُونما ہوئے... لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بے شمار مسلمان اپنے گناہوں سے توبہ کر کے دین پر عمل پیرا ہو گئے۔ بلاشبہ آپ کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کی تعلیمات اور روحانی فیض کے ذریعے دین کی اِعانت و سربلندی ہو رہی ہے۔

یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ آپ کی عقیدت و محبت سے محروم افراد تو ویسے ہی محروم رہے، آپ کا پیار پانے والے بہت سے خوش عقیدہ مسلمان بھی آپ کی تعلیمات سے غافل ہیں۔ بیگانے تو ہوتے ہی بیگانے ہیں اپنوں کی غفلت حد درجہ نالائقی ہوتی ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ کے یومِ وصال کی مناسبت سے آپ کی تعلیمات سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ و منقبت

سلطان الہند معین الدین سید حسن سِجْزی[1] رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۷ھ / 1142ء کو ایرانی سیستان[2] کے علاقے سِجْز میں پیدا ہوئے۔

آپ نَجِیبُ الطَّرَفَیْن سَیِّد ہیں... والد ماجد حضرت سید غیاث الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ حَسَنِی سادات سے ہیں، آپ نہایت متّقی و عابد اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ حُسَیْنی سادات سے ہیں، وہ بھی عابِدہ و زاہِدہ خاتون تھیں۔

پندرہ سال کی عمر میں والدِ گرامی کا وصال ہو گیا، اُن کی وراثت سے ملنے والے باغ کی رکھوالی میں مصروف رہتے تھے۔ باغ میں ایک بزرگ حضرت ابراہیم قَنْدوزی علیہ الرحمہ تشریف لائے، آپ نے اُن کی خدمت کی، اُنھوں نے خوش ہو کر اپنا جوٹھا عطا کیا، جس کی برکت سے دل کی دُنیا بدل گئی اور علمِ دین حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ حصولِ علمِ دین کے بعد سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں خواجہ عثمان ہارُونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور بیس سال تک مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں رہ کر تزکیہ و تربیت کے اعلیٰ درجات حاصل کیے۔

حَرَمَین شریفَین کی حاضری کے بعد لاہور سمیت مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف میں تشریف لے گئے، پھر وہیں رہ کر لاکھوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن فرمائی۔ وصالِ مبارک ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ / 16 مارچ 1236ء کو ہوا۔[3]

عزیزِ بارگہِ کبریا غریب نواز
رفیقِ حلقۂ خیر الوریٰ غریب نواز

اسیر گیسوئے مشکِل کُشا غریب نواز
شہیدِ حُسنِ شہِ کربلا غریب نواز

جدھر اُٹھی کوئی میخانہ کر گئی آباد
خُدا رکھے تیری چشمِ عطا غریب نواز

کوئی ہوا ہے نہ ہو گا جہان میں اعظم ہمارے خواجۂ اجمیر سا غریب نواز

---

[1] محققین نے لکھا کہ درست تلفظ سِیجْزِی ہی ہے۔ قال القسطلانی: السجزی بکسر السین المهملة وسکون الجیم۔ (ارشاد الساری)

[2] سابق نام: سِجِسْتَان

[3] سالِ ولادت و وصال سے متعلق دیگر اقوال بھی ہیں۔ تاریخ کی تعیین مقصود بھی نہیں، مقصود تو اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرنا اور اُن کے تذکرہ سے سبق حاصل کر کے خود کو سنوارنا ہے۔

تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... تعظیمِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تاکید

صحابۂ کرام علیہم الرضوان وہ مقدس لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا، آپ کی ذاتِ اقدس سے خوب برکتیں سمیٹیں اور دینِ اسلام کو محفوظ کرکے آنے والی نسلوں تک پہنچایا۔

اُنھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریفیں فرمائیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے محبت کا حکم دیا اور اُن کے بغض سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ چنانچہ یہ فرض ہے کہ دل میں ہر صحابی کی محبت ہو، اُن کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ کے ساتھ کیا جائے اور کسی بھی صحابی کی بے ادبی و گستاخی نہ کی جائے۔

خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ گرامی کی بارگاہ سے روانہ ہونے کے بعد مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے ایرانی صوبہ خُراسان کے شہر ''سَبزوار'' میں تشریف لائے، وہاں ''یادگار محمد'' نامی ایک حاکم تھا... یہ شخص بداخلاق، فاسق اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا گستاخ تھا، جس شخص کا نام ابو بکر، عمر یا عثمان ہوتا اُسے سخت تکلیف پہنچاتا تھا۔ اُس نے شہر کے قریب ایک باغ میں حوض اور پُر تکلف عمارت بنوا رکھی تھی، جب وہاں جاتا ہے تو خوب عیاشیاں کرتا۔

خواجہ صاحب سبزوار پہنچے تو پہلے ہی دن اُس کے باغ میں تشریف لے گئے، غسل کرکے دو رکعات ادا کیں اور تلاوتِ قرآنِ مجید میں مشغول ہوگئے۔ قدرت کا کرنا کہ یادگار محمد بھی اُسی دن باغ کی طرف متوجہ ہوا۔ خواجہ صاحب سے عرض کی گئی کہ وہ طاقت وَر اور ظالم شخص ہے، مصلحت کا تقاضا ہے کہ آپ باغ سے باہَر تشریف لے آئیں، مگر آپ نے اِس عرض کو قبول نہ کیا۔ اتنے میں یادگار محمد بھی وہاں آگیا، آپ اپنی جگہ ہی تشریف فرما رہے۔ جب اُس کی نظر آپ پر پڑی تو آپ کی عظمت و شوکت سے وہ کانپنے لگا اور اُس کا رنگ بدل گیا، اُس کے تمام ملازم اور ساتھی بھی دہشت زدہ ہوگئے، جو قالین اُس کے لیے بچھایا گیا تھا اُس نے وہ دُور پھینک دیا اور ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آپ نے اُس کی طرف تیز نظر فرمائی تو وہ بے طاقت ہوکر زمین پر گر پڑا۔

جب یادگار محمد کو ہوش آیا تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: تَوبَۂ کَردِیْ؟ کیا تُو نے توبہ کرلی؟ اُس نے نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیا: مَیں نے توبہ کرلی۔ آپ نے پھر فرمایا: عَقِیْدَۂ زِشْتِے کہ دَاشْتِی اَزاں گُذَشْتِیْ؟ تمہارا جو بُرا عقیدہ (صحابہ کا بُغض) تھا اُس سے باز آگئے؟ اُس نے کہا: واللہ باللہ ثم باللہ مَیں نے وہ عقیدہ چھوڑ دیا۔ وہ اچانک ڈر کر کانپنے لگا اور بے ہوش ہوگیا۔ آپ نے اُسے توبہ کی توفیق ملنے پر وضو کرکے شکرانے کے نوافل ادا کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے نوافل ادا کرنے کے بعد آپ کے قدموں پر سر رکھا اور آپ کے دستِ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر آپ کا مرید ہوگیا۔ بعد میں آپ کے حکم پر یادگار محمد نے لُوٹا ہوا تمام مال مالکوں کو واپس کردیا اور دُنیا کی محبت چھوڑ کر ربّ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔ (سیَر العارفین از زبدۃ العارفین مولانا جمالی، ص:10، 11، مطبع رضوی، دہلی)

تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... علمِ دین اور علمائے حق کی تعظیم کا درس

قرآن وسنت میں کثرت کے ساتھ علمِ دین حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔ علمِ دین اور اُس سے متعلقہ اُمور کی تعظیم وتکریم دینی فرائض میں سے ہے اور علمِ دین یا علمائے حق کی توہین حرام ہے۔

سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا[1] وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا وَزِيْدَ فِيْ رِوَايَةٍ: حَقَّهٗ۔ یعنی "جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 421۔ مسند احمد، حدیث: 22755۔ مکارم الأخلاق للطبرانی، حدیث: 147)

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے نہایت محنت وجاں فشانی کے ساتھ علمِ دین حاصل کیا، پھر جب مسندِ ارشاد پر جلوہ گر ہوئے تو لوگوں کو علمِ دین اور علمائے حق سے محبت کا خوب درس دیا۔

ایک موقع پر آپ نے بیان فرمایا: پہلے وقتوں میں ایک آدمی تھا، جب وہ علماء ومشائخ کو دیکھتا تو اپنا منہ پھیر لیتا اور حسد کی بنیاد پر اُن کی طرف نہیں دیکھ پاتا تھا۔ موت کے بعد اُسے قبر میں رکھا گیا، جب بھی اُس کا منہ قبلہ کی طرف کیا جاتا تو ہر بار اُس کا منہ قبلہ سے پھر کر دوسری طرف ہو جاتا، لوگوں کو حیرت ہوئی، بالآخر غیب سے آواز آئی: اے مسلمانو! (اِس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہو گا) خود کو اور اِسے کیوں تکلیف دیتے ہو؟ یہ دُنیا میں علماء ومشائخ سے منہ پھیر لیتا تھا، چنانچہ جو علماء ومشائخ سے منہ پھیرے ہم اپنی رحمت کو اُس سے پھیر دیتے ہیں، اُسے اپنی بارگاہ سے دھتکارے ہوئے لوگوں میں شامل کر دیتے ہیں اور روزِ قیامت اُسے ریچھ کی شکل پر اُٹھائیں گے۔[2]

(دلیل العارفین، مجلس پنجم، ص: 23، مطبع منشی نول کشور)

ہماری حالتِ زار: اِس وقت علمِ دین اور علمائے حق کے حوالے سے ہماری عمومی صورتِ حال بہت پریشان کُن ہے، باقی سب کام ہو جاتے ہیں، اگر وقت نہیں ملتا تو علمِ دین کے لیے... یوں ہی اہلِ علم کے قدر دان بھی کم ہی رہ گئے ہیں، بلکہ سوشل میڈیا پر بڑی تعداد میں غیروں کے نمائندے علمائے حق سے متنفّر کرنے کے لیے مہم جوئی کرتے ہیں۔ علم اور علمائے حق سے محبت میں ہی نجات ہے۔

---

[1] الظاهر أن ضمير المتكلم كناية عن المسلمين۔ (لمعات التنقيح شرح مشكوٰة المصابيح، تحت الحديث: 4970)

[2] مَردے بود در ایّامِ پیشین، ہر وقتے کہ علما را یا مشایخ را بدیدے روئے از ایشاں بگردانیدے واز حسدِ ایشاں نتوانستے کہ بہ بیند، الغرض چوں آں مُرد نقل کرد اُو را در گور فُرُوْد آوردند، ہر چند کہ روئے بجانبِ قبلہ می کردند روئے از جانبِ قبلہ می گشت جانبِ دیگر می شد۔ خلق را تعجبے وحیرتے پیدا شد، ہاتفے آواز داد کہ اے مسلمانان! خود را واِیں مرد را چہ رنجہ دارید! ایں مَردے بود در دُنیا از علماء ومشائخ روئے بگردانیدے، پس ہر کہ از علماء ومشائخ روئے بگرداند ما رحمتِ خویش از وَے باز داریم واز میانِ راندگان بگردانم وفردائے قیامت روئے وَے را چوں روئے خرس برانگیزم۔

تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... اتباعِ سنت کی ترغیب

محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا اور سچی محبت کی ایک اہم نشانی یہ ہے کہ مسلمان اپنے آقا کریم ﷺ کے احکام اور آپ کی سنتوں پر عمل کرے۔

اتباعِ رسول ﷺ کا حکم دیتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ ”اے حبیب! فرما دیجیے کہ لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ [اٰلِ عمران 3:31]

احادیثِ مبارکہ میں اتباعِ سنت کی بے شمار برکتیں بیان فرمائی گئی ہیں، مثلاً: سنتوں پر عمل کی برکت سے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو گا... روزِ قیامت سرورِ عالم ﷺ شفاعت فرمائیں گے... جنت میں آپ ﷺ کی سنگت و معیت عطا ہو گی اور دُنیا میں بھی آپ ﷺ کی نگاہِ کرم شاملِ حال رہے گی۔

بزرگانِ دین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ خود بھی فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ سنتوں پر عمل کا خوب اہتمام کرتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی اِس کی تاکید فرماتے ہیں۔

قیامت کا حساب: قیامت کو ہونے والے حساب و کتاب سے متعلق خواجۂ خواجگان سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ روزِ قیامت انسان کو مختلف مقامات پر کھڑا کر کے متعدّد سوالات[1] پوچھے جائیں گے:

1) پہلے مقام پر ایمانیات سے متعلق سوال ہو گا۔ اگر بندہ ایمان، اُس کی شرائط و صفات اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے متعلق صحیح صحیح جواب دے سکا تو خوب... اور یہ ذمہ داری پوری نہ کر سکا تو اُسے وہیں سے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔

2) پھر دوسرے مقام پر کھڑا کر کے نماز اور دیگر فرائض کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اِن سے متعلق کامیاب ہو گیا تو بہت اچھا، ورنہ اُسے اِسی مقام سے جہنم بھیج دیا جائے گا۔

3) تیسرے مقام پر کھڑا کر کے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں (پر عمل) سے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر سنتوں کی ذمہ داری پوری ہوئی تو بہت اعلیٰ، ورنہ فرشتوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا: اِیْنْ کَسْ اَزْ اُمّتِ تُسْتْ کہ دَرْ سُنّتْہا تَقْصِیْرْ کَرْدَہْ اَسْتْ۔ یہ آپ کی اُمّت سے ہے اور اِس نے آپ کی سنتوں سے متعلق کوتاہی کی ہے۔[2]

---

[1] پچاس مقامات پر کھڑا کر کے پچاس چیزوں کے بارے میں سوال ہو گا۔

[2] در موقفِ سوم بایستانند، از سنتہائے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم پرسند، اگر از عہدۂ سنتہا بیروں آید برہد، وگرنہ باموکّلاں پیشِ حضرت رسالت پناہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم فرستد کہ ایں کس از اُمّتِ تست کہ در سنتہا تقصیر کردہ است۔

یہ گفتگو مکمل کر کے خواجۂ خواجگاں علیہ الرحمہ رونے لگے اور فرمایا: وَائے بَر آں کَس کِہ فَرْدَائے قِیَامَتْ اَزْ رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم شَرْمِنْدَہْ مَانْدْ، پَس اُوْ رَا جَاکُجَا باشَد! چوں از وَیْ شَرْمِنْدَہْ بَاشَدْ پیشِ کَہْ رَوَدْ۔ اُس شخص پر افسوس ہے جو روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو، پھر اُسے کہاں ٹھکانا ملے گا! جب وہ آپ ﷺ کے سامنے (حاضری سے) شرمندہ ہو گا تو کس کے سامنے جائے گا! (دلیل العارفین، مجلس دوم، ص:10، مطبع منشی نول کشور)

حاضری کی فکر: خواجہ غریب نواز اور بزرگانِ دین علیہم الرحمہ نے تربیت فرمائی ہے کہ مسلمان کو یہ ذہن بنانا چاہیے کہ اگر مَیں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل نہ کیا تو روزِ قیامت آپ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا!

خواجۂ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: کسی وقت مَیں خواجہ اَجَلّ شیرازی علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا، نمازِ مغرب کا وقت ہوا، خواجہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے تازہ وضو کیا، دورانِ وضو بھولے سے اُنگلیوں کا خِلال رہ گیا، غیب سے آواز آئی: اَجَلّ! دَعْوَائے دوستِیِ مُحَمّدِ مَا مِیْ کُنِیْ وَ اَزْ اُمّتِ اُوْ باشِیْ سُنّتِ اُوْ رَا تَرْکْ دَہِیْ! اَجَلّ! ہمارے محبوب ﷺ سے محبت کا دعوٰی کرتے ہو اور اُن کے اُمّتی ہو، پھر اُن کی سنت چھوڑ دی! چنانچہ خواجہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اُٹھائی کہ اب مرتے دم تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت نہیں چھوٹے گی۔ [1]

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے مزید فرمایا: ایک روز مَیں نے خواجہ اجلّ شیرازی علیہ الرحمہ کو حد درجہ پریشان دیکھا، پوچھا: کیوں پریشان ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: اَزَاں روز بَاز کہ اَزْ مَنْ خِلَالِ اَنْگُشْتَانْ فَوْتْ شُدَہْ اَسْتْ دَرْ حَیْرَتَمْ کہ فَرْدَا اِیْنْ رُوئے خود را بَر آں خواجَۂ کَائِنَاتْ چِگونَہْ خواہَمْ نَمُوْدْ۔ جس دن مُجھ سے (وضو کرتے ہوئے) انگلیوں کا خلال رہ گیا تھا، اُس دن سے پریشان ہوں کہ کل روزِ قیامت سرکارِ دوعالم ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا! (دلیل العارفین، مجلس دوم، ص:3،4، مطبع منشی نول کشور)

یاد رہے کہ وضو میں ہاتھوں اور پاؤں کی اُنگلیوں کا خِلال کرنا سنت ہے۔

- ہاتھ کی اُنگلیوں کے خلال کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وضو کے شروع میں کلائیوں تک تین مرتبہ ہاتھ دھونے کے بعد (نَل بند کر کے) بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کی پُشت پر رکھ کر بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں اور پیچھے لائیں، پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پُشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کو بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں میں ڈالیں اور پیچھے لائیں۔
- اور پاؤں کی اُنگلیوں کے خلال کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا (چھوٹی اُنگلی) سے سیدھے پاؤں کی چھنگلیا کا خِلال شروع کر کے اَنگوٹھے تک پہنچیں، پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے شروع کر کے چھنگلیا پر ختم کریں۔

---

[1] وقتے با خواجہ اَجَلّ شیرازی رحمہ اللّٰہ رہ یکجا بودم، وقتِ نمازِ شام بود، خدمتِ خواجہ رحمہ اللّٰہ تجدیدِ وضو می کردہ، خلالِ انگشتاں از ایشاں سہوًا فراموش شد، ہاتفِ غیب آواز داد و در سرودے فرد خواندند کہ اجلّ! دعوائے دوستی محمدِ ما می کنی و از اُمتِ اُو باشی سنتِ اُو را ترک دہی! بعد ازاں خواجہ اجلّ سوگند خورد کہ ازاں روز باز کہ ندا شنیدم تا وقتِ موت سنتے از سنتہائے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم ترک نہ شد۔

تعلیماتِ خواجۂ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ... حکمرانوں کی اِصلاح

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے... طاقت اور اثر ورسوخ کے ذریعے برائی کو روک سکتا ہو تو اُسے استعمال کرے، برائی کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہو تو ایسا کرے، ورنہ کم از کم اُس کو دل سے بُرا جانے۔

خواجۂ خواجگان معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عمر بھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نہایت محنت سے سر انجام دیا۔ آپ نے جہاں لاکھوں کی تعداد میں عوام کو کلمہ پڑھایا اور توبہ کروائی وہاں متعدد حکمرانوں کی بھی اصلاح فرمائی۔ سفر کے دوران مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو دین کی دعوت بھی دیتے اور عدل وانصاف کا حکم بھی فرماتے، بطورِ مثال ابھی حاکمِ سبزوار "یادگار محمد" کا تذکرہ کیا گیا۔

خواجہ صاحب حکمرانوں کی اصلاح پر خوب توجہ اِس لیے بھی دیتے کہ حاکم کی عادتوں، اُس کے کردار اور اُس کے طرزِ حکومت کا رعایا پر گہرا اثر ہوتا ہے، اگر حاکم سنور جائے تو شہری بھی سنور جاتے ہیں اور حاکم بگڑا ہو تو شہری بھی بگڑ جاتے ہیں۔

خلیفۂ عادل سیدنا ابو حَفص عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور کے چرواہے (بکریاں چرانے والے) بیان کرتے ہیں: كَانَتِ الشَّاءُ وَالذِّئْبُ تَرْعٰى فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ۔ آپ کے عدل کی ایسی برکت تھی کہ بکریاں اور بھیڑیا ایک ہی جگہ چرتے تھے (مگر کبھی کسی بھیڑیے نے بکری پر ظلم نہیں کیا تھا)۔ ایک چرواہے کا کہنا ہے: فَبَيْنَا نَحْنُ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِذْ عَرَضَ الذِّئْبُ لِشَاةٍ، فَقُلْتُ: مَا نَرَى الرَّجُلَ الصَّالِحَ إِلَّا قَدْ هَلَكَ۔ ایک رات کو بھیڑیے نے بکری پر حملہ کر دیا، مَیں نے کہا: میرا خیال ہے کہ عادل وصالح خلیفہ وفات پا گیا ہے (جبھی بھیڑیا ظالم ہو گیا ہے)۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کی وفات اُسی رات کو ہوئی تھی۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ج:5، ص:256، مطبعۃ السعادۃ۔ الطبقات الکبریٰ، ج:5، ص:301، دار الکتب العلمیۃ)

اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں سیاست وحکومت کو دین سے جُدا نہیں سمجھنا چاہیے... حکمرانوں اور عوام سب کا فائدہ اِسی میں ہے کہ ریاست وسیاست دین کے تابع ہوں۔ اگر سیاست کو دین سے الگ کیا جائے تو اُس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جس کی نشان دہی کرتے ہوئے شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پاکستان میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بالکل قریب ہیں، ہمیں اپنا ووٹ ایسی پارٹی کے نمائندے کو دینا چاہیے جو ملک کی بھی خیر خواہ ہو اور دین کی سربلندی کے لیے بھی مخلص ہو۔ ذاتی مفادات یا سیاسی وابستگی کی بنیاد پر نااہل کو ووٹ دینا بدترین خیانت اور قیامت کی نشانی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ گفتگو فرمارہے تھے، اِسی دوران ایک شخص نے حاضر ہو کر پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے گفتگو جاری رکھی۔ بات مکمل کرنے کے بعد فرمایا: ”قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟“ اُس نے عرض کی: مَیں حاضر ہوں۔ فرمایا: «فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔» جب امانت کو ضائع کیا جانے لگے گا تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اُس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: «إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔» یعنی ”جب نااہلوں کو منصب دیے جائیں گے تو قیامت کا انتظار کرنا“۔ (صحیح بخاری، حدیث:59)

حرفِ آخر

ربّ تعالیٰ جس پر بہت کرم فرمانا چاہے اُسے دین کی خدمت و مدد کی توفیق سے نوازتا ہے یا کم از کم دین کے خدمت گزاروں اور مدد کرنے والوں کی سنگت و معیت عطا فرما دیتا ہے۔

جن خدّامِ دین کی کوششوں کے عالَمی سطح پر اثرات مرتّب ہوئے اُن میں ایک نمایاں نام نائبِ رسول ﷺ، غریب نواز، خواجۂ خواجگان سید حَسَن سنجَری قُدس سِرّہ العزیز کا بھی ہے۔ آپ نے دینِ متین کی یوں خدمت کی کہ آپ کو ”مُعِیْنُ الدِّیْن“ (دین کی مدد کرنے والا) کہا جاتا ہے۔

ایسی ہی ہستیوں سے متعلق ربّ تعالیٰ نے فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“ [التوبۃ9:119]

خواجۂ خواجگان کا وصالِ مبارک ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ / 16 مارچ 1236ء کو ہوا۔ یومِ وصال کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی تعلیمات سے متعلق کچھ گفتگو کی گئی۔

بلاشبہ آپ کی روشن تعلیمات عصرِ حاضر کے فتنوں میں بھی اُمّتِ مسلمہ کی خوب راہ نمائی کرتی ہیں اور دونوں جہان میں کامیابی کا راستہ بھی دکھاتی ہیں۔ آج کے خطبہ میں ذکر کیے گئے اُمور میں سے -+ چند یہ ہیں:

- ایمان بچانے کے لیے لازم ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی تمام نسبتوں کا احترام کیا جائے۔ صحابۂ کرام کی جماعت سے تعلق رکھنے والے ہر فرد اور اہلِ بیتِ عظام میں سے ہر ہستی کی دل و جان سے تعظیم کی جائے اور اُن کا تذکرہ ہمیشہ اچھے الفاظ میں کیا جائے، رضی اللہ عنہم۔
- علمِ دین حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔ ہر روز کچھ نہ کچھ وقت علمِ دین حاصل کرنے کے لیے نکالا جائے۔ نیز علمائے حق کے احترام کا بھی التزام کیا جائے۔
- فرائض کی ادائیگی سب سے زیادہ ضروری ہے، اِن میں کسی بھی طرح سے کوتاہی نہ کی جائے۔

❖ فرائض وواجبات کے بعد نبیِ کریم ﷺ کی سنتوں پر اہتمام کے ساتھ عمل کیا جائے۔ سنتوں پر عمل کی دونوں جہان میں برکتیں ہیں، اور سنت کا اہتمام نہ کرنے پر بے برکتی ہی بے برکتی ہے۔

❖ سیاست وریاست کو دین کے تابع رکھا جائے۔ سیاست بھی دین کی سربلندی اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کے لیے ہو اور ریاست بھی دین کے تابع ہو۔ کسی بھی پارٹی کو ووٹ دینے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھی جائے کہ نااہل کو ووٹ دینا پوری قوم کے ساتھ بددیانتی ہے اور قیامت کی نشانی ہے۔

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ جس طرح سے حکمرانوں کو ظلم سے روکتے تھے اور غریب نوازی فرماتے تھے اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے دل کہتا ہے کہ اگر آپ کی ظاہری حیات میں موجودہ دَور کے حکمران ہوتے جو غزہ میں ہونے والے صدی کے بدترین ظلم پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں تو نہ جانے آپ کے جلال کا عالَم کیا ہوتا!

اللہ تعالیٰ خواجۂ خواجگان علیہ الرحمہ کے درجات کو بے حد بلند فرمائے، ہمیں آپ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے خود کو سنوارنے اور آپ کا فیض پانے کی توفیق سے نوازے۔

باری تعالیٰ فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِ الکریم ﷺ

۱۴ رجب المرجّب ۱۴۴۵ھ / 26 جنوری 2024ء

ذمہ داروں کے انتخاب اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں

مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی شانِ دیانت

(الیکشن 2024ء کی مناسبت سے.... یومِ ولادتِ مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کے موقع پر)

مشمولات

- سابقہ حکمرانوں کی دیانت اور ہمارے حکّام کی بد دیانتی
- ذمہ داریوں کو نبھانے میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت
- مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- ذمہ داروں کے انتخاب میں دیانت داری کا حکم
- ووٹ کے استعمال میں دیانت داری
- ذمہ داروں کے انتخاب میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت
- ذمہ داریوں کو نبھانے میں دیانت داری کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۔ [النساء4:58]

سرورِ عالَم ﷺ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کا دین قیامت تک باقی رہے گا، چنانچہ ربّ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو اتنا جامع اور کامل بنایا ہے کہ یہ ہر دَور میں ہر طبقے کے افراد کو مکمل راہ نمائی فراہم کرتا رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔

دینِ اسلام جہاں سچے عقائد اور سُچی عبادات تعلیم فرماتا ہے وہاں بندوں کے باہمی معاملات سے متعلق سنہری اُصول بھی سکھاتا ہے۔ سیاست و حکومت کے بارے میں اسلامی تعلیمات ایسی شان دار ہیں کہ اگر حکمران اور عوام اُن پر عمل کریں تو نہ صرف ریاست کا نظام بہترین طریقے سے چلے، بلکہ حکومت و عوام کے درمیان محبت و عقیدت کا رشتہ بھی قائم ہو جائے۔

جب ذمہ داروں کا تقرّر اسلامی اُصولوں پر ہوتا تھا اور حکّام بھی نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق ریاست چلاتے تھے تو عوام کا اپنے حکمرانوں کے ساتھ تعلّق قابلِ رشک ہوتا تھا، شہری اُمرا سے محبت کرتے تھے، اُن کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتے تھے اور بارگاہِ الٰہی میں اُن کی خیر و سلامتی کی دعائیں مانگتے تھے... مگر ہمارے دَور میں نہ تو ذمہ داروں کا انتخاب اسلامی تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے اور نہ ہی وہ حکومت سنبھالنے کے بعد اسلامی اُصولوں کی پاس داری کرتے ہیں، چنانچہ اب مسلمان، بالخصوص کوئی پاکستانی اپنے حکمرانوں کا تذکرہ کرے تو کیسے جذبات ہوتے ہیں اور اُن کے لیے کیا دُعائیں کرتے ہیں! اِس بات سے ہم سب بخوبی آگاہ ہیں۔

اِس تلخ حقیقت کا انکار بھی ممکن نہیں کہ نااہل حکمرانوں کے مسلّط ہونے کی وجہ ہماری اپنی نالائقی ہے؛ کیونکہ پاکستان کا نظام ”جمہوری“ ہے، عوام خود اپنے حکمرانوں کا انتخاب کرتے ہیں، یعنی جن کو کوستے ہیں اُنھیں خود ہی منتخب کیا ہوتا ہے۔

قابلِ فخر کارنامے سرانجام دینے والے مسلم حکمرانوں میں ایک نمایاں نام خلیفۂ رابع مولَی المسلمین، دامادِ رسول ﷺ سیدنا علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجۡہَہُ الۡکَرِیۡم کا بھی ہے۔

ویسے تو آپ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کے سبھی پہلو قابلِ تقلید ہیں، مگر چند دنوں بعد ہونے والے انتخابات کی مناسبت سے آج کے خطبے میں ”ذمہ داروں کے انتخاب“ اور ”ذمہ داریوں کو نبھانے“ کے حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت کا تذکرہ ہو گا؛ تاکہ الیکشن میں ووٹ دینے والے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے سبق لیتے ہوئے دیانت داری کے ساتھ اپنے ووٹ کی طاقت استعمال کریں اور ووٹ لینے والے بھی دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں۔

مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کا دم تو سبھی بھرتے ہیں، مگر لُطف تب ہے جب آپ کی سیرت کو بھی اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

مولَی المسلمین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا سوانحی خاکہ

شیرِ خدا، فاتحِ خیبر، مولَی المسلمین، مُحبّ و محبوبِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابو الحسن وابو تُراب سیدنا علیِ مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ[1] کی ولادتِ مبارکہ ایک رائے کے مطابق عام الفیل کے تیسویں سال 13 رجب المرجّب بروز جُمعۃ المبارک کو ہوئی۔[2]

آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا ابو طالب کے فرزند ہیں اور والدہ ماجدہ کا نام سیدتنا فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، جن کی وفات پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُن کی قبر میں اُترے تھے اور دیگر کئی اعزازات سے نوازا تھا۔

سیدنا علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الکَرِیم کی خوش نصیبی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن کے بچپن میں ہی اُنھیں اپنی پرورش میں لے لیا، چنانچہ اُنھوں نے جانِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تربیت میں ہوش سنبھالا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہی سیرت کے سانچے میں ڈھل گئے۔

مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الکَرِیم کی عمرِ مبارک صرف 10 سال تھی جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اعلانِ نبوّت فرمایا، بچوں میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول کیا۔

آپ عمر بھر دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خَنْدَق اور غزوۂ خیبر وغیرہ... تمام اِسلامی جنگوں میں بے پناہ شُجاعت کے ساتھ شریک ہوئے۔

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصالِ اقدس کے بعد تقریباً 25 سال پہلے تینوں خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے وزیر و مشیر خاص رہے اور بہترین مشورے دینے کے ساتھ ساتھ انتظامی اُمور میں بھی شرکت فرماتے رہے۔ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین کے منصب پر فائز ہوئے اور 4 برس 8 ماہ 9 دن تک اِس عہدے کی زینت رہے۔

17 یا 19 رمضان المبارک 40ھ کو ایک بدبخت کے حملے سے شدید زخمی ہوگئے اور 21 ویں رات میں جامِ شہادت نوش کیا۔[3]

---

[1] آپ کے نام کے ساتھ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ کہنے اور لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لکھا: حضرت مولیٰ نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں صلّی اللہ تعالی علیہ وعلیہ وبارک وسلّم، تو جب سے اُس جنابِ عرفان مآب کو ہوش آیا قطعًا یقیناً ربّ عزّوجلّ کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامنِ پاک کبھی آلودہ نہ ہوا؛ اسی لیے لقبِ کریم کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ ملا۔ (فتاوٰی رضویہ، جلد:28، ص:436، رضا فاؤنڈیشن)

[2] یاد رہے کہ 13 رجب المرجب کا یومِ ولادت ہونا یقینی نہیں، مقصود خراجِ تحسین پیش کرنا اور پیروی کا شوق دلانا ہوتا ہے، تاریخِ ولادت کوئی بھی ہو۔
بعض روایات کے مطابق آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ خانہ کعبہ شریف میں موجود تھیں۔ قال الإمام الحاکم: فَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَسَدٍ وَلَدَتْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ۔ (المستدرك على الصحيحين، رقم:6044)

[3] ملخص از اسد الغابۃ، معرفۃ الصحابۃ، تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخفاء

ذمہ داروں کے انتخاب میں دیانت داری کا حکم

قرآن وسنت میں امانت ودیانت داری کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے اور صادق وامین شخص کو بشارتیں دی گئی ہیں، جب کہ خیانت و بددیانتی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور خائن وکذاب کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

ایک آیتِ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۔ ”بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانتیں اُن کے سپرد کرو جو اُن کے اہل ہیں اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے! بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“[النساء4:58]

ذمہ داروں کے انتخاب میں دیانت: زندگی کے ہر شعبے میں امانت ودیانت کا پاس رکھنا ضروری ہے، جب کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سپرد کی جائے تو اِس میں بھی لازم ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اُسی شخص کو منصب سپرد کیا جائے جو اُس کا اہل ہو اور اُس کے تقاضے بہترین طریقے سے پورے کر سکے۔ ذاتی تعلق، شخصی مفاد اور سیاسی وابستگی وغیرہ کی بنیاد پر کسی شخص کو ذمہ داری سپرد کرنا ملک وقوم کے ساتھ بھی بدترین خیانت ہے اور حکمِ الٰہی کے بھی خلاف ہے۔

رازدارِ رسول ﷺ سیدنا حُذیفہ بن یَمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا: أَيُّمَا رَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى عَشَرَةِ أَنْفُسٍ[1] عَلِمَ أَنَّ فِي الْعَشَرَةِ أَفْضَلَ[2] مِمَّنِ اسْتَعْمَلَ فَقَدْ غَشَّ اللّٰهَ وَغَشَّ رَسُوْلَهٗ وَغَشَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ یعنی ”جس نے کچھ افراد پر ایک شخص کو ذمہ دار بنایا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اُن میں (اِس ذمہ داری کے لیے) اُس سے بہتر شخص موجود ہے تو بلاشبہ اُس نے (اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی کرکے) اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کی، اللہ کے رسول ﷺ سے بھی بددیانتی کی اور مسلمانوں سے بھی بدعنوانی کا مرتکب ہوا۔ (الجامع الصغير، رقم الحديث: 5040، إسنادهٗ ضعيف لكن لهٗ شواهد[3])

---

[1] أَيْ جَعَلَهٗ أَمِيرًا عَلٰى طَائِفَةٍ وَلَوْ قَلِيلَةً جِدًّا، كَعَشَرَةٍ. (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت الحديث)

[2] والمرادُ بالأفضليَّةِ: حسنُ القيامِ بأمرهم والعدلُ فيهم والذبُّ عنهم وَحِيَاطَتُهم مما يَحُوطُ بهٖ نفسَهٗ۔ (التنوير، تحت الحديث)

[3] فقد خرّج الحاكم بالتصحيح عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِّنْ عِصَابَةٍ وَفِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضٰى لِلّٰهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَخَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔» (المستدرك، ج:4، ص:104، رقم الحديث:7023)
وروى الطبرانی عنه مرفوعًا: وَمَنْ تَوَلّٰى مِنْ أُمَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا، فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا وَّهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ فِيْهِمْ مَّنْ هُوَ أَوْلٰى بِذٰلِكَ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المعجم الكبير، ج:1، ص:114، الحديث:11216)

ذمہ داروں کے انتخاب میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت

سیدنا علی اور تربیتِ دیانت: یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ سیدنا علیِ مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں ہوش سنبھالا اور بچپن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادتیں سیکھیں، چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ امانت و دیانت جیسے عمدہ اوصاف آپ کی گھٹی میں شامل تھے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ کو یوں بھی دیانت داری کی تربیت ملی کہ جب کفارِ مکہ کی شرارتوں کی وجہ سے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو شبِ ہجرت اہلِ مکہ کو اُن کی امانتیں واپس کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیِ مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ کو ہی اپنے بستر پر سلایا اور تفصیلی طور پر بتادیا کہ تم فلاں، فلاں کو امانتیں سپرد کرکے مدینہ آجانا۔ امانت و دیانت کی کیسی عظیم الشان تربیت تھی کہ سیدنا علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہ الکریم نے اُن کو امانتیں واپس کرنی تھیں جن کی شرارتوں کے سبب جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔

باری تعالٰی نے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔ ”اور لوگوں میں سے کوئی اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔“ [البقرۃ2:207] ایک تفسیر کے مطابق یہ آیتِ کریمہ شبِ ہجرت سیدنا علیِ مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہ الکریم کی جاں نثاری سے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی)

شانِ دیانت کا اظہار: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تربیت سیدنا علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ کی رگ رگ میں رچی بسی ہوئی تھی، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے دیگر اُمور کی طرح ذمہ داروں کے انتخاب اور اُن کی نگرانی میں بھی دیانت داری کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے سیرت نگاروں نے لکھا: وَلَا يَخُصُّ بِالْوِلَايَاتِ إِلَّا أَهْلَ الدِّيَانَاتِ وَالْأَمَانَاتِ۔ آپ ریاستی ذمہ داری فقط دیانت دار اور امین لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ (الإستيعاب فی معرفة الأصحاب، ج:3، ص:1111، دار الجيل)

مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ جیسے منصب سپرد کرتے ہوئے فقط صادق و امین لوگوں کو منصب سپرد کرتے تھے ایسے ہی تقرّر کے بعد اُن کی نگرانی فرماتے تھے اور اگر کسی ذمہ دار کی بددیانتی سامنے آتی تو اُس کی بازپرس بھی فرماتے تھے۔

آپ کے دورِ خلافت میں سَودہ بنت عُمارہ ہَمْدانیہ نامی ایک خاتون نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ آپ نے فلاں شخص کو صدقات وصول کرنے کی ذمہ داری دی تھی، وہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ اُس کی بات سنتے ہی مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور آپ نے ربّ تعالٰی کی بارگاہ میں نہایت لجاجت کے ساتھ التجا کی: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الشَّاهِدُ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ، إِنِّيْ لَمْ

أُمُرُهُمْ بِظُلْمِ خَلْقِكَ وَلَا بِتَرْكِ حَقِّكَ۔ یعنی اے اللہ! تُو مجھ پر اور میرے مقرر کردہ ذمہ داروں پر نگہبان و گواہ ہے۔ یقیناً مَیں نے اُنھیں نہ تو تیری مخلوق پر ظلم کی اِجازت دی ہے اور نہ ہی تیرا حق چھوڑنے کا کہا ہے۔

پھر فوراً اپنی جیب سے کھال کا ایک ٹکڑا نکال کر اُس پر متعلقہ ذمہ دار کے نام تحریر فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔[1] فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔[2] اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحمت والا ہے۔ بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن دلیل آچکی، تو انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ (حرام چھوڑنے کے بعد) اللہ کا دیا ہوا جو بچ جائے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو اور مَیں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

مزید لکھا: ہماری دی ہوئی ذمہ داری کی پوری طرح حفاظت کرو، یہاں تک کہ دوسرا شخص آئے جو یہ ذمہ داری سنبھال لے، والسلام![3] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج:69، ص:226، دار الفکر)

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اُس افسر کے بارے میں شکایت سن کر سیدنا علی کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهٗ کیوں رونے لگے؟ پھر بارگاہِ الٰہی میں اپنا عذر کیوں پیش کیا؟ حالانکہ آپ نے تو کوئی ظلم نہیں کیا تھا! جواب بہت آسان ہے کہ آپ سمجھتے تھے اگر میرے مقرر کیے ہوئے شخص نے بد دیانتی کی اور مَیں نے اُس کے خلاف ایکشن نہ لیا تو مجھ سے پوچھا جائے گا!

چند روز بعد پاکستان کی قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوں گے، کاش! الیکشن کے روز ووٹ کاسٹ کرتے ہوئے ہمیں بھی مولَی المسلمین رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کا پڑھایا ہوا یہ سبق یاد رہے کہ اگر ہم نااہل شخص کو ووٹ دیں... اُس پارٹی کے اُمیدوار کو ووٹ دیں جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ پارٹی اسلام کی وفادار نہیں... جس سے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ اِس پارٹی کے لوگوں نے پہلے بھی ملک کو لُوٹا ہے تو روزِ قیامت ہم سے بھی سوال ہوگا کہ اُسے ووٹ کیوں دیا تھا!

یاد رکھیے کہ ووٹ کا غلط استعمال ملک و قوم سے بدترین خیانت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ووٹ اُسی پارٹی کے اُمیدوار کو دیجیے جو اسلام کی بھی خدمت گزار ہے اور ملک کی بھی خیر خواہ ہے۔

---

[1] الاعراف 85:7

[2] ھود 11:85، 86

[3] إِذَا أَتَاكَ كِتَابِي هٰذَا فَاحْتَفِظْ بِمَا فِي يَدَيْكَ مِنْ عَمَلِنَا حَتّٰى يَقْدُمَ عَلَيْكَ مَنْ يَّقْبِضُهٗ مِنْكَ، وَالسَّلَامُ!

ذمہ داریوں کو نبھانے میں دیانت داری کا حکم

قرآن وسنت میں ہر شخص کو اپنی ذمہ داریاں دیانت داری کے ساتھ نبھانے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ایسا کرنے والے خوش نصیبوں کو بشارتیں عطا کی گئی ہیں، جب کہ اپنے عہدہ ومنصب کا غلط استعمال کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ایسا کرنے والے بد نصیبوں کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

منصب جتنا بڑا ہو اُس کے تقاضے بھی اُتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اور اگر خدانخواستہ بد دیانتی کرے تو روزِ قیامت اپنی ذمہ داریوں سے متعلق جواب دینا بھی اُتنا ہی زیادہ مشکل ہو گا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: «أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔» یعنی "سنو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھے گا (کہ اُسے صحیح طرح نبھایا یا نہیں)۔" پھر حکمرانوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے فرمایا: فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ یعنی "حکمران اپنی تمام رعایا کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کی تمام رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 7138)

ہمارے دَور میں "سیاست" و "حکومت" ایک نفع بخش کاروبار بن چکا ہے، موجودہ سیاست دانوں کی عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ ایک اُمّید وار پہلے اپنا اثر ورسوخ اور پیسہ استعمال کر کے کسی بڑی پارٹی کا ٹکٹ لیتا ہے، پھر بے تحاشا مال ضائع کر کے تشہیر اور کمپین کرتا ہے، اگر الیکشن جیت جائے تو جشن مناتا ہے اور مٹھائیاں بانٹتا ہے... جب کہ خلفائے راشدین علیہم الرضوان اہلیت کے باوجود حکومت سے نفرت کرتے تھے، اُنھیں مجبور کر کے خلافت سپرد کی گئی، پھر وہ زندگی بھر اُس پر فکر مند رہے... اِس واضح فرق کی وجہ یہی ہے کہ اُنھیں احساس تھا کہ حکومت کتنی بڑی ذمہ داری ہے، جب کہ ہمارے دَور میں یہ احساس باقی نہیں۔

سیدنا مَعْقِل بن یَسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ظالم حکمرانوں کو ڈانٹنے کے طور پر) فرمایا: «مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔» (صحیح بخاری، حدیث: 7150) وفی روایۃ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ[1] إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔»[2] (صحیح مسلم، حدیث: 142) یعنی "اللہ تعالیٰ جس شخص کو ذمہ داری عطا کرے، پھر وہ خیر خواہی کے ساتھ اپنی رعایا کی حفاظت ونگرانی نہ کرے، اُن کے ساتھ بد دیانتی کرے (اُن کے حقوق پورے نہ کرے، اُن سے ظالمانہ ٹیکس لے) تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، بلکہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

---

[1] أَيْ خَائِنٌ لَهُمْ، أَوْ ظَالِمٌ لَهُمْ، لَا يُعْطِي حُقُوقَهُمْ، وَيَأْخُذُ مِنْهُمْ مَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[2] أَيْ دُخُولَهَا مَعَ النَّاجِينَ، أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُسْتَحِلِّ، أَوْ زَجْرٌ وَّ كَيْدٌ وَوَعِيدٌ شَدِيدٌ، أَوْ تَخْوِيفٌ بِسُوءِ الْخَاتِمَةِ نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (أيضًا)

ذمہ داریوں کو نبھانے میں مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ دیانت

مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں اُمورِ خیر سے متعلق پیش پیش رہے، وصالِ نبوی کے بعد خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کے مشیر خاص تھے، پھر امیر المؤمنین منتخب ہوئے۔ ذمہ داریوں کو نبھانے میں آپ کی شانِ دیانت ایسی تھی کہ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے انسان جھوم اُٹھتا ہے۔

سرکاری خزانے سے متعلق ایسی دیانت کہ بیت المال میں جو کچھ آتا وہ سب مسلمانوں میں حسبِ موقع وضرورت تقسیم فرماتے، پھر ہر چیز تقسیم ہو جانے کا یقین کرنے کے لیے حکم دیتے کہ وہاں جھاڑو لگا کر پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے، پھر وہاں نماز ادا کرتے؛ تاکہ یہ نماز روزِ قیامت گواہی دے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کا تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہے، اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔[1]

مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسی شخص نے دیکھا کہ آپ کے دونوں شہزادے رضی اللہ عنہما روٹی، سرکہ اور کھیرا وغیرہ سبزی تناول فرما رہے تھے۔ اُس نے کہا: أَنْتُمَا ابْنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ تَأْكُلَانِ مَا تَأْكُلَانِ وَفِي الرَّحْبَةِ مَا فِيهَا۔ یعنی آپ امیر المؤمنین کے شہزادے ہونے کے باوجود اتنی معمولی غذا کھا رہے ہیں، حالانکہ بیت المال میں اچھی غذائیں بھی دستیاب ہیں۔ شہزادوں نے ارشاد فرمایا: مَا أَغْفَلَكَ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّمَا ذٰلِكَ لِلْمُسْلِمِينَ۔[2] یعنی تم امیر المؤمنین کے منصب سے کتنے ناآشنا ہو (تمہیں ذمہ داریوں کا احساس ہی نہیں)، بیت المال میں جو کچھ موجود ہے وہ امیر المؤمنین کا نہیں، مسلمانوں کا ہے۔ (شعب الایمان، ج:7، ص:465)

ذمہ داریوں کا اتنا اِحساس کہ خطبۂ جمعہ میں دُعا کیا کرتے: اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْنَا بِمَا أَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔ یعنی اے اللہ! جیسے تُو نے خلفائے راشدین کے حالات سنوارے تھے ویسے ہماری بھی اصلاح فرما! کسی شخص نے پوچھا: امیر المؤمنین! ”خلفائے راشدین“ سے کون مراد ہیں؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، فرمایا: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ إِمَامَا الْهُدٰى وَشَيْخَا الْإِسْلَامِ وَالْمُقْتَدٰى بِهِمَا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، مَنِ اقْتَدٰى بِهِمَا عُصِمَ، وَمَنِ اتَّبَعَ آثَارَهُمَا هُدِيَ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، وَمَنْ تَمَسَّكَ بِهِمَا فَهُوَ مِنْ حِزْبِ اللّٰهِ وَحِزْبُ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ یعنی خلفائے راشدین سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں، دونوں ہدایت (والوں) کے امام ہیں، دونوں شیخ الاسلام ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُنہی کی اقتدا کی جاتی ہے، جو اُن کی پیروی کرے وہ محفوظ رہے گا، جو اُن کے نقشِ قدم پر چلے اُسے صراطِ مستقیم نصیب ہو گا، اُن کا دامن تھامنے والے اللہ کا گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہو گا۔ (فضائل أبي بكر للعشاري، ص:32، رقم:12۔ شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي، رقم:2501۔ كنز العمال، رقم:36107)

---

[1] أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ كَانَ يَأْمُرُ بِبَيْتِ الْمَالِ فَيُكْنَسُ، ثُمَّ يُنْضَحُ، ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ رَجَاءَ أَنْ يَشْهَدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّهُ لَمْ يَجْلِسْ فِيهِ الْمَالَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ۔ (الزهد للإمام أحمد، رقم:695۔ حلية الأولياء، ج:1، ص:81۔ الإستيعاب في معرفة الأصحاب، ج:3، ص:1113)

[2] رواه ابن أبي الدنيا بلفظ: «مَا أَقَلَّ عِلْمَكَ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّمَا ذَاكَ لِلْمُسْلِمِينَ»۔ (الورع لابن ابي الدنيا، رقم:129)

حرفِ آخر... ووٹ کے استعمال میں دیانت داری

خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شریعت خاتم الشرائع ہے، نہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی نئے نبی نے آنا ہے نہ ہی کوئی نئی شریعت آئے گی، باری تعالیٰ نے اِس شریعت کو ایسا جامع بنایا ہے کہ یہ قیامت تک کامل راہ نمائی فرماتی رہے گی۔

شریعتِ مطہرہ نے زندگی کے ہر پہلو پر واضح ہدایات دی ہیں اور مولَی المسلمین سیدنا علیِ مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الکریم سمیت صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان نے اُس پر عمل کر کے ہمارے لیے خوب نمونہ قائم کیا ہے۔

پاکستان میں 08 فروری 2024ء کو قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے اور ہم آئندہ پانچ سال کے لیے اپنے حکمرانوں کا چناؤ کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اِس مناسبت سے مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ کی شانِ دیانت کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ریاستی ذمہ داروں کا تقرّر کرتے ہوئے فقط اُنہی لوگوں کو منتخب فرماتے جو منصب کے اہل اور دیانت دار ہوتے تھے، نیز آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں کو بہت دیانت داری کے ساتھ نبھایا ہے اور مناصب کا حق ادا کیا ہے۔

آپ کی سیرتِ مبارکہ سے سبق لیتے ہوئے ہمیں بھی اپنے اندر یہ شعور بیدار کرنا چاہیے کہ ووٹ کاسٹ کرنا کھیل نہیں، ایک بھاری قومی ودینی امانت ہے... چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اُنہی اُمّیدواروں کو ووٹ دیں جن کی پارٹی دینِ اسلام کی سربلندی بھی چاہتی ہے اور ملکِ پاکستان کی بھی خیر خواہ ہے۔

قرآنِ حکیم نے ہمیں فقط اہل لوگوں تک امانت پہنچانے کا حکم فرمایا ہے اور حبانِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادِ گرامی کے مطابق نااہل کو منصب سپرد کرنا مسلمانوں سے بدترین خیانت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم کی کھلی خلاف ورزی اور قیامت کی ایک نشانی بھی ہے۔

جو لوگ برادری، لسانی، سیاسی یا دیگر تعلقات کی وجہ سے اپنا ووٹ لٹیروں اور نااہل لوگوں کو دیتے ہیں اُنھیں سمجھنا چاہیے کہ حکمران کا انتخاب کتنا اہم ہے اور اچھے یا بُرے حکمران کے ملک وقوم پر کیا اثرات ہوتے ہیں!

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

- إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ بَطْنِهَا[1]۔ یعنی ”جب تمہارے حکمران وہ لوگ ہوں جو تم میں سے بہترین (دین دار ومتّقی) ہیں، تمہارے مال دار لوگ سخی ہوں

---

[1] يَعْنِي: اَلْحَيَاةُ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ الْمَوْتِ۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير)

اور تمہارے کام باہمی مشورے سے ہوں تو تمہارے لیے زندگی موت سے بہتر ہے (کیونکہ ایسے حالات میں نیکیوں کی کثرت ہوگی، دینی اُمور کا لحاظ کیا جائے گا اور ایمان محفوظ ہوگا، چنانچہ اچھے کاموں میں جتنی عمر گزرے گی اُتنا ہی فائدہ ہوگا)۔"

- وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ ظَهْرِهَا۔

یعنی "جب تم میں سے بدترین لوگ (ظالم وفاسق) تمہارے حکمران ہوں، تمہارے مال دار لوگ بخیل ہوں اور تمہارے کام خواتین کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے موت زندگی سے بہتر ہے (کیونکہ اِس صورت میں شر کا غلبہ ہوگا اور دین کی خلاف ورزیاں کی جائیں گی، چنانچہ روز بروز گناہوں میں اضافہ ہوگا تو ایمان کے ساتھ دُنیا سے چلے جانا ہی بہتر ہوگا)۔"[1] (جامع ترمذی، حدیث:2266)

نیز مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ کی سیرتِ مبارکہ سے ووٹ لینے والوں کو بھی سبق ملتا ہے کہ سیاست وحکومت کاروبار نہیں، جس کے لیے پیسہ لُٹایا جائے اور پھر منصب ملنے پر اُس سے کئی گنا زیادہ قومی خزانے سے لُوٹ لیا جائے۔ حکمرانی ایسی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں روزِ قیامت جواب دینا ہوگا، عہدہ جتنا بڑا ہوگا بددیانتی کی صورت میں حساب بھی اُتنا ہی سخت اور مشکل ہوگا۔ ارشادِ نبوی میں بددیانت حکمران کو یہ ڈانٹ سنائی گئی کہ اُسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔

اگر مسلم حکمرانوں کو قیامت کے روز جواب دہ ہونے کا احساس ہوتا تو آج غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔ 07 اکتوبر سے جاری اسرائیلی درندگی میں اب تک 25,000 سے زائد افراد شہید ہوچکے ہیں، ہزاروں زخمی اور لاکھوں بے گھر ہیں، اِس کے باوجود اُمّت کے حکمران خوابِ غفلت میں اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالٰی مولَی المسلمین کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ کے درجات کو بے حد بلند فرمائے اور ہمیں آپ کی سیرت سے سبق لیتے ہوئے ذمہ داروں کا انتخاب کرنے اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں دیانت داری کی توفیق سے نوازے۔

اللہ کرے کہ پاکستان میں الیکشن کے تمام اُمور امن وامان اور خیر وعافیت کے ساتھ سرانجام پائیں اور اِس ملک کی حکومت اسلام اور پاکستان کے خیر خواہوں کو ملے۔

ربِّ قدیر فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] ترجمہ وتشریح ماخوذ از "مرقاۃ المفاتیح" و "التیسیر بشرح الجامع الصغیر"

۲۱ رجب المرجّب ۱۴۴۵ھ / 02 فروری 2024ء

سِدرہ سے دیکھتی ہیں پار آنکھیں مِرے حضور کی

(الیکشن 2024ء کی مناسبت سے... معراج النبی ﷺ کے موقع پر)

مشمولات

- چشمانِ عالی شان کا خصائص سے ہونا
- خیانت وبد دیانتی سے متعلق مشاہداتِ نبویہ
- چشمانِ عالی شان کی قوّت وطاقت
- چند اہم غیبی خبریں
- شبِ معراج چشمانِ عالی شان کے مشاہدات
- سیاست اور خلافت وملوکیت سے متعلق مشاہداتِ نبویہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔ [بنی اسرائیل 1:17]

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کو بے شمار ایسی خوبیاں عطا فرمائی ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک، اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی نہیں ملیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی زبانِ مبارک سے اپنی یہ خوبیاں بیان فرماتے، بلکہ ایسی کئی عنایات کا تذکرہ خود باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ نے قرآنِ مجید میں بھی فرمایا ہے۔ علما اِنھیں ”خصائصِ مصطفیٰ ﷺ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

آقا کریم ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جیسی آنکھیں آپ کو عطا ہوئیں ایسی نہ پہلے کسی کو ملی تھیں، نہ بعد میں دی جائیں گی۔ چشمانِ عالی شان کے ایک نہیں کئی امتیازات ہیں، مثلاً: اُن کا حُسن و جمال بے مثال ہے... اُن کی قدر و منزلت ایسی ہے کہ ”جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا“... اُن کی اِس قدر مدح و ثنا کی گئی ہے جو کسی اور آنکھ کی نہیں ہوئی... اُن کے دیکھنے کی قوت و طاقت ایسی ہے کہ مخلوق میں کسی اور آنکھ کو وہ طاقت حاصل نہیں.... اور آج کے خطبہ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اُن مقدس آنکھوں کو باری تعالیٰ نے مختلف مواقع پر وہ جلوے دکھائے اور وہ مشاہدات کروائے جو نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئے نہ بعد میں ہوں گے۔

چشمانِ اقدس کی شانِ والا کا ظہور شبِ معراج بھی ہوا۔ جاگتے ہوئے... بغیر حجاب کے... سر کی آنکھوں کے ساتھ... اِس شان سے ذاتِ باری تعالیٰ کا دیدار کیا کہ خود جلوہ دکھانے والے ربِّ کریم نے تعریف فرمائی۔ نیز جنت و دوزخ اور عرش و کرسی کے ساتھ ساتھ مزید بے شمار مشاہدات بھی کیے۔

قرآنِ مجید کے مطابق نبیِ غیب دان ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔ [التکویر 24:81] چنانچہ آپ ﷺ نے اُمّت کی تربیت کے لیے شبِ معراج اور دیگر مواقع پر ہونے والے اپنے مشاہدات میں سے کئی بیان بھی فرمائے۔ مثلاً: واضح طور پر بتایا کہ میرے دُنیا سے پردہ کرنے کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہو گی، پھر ملوکیت و بادشاہی کا سلسلہ ہو گا، پھر ظلم و جبر کا دَور آجائے گا... یہ بھی خبر دی کہ خیانت و بد دیانتی عام ہو جائے گی اور نااہل لوگوں کو حکمران بنایا جائے گا... یہ بھی واضح کیا کہ مسلم حکمران کفار کے خلاف جہاد چھوڑ دیں گے اور آپس میں لڑنے لگیں گے... اور یہ بھی تربیت فرمائی کہ ان حالات میں عوام کو کیا کرنا چاہیے۔ چھ دن کے بعد پاکستان میں قومی انتخابات کا انعقاد ہو گا، اِس حوالے سے بھی نبیِ کریم ﷺ کے مشاہدات سے واضح تربیت ملتی ہے۔

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر آج بھی اُمّتِ مسلمہ جانِ عالم ﷺ کی چشمانِ عالی شان کو ہونے والے مشاہدات سے سبق حاصل کرے تو اپنا کھویا ہوا عروج پھر حاصل کر سکتی ہے۔

چشمانِ عالی شان کی قوّت و طاقت

سرورِ عالم ﷺ کی چشمانِ عالی شان کے امتیازات و خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُنھیں دیکھنے کی ایسی قوّت و طاقت عطا ہوئی جو نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی نہ بعد میں ہو گی، مثلاً:

⇐ اُن مبارک آنکھوں کو رات کی تاریکی میں بھی ویسے ہی دکھائی دیتا جیسے دن کے اُجالے میں۔

⇐ وہ مبارک آنکھیں پُشت کی طرف موجود چیزیں بھی ویسے ہی دیکھتیں جیسے سامنے موجود اشیا کو ملاحظہ کرتیں۔

⇐ وہ آنکھیں رحمتِ الٰہی سے پوری کائنات کو یوں دیکھتی ہیں جیسے انسان کو اپنے ہاتھ پر رکھی ہوئی کوئی چیز دکھائی دیتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ ظہر پڑھائی، صفوں کے آخر میں ایک شخص نے اچھے طریقے سے نماز نہ پڑھی، فراغت کے بعد امام الانبیا ﷺ نے ارشاد فرمایا: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هَا هُنَا، وَاللهِ! مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ، وَإِنِّيْ لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِيْ۔» یعنی "کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا چہرہ سامنے کی طرف ہوتا ہے (تو مجھے تمہارا علم نہیں ہوتا)؟ اللہ کی قسم! تمہارا رکوع بھی مجھ سے مخفی نہیں اور تمہارا خشوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں، بلاشبہ مَیں تمہیں اپنے پیچھے بھی (ویسے ہی) دیکھتا ہوں (جیسے سامنے دیکھتا ہوں)۔" (صحیح بخاری، حدیث: 741۔ مسند احمد، حدیث: 9796)

سیدنا عبد اللہ بن عباس اور اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے: كَانَ يَرٰى بِاللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرٰى بِالنَّهَارِ فِي الضَّوْءِ۔ رسول اللہ ﷺ کی نگاہِ پاک رات کی تاریکی میں (جب چاند کی روشنی نہ ہوتی تب) بھی ویسے ہی دیکھتی تھی جیسے دن کے اُجالے میں نظر آتا۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلٰى كَفِّيْ هٰذِهِ۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دُنیا کو اُٹھایا (پیش کیا/ دکھایا) تو مَیں دُنیا اور قیامت تک جو کچھ دُنیا میں ہونے والا ہے، (سب کو) ایسے دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔"
(حلیۃ الأولیاء، ج:6، ص:101۔ الفتن لنعیم بن حماد، ج:1، ص:27، رقم 2۔ المعجم الکبیر، ج:13، ص:318، رقم: 14112)

اگر سوال ذہن میں آئے: یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت تک ہونے والے تمام اُمور پیشِ نظر رہیں؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وہ خود نہیں دیکھتے، ربّ تعالیٰ دکھاتا ہے.. جب دکھانے والا وہ قادرِ مطلق ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے اور دیکھنے والے وہ ہیں جنھیں بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت حاصل ہے تو ایمانی تقاضے کے مطابق مسلمان اِسے ہرگز ناممکن نہیں سمجھتا۔ (فتاوی رضویہ: 29/496، ملخصًا)

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس روایت کو حسن لغیرہٖ قرار دیا، الجامع الصغیر، حدیث: 10020۔ ورواہ البیہقی فی "دلائل النبوۃ" عن ابن عباس: 75/6، ورواہ ابن عدی فی الکامل فی ضعفاء الرجال عن عائشۃ: 365/5

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں سورج گرہن ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف پڑھائی، فراغت کے بعد ارشاد فرمایا: مَا مِنْ شَيْءٍ لَّمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ[1] إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔۔ "جو چیز بھی پہلے مجھے نہیں دکھائی گئی تھی وہ اپنے اِس مقام پر مَیں نے دیکھ لی، حتّٰی کہ جنت و دوزخ کا بھی مشاہدہ کر لیا۔"

(صحیح بخاری، حدیث:922۔ صحیح مسلم، حدیث:905)

شبِ معراج چشمانِ عالی شان کے مشاہدات

ویسے تو ہمیشہ ہی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال قوّت و طاقت والی چشمانِ عالی شان کو انوکھے مشاہدات ہوتے ہیں، مگر شبِ معراج کو باری تعالیٰ نے ایسا خاص کرم فرمایا کہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر... عرش و کرسی سے بھی اُوپر... وہ بھی تنہا... نہ کوئی ہمراہی نہ کوئی ساتھی... اب یا تو دکھانے والا جانتا ہے کہ اُس نے کیا کیا دکھایا، یا دیکھنے والے کو معلوم ہے کہ اُس نے کیا کیا دیکھا۔ کلامِ رضا میں ہے:

نہ رُوحِ امیں، نہ عرشِ بریں، نہ لَوحِ مُبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں، جو رَمزیں کھلیں، ازل کی نہاں، تمہارے لیے

مشاہداتِ مخلوق: ربِّ کریم نے سفرِ معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے نشانیاں دکھانے کا خصوصی طور سے ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ یعنی "ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک سیر کروائی، جس کے اِرد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں؛ تاکہ ہم اُسے اپنی عظیم الشان نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔" [بنی اسرائیل 17:1]

دیدارِ خالق: دُنیا میں سر کی آنکھوں سے ربّ تعالیٰ کا دیدار کسی کے لیے بھی ممکن نہیں، حدیثِ مبارک کا خلاصہ ہے کہ اگر وہ جلوہ فرمائے تو تمام مخلوق جل کر راکھ ہو جائے۔[2] یہ فقط صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ اُنھوں نے شبِ معراج جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے بے حجاب جلوۂ خالق کو دیکھا اور اِس شان سے دیکھا کہ جلوہ دکھانے والے نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ "آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی ○ یقیناً اُنھوں نے اپنے ربّ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔" [النجم 53:17، 18]

---

[1] زِيَادَةُ "مِنْ" الْاِسْتِغْرَاقِيَّةِ وَلَفْظِ "شَيْءٍ" الْمُتَنَاوِلِ كُلَّ مَوْجُوْدٍ يَدُلَّانِ عَلٰى أَنَّهٗ رَأٰى كُلَّ مَا يُمْكِنُ رُؤْيَتُهٗ مِنَ الْجَوَاهِرِ وَالْأَعْرَاضِ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تُرٰى عَادَةً۔ (الکوثر الجاری إلی ریاض أحادیث البخاری للکورانی، تحت الحدیث:86)

[2] عَنْ سَيِّدِنَا أَبِيْ مُوْسٰى مرفوعًا: حِجَابُهُ النُّوْرُ ... لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔ (صحیح مسلم:179)

اِس آیتِ کریمہ میں ربّ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ”دل کسی طرف پھرا نہ حد سے آگے بڑھا“، بلکہ فرمایا: ”آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی“۔ اِس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج جاگتے ہوئے ربّ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے اور دل کی آنکھوں سے نہیں، سر کی آنکھوں سے کیا ہے۔[1] محترم مقصود احمد تبسم صاحب نے کیا خوب خراجِ عقیدت پیش کیا:

لوح و قلم سے ہم کنار آنکھیں مرے حضور کی
خالقِ کل کی راز دار آنکھیں مرے حضور کی

خُلّتِ ربّ میں گم خلیل حق سے کلیم ہم کلام
واقفِ حُسنِ کردگار آنکھیں مرے حضور کی

کتنے کمالِ ہوش سے غرقِ مشاہدہ رہیں
جلوۂ حق سے کامگار آنکھیں مرے حضور کی

تحت الثرٰی کی ہے خبر عرشِ عُلٰی پہ ہے نظر
سِدرہ سے دیکھتی ہیں پار آنکھیں مرے حضور کی

اُن سے ڈھکے چھپے نہیں سجدے قیام اور رکوع
جملہ جہت کی راز دار آنکھیں مرے حضور کی

حق نے سمیٹ کر زمیں اُن کو دکھائے شرق و غرب
رکھیں جہان کا شمار آنکھیں مرے حضور کی

روضے پہ آئیں اُمّتی عفوِ گنہ کے واسطے
کرتی ہیں اب بھی انتظار آنکھیں مرے حضور کی

ایسی حسین و سُرمگیں جن کی مثال ہی نہیں
سُرمے بغیر دھاری دار آنکھیں مرے حضور کی

بارگہِ جمال میں مقصود اب دُعا یہی
خوابوں میں آئیں بار بار آنکھیں مرے حضور کی

---

[1] وَاسْتُدِلَّ عَلٰى أَنَّ رُؤْيَةَ اللهِ كَانَتْ بِعَيْنِ بَصَرِهٖ عليه السلام يَقْظَةً بِقَوْلِهٖ: مَازَاغَ الْبَصَرُ إلخ؛ لِأَنَّ وَصْفَ الْبَصَرِ بِعَدَمِ الزَّيْغِ يَقْتَضِيْ أَنَّ ذٰلِكَ يَقْظَةٌ، وَلَوْ كَانَتِ الرُّؤْيَةُ قَلْبِيَّةً لَقَالَ: مَازَاغَ قَلْبُهٗ، وَأَمَّا الْقَوْلُ بِأَنَّهٗ يَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ بِالْبَصَرِ بَصَرَ قَلْبِهٖ فَلَا بُدَّ لَهٗ مِنَ الْقَرِيْنَةِ، وَهِيَ هٰهُنَا مَعْدُوْمَةٌ۔ (روح البیان، تحت الآیۃ)

سیاست اور خلافت وملوکیت سے متعلق مشاہداتِ نبویہ

جانِ عالم ﷺ کو شبِ معراج اور دیگر مواقع پر جو مشاہدات کروائے گئے اُن میں سے کئی چیزیں اُمّت کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ ﷺ نے بیان بھی فرمائیں، بلکہ ایک نشست میں قیامت تک ہونے والے تمام معاملات کا تذکرہ فرمادیا، تاہم اللہ تعالیٰ کی حکمت سے سننے والوں کو کچھ باتیں یاد رہیں اور کچھ بھول گئیں۔[1]

مشاہداتِ نبویہ میں سے جو ہم تک پہنچے ہیں اُنھیں جان کر انسان حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آج جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ سب صدیوں پہلے نبیِ غیب داں ﷺ نے بیان فرمادیا تھا۔

سیاست وخلافت کا ذکر: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رحمتِ عالم ﷺ سے روایت کیا: «كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ۔» یعنی "بنو اسرائیل میں سیاست (اُن کے ریاستی وقومی اور دینی معاملات سنوارنے کا اہتمام) انبیائے کرام فرماتے تھے، جب کسی نبی کا وصال ہو جاتا تو اُن کی جگہ دوسرے نبی تشریف لے آتے، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، البتہ کثرت سے خلفا ہوں گے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3455)

لفظِ "سیاست" کے کئی معانی ہیں، جب ملکی معاملات میں یہ لفظ بولا جائے تو اِس کا مفہوم ہوتا ہے: قومی واجتماعی اُمور کا یوں انتظام کرنا کہ معاملات سنور جائیں اور فساد کا خاتمہ ہو۔[2] اِس اعتبار سے جو شخص قومی معاملات کو سنوارے اور اجتماعی سطح پر فساد کا خاتمہ کرے اُسے "سیاست دان" کہیں گے... اِس معنی میں "سیاست" (Politics) انبیائے کرام علیہم الصّلوات والتّسلیمات کا شِعار اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی سنت ہے، بلکہ اِس مفہوم کے مطابق "کامل سیاست" انبیا ہی کو زیبا ہے؛ کیونکہ وہ لوگوں کی دُنیا بھی سنوارتے ہیں اور آخرت بھی... ظاہر کو بھی مزیّن فرماتے ہیں اور باطن کو بھی... لوگوں کے نجی معاملات سے بھی فساد کا خاتمہ فرماتے ہیں اور اجتماعی اُمور سے بھی۔[3]

---

[1] عن سیدنا حُذَیْفَةَ قَالَ: قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا، مَا تَرَكَ شَیْئًا یَكُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ إِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهٖ، حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ، وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ... (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2891)

[2] وَالسِّیَاسَةُ: اَلْقِیَامُ عَلَی الشَّیْءِ بِمَا یُصْلِحُهٗ۔ (النہایہ فی غریب الحدیث والأثر، تحت "سوس"، ج: 2، ص: 421، المکتبة العلمیة، وھو مذکور فی لسان العرب وتاج العروس وعمدة القاری وشرح النووی ومرقاة المفاتیح وغیرھا من الکتب)

فَالسِّیَاسَةُ: اِسْتِصْلَاحُ الْخَلْقِ بِإِرْشَادِهِمْ إِلَی الطَّرِیْقِ الْمُنْجِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ۔ (کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ردّ المحتار، وللتفصیل انظر الموسوعة الفقهیة الکویتیة)

[3] فَهِیَ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ عَلَی الْخَاصَّةِ وَالْعَامَّةِ فِیْ ظَاهِرِهِمْ وَبَاطِنِهِمْ، وَمِنَ السَّلَاطِیْنِ وَالْمُلُوْكِ عَلٰی كُلٍّ مِّنْهُمْ فِیْ ظَاهِرِهٖ لَا غَیْرُ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ وَرَثَةِ الْأَنْبِیَاءِ عَلَی الْخَاصَّةِ فِیْ بَاطِنِهِمْ لَا غَیْرُ۔ (المرجع السابق)

تربیت: بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ سیاست اور دین کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، "دین" نماز اور روزہ وغیرہ کا نام ہے، جب کہ "سیاست" ایک طرح کی دُنیا داری ہے۔ ایسے ہی کچھ لوگ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ دین والے سیاسی معاملات نہیں چلاسکتے، سیاسی اُمور چلانا چال بازوں کا ہی کام ہے۔ سچ یہ ہے کہ جھوٹ اور خیانت پر مبنی سیاست حقیقت میں "سیاست" نہیں، فساد ہے اور یہ کسی بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتی.... جب کہ حقیقی سیاست دین کا حصہ ہے، یہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا شِعار ہے اور اُن کے سچے وارث ہی اِس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

مُلوکیت وجَبْر کی خبر: حلال و حرام کے ماہِر عالِم سیدنا مُعاذ بن جَبَل اور مثالی دیانت دار سیدنا ابو عُبَیدہ بن جَرَّاح رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ بَدَأَ رَحْمَةً وَّنُبُوَّةً، ثُمَّ يَكُوْنُ رَحْمَةً وَّخِلَافَةً، ثُمَّ كَائِنًا مُّلْكًا عَضُوْضًا، ثُمَّ كَائِنًا عُتُوًّا وَّجَبْرِيَّةً وَّفَسَادًا فِي الْأَرْضِ، يَسْتَحِلُّوْنَ الْحَرِيْرَ وَالْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ، يُرْزَقُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُنْصَرُوْنَ حَتّٰى يَلْقَوُا اللهَ عز وجل۔» یعنی "اللہ تعالیٰ نے اِس دین کا آغاز نبوّت سے فرمایا جو رحمت ہی رحمت ہے... پھر دین کا معاملہ (تیس سال تک[1]) خلافت و رحمت ہو گا (نبیِ کریم ﷺ کے سچے جانشین خلیفہ ہوں گے اور اُن کی خلافت میں رحمتِ مصطفوی کی جھلک نظر آئے گی)... پھر یہ (زیادہ تر) کاٹ کھانے والی بادشاہی ہو گا... پھر ظلم، سرکشی اور زمین میں فساد ہو گا (حکمران خود بھی نااہل و ظالم ہوں گے اور ایسوں کو ہی سرکاری عہدے دیں گے)، وہ ریشم، بدکاری اور شراب کو حلال سمجھیں گے (اِنھیں بے دریغ استعمال کریں گے)، اِس کے باوجود (حکمتِ الٰہیہ کے تحت) اُنھیں رزق بھی ملے گا اور مدد بھی حتّٰی کہ وہ اللہ سے ملیں۔"

(المعجم الکبیر، حدیث:367۔ شعب الایمان، حدیث:5228۔ مسند ابو داؤد طیالسی، حدیث:225)

تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے انسان یہ حدیثِ مبارک پیشِ نظر رکھے تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ سرورِ عالم ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد وہ حضرات خلیفہ بنے جنھوں نے آقا کریم ﷺ کی خلافت و جانشینی کا حق ادا کیا، اُن کے دَور میں اُمّتِ مسلمہ کو وہ عزت و عروج اور رحمت و برکت نصیب ہوئی جو بعد میں کبھی نہیں ملی اور یہ سلسلہ پورے تیس سال جاری رہا۔ دو سال اور کچھ ماہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول رہے، جمادی الاخریٰ 13ھ میں اُن کے وصال کے بعد سے دس سال تک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین رہے، یکم محرم 24ھ کو اُن کی شہادت ہوئی، تب سے ذوالحجہ 35ھ تک بارہ سال سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی، پھر رمضان المبارک 40ھ تک چار سال اور کچھ ماہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ رونقِ خلافت رہے، خلافتِ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ ماہ شامل کرنے سے 30 سال پورے ہو گئے۔ پھر مُلوکیّت و بادشاہی کا آغاز ہوا، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے علاوہ زیادہ تر سلاطین نے انصاف کے تقاضے پورے نہ کیے۔ پھر ظلم و جبر اور گناہوں پر دلیری کا وہ دَور شروع ہو گیا جس کی بدترین صورت آج ہمارے سامنے ہے۔

---

[1] عن سیدنا سَفِیْنَۃَ مرفوعًا «اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ۔» (الجامع الصحیح للترمذی، رقم الحدیث: 2226)

خیانت وبد دیانتی سے متعلق مشاہداتِ نبویہ

نبیِ کریم ﷺ نے اپنے کردار و گفتار سے اُمّت کو امانت و دیانت کی تاکید فرمائی۔ آپ ﷺ کی تربیت سے ابتدائے اسلام میں مسلمان ایسے دیانت دار تھے کہ اُن کی باتیں سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی چشمانِ عالی شان نے مشاہدہ کیا اور زبانِ حق ترجمان نے بیان کیا کہ بعد میں اُمّت بد دیانت ہو جائے گی اور ایسی خیانتیں کرے گی کہ اللہ کی پناہ!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق شبِ معراج عرش کے دُولہا ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے (لکڑیوں کا) بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا، اُس میں وہ گٹھا اُٹھانے کی ہمّت نہیں تھی، حالانکہ وہ اُس میں اِضافہ کرنا چاہتا تھا (اُس کی خواہش تھی کہ گٹھے میں مزید لکڑیاں ڈال لے)۔ سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام نے اِس بارے میں عرض کی: هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ أُمَّتِكَ عَلَيْهِ أَمَانَةٌ لَّا يَسْتَطِيعُ أَدَاءَهَا وَهُوَ يَزِيدُ عَلَيْهَا۔ یہ آپ کا وہ اُمّتی ہے جس کے ذمّے امانت ہے، وہ اُسے ادا نہیں کر پاتا، جب کہ امانتوں میں اِضافہ کرتا جاتا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:2، ص:398۔ مسند البزار، حدیث:9518)

اِس حدیثِ پاک کے آئینہ میں اگر ہم اپنا چہرہ دیکھیں تو شرم سے سر جُھک جائے گا۔ عہدے دار اپنی موجودہ ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے، مگر عہدے میں ترقّی کی چاہت رکھتے ہیں... تاجر اپنی حالیہ تجارت کو اسلامی احکام کے مطابق چلاتے نہیں، مگر کاروبار مزید بڑھانا چاہتے ہیں... لوگ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق پورے نہیں کرتے، مگر تعلقات کو وسیع تر کرنا چاہتے ہیں... سیاست دان اپنے پرانے کرتوتوں کے داغ دھو نہیں پاتے، مگر نئی حکومت کا لالچ پھر بھی روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ ووٹرز بھی اپنے "ووٹ" کو ملک و قوم کی امانت نہیں سمجھتے، اپنے ذاتی مفادات اور سیاسی تعلقات کی خاطر اُسی پارٹی کے اُمّیدواروں کو ووٹ دیتے ہیں جنھوں نے پہلے ملک کو بے حال کیا ہے۔

یاد رکھیے کہ ووٹ کے حق کا غلط استعمال قیامت کی نشانی اور ملک و قوم سے بدترین خیانت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ گفتگو فرما رہے تھے، اِسی دوران ایک شخص نے حاضر ہو کر پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے گفتگو جاری رکھی۔ بات مکمل کرنے کے بعد فرمایا: "قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟" اُس نے عرض کی: مَیں حاضر ہوں۔ فرمایا: «فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔» جب امانت کو ضائع کیا جانے لگے گا تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اُس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: «إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔» یعنی "جب نااہلوں کو منصب دیے جائیں گے تو قیامت کا انتظار کرنا"۔ (صحیح بخاری، حدیث:59)

حرفِ آخر... چند اہم غیبی خبریں

ربّ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جیسی بے مثال آنکھیں آپ کو عطا ہوئی ہیں ایسی نہ پہلے کسی کو ملی تھیں نہ بعد میں ملیں گی۔

اُن چشمانِ عالی شان کے دیکھنے کی قوّت وطاقت بے مثل وبے مثال ہے، دُنیا اُن کے سامنے ایسے ہے جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ رکھا ہو۔ ربِّ کریم نے مختلف مواقع پر اُنھیں وہ نظّارے کروائے جن کا کوئی دوسرا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ شبِ معراج تو ایسی کرم نوازی ہوئی کہ صاحبِ معراج ﷺ نے دیگر لاتعداد مشاہدات کے ساتھ ساتھ جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے بلا حجاب اپنے ربّ کا اِس شان سے دیدار کیا کہ خود جلوہ دکھانے والے نے بھی تعریف فرمائی۔ امام اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں دُرود

رحمتِ عالَم ﷺ نے اُمّت کی تربیت کے لیے اپنے مشاہدات میں سے کئی بیان بھی فرمائے، یقیناً وہ ہر دَور میں اُمّت کے لیے راہ نما اُصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج کے خطبہ میں حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے چند مشاہداتِ نبویہ کا تذکرہ ہوا۔

- رحمتِ عالم ﷺ نے بتایا تھا کہ میرے وصال کے بعد 30 سال تک خلافتِ راشدہ رہے گی، یعنی 30 سال تک ایسے حضرات جانشین وخلیفہ بنیں گے جو میری نیابت کا حق ادا کریں گے۔ چنانچہ دُنیا نے دیکھا کہ سرورِ عالم ﷺ کے چاروں یاروں اور شہزادۂ والا شان امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دَور 30 سال پر پورا ہوا اور سب سچے جانشین ثابت ہوئے۔
- یہ بھی خبر دی تھی کہ 30 سال کے بعد ملوکیت وبادشاہی کا دَور شروع ہو جائے گا۔ یہ غیبی خبر بھی سچی ثابت ہوئی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ تقریباً سبھی سلاطین کے زمانوں میں بادشاہی کے لیے جنگیں جاری رہیں اور انصاف کے تقاضے پورے نہ ہوئے۔
- یہ پیشین گوئی بھی فرمائی تھی کہ بعد کے حکمران ظالم وجابر اور سرکش ہوں گے، اسلامی احکام کی پرواہ نہیں کریں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ ارشادِ نبوی بھی حرف بحرف پورا ہوا... ماضی کو چھوڑیے، ہم اپنے دَور کو ہی دیکھ لیں... مسلم حکمران سرِعام اسلامی احکام کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں، عدالتوں میں انصاف بکتا ہے، اپنوں کو نوازنے کے لیے اُن کو سرکاری عہدے دیے جاتے ہیں جو اُس عہدے کے تقاضے بھی نہیں جانتے، علمِ دین والوں کی ناقدری ہوتی ہے، جب کہ گھٹیا افراد کو عزت دی جاتی ہے... اور بھی بہت کچھ ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

❖ اِس بات سے بھی آگاہ فرمایا تھا کہ پوری دُنیا کے کافر مل کر بھی مسلمانوں کو فنا نہیں کر سکیں گے، البتہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے، یوں اُن کی طاقت کمزوری میں تبدیل ہو گی۔[1] یہ غیبی خبر بھی ہر دَور میں سچی ثابت ہوئی، آج مسلم حکمرانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ہی غزہ اور مقبوضہ کشمیر وغیرہ کے یہ حالات ہیں، اگر مسلمان جمع ہو جائیں تو دُنیا کی کوئی طاقت اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کفار کسی بھی خطے کے مسلمانوں پر ظلم کریں تو دوسرے مسلمان فقط رسمی قرار دادیں اور مذمتی بیانات پر اکتفا کرتے ہیں، مثلاً کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے ردِّ عمل میں جہاد کے بجائے سال کے بعد 05 فروری کو "یومِ یکجہتیٔ کشمیر" منا لیتے ہیں، غزہ میں 26,000 سے زیادہ مسلمانوں کی شہادت پر مشترکہ لائحۂ عمل کے بجائے تمام مسلم ممالک فقط مذمت کر رہے ہیں۔

❖ یہ نشان دہی بھی فرمائی تھی کہ بعد والے لوگ خائن وبد دیانت ہو جائیں گے... مال وجان اور عہدہ ومنصب، کسی بھی چیز کے حوالے سے امانت ودیانت کا لحاظ نہیں کریں گے۔ چنانچہ یہ صورتِ حال بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ظالم حکمرانوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی تربیت بھی فرمائی تھی کہ اُنھیں اُس دَور میں کیا کرنا چاہیے۔

چنانچہ اُمّ المؤمنین سیدتنا اُمّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق جانِ عالم ﷺ نے شریعت کی خلاف ورزیاں کرنے والے حکمرانوں سے متعلق فرمایا: فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَّنْ رَّضِيَ وَتَابَعَ۔ "جو انکار کرے (حکمرانوں کو ظلم اور شریعت کی خلاف ورزی سے روک سکتا ہو اور روکے) وہ بری ہو گیا (اُس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی)، جو ناپسند کرے (کچھ کر نہ سکے، البتہ دل سے بُرا جانے) وہ (گناہ میں شریک ہونے سے) بچ گیا، لیکن جو راضی ہوا (اُن کے کرتوتوں کو پسند کیا) اور اُن کے ساتھ مل گیا (وہ اُن کے گناہ میں شریک ہو گیا)۔" (صحیح مسلم، حدیث:1854)

الیکشن میں اپنا ووٹ کاسٹ کرتے وقت اِس حدیثِ مبارک کو ضرور یاد رکھیے گا... نااہلوں، اسلام سے بے وفائی کرنے والوں اور ملک وقوم سے غداری کرنے والوں کو ووٹ دینے والا اُن کے گناہوں میں شریک ہو گا۔ یہ مت دیکھیے کہ کمپین کس کی زیادہ ہے! میڈیا کسے دکھا رہا ہے! مفادات کس سے وابستہ ہیں! تعلقات کس سے جُڑے ہوئے ہیں! بلکہ یہ دیکھیے کہ اسلام کا داعی اور ملک سے پیار کرنے والا کون ہے، وہی آپ کے ووٹ کا صحیح حق دار ہے۔

---

[1] عَنْ سَيِّدِنَا ثَوْبَانَ مرفوعًا: وَإِنَّ رَبِّيْ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّيْ إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَإِنِّيْ أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَّا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَّا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا - أَوْ قَالَ: مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا - حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَّيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث:2889)

۲۸ رجب المرجّب ۱۴۴۵ھ / 09 فروری 2024ء

حکومت کی تبدیلی پر حکمرانوں اور عوام کی ذمہ داریاں

مشمولات

- عہدے کے تقاضوں کا احساس • عوام کی ذمہ داری... ربّ تعالیٰ سے خیر کی دُعا
- نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ • مُلکِ خداداد نیابتِ مصطفیٰ ﷺ کا دوام اور ہماری ذمہ داریاں
- حکمرانوں کی ذمہ داری... رعایا کی خیر خواہی و خدمت گزاری
- عوام کی ذمہ داری... حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت
- عوام کی ذمہ داری... قدرتِ الٰہیہ کا احساس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَھُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ الۡحِسَابِ۔ [ص 26:38]

اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا خالق ہے اور ازل سے ابد تک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حقیقی طور پر فقط اُسی کی بادشاہی ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے، جتنے عرصے کے لیے چاہے اور جس خطے کی چاہے اپنے کچھ بندوں کو حکومت عطا کر دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ مفہومِ آیت یہ کہ "اے حبیب! بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیجیے: اے اللہ! مُلک کے مالک! تُو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تُو جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذِلّت میں مبتلا کرتا ہے، تمام بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔" [اٰلِ عمران 26:3]

وطنِ عزیز پاکستان میں گزشتہ کل الیکشن 2024ء کا انعقاد ہوا اور چند دنوں میں نئی حکومت بھی قائم ہو جائے گی۔ حکومت کی تبدیلی میں حکمرانوں کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور عوام پر انعام یا اُن کے لیے تنبیہ بھی...

- حکمرانوں کی آزمائش یوں کہ اُنھیں اپنے منصب و عہدے کے تقاضوں سے متعلق جواب دینا ہو گا، حکومت اُن کے لیے دونوں جہان میں عزت و کامرانی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور ذلّت و ناکامی کا سبب بھی۔
- اور عوام کے لیے انعام یا تنبیہ اِس طرح کہ اگر بندے ربّ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو بطورِ انعام اُن پر دین دار شخص کو حکمران بنا دیا جاتا ہے، جو اُن کے حق میں دونوں جہان کی بھلائی کا ذریعہ بنتا ہے... لیکن اگر معاذ اللہ! لوگ باری تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو بطورِ تنبیہ اُن پر ظالم حکمران کو مُسلّط کر دیا جاتا ہے، جس کے ظلم سے دُنیا میں بھی تنگی ہوتی ہے اور آخرت کے نقصان کا بھی قوی امکان ہوتا ہے۔

جب نئی حکومت آتی ہے تو حکمران اور عوام سبھی ایسے اُمور میں مصروف ہوتے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں، جب کہ کرنے کے اصل کاموں کی طرف دونوں توجہ نہیں کرتے... حکّام جشن منانے اور مٹھائیاں تقسیم کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور عوام اپنی پارٹی کے کامیاب ہونے کی صورت میں فخر و مَسرّت اور ناکام ہونے کی صورت میں سوگ یا احتجاج میں لگ جاتے ہیں... حالانکہ کامیاب پارٹی کے لیڈروں کو فکر مند ہونا چاہیے کہ اُن پر ایک نہایت بھاری ذمہ داری عائد ہوئی ہے جس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اُنھیں جان لڑانا پڑے گی اور عوام کو ربّ تعالیٰ سے دُعائیں مانگنی چاہییں کہ نئی حکومت اُن کے لیے خیر کا ذریعہ بنے، شر اور ظلم و فساد کا باعث نہ ہو۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں ذکر ہو گا کہ حکومت کی تبدیلی پر نئے حکمرانوں اور عوام کو کیا کرنا چاہیے!

حکمرانوں کی ذمہ داری... عہدے کے تقاضوں کا احساس

پارٹی ورکرز سے لے کر لیڈرز تک، انتخابات میں کامیاب ہونے والوں کو شدّت سے اِس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ عوام نے اُنھیں ووٹ دے کر بہت بڑے امتحان میں مبتلا کر دیا ہے، اب جسے جتنا بڑا عہدہ ملا ہے اُس پر اتنی ہی زیادہ ذمہ داریاں عائد ہیں اور اگر اُس نے اپنے عہدے کے تقاضے پورے نہ کیے تو روزِ قیامت جواب دینا اُتنا ہی زیادہ مشکل ہو گا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالَم ﷺ نے فرمایا: «أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔» یعنی "سنو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھے گا (کہ اُسے صحیح طرح نبھایا یا نہیں)!" پھر حکمرانوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے فرمایا: فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ یعنی "حکمران اپنی تمام رعایا کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کی تمام رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 7138)

حکمرانی کتنی بڑی ذمہ داری ہے! اِس کا احساس اُسی شخص کو ہو سکتا ہے جس نے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی مبارک سیرتیں پڑھی ہوں۔ خلفائے اربعہ کی شان بہت ہی بلند ہے، خلیفۂ عادل سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو لیجیے! آپ 99ھ میں امیر المؤمنین منتخب ہوئے اور تقریباً اڑھائی سال خلافت کے بعد 25 رجب 101ھ / جنوری، 720ء میں وصال فرمایا۔

آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ علیہا الرحمہ کہتی ہیں: ایک مرتبہ مَیں آپ کے پاس گئی تو دیکھا کہ آپ نماز والی جگہ چہرے پر ہاتھ رکھے زار و قطار رو رہے ہیں، وجہ پوچھی تو فرمانے لگے: میرے کاندھوں پر آقا کریم ﷺ کی اُمّت کی ذمہ داری ہے، مجھے فقیروں، بیماروں، مظلوموں، مسافروں، بوڑھوں، بچوں اور عیال داروں کا خیال آتا ہے،[1] فَعَلِمْتُ أَنَّ رَبِّي سَيَسْأَلُنِي عَنْهُمْ وَأَنَّ خَصْمَهُمْ دُونَهُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ فَخَشِيتُ أَلَّا تَثْبُتَ لِي حُجَّةٌ عِنْدَ خُصُومَتِهِ، فَرَحِمْتُ نَفْسِي فَبَكَيْتُ۔ یعنی مجھے معلوم ہے کہ میرا ربّ جلد ہی قیامت کے دن اِن کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا اور وہاں سرکارِ دو عالَم ﷺ اپنے اِن لاچار اُمّتیوں کی حمایت کریں گے، مجھے ڈر لگتا ہے کہ اُس وقت مَیں جواب نہیں دے پاؤں گا، چنانچہ اپنے اُوپر ترس آرہا ہے؛ اِس لیے روتا ہوں۔

(سیر أعلام النبلاء للذهبي، ج:5، ص:131۔ تاريخ مدينة دمشق، ج:45، ص:197۔ البداية والنهاية، ج:9، ص:226)

لیڈروں کے ساتھ ساتھ ووٹرز اور سپورٹرز کو بھی احساس ہونا چاہیے کہ اگر اُن کی پارٹی نے اسلام سے بے وفائی اور ملک و قوم سے بد دیانتی کی تو صرف لیڈر ہی جواب دہ نہیں ہوں گے، اُن سے تعاون کرنے والوں کو بھی جواب دینا ہو گا۔

---

[1] إِنِّي تَقَلَّدْتُ أَمْرَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَتَفَكَّرْتُ فِي الْفَقِيرِ الْجَائِعِ، وَالْمَرِيضِ الضَّائِعِ، وَالْعَارِي الْمَجْهُودِ، وَالْمَظْلُومِ الْمَقْهُورِ، وَالْغَرِيبِ الْمَأْسُورِ، وَالْكَبِيرِ، وَذِي الْعِيَالِ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ۔

حکمرانوں کی ذمہ داری... نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ

جن افراد کے کاندھوں پر کسی اسلامی ریاست کی ذمہ داری رکھی جاتی ہے اُنھیں یہ بات معلوم ہونا لازم ہے کہ حقیقی اور ابدی بادشاہی فقط ربّ تعالیٰ کی ہے، اُس نے اپنے خلیفہ و نائب کے طور پر کچھ عرصہ کے لیے زمین کے ایک خاص حصہ کی حکومت اُنھیں دی ہے، چنانچہ اُنھیں بطورِ نائب و خلیفہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے ہیں اور صرف وہی کرنا ہے جس کا حقیقی بادشاہ جلّ جلالہٗ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن شخصیات کو مثالی حکمرانی سے نوازا اُن میں ایک نمایاں نام سیدنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا بھی ہے۔ آپ کی عظیم سلطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝

"ہمارے طاقت وَر بندے داوٗد کو یاد کیجیے، بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔ یقیناً ہم نے پہاڑوں کو اُس کے تابع کر دیا، وہ شام کو اور دِن چڑھتے وقت اُس کے ساتھ تسبیح پڑھتے۔ اور جمع کیے ہوئے پرندے، سب اُس کے فرماں بردار تھے۔ اور ہم نے اُس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اُسے حکمت اور حق و باطل میں فرق کر دینے والا علم عطا فرمایا۔" [صٓ 38:17 تا 20]

انسانوں، پہاڑوں اور چرند پرند وغیرہ کے عظیم بادشاہ سیدنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ربّ تعالیٰ نے حکم فرمایا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۔ "اے داوٗد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا، تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور نفس کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں بلاشبہ ان کے لیے سخت عذاب ہے؛ کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھول جاتے ہیں۔" [صٓ 38:26]

"ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا"، اِن مبارک الفاظ میں حسین تربیت ہے کہ حکمران / حاکم "سربراہِ مملکت"، "سلطان"، "صدر" یا "چیئرمین" وغیرہ کے الفاظ سے تکبّر میں مبتلا نہ ہو اور خود کو بے لگام نہ سمجھے.. وہ ربّ تعالیٰ کا نائب ہے اور نائب کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے مالک کے احکام کی تعمیل کروائے اور اُس کے حکم کے مطابق اپنے اختیارات کا استعمال کرے۔

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ سیدنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور نافرمانی و گناہ سے معصوم ہیں، اِس کے باوجود اُنھیں یہ حکم اِس لیے فرمایا گیا کہ قیامت تک آنے والے اربابِ اقتدار کو پیغام ملے کہ یہ زمین تمہاری نہیں اللہ کی ہے، اِس میں تمہاری مرضی اور تمہارا حکم نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مرضی اور اُن کا حکم چلنا چاہیے۔

حکمرانوں کی ذمہ داری... رعایا کی خیر خواہی وخدمت گزاری

اسلامی تعلیمات کے مطابق حکمران حقیقت میں "خادم" ہے۔ یعنی حکومت سنبھالنے کے بعد اُسے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اب وہ افسر اور سربراہ ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اب وہ خدمت گزار اور ملازم ہے۔ خود کو فقط "خادمِ اعلیٰ" کہلوانا کافی نہیں، بلکہ حکمران کی سوچ یہ ہونی چاہیے کہ اگر مَیں نے عوام کی خیر خواہی کی اور عدل وانصاف قائم کرتے ہوئے ظلم کا خاتمہ کیا تو ربّ تعالیٰ بھی مجھ پر رحمت فرمائے گا... لیکن اگر مَیں نے ملک وقوم کو لُوٹا اور عدل قائم نہ کیا تو ربِّ قدیر میری گرفت فرمائے گا۔

دعائے نبوی: حضرت عبد الرحمٰن بن شُماسہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: مَیں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر حاضر ہوا۔ اُنھوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ مَیں نے کہا: مصر سے۔ اُنھوں نے پوچھا: دورانِ جہاد تمہارے سپہ سالار کا تمہارے ساتھ سلوک کیسا تھا؟ مَیں نے کہا: (مفہوم) ہمیں اُس سے کوئی شکایت نہیں، وہ ہماری ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔ اُنھوں نے فرمایا: مَیں نے اپنے اِس حُجرہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «اَللّٰهُمَّ مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔» "اے اللہ! جسے میری اُمّت کے کسی معاملے کی ذمہ داری ملے، پھر وہ اُمّت کو مشقت میں ڈالے تو تُو اُس پر سختی فرما اور اُسے مشکل میں ڈال دے، اور جسے میری اُمّت کی کوئی ذمہ داری ملے پھر وہ اُن پر نرمی کرے تو تُو بھی اُس کے ساتھ نرمی والا معاملہ فرمانا۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1828)

ارشادِ فاروقی: ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ عراق کے عہدے دار حضرت اَحنَف بن قَیس علیہ الرحمہ کے ہمراہ بیت المال کے ایک اُونٹ کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ کسی شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا: امیر المؤمنین! آپ کسی خادم کو حکم کریں، وہ یہ کام کر دے گا، خود کیوں مشقت اُٹھاتے ہیں! آپ نے فرمایا: وَأَيُّ عَبْدٍ هُوَ أَعْبَدُ مِنِّيْ وَمِنَ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ هٰذَا؟ یعنی اگر یہ "خادم" کا کام ہے تو مجھ سے اور اِس احنف سے بڑھ کر مسلمانوں کا خادم کون ہو سکتا ہے؟

پھر آپ نے ایک سبق آموز جملہ فرمایا جو قیامت تک مسلم حکمرانوں کی راہ نمائی کرے گا: إِنَّهُ مَنْ وَلِيَ أَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ عَبْدٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ، يَجِبُ عَلَيْهِ لَهُمْ مَا يَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ لِسَيِّدِهٖ مِنَ النَّصِيْحَةِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ۔ جسے مسلمانوں کی ذمہ داری ملی (عہدہ ملا) وہ مسلمانوں کا خادم ہے، اُس پر مسلمانوں کی خیر خواہی اور دیانت داری اُسی طرح لازم ہے جس طرح غلام (اور خادم) پر اپنے مالک کی خیر خواہی اور دیانت داری لازم ہوتی ہے۔

(جمع الجوامع، ج:16، ص:618، الأزهر الشريف، مصر۔ كنز العمال، رقم: 14307۔ مسند الفاروق لابن كثير، رقم: 230، دار الفلاح)

چنانچہ نئے پاکستانی حکمران اور اُن کے سپورٹرز خوشی منانا چاہیں تو اِس بات پر منائیں کہ اُنھیں عوام کی نوکری کا موقع ملا ہے۔

عوام کی ذمہ داری... حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت

موجودہ نظام میں سیاست دان عوام کو اپنے مفادات کے لیے تقسیم کرتے ہیں اور باری باری حکومت کرتے ہیں۔ عمومی طور پر شہریوں کا یہ ذہن ہے کہ میری پارٹی جو بھی کرے اُسے درست کہنا ہے اور دوسری پارٹی والے جو بھی کہیں یا کریں اُسے غلط قرار دینا ہے۔ اِسی سوچ اور رویّے کا نتیجہ ہے کہ حکمران پَرلے درجے کے جھوٹے اور کرپٹ ہونے کے باوجود خود کو صادق وامین کہتے ہوئے نہیں شرماتے؛ کیونکہ اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ووٹرز اور جیالے ہر حال میں ہمارے ساتھ ہیں۔ اگر عوام باشعور بنیں اور اپنی پارٹی کے جھوٹ اور ظلم کی حمایت چھوڑ دیں تو سیاست دان کبھی بھی اتنی ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ نہ بولا کریں۔

عوام پر لازم ہے کہ سچ اور عدل وانصاف کا دامن تھامیں۔ صحیح معنوں میں اسلام کی ترجمانی اور ملک کی خدمت جو بھی کرے اُس کی مخالفت نہ کریں... جب کہ دین سے بے وفائی اور ملک سے غداری کوئی بھی کرے تو اُس کی حمایت نہ کریں۔

ارشادِ ربّانی: تعصُّب کی بنیاد پر بے جا باتوں کے دِفاع کے لیے بحث کرنے والوں کو ڈانٹتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے فرمایا: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔

"(اے لوگو!) سن لو، یہ تم ہی ہو جنھوں نے دُنیا کی زندگی میں اُن (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کیا تو قیامت کے دن اُن کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑا کرے گا یا کون اُن کا حمایتی ہو گا؟" [النساء4:109] دُنیا میں تو تم دھوکا دیتے ہو اور اپنے تعلّق دار کو ذلّت وسزا سے بچانے کی کوشش کرتے ہو، مگر جب قیامت کے دن اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور وہ عذاب کا فیصلہ فرمائے گا تو کس کی مجال ہو گی کہ اُس وقت دھوکا دے کر، جھوٹ بول کر اُن کے حق میں فیصلہ کروالے اور اُنھیں عذاب سے بچالے؟

خطبۂ صدیقی: سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا: فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي۔

اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر (بالفرض) میں بُرا کام کروں اور راہِ راست سے ہٹ جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

(السيرة النبوية لابن كثير، قال ابن كثير: وهذا إسناد صحيح، ج:4، ص:493، دار المعرفة۔ كنز العمال، حديث: 14064)

خلیفۂ اول بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقتوں کے زیرِ سایہ طویل عرصہ تک تربیت پائی، آپ تمام اُمّتوں میں سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آپ کی خلافت کے اِشارات ذکر فرمائے، آپ سے متعلق یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ اسلام سے متصادم کوئی راستہ اپنائیں گے... مگر آپ نے اِن مبارک کلمات کے ذریعے یہ تربیت فرمائی کہ حکمران کوئی بھی ہو، اگر اُس کی بات قرآن وسنت کے مطابق نہیں تو اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِس جملہ میں یہ تربیت بھی ہے کہ عوام، بالخصوص ذمہ دار حضرات کو حکومتی معاملات پر نظر رکھنی چاہیے۔ اگر حکمران شریعت کی پاس داری کریں تو اُن کے دست وبازو بن جائیں اور اگر وہ راہِ راست پر نہ رہیں تو اجتماعی طاقت سے اُنھیں سیدھا کر دیں۔

عوام کی ذمہ داری... قدرتِ الٰہیہ کا احساس

حکومت کی تبدیلی کا ظاہری سبب الیکشن یا دیگر ذرائع ہوتے ہیں، مگر ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ویقین ہے کہ حکومت وسلطنت ہو یا کچھ اور... ہر معاملہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اختیار سے ہی ہوتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ حکومت کسے دیتا ہے؟ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندے اپنے مالکِ حقیقی کے فرماں بردار ہوں تو اللہ کریم کسی نیک اور رحم دل شخص کو اُن پر حاکم بنا دیتا ہے، چنانچہ اُس حکمران کی برکت سے بندوں کو دُنیا میں بھی عدل وانصاف میسّر آتا ہے اور دینی ماحول پیدا ہونے کی برکت سے اچھے اعمال کی توفیق اور آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہوتی ہے... لیکن اگر بندے اپنے ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اُن پر کسی ظالم وبے رحم شخص کو مسلّط کر دیا جاتا ہے، چنانچہ اُس کی نحوست سے دُنیا میں بھی ظلم وجبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ماحول بگڑ جانے کی وجہ سے اُخروی نقصان کا بھی قوی امکان ہوتا ہے۔

حکومت کی تبدیلی پر پاکستانیوں کو قدرتِ الٰہیہ کا احساس بیدار کرنا چاہیے اور اپنے اندر یہ شعور پیدا کرنا چاہیے کہ تقریباً اسّی سال سے سوائے چند کے سب لُوٹنے والے ہی آئے ہیں، تماشا یہ کہ ہم پھر بھی اُنہیں ہی منتخب کرتے ہیں جنھوں نے پہلے کئی بار ملک کو لوٹا ہوتا ہے! یہ قدرت کی طرف سے تنبیہ (Warning) ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ کر اطاعت کریں اور آخرت کی تباہی سے بچ جائیں۔

عذابِ الٰہی کی مختلف صورتیں اور کیفیات ہوتی ہیں۔ ایک آیتِ کریمہ میں اِرشادِ ربّانی ہے: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔ یعنی "اے حبیب! فرما دیجیے: اللہ ہی اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں لڑا دے اور ایک دوسرے کی سختی کا مزہ چکھائے، دیکھیے! ہم کس طرح بار بار نشانیاں بیان کرتے ہیں؛ تاکہ یہ سمجھیں۔" [الانعام6:65]

حبرِ اُمّت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "اُوپر کے عذاب" سے مراد یہ ہے کہ ظالم اور بے رحم حکمران مسلّط ہو جائیں گے اور "نیچے سے عذاب" کی مراد یہ ہے کہ ماتحت ملازمین بے وفا، غدار، کام چور اور خائن ہو جائیں گے۔[1]

ایک اور آیتِ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ "اور اِسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلّط کر دیتے ہیں، بدلہ اُن کے اعمال کا۔" [الانعام6:129]

---

[1] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ" أَيْ مِنَ الْأُمَرَاءِ، وَ"مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ" مِنَ الْعَبِيْدِ وَالسَّفَلَةِ۔ (التفسیر الکبیر، تحت الآیۃ)

عوام کی ذمہ داری... ربّ تعالیٰ سے خیر کی دُعا

جب یہ بات ذہن نشین ہوچکی کہ حکومت کی تبدیلی کا ظاہری سبب اگرچہ الیکشن اور ووٹنگ ہے، مگر حقیقت میں سب کچھ ربّ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ، خصوصاً نئی حکومت کی آمد پر ربّ تعالیٰ کی اِطاعت کی طرف متوجّہ ہوں اور اُس سے دُعا کریں کہ وہ حکمرانوں کو بھلائی کا ذریعہ بنائے اور اُن کے شر سے محفوظ رکھے۔

ربِّ کریم کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندہ اُس سے بکثرت دُعا مانگے۔ وہ جس سے جو چاہے کام لے سکتا ہے، وہ چاہے تو کسی بُرے اور شریر حکمران سے بھی اچھا کام لے لے۔

دُعا کی قبولیت کا وعدہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ ”اور (اے حبیبِ مکرم!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (بتا دیجیے) مَیں یقیناً قریب ہوں، دُعا کرنے والا جب بھی مجھ سے دُعا کرے، مَیں اُسے قبول کرتا ہوں، پس اُنہیں چاہیے کہ میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“ [البقرۃ2:186]

روایت کے مطابق ربّ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ فِي يَدِي۔ ”مَیں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں، مَیں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضۂ قدرت میں ہیں (مَیں جسے چاہوں، جب تک چاہوں اور جہاں کی چاہوں بادشاہی دیتا ہوں اور جو چاہوں اُس سے کام لیتا ہوں)۔“

مزید ارشاد فرمایا: فَلَا تَشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ، وَلٰكِنِ اشْتَغِلُوْا بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ إِلَيَّ أَكْفِكُمْ مُلُوْكَكُمْ۔[1] یعنی ”(ظالم) بادشاہوں کو کوسنے اور اُن کے خلاف بددُعائیں کرنے میں مشغول رہنے کے بجائے مجھے یاد کرنے اور میرے سامنے عاجزی کرنے میں مصروف رہو، مَیں تمہیں تمہارے بادشاہوں سے کفایت کروں گا (اُن کے شر سے محفوظ رکھوں گا)۔“

(المعجم الأوسط للطبرانی، ج:9، ص:9، حدیث: 8962۔ حلیۃ الأولیاء، ج:2، ص:383۔ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: 3721)

ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ عموماً ٹیلی وژن یا فون پر نظریں گاڑے الیکشن کے ہر ہر پل کی خبر رکھتے ہیں، تبصرے کرتے ہیں، اپنوں کی تعریفوں اور مخالفین پر طعن وتشنیع میں وقت ضائع کرتے ہیں... مگر ربِّ کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اِطاعت کی فکر نہیں کرتے، اُس کی بارگاہ میں عاجزی ودُعا سے غافل رہتے ہیں۔ یعنی فضول کام سارے کرتے ہیں اور کرنے کا کام کوئی بھی نہیں کرتے۔

---

[1] في إسنادہٖ ضعفٌ ولا یصحّ مرفوعًا، لکن معناہ مؤیّدٌ بالنصوص القطعیۃ۔

حرفِ آخر... مُلکِ خدا و نیابتِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دوام اور ہماری ذمہ داریاں

تمام جہانوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور سب کا حقیقی مالک و بادشاہ بھی وہی ہے۔ اُس نے اپنی بے مثال بادشاہی میں اپنا نائبِ مطلق و خلیفۂ اعظم اپنے محبوبِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بنایا ہے، تمام جہان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کی مرضی چلتی ہے، وہ جیسے چاہیں ربّ تعالیٰ کے کرم سے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔[1]

شبِ معراج نائبِ مطلق صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بے مثال عظمتوں اور رِفعتوں کا ایسا حسین اِظہار ہوا کہ رات کے معمولی حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک... انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی امامت کروانے کے بعد... لامکاں کی بلندیوں سے ہو کر... جنت و دوزخ سمیت ربّ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں دیکھ کر... اور ربّ تعالیٰ کے دیدار سے سرفراز ہو کر واپس بھی تشریف لے آئے۔

امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

خُدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لیے تھے

ربّ تعالیٰ کی بادشاہی ازلی و ابدی ہے... نہ اُس کی سلطنت کو کبھی زوال ہے اور نہ ہی اُس کے حکم کے خلاف کبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ اُس نے اپنے محبوبِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نیابت و خلافت بھی ہمیشہ کے لیے عطا فرمائی ہے... دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُنہی کی مرضی چلتی ہے اور روزِ حشر و بعد از حشر بھی اُنہی کا فرمان نافذ ہو گا۔ کشتۂ عشق و محبت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

وہ شبِ معراج راج، وہ صفِ محشر کا تاج
کوئی بھی ایسا ہوا؟ تم پہ کروڑوں دُرود

ظاہری بادشاہوں کی شاہی فانی و عارضی ہے۔ ربّ تعالیٰ جب چاہے، جسے چاہے، جتنے عرصے کے لیے چاہے اور جہاں کی چاہے حکومت و سلطنت عطا فرماتا ہے۔ حکمرانوں کی آمد و رفت صدیوں سے جاری ہے اور جاری رہے گی۔ کبھی عادل و نیک حکمران حکومت سنبھالتے ہیں اور کبھی ظالم و جابر فرماں روا بنتے ہیں۔

پاکستان میں گزشتہ روز قومی انتخابات کا انعقاد ہوا اور چند روز میں نئی حکومت بھی بن جائے گی۔ بے جا تبصروں اور جشن یا احتجاج وغیرہ میں تو سبھی مصروف ہیں، مگر کرنے کے کاموں کی طرف بہت ہی کم لوگ توجہ کرتے ہیں۔

---

[1] سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا: مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔ یعنی "یارسول اللہ! مَیں (تو ہمیشہ) یہی دیکھتی ہوں کہ جو آپ کی رِضا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فوراً ویسے ہی کرم کر دیتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 4788، 5113۔ صحیح مسلم، حدیث: 1464)

حکومت کی تبدیلی کے موقع پر حکمرانوں اور عوام کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، جن کی طرف دھیان کرنا سب کے لیے ضروری ہے:

- حکمرانوں کو اِس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ حکومت وعہدہ سنبھالنا کھیل نہیں، بھاری ذمہ داری ہے۔ اربابِ اختیار اپنے عہدوں کے مطابق ذمہ دار ہیں اور سب سے روزِ قیامت اُن کی ذمہ داری سے متعلق پوچھا جائے گا۔
- حاکم زمین میں اللہ تعالیٰ کا نائب وخلیفہ ہوتا ہے اور نائب کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے مالک کے احکام کی تعمیل کروائے؛ لہٰذا نئے حکمرانوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون ونظام نافذ کرنے کا اہتمام کریں۔
- حکّام پر لازم ہے کہ عوام کی خیر خواہی کریں اور اُنھیں عدل وانصاف فراہم کریں۔ مخلوق کے خیر خواہ حکمرانوں کو ربّ تعالیٰ دونوں جہان میں اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور عوام پر بے جا سختی کرنے والوں کے ساتھ باری تعالیٰ بھی سختی والا معاملہ فرماتا ہے۔
- عوام کی ذمہ داری ہے کہ اگر حاکم صحیح معنوں میں دینِ اسلام کی ترجمانی کرے اور ملک وقوم کی خدمت کرے تو اُس سے تعاون کریں، چاہے وہ اُن کی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتا ہو... اور اگر حکمران اسلام سے بے وفائی یا ملک وقوم سے بددیانتی کرے تو ہرگز اُس کی حمایت نہ کریں، خواہ وہ اپنی ہی پارٹی کا کیوں نہ ہو۔
- ربّ تعالیٰ کا نظام ہے کہ اگر بندے اُس کے نافرمان ہوجائیں تو وہ ظالموں کو حکمران بنادیتا ہے اور بندے اِطاعت کریں تو وہ نیک اور رحم دل لوگوں کو حکومت عطا کرتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کی قدرت وبادشاہی پر اپنا یقین مزید پختہ کریں، اُس کے احکام کی پابندی کریں اور نافرمانی سے بچیں؛ تاکہ وہ ہمیں اچھے اور دین دار حکمران عطا فرمائے۔

جب عوام میں سیدنا علیِ مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ جیسے افراد تھے تو باری تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا، آج اُمّت کی نافرمانیوں کا نتیجہ ہے کہ ایسے بے رحم لوگ اُمّت پر مسلّط ہیں جو غزہ میں 27,000 مسلمانوں کی شہادت کے بعد بھی اپنے مفادات کا تحفّظ کررہے ہیں اور جہاد کے نام سے بھی ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نائبِ مطلق ﷺ کی عزتوں کے صدقے میں اُمّتِ مسلمہ کا عروجِ رفتہ بحال فرمائے اور اُمّت کو غیرت مند، خیر خواہ اور دین دار قیادت سے نوازے۔

اللہ کرے کہ پاکستان کے نئے حکمران اسلام کے بھی خدمت گزار بنیں اور ملک وقوم کے بھی خیر خواہ ہوں اور وطنِ عزیز کو دہشت گردی اور معاشی مشکلات وغیرہ سے نجات نصیب ہو۔

ربِّ قدیر کشمیری اور فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کی عملی مدد کرنے کی توفیق سے نوازے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۵ شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ / 16 فروری 2024ء

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بحیثیتِ مُصلِحِ اعظم

مشمولات

- اُمّت میں مصلحین کی پیدائش
- مُصلِح اعظم رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- اِصلاح کی فضیلت اور اُس کی مختلف صورتیں
- اِفساد کی مذمت اور اُس کی مختلف صورتیں
- مصلِح اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ عقائد واعمال
- مصلِح اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ معاملات
- مصلِح اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ حکّام
- کثرتِ مفسدین کے دَور میں تقلیدِ مصلِح اعظم رضی اللہ عنہ کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ۔ [الاعراف 170:7] اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ۔ [یونس 81:10]

ربّ تعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح اور اُن میں فساد کے خاتمہ کے لیے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو مبعوث فرمایا۔ اُنھوں نے مخلوق کے عقائد کی بھی اصلاح فرمائی، اعمال کو بھی سنوارا، اُن کے باہمی معاملات کو بھی درست کیا اور ظاہر کے ساتھ ساتھ اُن کے باطن کو بھی پاک کیا۔ یہ سلسلہ صدیوں چلتا رہا اور ہمارے آقا کریم ﷺ پر ختم ہوا۔

نبیِ آخر الزماں ﷺ کی مُصلِحانہ کاوشوں کے نتائج و ثمرات دیگر تمام انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی کوششوں سے بڑھ کر ظاہر ہوئے، چنانچہ معاشرے میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ جو لوگ فساد پھیلانے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے وہ ایسے لائقِ تقلید مُصلح بن گئے کہ اُن کا اندازِ اصلاح قیامت تک بطورِ مثال ذکر کیا جاتا رہے گا۔

اکبر الٰہ آبادی نے آقا کریم ﷺ کے اِصلاحی کارناموں اور نگاہِ فیض کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

خود نہ تھے جو راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

خاتم النبیین ﷺ کی جلوہ گری کے بعد کسی نئے نبی کی آمد ممکن نہیں، چنانچہ آپ ﷺ کے فیضانِ اصلاح کو باقی رکھنے کے لیے ربِّ کریم آپ ﷺ کی اُمّت میں ایسے افراد پیدا فرماتا رہا اور قیامت تک پیدا فرماتا رہے گا جو اُمّت کے عقائد و اعمال اور باہمی معاملات کی اِصلاح کر کے فساد کو ختم کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔

اُمّت کو سنوارنے کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دینے والی شخصیات میں ایک خوب صورت نام امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، آپ کی خدمات کو ربّ تعالیٰ نے ایسی قبولیت سے نوازا کہ تقریباً ساڑھے بارہ سو سال سے اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت آپ کی تشریحات پر عمل کرتی ہے۔ دُنیا بھر کے حق پرست مسلمان آپ کو "امامِ اعظم" تو کہتے ہی ہیں، اگر مُصلحانہ کوششوں کے پیشِ نظر آپ کو "مُصلِحِ اعظم" کہا جائے تو ہرگز بے جا نہیں۔

ہمارے دَور میں اِصلاح کرنے والے خوش نصیب کم ہیں، جب کہ فساد پھیلانے والے بد نصیبوں کا شمار نہیں۔ سرِ عام کفر و گمراہی پھیلائی جا رہی ہے اور روکنے والا کوئی نہیں، نفرتوں کے بیج بونے والوں کی سازشیں بھی جاری ہیں اور حکمران بھی بے لگام ہیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں اِصلاح کی فضیلت، اِفساد کی مذمت اور مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

مُصلِحِ اعظم رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

مُصلِحِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام "نُعمان بن ثابت" ہے، دینِ حنیف کی خوب خدمت اور اُس کی بہترین وضاحت کرنے کی وجہ سے اُن کی کنیت "ابو حنیفہ" قرار پائی،[1] اللہ تعالیٰ نے اُنھیں مجتہدین میں سب سے اعلیٰ شان عطا فرمائی؛ اِس لیے اُنھیں "امامِ اعظم"، "امام الائمہ" اور "سراج الاُمّہ" کہا جاتا ہے۔

80ھ / 699ء میں عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا اور والد کو مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ نے برکت کی دعا سے نوازا تھا۔

آپ نے مختلف علاقوں کا سفر کرکے متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور دیگر تقریباً چار ہزار اکابر مشائخ سے علمِ دین حاصل کیا،[2] امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت امام محمد باقر اور اُن کے شہزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی فیض پایا۔ فقہ کے چاروں اماموں میں "تابعی" ہونے کا اِعزاز صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔

دینی علوم میں کمال کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیز گار بھی تھے۔ یعنی آپ علمائے کرام کے بھی امام و پیشوا ہیں اور اولیائے عظام و اہلِ کشف کے بھی سردار ہیں۔

آپ نے سب سے پہلے فقہی اُصول بنائے، ہزاروں جلیل القدر علما تیار کیے اور اُمّت کو لاکھوں مسائل کا حل بتایا۔ علمی مرتبہ یہ تھا کہ خلیفۂ وقت نے آپ کو قاضی القُضاۃ (Chief Justice) بنانا چاہا اور اِس کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے، مگر آپ نے راہِ عزیمت اختیار کرتے ہوئے اِس منصب کو ٹھکرا دیا۔

بلند ترین مقام کے باوجود اپنے نمائندوں کے ذریعے تجارت کرتے تھے اور اُس کی آمدن کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ غریب طلبہ اور دیگر مستحق مسلمانوں کی مدد فرماتے۔

تقوٰی و طہارت اور دینی خدمات سے بھرپور ستر سالہ زندگی گزارنے کے بعد 150ھ / 767ء میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی، ایک قول کے مطابق شعبان المعظم میں وصالِ اقدس ہوا[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] "حنیف" کا معنی ہے: باطل سے جدا۔ قال تعالیٰ: فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ [آلِ عمران 3:95] سید عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہر باطل سے جدا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہترین تشریح کی، اِس لیے آپ کو ابو حنیفہ (ہر باطل سے جدا دین والا) کہا جاتا ہے۔

[2] الخیرات الحسان فی مناقبِ الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان للهیتمی، ص:37، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی

[3] رجب اور شوال کا ماہِ وصال ہونا بھی منقول ہے۔ (الخیرات الحسان) مقصود شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہوتا ہے، خواہ تاریخ و ماہِ وصال کوئی بھی ہو۔

اِصلاح کی فضیلت اور اُس کی مختلف صورتیں

مخلوق کی اِصلاح کرنا حقیقت میں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیمَات کا منصب ہے، اُن کے نائب کے طور پر یہ فریضہ اُمّتوں کے علماء وصالحین سر انجام دیتے ہیں۔ اِصلاح کرنے والے خوش نصیبوں کو ربّ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے اور دونوں جہان کی عزتوں سے نوازتا ہے۔ لوگوں کو سنوارنا دیگر کئی اہم کاموں سے افضل ہے۔

اِصلاح کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:

⟸ کفر وگمراہی پر مبنی عقائد کو ختم کرکے صحیح اسلامی عقائد کو فروغ دینا۔

⟸ عبادات کے حوالے سے پائی جانے والی خرابیاں اور کوتاہیاں دُور کرکے درست طریقے سے شوق وذوق کے ساتھ عبادات کرنے کے جذبہ کو پروان چڑھانا۔

⟸ غیر اسلامی رسم ورواج اور بُری عادات کی جگہ اسلامی تہذیب وتمدّن اور طور طریقوں کو عُروج دینا۔

⟸ اچھی باتوں / آداب کو عام کرنا اور بُری باتوں / گھٹیا کاموں کو زائل کرنا۔

⟸ لوگوں کے باہمی معاملات کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا...

- بچھڑوں کو ملانا اور ناراض مسلمانوں کی آپس میں صلح کروانا۔
- باہمی غلط فہمیاں دُور کروانا۔
- مسلمانوں کے درمیان محبت بڑھانے کے لیے ممکن کردار ادا کرنا۔
- اچھی نیت کے ساتھ عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی خوبیاں بتانا۔

اصلاح کرنے والوں کو نوازنے کا وعدہ کرتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۔ "بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔" [الاعراف 170:7]

حکیم الاُمّت سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» یعنی "کیا مَیں تمھیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کا درجہ وثواب روزہ، صدقہ اور نماز سے بڑھ کر ہے؟" اُنھوں نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! ضرور بتایئے۔ ارشاد فرمایا: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔ "باہمی معاملات کی اِصلاح (وہ عمل ہے جس کا درجہ اور اجر روزہ، صدقہ اور نماز سے بڑھ کر ہے)۔" مزید فرمایا: فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔ یعنی "باہمی معاملات کو بگاڑنا وہ عمل ہے جو نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (فساد ڈالنے کی یہ نحوست ہوتی ہے کہ انسان نیکی کے کاموں سے محروم ہو جاتا ہے)۔" (جامع ترمذی، حدیث: 2509)

اِفساد کی مذمت اور اُس کی مختلف صورتیں

لوگوں میں فساد پھیلانا حقیقت میں شیطان لعین کا کام ہے، جنات اور انسانوں میں شیطان کے چیلے بھی یہی کرتوت کرتے ہیں۔

فساد پھیلانے والے بد نصیبوں کو ربّ تعالیٰ سخت ناپسند فرماتا ہے، اُنھیں دونوں جہان میں ذلّت ورُسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا اور اِس منحوس عمل کی وجہ سے انسان کو بے شمار نیکیوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

لوگوں میں فساد پھیلانے کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:

⟸ کفر وگمراہی پھیلانا، خواہ کوئی بدبخت خود یہ کام کرے یا سوشل ذرائع وغیرہ سے کسی کے فساد کو عام کرے۔

⟸ غیر اسلامی رسموں اور طور طریقوں کو رواج دینا۔

⟸ فحاشی وبے حیائی اور بُری باتوں/گھٹیا کاموں کو عام کرنا۔

⟸ حکمرانوں کا اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوگوں پر ظلم کرنا، بے جا ٹیکس وصول کرنا یا اُن پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا۔

⟸ لوگوں کے باہمی معاملات کو خراب کرنا...

- غلط فہمیاں ڈال کر لوگوں کو آپس میں لڑوانا۔
- محبتیں بڑھانے کے بجائے نفرتوں کے بیج بونا۔
- کسی شرعی وجہ کے بغیر مسلمانوں کے پوشیدہ عیب دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا۔

ربّ تعالیٰ کے ہاں فساد پھیلانے والوں کی حیثیت بیان کرتے ہوئے قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔

"بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔" [القصص 28:77]

فساد پھیلانے والوں کا انجام قرآنِ مجید میں یوں مذکور ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۔[1] "بلاشبہ اللہ فساد پھیلانے والوں کے کام کو نہیں سنوارتا (فسادیوں کے کام کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیتا)۔" [یونس 10:81]

عالمی یا قومی سطح پر فساد پھیلانا کتنا بڑا جُرم ہے؟ اِس کا اندازہ اِس بات سے کیجیے کہ فقط میاں بیوی کے درمیان فساد ڈالنے سے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی روایت کیا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ۔[2] مفہوم یہ کہ "جو شخص میاں بیوی کے درمیان فساد ڈالے یا غلام کو آقا کے خلاف بھڑکائے وہ ہم میں سے نہیں۔" (سنن ابو داود، حدیث: 2175)

---

[1] لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ: أَيْ لَا يُقَوِّيْهِ وَلَا يُكَمِّلُهُ۔ (مفاتيح الغيب [التفسير الكبير]، لباب التأويل [الخازن]، تحت الآية)

[2] وَفِي مَعْنَاهُمَا إِفْسَادُ الزَّوْجِ عَلٰى امْرَأَتِهٖ وَالْجَارِيَةِ عَلٰى سَيِّدِهَا۔ (مرقاة المفاتيح)

مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ عقائد واعمال

ایمان کی حفاظت اور اُخروی کامیابی کے لیے عقائد کا صحیح ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا جان کی حفاظت کے لیے شہ رگ کا تحفّظ لازم ہے...جب کہ ایمان کی پختگی اور حُسن کے لیے عبادات اور اعمالِ صالحہ ایسے ہی لازم ہیں جیسے درخت کے لیے پھل زیبا ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ کوئی بھی مُصلح معاشرے کو سنوارنے کے لیے عقائد واعمال میں سے ہر ایک کی اِصلاح پر بھرپور توجہ دے گا۔ مُصلحِ اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ ہر مسلمان کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر بھی استقامت اختیار کرنی چاہیے اور اعمالِ صالحہ میں بھی خوب کوشش کرنی چاہیے۔

اصلاحِ عقائد: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں آپ کے وطن "کوفہ" کے اندر مختلف گمراہ فرقے ظاہر ہو چکے تھے۔ گمراہوں میں سرِ فہرست تین فرقے تھے: 1) جو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے گستاخ تھے اور اب بھی ہیں۔ 2) جو تقدیر کا انکار کرتے تھے۔ 3) معتزلہ، جو کہتے تھے کہ اگر کوئی بندہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک مشہور محدث تابعی بزرگ حضرت عَطاء بن ابو رَباح علیہ الرحمہ سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی، امام صاحب نے اُن سے کوئی دینی بات پوچھی۔ اُنھوں نے فرمایا: کس علاقے کے رہنے والے ہو؟ کہا: کوفہ سے تعلق ہے۔ اُنھوں نے فرمایا: تمہارا تعلق اُس خطے سے ہے جہاں مختلف گمراہ فرقے ہیں؟ کہا: جی ہاں! اُنھوں نے فرمایا: فَمِنْ أَيِّ الْأَصْنَافِ أَنْتَ؟ تمہارا کس فرقے سے تعلق ہے؟ کہا: مِمَّنْ لَا يَسُبُّ السَّلَفَ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ وَلَا يُكَفِّرُ أَحَدًا بِذَنْبٍ۔ میرا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو بزرگوں (صحابۂ کرام) کی توہین نہیں کرتے، تقدیرِ الٰہی کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں اور کسی گناہ گار کو کافر نہیں کہتے (اہلِ سنت وجماعت سے تعلق ہے)۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عَرَفْتُ، فَالْزَمْ۔ یعنی مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ تمہارا تعلق سچے مسلک سے ہے، لہٰذا تم میرے پاس رہ کر جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔ (تاریخ بغداد، ج:13، ص:332، دار الكتب العلمية۔ حلية الأولياء، ج:3، ص:314، مطبعة السعادة۔ البداية والنهاية، ج:9، ص:336، دار احياء التراث)

عقائدِ اہلِ سنّت پر استقامت کی تلقین سے متعلق امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت میں متعدد ارشادات اور واقعات موجود ہیں۔

اعمال کی اصلاح: مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ دن بھر علمِ دین سکھانے میں مصروف رہتے، شاگرد بھی ایسے حضرات تھے جو بعد میں اپنے دَور کے نامور علما، اولیا اور مجاہدین ومصلحین بنے۔ ہزاروں شاگردوں میں ایک نام دُنیائے اسلام کے پہلے چیف جسٹس امام ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ رات ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ پوری رات نماز، تلاوتِ قرآنِ مجید، ربّ تعالیٰ کے حضور رونے اور دُعائیں کرنے میں گزار دیتے، حتّٰی کہ عشا کے وضو سے فجر ادا کرتے، بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے اور روتے گزر جاتی۔

مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ معاملات

حقوق اللہ کی تعظیم اگرچہ زیادہ ہے، مگر حقوق العباد کا معاملہ اُن سے کہیں سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی ہو جائے تو معاملہ اُس کے سپرد ہے، وہ چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو سزا دے... مگر بندوں کے حقوق ادا نہ کیے ہوں تو تب تک معافی نہیں ملے گی جب تک وہ حق والا بندہ خود معاف نہیں کرے گا۔

بزرگانِ دین لوگوں کے ساتھ معاملات / لین دین اور تعلقات / برتاؤ میں دیانت داری اور رواداری کا بہت اہتمام کرتے ہیں، اِس حوالے سے حضرت مُصلحِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا کردار بھی منارۂ نور ہے۔

تجارت میں سچائی: حَفص بن عبد الرحمٰن اور امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما آپس میں تجارتی شراکت دار (Trading partners) تھے، آپ اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے اُن کے ہاتھ بھیجتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے اُنھیں فروخت کرنے کے لیے کپڑے دیے اور تفصیلی طور پر بتایا کہ فلاں کپڑے میں ایک عیب ہے، جب اُسے بیچیں تو خریدار کو عیب کا ضرور بتا دیں (کیونکہ سیدنا وَاثِلَہ بن اَسقع رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی روایت کیا: «مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ.»[1] یعنی "جو خریدار کو عیب بتائے بغیر عیب والی چیز بیچ دے وہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی میں رہتا ہے اور فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔")

حضرت حفص کو وہ کپڑا بیچتے وقت گاہک کو عیب کا بتانا یاد نہ رہا، جب یاد آیا تو پتا نہیں چل رہا تھا کہ کپڑا کس کو بیچا ہے، فَلَمَّا عَلِمَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ تَصَدَّقَ بِثَمَنِ الْمَتَاعِ كُلِّهِ۔ جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ صورتِ حال معلوم ہوئی تو آپ نے اُس مرتبہ جتنے کپڑے بھیجے تھے سب کا ثمن صدقہ کر دیا (کہ اُن میں سے ایک کپڑے کا سودا شرعی حکم کے مطابق نہیں ہوا تھا)۔

(تاریخ بغداد، ج:13، ص:356۔ تہذیب الکمال، ج:29، ص:437، مؤسسۃ الرسالۃ)

ایک خاتون نے آپ سے ریشمی کپڑا خریدنا چاہا، آپ نے اُسے کپڑا دکھایا، کہنے لگی: مَیں بوڑھی عورت ہوں، مجھے دیانت داری کے ساتھ یہ اُتنے میں ہی بیچ دیں جتنے میں آپ کو پڑا ہے۔ وہ کپڑا کافی قیمتی تھا، آپ نے اُسے فرمایا: چار درہم میں لے لو۔ وہ خاتون کم قیمت سُن کر حیران ہو گئی، کہنے لگی: مَیں بوڑھی خاتون ہوں اور آپ میرے ساتھ مزاح کر رہے ہیں! آپ نے فرمایا:[2] مزاح نہیں کر رہا، مَیں نے دو کپڑے خریدے تھے، پھر ایک کو چار درہم کم اُتنے میں ہی بیچ دیا جتنے میں دو خریدے تھے، تو یہ چار درہم میں ہی پڑا ہے، تم نے دیانت داری کے ساتھ بیچنے کا کہا تھا، مجھے چار درہم میں پڑا ہے تو مَیں تمھیں چار میں ہی دے رہا ہوں۔ (تاریخ بغداد: 13/359)

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: 2247

[2] إِنِّي اشْتَرَيْتُ ثَوْبَيْنِ، فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا بِرَأْسِ الْمَالِ إِلَّا أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ، فَبَقِيَ هٰذَا الثَّوْبُ عَلَيَّ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ۔

مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ اور اِصلاحِ حکّام

حکومتی عہدہ وذمہ داری ایسی شے ہے جس کی ہر انسان کو تمنّا ہوتی ہے سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، اِس لالچ کی بدترین صورتِ حال ہم اپنے ملک کی سیاست میں دیکھ رہے ہیں۔ ایک عرصہ سے سیاست دانوں کے درمیان ''کرسی'' چھیننے اور بچانے کی جنگ جاری ہے اور نہ جانے کب تک یہ صورتِ حال رہے گی۔

جو شخص دُنیاوی مفادات کے لیے حکومت کا لالچ کرتا ہے اُسے عہدہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب نہیں ہوتی، چنانچہ وہ اپنے منصب کے تقاضے پورے نہیں کرپاتا، جس کی وجہ سے روزِ قیامت اُسے سخت شرمندگی اُٹھانا پڑے گی... تاہم اگر کوئی شخص کسی منصب کا اہل ہو، اُسے بغیر لالچ کے وہ منصب سپرد کیا جائے اور وہ خلقِ خدا کی بھلائی کے لیے اُسے قبول کرلے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتا ہے اور یہ عہدہ اُس کے لیے دونوں جہان میں عزت کا باعث بن جاتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ» یعنی ''عن قریب تم حکومت کے لالچی بن جاؤ گے اور یہ (لالچ والی حکومت) قیامت کے دن شرمندگی کا باعث ہوگی، جب حکومت ملتی ہے تو بہت اچھی لگتی ہے، مگر جب چھوٹتی ہے بہت برا حال ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری:7148)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اُس دَور کے حکمرانوں کی جانب سے کئی مرتبہ زوردار انداز میں یہ پیشکش کی گئی کہ آپ قاضی القُضاۃ (Chief Justice) بن جائیں، یقیناً آپ اِس منصب کے اہل تھے؛ کہ اپنے دَور میں علم وعمل اور فضیلت وتقوٰی... سبھی میں نمایاں مقام حاصل تھا... اور بغیر لالچ وتمنا کے یہ عہدہ مل رہا تھا... اگر آپ اِس منصب کو زینت عطا کرتے تو یقیناً اِس میں گناہ کا کوئی پہلو نہیں تھا، مگر آپ تقوٰی کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ رخصت پر عمل نہ کیا اور راہِ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا؛ تاکہ کبھی خلیفۂ وقت کے دباؤ میں کوئی ناحق فیصلہ کرنے کی نَوبت ہی نہ آئے۔ خلیفہ نے پُرکشش پیشکشوں کے ذریعے لالچ بھی دیا، سخت سزا کے ذریعے ڈرایا بھی، پھر واقعی طور پر کوڑے بھی لگوائے، قید بھی کروایا، جلاوطن بھی کروایا... مگر آخری دم تک کسی بھی قیمت پر آپ نے عہدہ قبول نہ کیا۔

ایک روایت کے مطابق حاکم نے آپ کے گھر دس ہزار دینار بھجوائے، وصال تک دیناروں والی وہ تھیلی اُسی طرح آپ کے گھر میں پڑی رہی، وصال کے بعد آپ کے شہزادے نے وہ تھیلی حاکم کو واپس کرکے فرمایا: یہ آپ کی امانت ہے۔ وہ کہنے لگا: رَحِمَ اللهُ أَبَاكَ! لَقَدْ ضَحَّ عَلَى دِينِهِ إِذْ شَحَّتْ بِهِ أَنْفُسُ أَقْوَامٍ۔ اللہ آپ کے والدِ گرامی پر رحمتیں نازل فرمائے، لوگوں کے دل مال کے لالچ میں پھنسے رہتے ہیں، جب کہ آپ کے والدِ ماجد کو اپنا دین بچانے کی فکر تھی۔ (أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري، ص:72)

حرفِ آخر... کثرتِ مفسدین کے دور میں تقلیدِ مصلحِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ضرورت

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مشن لوگوں کی "اِصلاح" ہے، جب کہ شیطان لعین کی سازش "فساد پھیلانا" ہے۔ ہر دَور میں انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث اپنے نبیوں کا مشن آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے... جب کہ شیطان مردود کے چیلے ہمیشہ سے اپنے گرو کی سازش کامیاب بنانے کی ناکام کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے مُصْلِحِین میں امامِ اعظم ابو حنیفہ نُعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ عمومی طور پر آپ کے علمی مقام، فقاہت اور مذہبی خدمات کا تذکرہ ہوتا ہے... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفقاہت میں وہ شان عطا فرمائی کہ دُنیا آپ کو "امامِ اعظم" (مجتہدین میں سب سے بڑا امام) کہتی ہے اور تقریباً ساڑھے بارہ سو سال سے اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت آپ کی ہی تقلید کرتی ہے... آج آپ کی حیاتِ مبارکہ کے اُس پہلو پر گفتگو کی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ "مصلحِ اعظم" بھی ہیں۔

جب کوئی شخص حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے امام و مُصْلِح کی تقلید چھوڑ کر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے، اِس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ مَیں امامِ اعظم سے زیادہ قرآن وحدیث کو سمجھتا ہوں اور امامِ اعظم کے بارے میں نازیبا باتیں کرتا ہے تو حضرت عبد اللہ خَربی علیہ الرحمہ کا یہ قول یاد آتا ہے: مَا يَقَعُ فِي أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا حَاسِدٌ أَوْ جَاهِلٌ۔ جو شخص امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدزبانی کرے وہ یا تو حسد کی آگ میں جلنے والا ہوگا یا جہالت کی بیماری میں مبتلا ہوگا (صاحبِ علم انصاف پسند مسلمان ہمیشہ امامِ اعظم کی تعریف کرتا ہی نظر آئے گا)۔ (سير أعلام النبلاء، ج:6، ص:402۔ تاريخ الإسلام للذهبي، ج:9، ص:312، دار الكتاب العربي)

ہمارے دَور میں فسادیوں کی اتنی کثرت ہے کہ اللہ کی پناہ!

⟸ خود کو انجینئر، ڈاکٹر، اسکالر اور عالم کہلوا کر قرآن وسنت کی غلط تشریحات کے ذریعے ایمان لوٹنے والے دندناتے پھر رہے ہیں۔

⟸ عبادات اور اعمالِ صالحہ سے غفلت کا یہ عالم ہے کہ اپنے کرتوتوں پر غور کریں تو سر شرم سے جھک جائے گا، بلکہ ایسے جاہلوں کی تعداد بھی کم نہیں جو یہ سوچ دیتے ہیں کہ تم بخشے ہوئے ہو، فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

⟸ باہمی معاملات اور لین دین کے حوالے سے اِس قدر بد دیانتی ہے کہ سگے رشتہ داروں پر بھی اعتماد کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

⟸ حکومت وکرسی کی جنگ نے دُنیا کے سامنے ہمیں بے توقیر کر دیا ہے۔

⟸ اسلامی رسم ورواج سے دُور کر کے غیر مسلموں کی تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے کئی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔

ایسے حالات میں ہمیں اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کرنا چاہیے اور اِس بات کا احساس خوب بیدار کرنا چاہیے کہ مسلمان کی سب سے بڑی دولت "ایمان" ہے اور فتنوں کے اِس دور میں اپنا ایمان بچانے کے لیے فسادیوں سے دُور رہتے ہوئے قرآن وسنت پر عمل اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جیسے فساد پھیلانا جرم ہے ایسے ہی فسادیوں کو روکنے کی طاقت کے باوجود اُنھیں نہ روکنا بھی برابر کا جرم ہے۔ اسرائیلی درندے چار ماہ سے غزہ میں بدترین فساد بپا کیے ہوئے ہیں، 28,000 سے زیادہ بے گناہ شہری شہید ہو چکے ہیں، علاج کی سہولیات اور دیگر بنیادی ضروریاتِ زندگی دستیاب نہیں، حتّٰی کہ ہسپتال اور پناہ گاہیں بھی محفوظ نہیں۔ پچاس سے زائد ممالک کے سربراہوں کا اِس فساد کو روکنے کے لیے کوئی قابلِ ذکر عملی قدم نہ اُٹھانا ایسا جُرم ہے جس کا وہ روزِ قیامت جواب نہیں دے پائیں گے۔

آخر میں اِس بات کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ جو مسلمان خود کو سنوارنا چاہے اُس کے لیے رمضان المبارک سنہری موقع ہوتا ہے اور رمضان کریم کی رحمتیں صحیح طرح سے وہی حاصل کر پاتا ہے جو شعبان المعظم میں ہی اُس کی تیاری شروع کر دے۔

سرورِ عالم ﷺ نے اِس ماہِ مبارک کو خصوصی عظمتوں سے نوازا اور اِس میں عبادت کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: «كَانَ أَحَبَّ الشُّهُورِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يَصُومَهُ شَعْبَانُ، ثُمَّ يَصِلُهُ بِرَمَضَانَ.» رسول اللہ ﷺ کو (رمضان کے بعد) شعبان کے روزے رکھنا سب سے زیادہ محبوب تھا، آپ ﷺ شعبان (کے روزوں) کو رمضان المبارک کے ساتھ ملا دیا کرتے تھے۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 2431)

ہمیں بھی ماہِ شعبان المعظم میں فرائض وواجبات کی پابندی کرنی چاہیے، حرام سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ نیز سنن ونوافل اور تلاوتِ قرآنِ مجید وقراءتِ دُرودِ پاک کی کثرت کرنی چاہیے۔

حضرت شہاب الدین ابو العباس احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب صورت بات لکھی: إِنَّ شَهْرَ شَعْبَانَ شَهْرُ الصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؛ لِأَنَّ آيَةَ الصَّلَاةِ يَعْنِي: إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ...[1] نَزَلَتْ فِيهِ۔ یعنی شعبان رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے دُرود وسلام بھیجنے کا مہینہ ہے، اس لیے کہ (ایک قول کے مطابق) اِسی مہینے میں دُرود وسلام پڑھنے کے حکم والی آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (المواہب اللدنیۃ، المقصد السابع، الفصل الثانی، ج:2، ص:650)

اللہ تعالیٰ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے درجات میں بے پناہ بلندیاں عطا فرمائے اور آپ کے صدقے میں ہماری بخشش ومغفرت فرمائے۔ مالکِ کریم اصلاح کرنے والوں کی مدد فرمائے اور فسادیوں کو ناکام ونامراد کرے۔

ربِّ قدیر کشمیری اور فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کی عملی مدد کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

---

[1] الأحزاب، 33: 56

۱۲ شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ / 23 فروری 2024ء

مُثبَت تبدیلی اور دینی ترقّی

(شبِ براءت کی مناسبت سے)

مشمولات

- ترقّی کی آرزو اور دینی ترقّی کا اہم موقع
- مثبت تبدیلی کا سبب... موت کو یاد کرنا
- مثبت تبدیلی کیسے آتی ہے؟
- شبِ براءت... مثبت تبدیلی کا سنہری موقع
- گناہوں کے نتائج پر غور
- شبِ براءت میں محروم لوگ
- نعمتوں کی کثرت کا اِدراک
- شبِ براءت میں کرنے کے کام اور سپریم کورٹ فیصلہ پر تبصرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۝ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ۝ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۔ [الدخان 44:1-4]

ہر انسان زندگی بھر ترقّی کا خواہش مند رہتا ہے، بہتر سے بہترین کی جستجو کرتا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے... رنگت، بولی، خطہ اور مذہب کی تفریق کے بغیر سبھی لوگ اِس جذبہ و آرزو میں برابر ہیں... تاہم انسانوں کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں... کوئی مال و دَولت کو فوقیت دیتا ہے اور اُسے حاصل کرنے کے لیے باقی سب کچھ بھلا دیتا ہے... کسی کی نظر میں رشتوں کی اہمیت ہوتی ہے، وہ اپنا رشتہ نبھانے کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے... کوئی عہدے کو برتر سمجھتا ہے اور اپنا عہدہ بچانے کی خاطر جو بھی کرنا پڑے اُسے کر گزرتا ہے... کسی کو عزت عزیز ہوتی ہے اور وہ اُس کی خاطر جان تک کی پرواہ نہیں کرتا... یقیناً وہ شخص نہایت خوش نصیب ہے جس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور سرورِ عالم ﷺ کی خوشنودی سب سے اہم ہو، ایسا بلند بخت رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اپنا وقت، مال، اسباب اور جان سب کچھ پیش کرنے کو سعادت سمجھتا ہے۔

ترقّی کی چاہت اور آگے بڑھنے کی آرزو کسی بھی چیز سے متعلق ہو، بہر حال ترقّی کا خواہش مند موقع کی تلاش میں رہتا ہے... جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔

بہتری و ترقّی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان "مثبت تبدیلی" کی کوشش جاری رکھے، وقتاً فوقتاً اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتا رہے اور کوتاہیوں کا اِزالہ کر کے اپنے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دُور کرتا رہے۔

ربّ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنی راہ کے مسافروں کو "مثبت تبدیلی"، ترقّی اور آگے بڑھنے کے مواقع بھی عطا فرمائے ہیں اور سچی تڑپ کے ساتھ کوشش کرنے والوں سے کامیابی کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

مثبت تبدیلی اور دینی ترقی کا ایک اہم موقع "شبِ براءت" بھی ہے۔ اِس رات میں رحمتِ الٰہی اِتنے جوش پر ہوتی ہے کہ جو شخص رضائے الٰہی کا طلب گار ہو اور مثبت تبدیلی کے لیے سچی کوشش کرے، قوی اُمّید ہے کہ وہ اِس رات محروم نہیں رہے گا۔

ہمارے ہاں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اِس رات کو مساجد میں حاضر ہوتی ہے، نوافل ادا کرتی ہے، توبہ و استغفار کرتی ہے اور دیگر متعدد اُمورِ خیر سرانجام دیے جاتے ہیں... تاہم کئی لوگ دین سے دُوری کے سبب اِس رات کو بھی غفلت میں گزار دیتے ہیں، بلکہ بعض اوقات گناہوں کے کاموں میں مصروف رہ کر "براءت" پانے کے بجائے "سزا" کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں شبِ براءت کی مناسبت سے اپنے اندر "مثبت تبدیلی" لانے کی کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

مثبت تبدیلی کیسے آتی ہے؟

دُنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ہیں، وہ کرم فرمانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور وہ اعمال کی سزا کے طور پر محروم کرے تو دینے والا کوئی نہیں... تاہم انسان پر لازم ہے کہ وہ رحمت سے رکاوٹ بننے والے اُمور سے خود کو بچائے۔

کسی بھی شعبہ میں ترقّی اور مثبت تبدیلی کے لیے رکاوٹوں کو دُور کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے... مثلاً وسائل کا غلط استعمال ملکی ترقّی میں رکاوٹ ہے؛ لہٰذا اگر ملک میں تبدیلی لانی ہے تو ضروری ہے کہ وسائل کا صحیح استعمال کیا جائے... ذمہ داروں کی بد دیانتی اعتماد کو تباہ کر دیتی ہے؛ چنانچہ ساکھ بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سربراہ امین و دیانت دار بنیں... بد پرہیزی شفایابی سے رکاوٹ ہے؛ لہٰذا صحت کے لیے علاج سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ بے احتیاطی کو ترک کیا جائے... بالکل اِسی طرح نافرمانی اور گناہ وہ منحوس چیزیں ہیں جو انسان کی کامیابی اور مثبت تبدیلی میں رکاوٹ ہیں؛ چنانچہ رِضائے الٰہی کے طلب گار اور دینی ترقّی کے خواہش مند پر لازم ہے کہ وہ گناہوں کو ترک کرے اور اُن سے توبہ کر کے فرماں برداری میں مصروف ہو، پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کیسے نصیب ہوتی ہیں!

سچی توبہ وہ دریا ہے جس میں غوطہ لگانے سے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں... صدقِ دل سے آنسو بہانا وہ سرمہ ہے جسے لگانے سے آنکھیں دیدارِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا شرف پاتی ہیں... اور اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہو کر دل سے معافی مانگنا وہ حسین عمل ہے جس سے خوش ہو کر باری تعالیٰ نہ صرف گزشتہ جرائم کی معافی عطا فرماتا ہے، بلکہ آئندہ کے لیے دینی ترقّی کا سفر بھی آسان فرما دیتا ہے اور دُنیاوی مشکلات سے بھی نجات عطا کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ توبہ کا مطلب فقط زبان سے "توبہ توبہ" یا "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ" کہنا نہیں، بلکہ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے گزشتہ جرائم کا اعتراف کر کے اُن پر شرمندہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسا کرتے ہوئے یہ پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا، نیز جن گناہوں کی توبہ کے لیے عبادت کی قضا یا حق والے کو راضی کرنا شرط ہے، اُن میں ایسا کرنے کا بھی عزم کرے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۔ "اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں ایسی توبہ کرو جس کے بعد گناہ کی طرف لوٹنا نہ ہو۔" [التحریم 66:8] یعنی ایسی توبہ کرو کہ اعمال میں اُس کا اثر ظاہر ہو اور آئندہ گناہوں سے بچتے ہوئے نیکیوں میں زندگی گزرے۔

جب انسان سچی توبہ کرتا ہے تو اُس کی زندگی میں مثبت تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ بے شمار ایسے حضرات ہیں جو گناہوں کی گہری دَلدل میں پھنسے ہوئے تھے، مگر جب سچی توبہ کر کے مثبت تبدیلی اور دینی ترقّی کا سفر شروع کیا تو رحمتِ الٰہی سے ایسے بلند درجہ پر فائز ہوئے کہ آج اُن کا نام لیتے ہوئے احترام سے سر جھک جاتا ہے۔

مثبت تبدیلی کا سبب... گناہوں کے نتائج پر غور

توبہ کی توفیق یقیناً ربّ تعالیٰ کے کرم سے ہی نصیب ہوتی ہے، اِس کے لیے بارگاہِ الٰہی میں صدقِ دل سے دُعائیں جاری رکھنی چاہییں، یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر انسان گناہوں کے انجام پر غور کرے تو رحمتِ الٰہی سے دل نرم ہو جاتا ہے اور توبہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ قرآن وسنت میں گناہوں کے جو نتائج بیان ہوئے ہیں اُن میں سے کچھ یہ ہیں:

1) سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ بندہ ربّ تعالیٰ کی ناراضی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس ربِّ کریم نے پیدا فرمایا، جو رزق دیتا ہے، جس کے حکم سے سانس چل رہا ہے، جس کی رحمت کے بغیر کوئی معمولی کام بھی درست نہیں ہو سکتا، اگر معاذ اللہ وہ ناراض ہو جائے تو انسان کے دامن میں کیا رہ جائے گا! ربّ تعالیٰ نے اپنے غضب کے مستحق بدنصیبوں کا تذکرہ کرکے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ ”یہ اِس وجہ سے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور مسلسل سرکشی کرتے رہے۔“[البقرۃ2:61]

2) دل سخت ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ! دل سخت ہو جائے تو قرآن وحدیث سننے سے ایسا ہوتا ہے کہ ”ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال دیا“، خوفِ الٰہی سے رونے کی توفیق نہیں ملتی، نمازوں اور دیگر عبادات میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى يَعْلُوَ قَلْبَهُ۔ ”مسلمان جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرلے، باز آجائے اور معافی مانگ لے تو اُس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے، اگر مزید گناہ کرے تو سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ دل پر چھا جاتی ہے۔“ پھر فرمایا: ”یہ وہ زنگ ہے جسے ربّ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ذکر فرمایا: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔[1] ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے اعمال نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔“ (مسند احمد، حدیث:7952۔ سننِ ابن ماجہ، حدیث:4244)

3) توفیقِ خیر سے محرومی۔ نیکی کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت ربِّ کریم کے کرم سے ہے، اگر وہ محروم کرے تو آہستہ آہستہ سنتیں، پھر فرائض بھی چھوٹنے لگتے ہیں اور انسان بڑے بڑے گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے، اُنھیں کرنے کے بعد شرم بھی نہیں آتی۔

4) رزق کی تنگی اور مشکلات۔ مالک کرم فرمائے تو معمولی / تھوڑے میں بھی برکت عطا فرماتا ہے اور وہ کافی ہو جاتا ہے، لیکن رحمت نہ ہو تو کثیر / زیادہ بھی بے برکتی کی وجہ سے کفایت نہیں کرتا۔ موجودہ معاشی حالات ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ یعنی ”تمھیں جو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہی ہے اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔“[الشوریٰ42:30]

---

[1] المطففین83:14

مثبت تبدیلی کا سبب... نعمتوں کی کثرت کا اِدراک

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان ہر جگہ اور ہر لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حاصل کرتا ہے اور اِس قدر زیادہ نعمتیں ملتی ہیں کہ اُنھیں گنتی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ "اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکو گے۔" [ابراھیم 14:34]

جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کی کثرت اور اپنے گناہوں کی بہتات پر غور کرتا ہے تو دل میں حیاء و شرمندگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس کی برکت سے توبہ کرنے اور اپنے اندر مثبت تبدیلی لانے کا ذہن بنتا ہے۔

توبہ کا حسین واقعہ: حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ ایک تالاب کے کنارے موجود تھے، دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا بچھو بیٹھا ہے، اتنی دیر میں ایک بڑا مینڈک تالاب سے نکلا، بچھو مینڈک پر سوار ہوا اور مینڈک نے تیرتے ہوئے اُسے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: چلو! ہم بھی دوسرے کنارے کی طرف چلیں، اِس بچھو کا عجیب و غریب واقعہ ہو گا۔ دونوں حضرات تالاب کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک نوجوان نشے کی حالت میں پڑا ہے، اچانک ایک اژدھا اُس کی طرف آیا، اُس کی ناف سے سینے پر چڑھا اور کان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ بچھو نے اُس سانپ کو دبوچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر بچھو تالاب کی طرف گیا، وہاں مینڈک پر سوار ہوا اور واپس پہلے کنارے کی طرف چلا گیا۔

سیدنا ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے نشے میں مست اُس جوان کو حرکت دے کر ہوش دلائی، اُس نے آنکھیں کھولیں تو فرمایا: اے نوجوان! دیکھ تیرے پروردگار نے کس طرح تیری جان بچائی ہے! یہ سانپ تجھے ہلاک کرنے آیا تھا اور اُس بچھو نے اِسے مار ڈالا ہے۔

وہ نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا: إِلٰهِي! هٰذَا فِعْلُكَ بِمَنْ عَصَاكَ، فَكَيْفَ رِفْقُكَ بِمَنْ يُطِيْعُكَ! اِلٰہی! اگر اپنے نافرمان کے ساتھ تُو یہ کریمانہ سلوک فرماتا ہے تو اپنے فرماں بردار پر تیری مہربانی کا عالَم کیا ہو گا!

پھر وہ جوان آگے کی طرف بڑھا اور کہنے لگا (مفہوم): اب ربّ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جا رہا ہوں، اللہ کی قسم! آئندہ کبھی بھی دُنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔[1]

(عیون الحکایات لابن الجوزی، الحکایۃ: 81، ص: 102، دار الکتب العلمیۃ۔ التوابین لابن قدامۃ، ص: 136، رقم: 90، دار ابن حزم)

ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کریں تو زبان پر یہی آئے گا: اگر اب اتنی رحمتیں ہیں تو توبہ کرنے پر کیا انعامات ہوں گے!

---

[1] ثُمَّ وَلّٰى، فَقُلْتُ: إِلٰى أَيْنَ؟ قَالَ: إِلَى الْبَادِيَةِ، وَاللّٰهِ! لَا عُدْتُّ إِلَى الْمُدُنِ أَبَدًا۔

مثبت تبدیلی کا سبب... موت کو یاد کرنا

گناہوں کی تاریکی میں چھپ کر نورِ ہدایت سے محروم رہنے کا ایک بڑا سبب "لمبی اُمّید" ہے، انسان سمجھتا رہتا ہے کہ ابھی بہت وقت باقی ہے، بالخصوص جوانی میں خیال آتا ہے کہ ابھی تو جوان ہوں، دولت کمانے اور موج مستی کرنے کا وقت ہے، اتنی جلدی کیا ہے! مرنے سے پہلے توبہ کرلوں گا۔

دینِ متین نے اِس شیطانی وسوسہ کا علاج یہ سکھایا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کریں، قبر کا منظر اپنے تصوّر میں لائیں، دوسروں کا جنازہ پڑھتے ہوئے اور اُن کی چارپائی کو کندھا دیتے ہوئے اپنی موت اور قبر کو یاد کریں، اِس عمل کی برکت سے دل نرم ہوگا اور توبہ کرکے خود کو بدلنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

سب سے بڑا عقل مند: شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: مَیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر آپ ﷺ کو سلام پیش کیا، پھر عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! سب سے بڑا عقل مند، سب سے بڑھ کر محتاط اور سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ ارشاد فرمایا: «أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَشَدُّهُمُ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ، أُولَئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ۔» یعنی "(سب سے زیادہ عقل مند، سب سے بڑھ کر محتاط اور سب سے زیادہ معزز وہ مسلمان ہیں) جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھیں اور موت آنے سے پہلے موت کے بعد کے لیے بہترین تیاری کریں، یہی سب سے بڑے دانا ہیں، اِنھوں نے دُنیا و آخرت کی عزت پائی۔"[1]

(المعجم الکبیر، حدیث: 13536۔ مکارم الاخلاق، حدیث: 3۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 4259)

"ابھی بہت وقت باقی ہے" اتنا بڑا دھوکا ہے جس نے نہ جانے کتنے لوگوں کو توبہ سے غافل رکھا اور وہ اچانک موت کی وادی میں پہنچ گئے۔ روایت کے مطابق "قیامت کے قریب اچانک موت کا ظہور ہوگا"[2]... لوگ بات چیت کرتے، کام کاج میں مصروف وفات پانے لگیں گے... یہ سب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ انتظار کیے بغیر توبہ کرکے مثبت تبدیلی کی کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] وفی روایۃ الحاکم: كُنْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَحُذَيْفَةُ وَابْنُ عَوْفٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ رضی اللہ عنہم، فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔» قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: «أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ بِهِمْ، أُولَئِكَ مِنَ الْأَكْيَاسِ۔» ثُمَّ سَكَتَ الْفَتَى۔ (المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث: 8623)
ولفظ ابن ماجۃ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا، وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا، أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ۔ (رقم الحدیث: 4259)

[2] ففي روایۃ أنسٍ مرفوعًا: وَأَنْ يَظْهَرَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ۔ (المعجم الأوسط، رقم الحدیث: 9376)

شبِ براءت... مثبت تبدیلی کا سنہری موقع

ویسے تو انسان کو ہر وقت دینی ترقّی کے لیے کوشش جاری رکھنی چاہیے، مگر کچھ مواقع ایسے ہوتے ہیں جن میں رحمتِ الٰہی سے دلوں کی کیفیت بہتر ہو جاتی ہے، سنورنے کا اِرادہ بنتا ہے اور مثبت تبدیلی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ شعبان المعظم کی پندرہویں رات بھی اِنہی حسین مواقع میں سے ایک ہے، جسے ہمارے عرف میں "شبِ برأت" کہا جاتا ہے۔ لفظِ "شبِ برأت" پر غور کرنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اِس رات کو کیسے گزارنا چاہیے اور ہم کیسے گزارتے ہیں۔

"شبِ برأت" دو الفاظ سے مرکب ہے: (۱) شب۔ (۲) برأت۔ "شب" کا معنی رات ہے اور یہ قرآن وحدیث میں مذکور لفظِ "لَیْلَة" کا ترجمہ ہے۔ "برأت" کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

1) یہ عربی زبان کا لفظ ہو، اصل میں "بَرَاءَة" تھا، جس کا معنی ہے: بری ہونا۔ چونکہ اِس رات میں اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشش فرما کر لوگوں کو جہنم سے بری فرماتا ہے، اِس لیے اِسے "شَبِ بَراءَت" (وہ رات جس میں مسلمان جہنم سے بری ہوتے ہیں) کہا جانے لگا، پھر اِس میں تخفیف کر کے شبِ برأت کہہ دیا جاتا ہے۔

2) یہ فارسی زبان کا لفظ ہو، فارسی میں "برات" کا معنی قسمت ونصیب بھی ہے، چونکہ ایک رائے کے مطابق اِس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اِس لیے اِسے "شبِ برات" (قسمت کے فیصلہ والی رات) کہا جاتا ہے۔

براءت والی رات: متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شبِ براءت میں بہت زیادہ بخشش ومغفرت فرماتا ہے۔[1]

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔ "شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا کی طرف (اپنی خاص رحمتوں، انوار وتجلیات اور عطاؤں کا) نزول فرماتا ہے، چنانچہ قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ (گناہوں) کی بخشش فرما دیتا ہے۔" (جامع ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث: 739)

---

[1] مشہور نجدی نقّاد البانی نے لکھا: مختلف اسناد جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلتِ شبِ برأت والی حدیث بلاشبہ صحیح ہے، اگر کوئی کہتا ہے کہ شبِ برأت کے بارے کوئی حدیث صحیح نہیں تو یہ اس کی کم علمی ہے۔ (سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، ج: 3، ص: 138، زیرِ حدیث: 1144، ملخصًا، مکتبۃ المعارف)
مفتی محمد شفیع (دیوبندی) نے لکھا: شبِ براءت کی فضیلت والی روایات اگرچہ باعتبارِ سند کے ضعیف ہیں، لیکن تعدّدِ طرق اور تعدّدِ روایات سے اُن کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے؛ اِس لیے بہت سے مشائخ نے اِن کو قبول کیا ہے؛ کیونکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (معارف القرآن، ج: 7، ص: 758)

ندائے ربّانی: مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا، وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا، فَإِنَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُوْلُ: أَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ لِّيْ فَأَغْفِرَ لَهٗ؟ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهٗ؟ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهٗ؟ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا؟ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ ”شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اُس میں قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو، بے شک اللہ تعالٰی سورج غروب ہونے سے طلوعِ فجر تک اپنی خاص رحمت کے ساتھ آسمانِ دنیا پر تجلّی کرتا ہے (جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے) اور فرماتا ہے: ”سنو! کوئی بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اُسے بخش دوں؟ سنو! کوئی رزق کا طلب گار ہے کہ میں اُسے رزق عطا کروں؟ سنو! کوئی مصیبت میں مبتلا ہے کہ میں اُسے عافیت دوں، یوں ہی دیگر حاجتوں کا ذکر فرماتا ہے... (رحمتوں اور عنایتوں کا) یہ سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔“

(سنن ابن ماجہ، کتاب اِقامۃ الصلوۃ، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث: 1388)

شبِ براءت میں محروم لوگ

احادیثِ طیبہ کا خلاصہ ہے کہ درج ذیل کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے سچی توبہ کے بغیر شبِ براءت میں بھی مغفرت کے حق دار نہیں بن سکتے:

- گمراہ، یعنی اُمّت کی اکثریت (اہلِ سنّت وجماعت) کے نظریات کو چھوڑ کر غلط عقائد رکھنے والا۔
- ماں باپ کا نافرمان۔
- شراب کا عادی۔
- بدکاری پر اِصرار کرنے والا۔
- قطع رحمی کرنے والا (رشتہ داری توڑنے والا)۔
- چغل خور۔
- جو شخص کسی مسلمان سے ذاتی وجوہات کی بنا پر دشمنی اور کینہ رکھے۔
- جو تکبر کی وجہ سے اپنا اِزار (شلوار اور پینٹ وغیرہ) ٹخنوں سے نیچے رکھے۔
- ظالمانہ طور پر ٹیکس وصول کرنے والا۔
- کاہن: یعنی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر یا ستاروں کی چال سے یا فال نکال کر یا جنات کے ذریعے مستقبل کی باتیں بتانے والا۔[1]

---

[1] انظر للتفصیل: فضائل الأوقات للبیہقی، رقم الحدیث: 27۔ شعب الإیمان، رقم الحدیث: 3556۔ تفسیر الثعلبی، ج:4، ص:270۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:51، ص:72۔

حرفِ آخر... شبِ براءت میں کرنے کے کام اور سپریم کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ

"ترقّی" اور "مثبت تبدیلی" سب کی چاہت ہوتی ہے، تاہم دینی ترقّی کی تمنّا فقط اُسی خوش نصیب کو ملتی ہے جسے دین کا پیار عطا ہوتا ہے۔ کاش ہمیں بھی دین کی محبت اور دینی ترقّی کی لگن نصیب ہو جائے! دینی ترقّی کے لیے "شبِ براءت" سنہری موقع ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق قرآنِ حکیم نے اِسی رات کو "لیلۃ مُبارکہ" (بابرکت رات) فرمایا ہے۔ [الدخان 3:44]

اِن گئے گزرے حالات میں اگر لوگ اِس رات کو مساجد میں جمع ہو کر توبہ واستغفار کرتے ہیں تو اِس عمل کو "بدعت" قرار دے کر اُنھیں روکنا دینی تقاضوں کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ شبِ براءت میں اِن باتوں کا خصوصی طور پر اہتمام کریں:

⟸ نمازِ عشا اور فجر باجماعت ادا کریں۔

⟸ اگر ہمارے ذمے قضا نمازیں باقی ہیں تو اُن کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

⟸ وہ کام کریں جن سے رحمت نصیب ہوتی ہے... تلاوتِ قرآنِ مجید کریں، صدقہ وخیرات کریں، نوافل پڑھیں، ذکر و دُرود اور دُعا میں مصروف رہیں، نیز مخلوقِ خدا پر مہربانی کریں۔

⟸ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر سچی توبہ کریں اور اپنے اندر مثبت تبدیلی کی کوشش کریں۔ گناہوں کے نتائج پر غور کرنے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر نظر ڈالنے اور اپنی موت کو یاد کرنے سے جلد توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

⟸ آتش بازی اور فحاشی سمیت گناہ کے تمام کاموں سے بچیں۔

⟸ اگر کسی ایسے کام میں مبتلا ہیں جسے کرنے والا رحمت سے محروم رہ جاتا ہے تو شبِ براءت سے پہلے ہی اُسے چھوڑ کر سچی توبہ کریں۔

⟸ اپنی قبر کو یاد کرنے اور ایصالِ ثواب کے لیے قبروں پر جائیں تو اچھی بات ہے۔

⟸ اگر رمضان المبارک کے کسی روزے کی قضا باقی ہو تو پندرہ شعبان کو وہ رکھیں، ورنہ نفلی روزے کا اہتمام کریں۔

شبِ براءت کے موقع پر یہ طریقہ بھی چل نکلا ہے کہ SMS، واٹس ایپ یا دیگر ذرائع سے تمام دستیاب نمبروں پر معافی نامہ بھیج دیا جاتا ہے۔ معافی مانگ لینا بہت اچھی بات ہے، اگرچہ میسج وغیرہ کے ذریعے ہی ہو، لیکن اِس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ:

⟸ سب سے پہلے اُن لوگوں کی فہرست بنائیے جن کے بارے میں معلوم ہے کہ مجھ سے اِن کی حق تلفی ہوئی ہے، پھر اُن سے رابطہ کر کے حق ادا کیجیے یا معافی کی درخواست کیجیے۔ اِن کے بعد اگر احتیاطاً ہر ایک سے معافی مانگ لی تو بہت اچھا ہے۔

⟸ معافی کی درخواست دل سے ہونی چاہیے، جس کی نشانی یہ ہے کہ آئندہ حق تلفی اور ظلم سے باز رہے، ورنہ مذاق اور دل آزاری ہے۔

⟸ کسی کی حق تلفی ہو جائے تو معافی مانگنے کے لیے شبِ براءت کا انتظار کم عقلی ہے، فوراً حق ادا کرنا چاہیے یا معافی مانگ لینی چاہیے۔

⟸ "مَیں نے تمام حقوق معاف کیے"، اِس طرح کے جملوں سے بہت سارے حقوق معاف ہو جاتے ہیں، تاہم کچھ حقوق سنگین ہوتے ہیں، اُن کے بارے میں واضح طور پر کہنا ہوتا ہے کہ مَیں نے آپ کی فلاں حق تلفی کی تھی، وہ مجھے معاف کر دیں۔

گفتگو کے آخر میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک حالیہ فیصلہ سے متعلق کچھ کہنا بھی ضروری ہے۔ کچھ روز قبل چیف جسٹس صاحب نے ایک کیس کی سماعت کی، جس میں ایک قادیانی کے خلاف ہائی کورٹ کی طرف سے عائد کی گئی فردِ جرم سے بعض دفعات کو حذف کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اپنے فیصلہ میں چیف جسٹس نے یہ بھی لکھا کہ "قرآنی اُصول اور آئینِ پاکستان کے مطابق ہر شہری کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور کسی کی آزادی کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔"

اِس حوالے سے چند باتیں اہم ہیں:

⇐ قرآن وسنت کی سینکڑوں واضح نصوص کے مطابق قادیانیوں سمیت ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانے یا نبی کی آمد کو ممکن سمجھے وہ کافر ہے اور ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ آئینِ پاکستان میں بھی یہی لکھا ہے۔

⇐ "امتناعِ قادیانیت آرڈیننس" کے مطابق قادیانی نہ تو خود کو مسلمان کہلوا سکتے ہیں، نہ ہی اپنے مذہب کی دعوت دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب کے لیے اسلامی شعائر اور اصطلاحات استعمال کر سکتے ہیں۔

⇐ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ کے فیصلہ کے مطابق قادیانی اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جب کہ دھوکا دینا کسی کا حق نہیں؛ لہٰذا قادیانیوں پر پابندی سے اُن کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ اُنھیں ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کی طرح اپنے مذہب کے لیے الگ سے شعائر، نام اور القابات بنانے چاہییں، وہ اسلامی نام، شعائر یا القابات استعمال نہیں کر سکتے۔[1]

⇐ قرآن وسنت میں مسلم حکمرانوں اور قاضیوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا تحفّظ کریں اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد پھیلانے والے بے دینوں کو کنٹرول کریں۔ "مذہبی آزادی" کو بنیاد بنا کر ہرگز قادیانیوں یا دیگر کفار کو فتنہ پھیلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

⇐ "کفار پر جبر نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، وہ اپنی خوشی سے اسلام قبول کرنا چاہیں تو کریں، ورنہ اسلامی ریاست میں ٹیکس ادا کر کے بطور اقلیت رہیں اور اُنھیں انصاف حاصل ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ جیسے چاہیں اسلام کا مذاق اُڑاتے پھریں، اُنھیں روکا نہیں جائے گا۔

⇐ چیف جسٹس اور دیگر قانونی وانتظامی عہدے داران پر لازم ہے کہ وہ قادیانیوں کی تمام سرگرمیوں اور کتابوں پر عملی طور پر پابندی عائد کریں اور اُن کی موجودہ کتابوں کو ضبط کروائیں۔

⇐ دینی مقدّسات کے بارے میں جذباتی اور غیرت مند ہونا ایمانی تقاضا ہے، ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو سبق دینے کے بجائے اپنے ایمانی جذبات کو جوان کریں۔ قبر میں عہدے کام نہیں آئیں گے، خاتم النبیین ﷺ سے وفا کام آئے گی۔

---

[1] ظہیر الدین بنام ریاست، SCMR 1718، سالِ اشاعت: 1993ء

۱۹ شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ / یکم مارچ 2024ء

فتنوں سے متعلق نبوی تعلیمات

مشمولات

- مختلف آزمائشیں اور دین میں آزمائش سے بچنے کی دُعا
- حالیہ فتنہ... تفسیر بالرائے
- ربّ تعالیٰ سے دُعا
- حالیہ فتنہ... عربی الفاظ والا لباس
- فتنوں سے دُور رہنا
- استقامت میں مشکلات اور فتنوں سے بچنے کے ذرائع
- فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... علمائے حق کی طرف رجوع اور عقائدِ حقہ پر استقامت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ۔ [آل عمران 8:3]

اللہ تعالیٰ مختلف ذرائع سے بندوں کی آزمائش فرماتا ہے۔ مال کے ذریعے بھی آزمائش ہوتی ہے، کبھی حرام کمائی کو ممکن بنا دیا جاتا ہے کہ لیتا ہے یا چھوڑتا ہے، کبھی دولت وافر دی جاتی ہے کہ اپنے مالک سے غافل ہو جاتا ہے یا تابع فرمان رہتا ہے اور کبھی مالی حالت کمزور کر دی جاتی ہے کہ صبر کرتا ہے یا شکوہ و شکایت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اولاد بھی فتنہ ہے کہ انسان اولاد کی محبت میں اپنے مالک کا حکم بھول جاتا ہے یا فرماں بردار رہتا ہے۔ خواتین کے ذریعے بھی مَرد کو پرکھا جاتا ہے کہ وہ شریعت کے دائرے میں رہتا ہے یا خواہشات کے جال میں پھنس کر گناہ کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ شہرت اور منصب بھی جانچنے کا ذریعہ ہیں کہ یہ چیزیں انسان کو مُتکبر اور سرکش بناتی ہیں یا وہ مالکِ حقیقی کے سامنے عاجز بن کر رہتا ہے۔

سب سے خطرناک آزمائش وہ ہے جس کی وجہ سے دینی نقصان کا خدشہ ہو... مثلاً عقیدہ خراب ہونے کا امکان ہو یا بے ادب ہو جانے کا ڈر ہو یا عبادات چھوٹ سکتی ہوں یا حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔ یہ فتنہ زیادہ سخت اِس لیے ہے کہ دُنیاوی فتنے کا نقصان عارضی ہے، جب کہ دین میں پیدا ہونے والے فتنے کی وجہ سے خدانخواستہ آخرت بھی تباہ ہو سکتی ہے۔

سرورِ عالم ﷺ جو دُعا کثرت سے مانگا کرتے تھے اُس میں یہ الفاظِ کریمہ بھی شامل ہیں: وَلَا تَجۡعَلۡ مُصِیۡبَتَنَا فِی دِیۡنِنَا! یعنی "اے اللہ! ہمیں ایسی مصیبت و آزمائش میں مبتلا نہ کرنا جس سے ہمارا دینی نقصان ہو!" (جامع ترمذی، حدیث: 3502)

نبیِ مکرم ﷺ نے جو غیبی خبریں عطا فرمائیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب فتنے بہت زیادہ ہوں گے، ایک فتنہ ختم نہیں ہو گا کہ دوسرا سر اُٹھانے لگے گا، حتّٰی کہ مسلمان کو اُن لوگوں پر رشک آئے گا جو فتنوں میں مبتلا ہونے سے پہلے اپنا دین بچا کر دُنیا سے چلے گئے اور اُسے چاہت ہو گی کہ کاش! فلاں ایمان کے ساتھ وفات پانے والے کی جگہ مَیں ہوتا۔

نبیِ غیب داں ﷺ نے جن حالات کی نشان دہی فرمائی تھی وہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، روز کوئی نیا شوشہ سامنے آتا ہے، شہرت یا دیگر مفادات کے لیے ایسی انوکھی باتیں پھیلائی جاتی ہیں جو پہلے مسلمانوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی ہوں گی۔

سرورِ عالم ﷺ کا یہ بھی احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے فقط فتنوں کی نشان دہی نہیں فرمائی بلکہ اُن سے بچنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ یقیناً آج ہمیں شدت کے ساتھ ضرورت ہے کہ اپنا ایمان بچانے کے لیے وہ طریقے اختیار کریں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں فتنوں سے متعلق جانِ عالم ﷺ کی تعلیمات کا تذکرہ ہو گا۔

فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... ربّ تعالیٰ سے دُعا

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی بھلائی تب ہی نصیب ہوتی ہے جب ربّ تعالیٰ عطا فرمانا چاہے اور اُسی کو ملتی ہے جسے مالکِ کریم دینا چاہے۔ چنانچہ فتنوں سے بچنے اور ایمان کو محفوظ کرنے کے لیے سب سے اہم اور پہلا کام یہ ہے کہ ہم کثرت کے ساتھ اپنے ربِّ کریم کی بارگاہ میں ایمان کی حفاظت اور فتنوں سے بچاؤ کی التجائیں پیش کیا کریں۔

قرآنی دُعا: قرآنِ مجید کے مطابق ماہر علمائے دین کی دُعاؤں میں یہ عرض بھی شامل ہوتی ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ ”اے ہمارے ربّ! تُو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اِس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تُو بہت عطا فرمانے والا ہے۔“ [آلِ عمران 8:3]

علمائے کرام نے لکھا: کثرت کے ساتھ یہ دُعا کرنے پر ربِّ کریم کے فضل سے خاتمہ بالخیر نصیب ہوتا ہے۔ (صراط الجنان، ملخصًا)

نبوی دُعائیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دُعا تعلیم فرمائی[1]: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ، وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ، إِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔» ”اے اللہ! مَیں اِس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جان بوجھ کر کسی کو تیرا شریک بناؤں اور جو مَیں نہیں جانتا اُس کی تجھ سے بخشش مانگتا ہوں، بے شک تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔“

علمائے کرام نے لکھا: یہ دُعا صبح شام پڑھنی چاہیے، ارشادِ نبوی کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایمان محفوظ رہے گا۔
(درّ مختار، کتاب الجہاد، باب المرتد، ص:345، دار الکتب العلمیۃ۔ فتاوٰی عالم گیری، ج:2، ص:283)

نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُمّت کو سکھانے کے لیے یہ دُعا بھی کیا کرتے تھے:

- اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ، وَإِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ۔ یعنی ”اے اللہ! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بھلائیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا کر دے، میرے دل میں مسکینوں کی محبت پیدا فرما دے اور مغفرت و رحمت سے نواز دے اور جب تو کسی قوم کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنے سے محفوظ رکھتے ہوئے (ایمان کی سلامتی کے ساتھ) وفات دینا۔“
- وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُ إِلٰى حُبِّكَ۔ ”اِلٰہی! مَیں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں کا پیار اور تیری محبت کے قریب کرنے والے اعمال کی چاہت مانگتا ہوں۔“ (جامع ترمذی، حدیث:3235، 3233)

---

[1] کتبِ حدیث میں یہ کلمات بھی مذکور ہیں: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ۔ (الادب المفرد:716)

فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... فتنوں سے دُور رہنا

ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ نقصان دہ چیز سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے قریب جانے سے گریز کیا جائے۔ خدانخواستہ کہیں آگ لگی ہو تو کون عقل مند بلاوجہ اُس کے پاس جائے گا! کون سادانا حفاظتی تدابیر کا اہتمام کیے بغیر شہد کی مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالے گا! اور کون سادانش مند ذائقہ چکھنے کے لیے زہر منہ میں ڈالے گا! فتنوں سے بچنے کا بہترین طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اُن سے دُور رہے، فتنہ پھیلانے والوں کی باتیں نہ سنے، فتنہ پروروں کے پاس نہ بیٹھے اور کسی بھی طریقے سے فتنہ انگیزوں کے عمل میں شریک نہ ہو۔ یہی دانائی ہے، اِسی میں بھلائی ہے اور قرآن وسنت میں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ،[1] يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا أَوْ يُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا۔[2]» یعنی ”جلدی جلدی اچھے اعمال کر لو، اِس سے پہلے کہ اندھیری رات کے ٹکڑوں جیسے فتنے پیدا ہوں (جیسے رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا ایسے ہی اُن فتنوں میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو گا)، آدمی صبح کو مؤمن ہو گا اور شام کو کافر یا شام کو مؤمن ہو گا اور صبح کو کافر (لوگ ایمان کے بارے میں اتنے سُست اور لاپرواہ ہو جائیں گے کہ بہت جلد ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے)، انسان معمولی دنیاوی دَولت کے لیے اپنا ایمان بیچ دے گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث:118)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی یہ ارشادِ نبوی بھی روایت کیا: تَكُوْنُ فِتْنَةٌ[3] النَّائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَقْظَانِ، وَالْيَقْظَانُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ،[4] فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَسْتَعِذْ۔ یعنی ”عن قریب بڑے بڑے فتنے ہوں گے، اُن میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہو گا، جاگنے والا (جو بیٹھا رہے) کھڑے سے بہتر ہو گا اور کھڑا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا (انسان فتنوں سے جتنا دُور رہے گا اُتنا ہی اُس کا ایمان محفوظ ہو گا)، تو جسے (فتنوں سے بچنے کے لیے) کوئی پناہ ملے وہ اُسے اختیار کرے۔“ (صحیح مسلم، حدیث:2886)

---

[1] وَالْمَعْنٰى: كَقِطَعٍ مِنَ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ؛ لِفَرْطِ سَوَادِهَا وَظُلْمَتِهَا وَعَدَمِ تَبَيُّنِ الصَّلَاحِ وَالْفَسَادِ فِيْهَا۔ (مرقاة المفاتيح:3383/8)

[2] قال الأمير الكحلاني: (بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا) أَيْ مَتَاعٍ؛ لِلْإِعْلَامِ بِأَنَّهٗ يَتَسَاهَلُ النَّاسُ بِأَمْرِ الدِّيْنِ وَلَا يَقْدِرُوْنَ شَيْئًا۔ (التنوير شرح الجامع الصغير، تحت الحديث:3102)

[3] وفي رواية: سَتَكُوْنُ فِتَنٌ (بلفظ الجمع)۔ قال القاري: أَيْ: عَظِيْمَةٌ أَوْ كَثِيْرَةٌ، مُتَعَاقِبَةٌ مُتَوَالِيَةٌ أَوْ مُتَرَاخِيَةٌ۔ (مرقاة:3384/8)

[4] فَالْخَلَاصُ فِي التَّبَاعُدِ مِنْهَا وَالْهَلَاكُ فِيْ مُقَارَبَتِهَا۔ (أيضًا)

ہماری حالتِ زار: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے فتنوں سے پوری طرح دُور رہیں، مگر اِس حوالے سے ہماری صورتِ حال بہت افسوس ناک ہے۔

⟸ عمومی مزاج یہ ہے کہ ہم سوشل میڈیا پر ہر طرح کے لوگوں کی گفتگو سنتے ہیں اور کہتے ہیں: ”ہم تو ویسے ہی سن رہے تھے“، اپنے ضمیر سے پوچھیے! کیا کوئی شخص ویسے ہی زہر چکھتا ہے یا ویسے ہی دہکتی آگ میں ہاتھ رکھتا ہے؟

⟸ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو فتنہ پروروں کی باتیں سنتے ہیں اور پھر اُن کے بارے میں لوگوں کے سامنے بحث کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بہت باخبر شخصیت ہیں، یہ نبوی تعلیمات کے خلاف ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْفِتَنَ، فَإِنَّ اللِّسَانَ فِيهَا مِثْلُ وَقْعِ السَّيْفِ۔»[1] یعنی ”فتنوں میں پڑنے سے بچو! فتنہ پھیلانے کے لیے زبان استعمال کرنے کا گناہ ایسے ہی ہے جیسے ناحق خون بہانے کے لیے تلوار چلانے کا گناہ ہے۔“[2] (سننِ ابن ماجہ، حدیث: 3968)

⟸ نادان لوگ فتنہ پروروں کے کلپس اور تحریریں یہ سمجھ کر وائرل کرتے ہیں کہ وہ اِس طرح سے فتنہ کو روکیں گے، حالانکہ وہ نادانستہ طور پر فتنہ پھیلانے کے جُرم میں شریک ہو رہے ہوتے ہیں۔ روکنے کا طریقہ یہ نہیں کہ زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، بلکہ روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ قانونی طریقہ کار کے مطابق متعلقہ اداروں کو رپورٹ کیا جائے۔

⟸ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو بغیر تحقیق کیے ہر بات کو شیئر کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولِ مکرم ﷺ اور اکابرِ دین کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ ”انسان کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 5) یعنی ایسا شخص ضرور جھوٹ میں مبتلا ہو جائے گا؛ کیونکہ ہر بات کا سچا ہونا ممکن ہی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ فتنوں اور فتنہ پھیلانے والوں سے انسان جتنا دُور رہے اُتنا ہی اُس کے حق میں بہتر ہے۔

سیدنا مِقداد بن اَسْوَد کندی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ۔۔۔» یعنی ”بے شک وہ شخص ضرور خوش نصیب ہے جسے فتنوں سے دُور رکھا گیا، بلاشبہ وہ شخص ضرور سعادت مند ہے جسے فتنوں کے قریب آنے سے بچا لیا گیا، یقیناً وہ شخص ضرور نیک بخت ہے جسے فتنوں سے الگ رکھا گیا۔۔۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث: 4263)

---

[1] وفی روایۃ: اَللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ۔ (الجامع للترمذی، رقم الحدیث: 2178۔ السنن لأبی داؤد، رقم الحدیث: 4265)

[2] قال الأمیر الکحلانی: (إِيَّاكُمْ وَالْفِتَنَ) أَيْ بِالْخَوْضِ فِيهَا فَاحْذَرُوهُ (فَإِنَّ وَقْعَ اللِّسَانِ فِيهَا) بِالْخَوْضِ وَالتَّهَيُّجِ لِشَرِّهَا وَفَتْحِ بَابِهَا (مِثْلُ وَقْعِ السَّيْفِ) فِي الْإِثْمِ۔ (التنویر شرح الجامع الصغیر، تحت الحدیث: 2892)

فتنوں سے بچنے کا ذریعہ... علمائے حق کی طرف رجوع اور عقائدِ حقہ پر استقامت

زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق کوئی پیچیدگی پیش آئے تو اُس کا بہتر حل اُس شعبہ کے ماہرین ہی نکال سکتے ہیں۔ بجلی کا بریک ڈاؤن ہو جائے تو حل نکالنے کے لیے کسی جج سے درخواست نہیں کی جائے گی، بلکہ حسبِ موقع اِس شعبہ کے افراد بحالی کا کام کریں گے اور کوئی قانونی بحران پیدا ہو تو فوج کو نہیں بلایا جائے گا، بلکہ قانون سے وابستہ افراد ہی اُس بحران کو ختم کریں گے... ایسے ہی اگر دین سے متعلق کوئی فتنہ پھیلانے کی کوشش کی جائے، دین پر اعتراضات کیے جائیں یا دین سے متعلق شبہات پیدا کیے جائیں تو قرآن وسنت کا علم رکھنے والے علمائے حق سے ہی راہ نمائی لی جائے گی... نہ جانے ایسے موقع پر لوگ کیوں انجینئرز اور اینکرز وغیرہ کی طرف بھاگتے ہیں!

فتنوں سے بچنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ عقائدِ اہلِ سنت پر استقامت اختیار کی جائے اور علمائے حق سے راہ نمائی حاصل کی جائے۔

حکمِ ربّانی: ربّ تعالیٰ نے بندوں کی راہ نمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ ”اور جب (فساد کا سبب بننے والی) امن یا خوف کی کوئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اُسے پھیلانے لگتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اُس بات کو رسولِ مکرم (ﷺ) اور اپنے بااختیار (علم والے) لوگوں کی خدمت میں پیش کرتے (خود فتنہ بپا نہ کرتے) تو ضرور اُن میں سے نتیجہ نکالنے کی صلاحیت رکھنے والے افراد اس (کی حقیقت) کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم میں سے چند ایک کے علاوہ سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔“ [النساء4:83]

اِس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو فتنہ وفساد ختم کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے اور علما سے وضاحت پوچھنے کے بجائے فتنہ کی بات پھیلانے والوں کی مذمت بھی فرمائی گئی ہے۔

نبیِ کریم ﷺ نے مختلف احادیثِ مبارکہ میں یہ تربیت فرمائی کہ میری اُمّت کی اکثریت عقائد کے حوالے سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، تم فرقہ پرستی سے بچنا اور اکثریت (اہلِ سنت وجماعت) کے نظریات اختیار کرنا۔ کسی حدیث میں فرمایا: ”جماعت“ کو اختیار کرنا۔ کسی میں فرمایا: ”سوادِ اعظم“ کی پیروی کرنا۔ کسی میں فرمایا: ”میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا“۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی طویل حدیث پاک میں یہ کلمات بھی ہیں: عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ.. مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ... یعنی ”تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت (اکثریت، سوادِ اعظم) کے نظریات پر قائم رہو اور اُن کی پیروی کرو، فرقوں (اکثریت کے نظریات چھوڑنے والے گمراہوں) سے بچو.... جو جنت کے وسط میں (اعلیٰ) محل کی خواہش رکھتا ہو وہ جماعت (سوادِ اعظم) کی پیروی کرے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2165)

حالیہ فتنہ... تفسیر بالرائے

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اِس کے کسی بھی لفظ یا حرکت میں جان بوجھ کر تبدیلی کرنا سخت گناہ ہے، یوں ہی جان بوجھ کر اِس کے مفہوم کو تبدیل کرنا بھی بہت بڑا جُرم ہے۔

اگر کوئی شخص قرآنِ حکیم کی ایسی تشریح کرتا ہے جو دیگر آیاتِ کریمہ یا ارشاداتِ نبویہ یا اُصولِ دین کے خلاف ہے تو وہ آخرت میں بھی سزا کا مستحق ہوگا اور اسلامی ریاست کی عدالت بھی اُسے سزا دے گی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ "جو شخص علم کے بغیر قرآن کی تفسیر کرے وہ جہنم کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث: 2950)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہی یہ ارشادِ نبوی بھی روایت کیا: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ "جو (شرعی اُصولوں کے برعکس) اپنی رائے سے قرآن کا معنی بیان کرے وہ دوزخ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔" (ایضاً، حدیث: 2951)

ہمارے دَور میں فتنہ پرور لوگ ایسے بے لگام ہوتے جارہے ہیں کہ جس کا جو جی چاہتا ہے بکنے لگتا ہے۔ چند روز قبل صادق آباد، ضلع رحیم یار خان (جنوبی پنجاب) کے ایک ایڈووکیٹ مظہر غفور کی ویڈیو وائرل ہوئی، جس میں وہ ملعون کہتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں "رسول" کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، یہاں "رسول" سے سرورِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس مراد نہیں، بلکہ ہر وہ شخص مراد ہے جو قرآن کے مطابق فیصلے کرتا ہے، نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ اِس شخص کے خلاف قانونی کارروائی کا آغاز ہو چکا ہے اور پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا ہے۔ ذمہ داروں کو چاہیے کہ ایسے مجرموں کو عبرت ناک سزا دیں؛ تاکہ کوئی دوسرا یہ جرأت نہ کر سکے۔

اِس حوالے سے خلیفۂ اول بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ گرامی خوب تربیت کرتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سب سے زیادہ علم والے تھے، اِس کے باوجود قرآنِ حکیم کی تشریح سے متعلق اللہ تعالیٰ کا خوف اور اِس قدر احتیاط تھی کہ فرمایا کرتے: «أَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي وَأَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللهِ مَا لَا أَعْلَمُ۔» یعنی اگر مَیں قرآنِ حکیم سے متعلق وہ بات بیان کروں جو مجھے معلوم نہیں ہے تو زمین و آسمان میں مجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: 30103، ج: 6، ص: 136، مکتبۃ العلوم والحکم)

اِن احادیث و روایات میں جہاں فتنہ پروروں کے حق میں سخت وعید ہے وہاں اُن لوگوں کے لیے بھی سبق ہے جو قرآن و حدیث سے متعلق بات کرتے ہوئے احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ مکمل تحقیق کے بغیر قرآن و سنت کی تشریح کرنا سخت جرم ہے۔

حالیہ فتنہ... عربی الفاظ والا لباس

26 فروری کو لاہور میں ایک خاتون بطور فیشن ایسا لباس پہنے گھوم رہی تھی جس پر عربی کے کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے، لوگوں میں اشتعال پیدا ہوا۔ چنانچہ پولیس نے اُسے اپنی حفاظت میں لے لیا اور تھانے میں جا کر اُس خاتون نے اپنی اِس حرکت پر معذرت کر لی۔

یہ بات درست ہے کہ اِس موقع پر موجود افراد کو از خود کارروائی کرنے کے بجائے قانونی راستہ اپنانا چاہیے تھا، مگر اِس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ اُس خاتون کو ہر گز ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی جس سے مسلمانوں میں تشویش پیدا ہوئی۔

اِس وقت بعض لوگ بلاوجہ یہ بحث کر رہے ہیں کہ لباس پر عربی الفاظ لکھنے میں کوئی حرج نہیں، یہ بھی تو دیگر زبانوں کی طرح ایک زبان ہی ہے۔ اِس حوالے سے شرعی حکم یہ ہے کہ:

⟸ قرآنِ حکیم کے کسی بھی لفظ کی توہین کرنا کفر ہے؛ لہٰذا اگر کوئی بھی قرآنی لفظ کسی بھی بے ادبی والی جگہ توہین کے لیے لکھا جائے تو کفر ہے، بغیر اِرادے کے غلطی سے ایسا ہو جائے تو کفر نہیں، تاہم گناہ ہے۔

⟸ عربی کے وہ الفاظ جو قرآنِ حکیم میں نہیں ہیں، البتہ اُنہی الفاظ سے قرآنی الفاظ بنتے ہیں اُن کی تعظیم بھی لازم ہے اور جان بوجھ کر اُن کی توہین کرنا گناہ کا ذریعہ ہے۔

⟸ حروفِ تہجی: ا، ب، ت، ث وغیرہ بھی قابلِ تعظیم ہیں۔ علما نے لکھا: یہ اللہ کریم کی طرف سے سیدنا ہود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر نازل ہوئے تھے۔ (ردّ المحتار، کتاب الطھارۃ، قبیل باب المیاہ، ج:1، ص:356، دار المعرفۃ)

علما نے یہ بھی لکھا کہ فرعون اور ابو جہل وغیرہ لعنتی کافروں کے نام اگرچہ توہین کے قابل ہیں، تاہم حروف کی تعظیم کی وجہ سے اِن ناموں کو لکھ کر اُنھیں نشانہ نہ بنایا جائے۔[1] (فتاوٰی عالم گیری، ج:5، 323، المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ۔ فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:336)

⟸ لباس پر عربی لکھنا درست نہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ دینِ متین اُن کاموں سے بچنے کا حکم دیتا ہے جن سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے یا مسلمانوں میں تشویش پیدا ہو۔[2]

سیدنا نُعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشادِ گرامی روایت کیا، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ۔ ”جو مُشتبہ (شبہ والی) چیزوں سے بچے اُس نے اپنے دین کو بھی بچا لیا اور اپنی عزت کو بھی محفوظ کر لیا۔“ (صحیح مسلم، حدیث:1599)

---

[1] إِذَا كُتِبَ اسْمُ فِرْعَوْنَ أَوْ كُتِبَ أَبُوْ جَهْلٍ عَلَى غَرَضٍ يُكْرَهُ أَنْ يَرْمُوْا إِلَيْهِ؛ لِأَنَّ لِتِلْكَ الْحُرُوْفِ حُرْمَةً۔ (الفتاوی الھندیۃ:323/5)

[2] قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ: «مَنْ عَرَّضَ نَفْسَهُ لِلتُّهَمَةِ فَلَا يَلُوْمَنَّ مَنْ أَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ۔» (الزھد لأبی داؤد، رقم:83)

حرفِ آخر... استقامت میں مشکلات اور فتنوں سے بچنے کے ذرائع

حکمتِ الٰہیہ کے مطابق ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ مسلمانوں کو مختلف طرح سے آزمایا جاتا ہے، یوں فرماں برداروں کے اجر وثواب میں اِضافہ ہوتا ہے اور نافرمانوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔

فتنے تو بہت سے ہیں... جیسا کہ مال کا فتنہ، اولاد کی آزمائش، خواتین کی بے پردگی کا مسئلہ، شہرت ومنصب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات... مگر سب سے خطرناک اور پریشان کُن مصیبت وآزمائش وہ ہے جو دین سے متعلق ہو، جس کی وجہ سے دینی نقصان کا خدشہ ہو... مثلاً عقیدہ خراب ہونے کا امکان ہو یا بے ادب ہو جانے کا ڈر ہو یا عبادات چھوٹ سکتی ہوں یا حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

سرورِ عالم ﷺ نے اپنی اُمّت کو مختلف آزمائشوں اور فتنوں سے بھی آگاہ فرمایا اور اُن کا حل بھی ارشاد فرمایا۔ قربِ قیامت کی صورتِ حال بھی بیان فرمائی اور اُس میں ایمان بچانے کے گُر بھی سکھائے۔

نبیِ رحمت ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ فتنوں کے دَور میں اسلام پر استقامت کے ساتھ عمل کرنے والے شخص کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔ یعنی "لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جیسے مٹھی میں (دہکتا ہوا) کوئلہ لینے سے سخت تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے، ایسے ہی اُس زمانے میں اپنے دین کی حفاظت پر صبر کرنے والے کو نہایت مشقت اُٹھانا پڑے گی۔ (جامع ترمذی:2260)

ہمارا دَور فتنوں کا زمانہ ہے، دین سے متعلق کثرت سے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں، آئے روز ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے، کئی طرح کے افراد سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، قرآن وسنت کی ایسی تشریحات پیش کی جارہی ہیں جو چودہ صدیوں میں علما نے کبھی نہیں کیں۔

اِن حالات میں ہمیں سرورِ عالم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایمان بچانے کے لیے بھرپور طریقے سے کوشش کرنا لازم ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ:

1) ربّ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے کثرت کے ساتھ یہ دُعا کیا کریں کہ وہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ قرآنِ حکیم نے بھی اِس کا حکم دیا ہے اور سرورِ عالم ﷺ بھی ہماری تربیت کے لیے فتنوں سے حفاظت کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ مالکِ کریم اپنی رحمت سے حفاظتِ ایمان کی دُعائیں کرنے والوں کا ایمان محفوظ رکھتا ہے۔

2) یہ بھی ضروری ہے کہ فتنوں اور فتنہ پھیلانے والوں سے دُور رہیں، نہ اُن کی باتیں سنیں، نہ اُن کے پاس بیٹھیں اور نہ ہی کسی بھی طرح سے اُن کے عمل میں شریک ہوں۔ ہر ذی شعور شخص بجلی کے تار سے خود کو دُور رکھتا ہے، زہر سے بچتا ہے، شیر کو دیکھ کر دُور بھاگتا ہے... فتنوں سے دُور رہنا اِس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔

3) یہ بھی اہم ہے کہ عقائدِ اہلِ سنّت پر استقامت اختیار کریں، فرقوں اور گمراہوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے متعدد ارشادات میں واضح طور پر سوادِ اعظم (مسلمانوں کی اکثریت) کے نظریات پر استقامت کا حکم فرمایا ہے۔

4) دین سے متعلق پھیلائے جانے والے شبہات میں سے اگر کوئی ہمارے ذہن میں بیٹھ جائے یا کسی بھی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو علمائے حق سے راہ نمائی حاصل کریں۔ جیسے قانون کا مسئلہ پلمبر سے معلوم کرنا حماقت ہے، ایسے ہی دینی معاملات میں علمائے حق کے علاوہ کسی سے راہ نمائی لینا نہایت کم عقلی ہے۔

نبیِ مکرم ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ قیامت کے قریب اُمّت دُنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر موت سے ڈرنے لگے گی اور جہاد سے غافل ہو جائے گی، یوں کفار بے خوف ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔[1] اِس غیبی خبر کی تصدیق ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

07 اکتوبر سے غزہ پر جاری اسرائیلی درندگی میں 30,000 کے قریب بے گناہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہیں۔ اسرائیلی وحشیوں کی بمباری اور فائرنگ سے ہسپتال محفوظ ہیں نہ ہی عالمی اداروں کے زیرِ انتظام چلنے والی پناہ گاہیں۔ دوسری طرف اُمّتِ مسلمہ کے حکمران فقط مذمت کر رہے ہیں اور جہاد کا نام لینے سے بھی ہچکچاتے ہیں۔ کاش! اُمّت نے اپنے کریم آقا ﷺ کے ارشادات سے راہ نمائی لی ہوتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔

---

[1] سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا.» "قریب ہے کہ قومیں (دشمنانِ اسلام) تمہارے خلاف اتحاد کر لیں / ایک دوسرے کو تمہارے مقابلے کے لیے یوں دعوت دیں جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو پیالے کی طرف دعوت دیتے ہیں۔" کسی نے عرض کی: کیا ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایسا ہو گا؟ ارشاد فرمایا: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ.» بلکہ اُس وقت تمہاری تعداد بہت ہو گی، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو گے (جیسے جھاگ دکھائی دیتا ہے، مگر اُس کی قدر نہیں ہوتی، ایسے ہی تم بھی بزدلی، نااتفاقی اور آرام طلبی وغیرہ کی وجہ سے تعداد زیادہ ہونے کے باوجود بے قدر ہو جاؤ گے)، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں وَہن (کمزوری / ضُعف) پیدا ہو جائے گا۔ کسی نے پوچھا: "وہن" کی وجہ کیا ہو گی؟ فرمایا: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.» "دُنیا کی محبت اور موت کا خوف۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 4297)

۲۶ شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ / 08 مارچ 2024ء

کس قدر شان سے آتا ہے مُبارک رَمَضان!

(مع تبصرہ بر عورت مارچ)

مشمولات

- بندگی کی اہمیت اور رمضان المبارک کی برکات
- آمدِ رمضان پر خوشی کا اِظہار
- آمدِ رمضان پر گناہوں سے توبہ
- آمدِ رمضان پر قرآنِ حکیم سے تعلق کی پختگی
- صحتِ تلفّظ، ذوقِ تلاوت اور توجہ سے سماعت
- سمجھنے کی کوشش اور احکام پر عمل
- آمدِ رمضان پر اعمالِ صالحہ میں کثرت کی پختہ نیت
- آمدِ رمضان سے متعلق اہم اُمور اور ”عورت مارچ“

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ۔۔۔[البقرۃ2:185]

وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔[النور24:31]

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے... اُسے نہ تو کسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے کسی دوسرے کی حاجت ہے، نہ ہی وہ نظامِ دُنیا کو باقی رکھنے کے لیے کسی کا محتاج ہے... نہ وہ کسی کی عبادت کا دست نگر ہے، نہ ہی مخلوق کی اِطاعت یا نافرمانی سے اُس کی سلطنت پر کوئی فرق پڑتا ہے... تاہم اُس نے جن وانس کی بھلائی کے لیے اُنھیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اِسے اُن کی پیدائش کا مقصود قرار دیا ہے۔

ربِّ کریم کا ارشادِ گرامی ہے: وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ۔ "اور مَیں نے جن اور انسان اِسی لیے بنائے کہ وہ میری عبادت کریں۔" [الذّٰریٰت51: 56]

بندگی انسان کی پیدائش کا مقصود بھی ہے اور اُس کے لیے عزتوں کا ذریعہ بھی... جس قدر بندگی کی توفیق نصیب ہوتی ہے اُسی قدر اِعزازات میں اِضافہ ہوتا ہے۔

عبادت کسی مہینے، دن یا لمحے کے ساتھ خاص نہیں... بندے کو ہر لمحہ "بندہ" بن کر ہی رہنا چاہیے... تاہم ربِّ کریم نے اپنے بندوں کو نوازنے کے لیے کچھ اوقات کو فضیلت عطا فرمائی ہے... اُن میں بندگی کا لُطف دیگر لمحات سے بڑھ کر ہوتا ہے اور اُن میں عبادت کا اجر وثواب دیگر اوقات کی بہ نسبت زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک بھی اُن اوقات میں سے ہے جن میں بندوں پر خصوصی عطائیں ہوتی ہیں... اِس ماہِ مبارک کو ربّ العزت نے اپنا کلام نازل کرنے کے لیے منتخب فرمایا... یہ مسلمانوں کے دلوں کے لیے باعثِ سکون ہے... روزہ داروں کے لیے قُربِ خاص پانے کا سنہری موقع ہے... قرآنِ حکیم سے محبت کرنے والوں کے لیے فصلِ ربیع ہے... عبادت گزاروں کا موسمِ بہار ہے... گناہ گاروں کے لیے مغفرت اور نیکوکاروں کے لیے بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے... اِس میں رحمتِ الٰہی کی بارش موسلا دھار برستی ہے... جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں... شیطان قید میں ہوتا ہے اور پورا ماحول ہی پُرنور ہو جاتا ہے۔

چند دنوں بعد یہ مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُس کی قدر کرنا ضروری ہے، قدر نہ کی جائے تو سونا (Gold) بھی مٹی کے برابر ہو جاتا ہے اور قدر کی جائے تو بعض اوقات معمولی چیز بھی بڑے فوائد کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

رمضان المبارک کی قدر جاننے کے لیے اِس خوب صورت کلام پر غور فرمایئے!

کس قدر شان سے آتا ہے مبارک رَمَضان
رَونقیں ساتھ میں لاتا ہے مبارک رَمَضان

رب ہے روزوں کی جزا، پڑھ لو حدیثِ قدسی
یہ شرف خوب دلاتا ہے مبارک رَمَضان

ختمِ قرآں بھی تراویح میں ہوتے ہیں بہت
حُبِّ قرآں کو بڑھاتا ہے مبارک رَمَضان

اعتکاف اور تراویح و شبِ قدر کی بھی
محفلیں خوب سجاتا ہے مبارک رَمَضان

فرض کی مثل ملا کرتا ہے نفلوں کا ثواب
یہ فضیلت بھی دلاتا ہے مبارک رَمَضان

فرض اعمال کا ستّر گنا ملتا ہے ثواب
فَضْل کا تاج سجاتا ہے مبارک رَمَضان

ماہِ رَمْضاں کی شبِ قدر میں اُترا قرآن
شان کتنی بڑی پاتا ہے مبارک رَمَضان

جب گھڑی آتی ہے فرقت کی توسوغاتِ عید
جاتے جاتے دیے جاتا ہے مبارک رَمَضان

اے نَدیم![1] اِس مہِ ذی شاں کے فضائل ہیں بہت
بَرکتیں خوب لُٹاتا ہے مبارک رَمَضان

چنانچہ آج کے خطبہ میں کچھ ایسے اُمور کا ذکر ہو گا جنھیں اختیار کر کے ہم ماہِ رمضان کی ڈھیروں برکتیں حاصل کر سکتے ہیں۔

---

[1] کلام: مولانا محمد ندیم احمد ندیم نورانی

آمدِ رمضان پر خوشی کا اِظہار

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ملے تو دل میں خوشی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ خوشی دو طرح کی ہوتی ہے:

1) ناپسندیدہ خوشی: نعمت ملنے پر دل میں خوشی پیدا ہو اور توجہ نعمت دینے والے کی طرف نہ ہو، بلکہ اِس نعمت کو اپنا کمال سمجھے یا اِس کی وجہ سے دوسروں کو کمتر سمجھے یا اِس پر ناجائز کاموں کے ذریعے خوشی کا اِظہار کرے۔ یہ خوشی ناپسندیدہ ہے۔

2) پسندیدہ خوشی: نعمت ملنے پر دل میں خوشی ہو اور توجہ نعمت دینے والے ربِّ کریم کی طرف ہو، اِس نعمت کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے اور شرعی طریقے سے خوشی کا اِظہار کرے۔ یہ خوشی پسندیدہ ہے اور اِس کا حکم دیتے ہوئے مالکِ کریم نے فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ "(اے حبیب!) آپ فرما دیجیے: اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت پر ہی خوشی منانی چاہیے، یہ اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔" [یونس 58:10]

یقیناً یہ ربّ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور عظیم احسان ہے کہ اُس نے ہمیں زندگی میں ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کی رحمتیں سمیٹنے کا موقع عطا فرمایا، چنانچہ اِس انعام پر اپنے ربِّ کریم کا شکر ادا کرنے کے لیے خوش ہونا چاہیے اور اِس ماہِ مبارک کی قدر کرنی چاہیے۔

نبیِ کریم ﷺ رمضان شریف کی آمد پر خوش خبری بھی عطا کرتے، مرحبا اور خوش آمدید بھی فرماتے اور نئے چاند کی عمومی دعاؤں کے ساتھ ساتھ رمضان کریم کی خصوصی دعاؤں کا بھی سلسلہ رہتا۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے رمضان کریم کی آمد پر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: قَدْ جَاءَكُمْ رَمَضَانُ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ... "تمہارے پاس ماہِ رمضان آگیا ہے، بابرکت مہینہ۔" پھر رمضانِ کریم کے فضائل بیان فرمائے۔[2] (مسند احمد، حدیث: 8991)

ایک روایت کے مطابق یوں فرمایا: أَتَاكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ، أَتَاكُمْ سَيِّدُ الشُّهُوْرِ، فَمَرْحَبًا بِهٖ وَأَهْلًا ۔ یعنی "تمہارے پاس ماہِ رمضان آگیا، تمہارے پاس تمام مہینوں کا سردار آگیا، رمضان کو خوش آمدید"۔ (لطائف المعارف لابن رجب، ص: 148، دار ابن حزم)

چنانچہ شکر ادا کرنے کے لیے رمضان کی آمد پر خوش ہونا چاہیے، بہترین خوشی یہ ہے کہ رمضان کی قدر کی جائے۔

---

[1] رمضان المبارک یا دیگر اسلامی مہینوں کی خبر سنانے والے کے لیے جنت کی بشارت سے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ مستند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا گناہِ کبیرہ ہے، چنانچہ ایسی روایات کو ہرگز نہ پھیلایا جائے۔

[2] رَوٰى أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُبَشِّرُ أَصْحَابَهٗ: قَدْ جَاءَكُمْ رَمَضَانُ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، اِفْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ، تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَحِيْمِ، وَتُغَلُّ فِيْهِ الشَّيَاطِيْنُ، فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ ۔ (مسند احمد: 8991)

آمدِ رمضان پر گناہوں سے توبہ

انسانوں میں فقط انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں، دیگر پیاروں کو ربِّ کریم اپنے فضل سے محفوظ رکھتا ہے، تاہم باقی انسانوں سے عموماً گناہ ہو جاتے ہیں۔ ربِّ کریم جسے نوازنا چاہے اُسے اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر توبہ کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ جب انسان سچی توبہ کرے تو باری تعالیٰ نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ معافی مانگنے والے سے خوش بھی ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ ”اور اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو جاؤ)۔“ [النور 24:31]

اِس آیتِ کریمہ میں نیک لوگوں اور گناہ گاروں... سبھی کو توبہ کرنے کا حکم فرمایا گیا اور اِنعام یہ بتایا گیا کہ توبہ کرنے والے دونوں جہان میں بامراد ہوں گے اور اُنھیں کامیابی نصیب ہو گی۔

مسلمان کو زیب دیتا ہے کہ وہ ہر روز ربِّ تعالیٰ سے کثرت کے ساتھ معافی مانگے، تاہم رمضان المبارک کی آمد پر اِس کا اہتمام مزید ذوق وشوق کے ساتھ ہونا چاہیے؛ کیونکہ اِس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش پر ہوتی ہے، وہ سب کو نوازتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے محروم رہ جائیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی آمد پر تین مرتبہ فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ! مَا تَسْتَقْبِلُوْنَ وَمَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ؟ ”سبحان اللہ! (جانتے ہو) تم کس کا استقبال کر رہے ہو اور تمہارا کون استقبال کر رہا ہے؟“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا کوئی وحی اُتری ہے یا دشمن آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا، وَلٰكِنْ شَهْرُ رَمَضَانَ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْ أَوَّلِ لَيْلَةٍ لِّكُلِّ أَهْلِ هٰذِهِ الْقِبْلَةِ۔ یعنی ”ایسی بات نہیں، لیکن رمضان کی آمد آمد ہے، اِس کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔“ (شعب الایمان، حدیث: 3349۔ الضعفاء الکبیر للعقیلی، ج:3، ص:265)

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ ایک طویل ارشادِ نبوی میں یہ جملے بھی ہیں: رمضان میں چار اُمور کثرت سے کرو: دو چیزوں سے تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو گے اور دو سے تمہیں بے نیازی نہیں ہو سکتی:

- فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ فَشَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ۔ یعنی ”جن دو اُمور کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو گے وہ یہ ہیں کہ توحید (ورسالت) کی گواہی دو (کلمہ طیبہ پڑھو) اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو۔“
- وَأَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنًى لَكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهِ مِنَ النَّارِ۔ ”اور جن دو اُمور سے تمھیں بے نیازی نہیں وہ یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور جہنم سے اُس کی پناہ مانگو۔“ (شعب الایمان، حدیث: 3336۔ صحیح ابن خزیمہ: 1887)

آمدِ رمضان پر قرآنِ حکیم سے تعلق کی پختگی

رمضان المبارک میں کرنے کا ایک بہت اہم کام یہ بھی ہے کہ ہم قرآنِ حکیم سے اپنا تعلق پختہ کریں۔ یہ وہ عظیم الشان ماہِ مبارک ہے جسے ربّ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل کرنے کے لیے پسند فرمایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ۔۔۔

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور راہ نمائی و فیصلے کی روشن باتیں۔" [البقرۃ2:185]

چنانچہ قرآنِ حکیم سے تعلق کی پختگی کے لیے چند اُمور بہت اہم ہیں:

صحّتِ تلفّظ: قرآنِ مجید کو صحیح تلفّظ کے ساتھ پڑھنا بے حد ضروری ہے۔ ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ 90٪ یا اِس سے زیادہ لوگ قرآنِ مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھتے، اِس سے بھی بڑھ کر افسوس ناک بات یہ کہ ہمیں شعور ہی نہیں کہ قرآنِ مجید کا صحیح تلفظ سیکھنا اور اُسے صحیح پڑھنا فرضِ عین ہے۔[1] چنانچہ رمضان المبارک میں درست تلفّظ سیکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ذوق سے تلاوت: رمضان المبارک میں جبریلِ امین علیہ السلام قرآنِ مجید کا دَور کرنے کے لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ماہِ پُرنور میں دیگر اعمالِ صالحہ کی طرح تلاوتِ قرآنِ حکیم کے اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اِس ماہِ مبارک میں ذوق و شوق کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

توجہ سے سماعت: رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے اندر قرآنِ مجید سننے کا موقع ملتا ہے، اِسی طرح دیگر ذرائع سے بھی سنا جاتا ہے، یہ بات بہت اہم ہے کہ قرآنِ مجید کو توجّہ، ذوق و شوق، یکسوئی اور آداب کا لحاظ کرتے ہوئے سننا چاہیے۔

ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ۔ یقیناً اِس (قرآن) میں اُس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحبِ دل ہو (اُس کا دل حق کو قبول کرنے والا ہو) یا جو مُتوجّہ ہو کر کان لگائے (قرآنِ مجید کی نصیحتیں یوں سنے کہ اُس کا دل و دماغ حاضر ہو، دھیان کسی اور طرف نہ ہو)۔" [قٓ50:37]

مفسرِ قرآن شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے لکھا: اِس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی عقل کو استعمال کر کے بغور قرآنِ مجید میں مذکور نصیحتوں کو سنے گا تو اُس کو ضرور ہدایت حاصل ہو گی اور جو بے توجہی اور لاپرواہی سے قرآنِ کریم کو سنے گا اُس کو اِس کی نصیحت سے فائدہ نہیں ہو گا۔ (تبیان القرآن)

---

[1] فتاوٰی رضویہ: 6/343، ملخصًا

ہمارے ہاں بعض مساجد میں نمازِ تراویح کے اندر قرآنِ مجید کی تلاوت وسماعت کا خوب اہتمام ہوتا ہے، فہمِ قرآن کے لیے تراویح میں تلاوت کی گئی آیاتِ کریمہ کا خلاصہ بھی بیان کیا جاتا ہے، مگر عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ نمازیوں میں شوق کی کمی اور سستی کا غلبہ ہوتا ہے... تیز رفتاری سے تلاوت کی فرمائش کی جاتی ہے، بے توجّہی سے سنا جاتا ہے اور تھکاوٹ کا بہانہ پیش کیا جاتا ہے۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ ذوق بڑھانے کے لیے مساجد میں بہترین انتظامات کرے اور ائمہ ومقتدی حضرات کو بھی خوب برکتیں حاصل کرنی چاہییں۔

سمجھنے کی کوشش: رمضان کریم میں قرآنِ حکیم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بلاشبہ قرآنِ مجید کی زیارت بھی عبادت ہے، محبت وتعظیم کے ساتھ اِسے چھونا بھی برکت ہے، پیار سے بوسہ لینا بھی سعادت ہے، اُس کا موجود ہونا بھی باعثِ رحمت ہے، مگر اِسے سمجھنے کی کوشش پر جو رحمتیں عطا ہوتی ہیں اُن کی بات ہی کچھ اور ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. ”یہ قرآن برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی؛ تاکہ لوگ اِس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقل مند نصیحت حاصل کریں۔“[صٓ 29:38]

چنانچہ روزانہ قرآنِ کریم کا کچھ نہ کچھ حصہ ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ کنزالایمان اور خزائن العرفان یا کسی بھی سُنّی عالم کی تفسیر (مثلاً نور العرفان، تبیان القرآن، ضیاء القرآن) کا مطالعہ روزانہ کا معمول ہونا چاہیے، جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ شیخ الحدیث مفتی محمد قاسم صاحب کی ”صراط الجنان“[1] اُردو زبان میں نہایت آسان تفسیر ہے۔

احکام پر عمل: قرآنِ مجید کے حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اِس کے احکام پر عمل کیا جائے اور اپنی ذات سے لے کر حسبِ استطاعت ملک تک اور پھر پوری دُنیا میں قرآن وسنت کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔

اِس ارشادِ ربّانی سے قرآنِ مجید پر عمل کی برکتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ... ”اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کچھ اُن کی طرف اُن کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اُسے قائم رکھتے (کتابوں کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ کی پیروی کرتے) تو اُنھیں اُن کے اُوپر سے اور اُن کے قدموں کے نیچے سے رزق ملتا۔۔۔“ (رزق کی کثرت ہوتی اور ہر طرف سے رزق عطا کیا جاتا)[المائدۃ 5:66]

اُمّتِ مسلمہ کی زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ قرآنِ مجید کے احکام اور اِس کے نظام پر عمل نہ کرنا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے — زوالِ بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں[2]

---

[1] یہ تفسیر PDF میں بھی دستیاب ہے اور اِس کی نہایت جدید ایپ بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔

[2] مسلمانوں کے زوال کا سبب بے زری (دولت کی کمی) نہیں، مسلمانوں کا زوال کسی اور وجہ سے ہے جسے تُو خود جانتا ہے۔

آمدِ رمضان پر اعمالِ صالحہ میں کثرت کی پختہ نیت

دانا شخص بڑے مقاصد حاصل کرنے کے لیے چھوٹے فائدے قربان کر دیتا ہے اور اپنا ہدف پانے کے لیے مشکلات کو بھی خوشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رِضا ہی سب سے بڑا مقصد ہے اور جنت کا حصول و جہنم سے نجات اہم ہدف ہے۔ رِضائے الٰہی پانے اور فلاح و نجات حاصل کرنے کے لیے رمضان المبارک موسمِ بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بندۂ مومن کو چاہیے کہ دانائی کا مظاہرہ کرے، تمام غیر ضروری دُنیاوی مصروفیات کو چھوڑ دے، سوشل میڈیا پر وقت ضائع نہ کرے، فضول گفتگو اور بے مقصد کاموں سے بچے اور اِس ماہِ عظیم میں اپنا اصل مقصد اور ہدف حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے۔

اُسوۂ حسنہ: آقا کریم ﷺ کا معمول بیان کرتے ہوئے اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ، وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ، وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ، وَأَشْفَقَ مِنْهُ۔ یعنی جب رمضان شریف کا آغاز ہوتا تو (اللہ تعالیٰ کے خوف اور حقِ عبادت کے احساس سے) رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک بدل جاتا، آپ ﷺ کی نمازوں میں مزید اِضافہ ہو جاتا، دُعاؤں میں گڑگڑاتے، عاجزی کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔ (شعب الایمان، حدیث: 3353)

اُمّ المؤمنین بنتِ صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ، ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتَّى يَنْسَلِخَ۔ یعنی جب ماہِ رمضان المبارک کا آغاز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے، پھر اختتامِ رمضان تک محنت کا سلسلہ مسلسل جاری رکھتے۔ (شعب الایمان، حدیث: 3352)

نیت کی اہمیت: نیکی کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی طاقت فقط اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی ہے، تاہم ہمیں حکم ہے کہ بھلائی کی سچی نیت کریں؛ تاکہ اِس کی برکت سے توفیق نصیب ہو۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ ”اور جو آخرت کا ارادہ رکھتا ہو اور اُس کے لیے ویسی ہی کوشش کرتا ہے جیسی کرنی چاہیے اور وہ ایمان والا ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی (قبول ہو گی)۔“ [بنی اسرائیل 19:17]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی عمل قبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے، نیز نیت نیک ہونی چاہیے اور آخرت کا طلب گار ہونا چاہیے اور یہ بھی اہم ہے کہ عمل کو شرعی تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔ (خزائن العرفان، زیرِ آیتِ ہذا، ملخصًا)

اگر ہم رمضان المبارک کی آمد پر خود کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں اور غیر ضروری کاموں میں ہی اپنا وقت ضائع کرتے رہیں تو ہمارا حال اُنہی لوگوں جیسا ہو گا جو رمضان میں فقط کھانے کا وقت تبدیل کر لیتے ہیں اور حاصل کچھ نہیں کرتے۔

حرفِ آخر... آمدِ رمضان سے متعلق اہم اُمور اور ''عورت مارچ''

رحمتِ الٰہی سے چند دنوں بعد اللہ کا پیارا مہینہ ''رمضان المبارک'' جلوہ گر ہونے والا ہے۔ یہ رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کے لیے موسمِ بہار ہے، اگر ہم کوشش کریں تو اِس ماہِ مبارک میں بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں رمضان کی قدر جاننی چاہیے، نیز اِس میں ربّ تعالیٰ کو راضی کرنے کی سچی تڑپ بھی ہونی چاہیے اور رحمتیں سمیٹنے کے شوق کو بھی پروان چڑھانا چاہیے۔

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر:

⟸ ربّ تعالیٰ کے احسان پر اُس کا شکر ادا کرنے کے لیے خوشی ومسرت کا اِظہار کرنا چاہیے۔

⟸ سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اِس ماہِ مبارک میں بے شمار لوگوں کی بخشش ہوتی ہے، اگر سبھی بخشے جائیں اور ہم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے محروم رہ جائیں تو کتنی بڑی بدنصیبی ہوگی!

⟸ اگر نمازِ پنج گانہ کی عادت ہے تو اُس کا ذوق وشوق مزید بڑھانا چاہیے، لیکن اگر خدانخواستہ نمازوں کی پابندی نصیب نہیں تو پختہ نیت وبھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ آئندہ کبھی بھی نماز نہیں چھوٹے گی۔

⟸ سال میں کسی بھی وقت کے اندر گناہ کا ارتکاب کرنا بہت بڑی نالائقی ہے، تاہم رحمت وبرکت والے اوقات میں گناہ کرنا اور زیادہ بُرا ہے؛ کیونکہ اِس میں قابلِ احترام وقت کی بے ادبی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ رمضان المبارک میں تمام گناہوں سے مکمل اجتناب کریں؛ تاکہ اِس کی برکت سے سال بھر گناہوں سے بچتے رہیں۔

⟸ رمضان المبارک نزولِ قرآنِ مجید کا مہینہ ہے، ہمیں چاہیے کہ صحیح تلفّظ کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت کریں، پوری توجّہ اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ اُسے سنیں، نیز قرآنِ مجید کو سمجھ کر اُس کے احکام پر عمل کی کوشش کریں۔

⟸ ہمیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ عبادات واُمورِ خیر بجالانے کے لیے غیر ضروری دُنیاوی مصروفیات کو ترک کریں۔

⟸ رمضان المبارک صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ تمام مسلمانوں بالخصوص اپنے رشتہ داروں، ملازمین اور دیگر تعلق والوں کی خیر خواہی کریں اور اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے خوب مال خرچ کریں۔

⟸ علمِ دین جس قدر زیادہ ضروری ہے ہم اُتنے ہی زیادہ اُس سے غافل ہوتے جارہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ رمضان المبارک کے بابرکت لمحات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے علمِ دین حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں... علمائے اہلِ سنت کی کتابیں پڑھیں، دُروس وخطابات سنیں اور جو معلوم نہیں اُسے پوچھنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں۔

یہ بھی یاد رہے کہ علمِ دین علمائے حق سے ہی حاصل ہوسکتا ہے، اینکرز اور دیگر پروفیشنل لوگ خود علمِ دین سے بے خبر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے دین سیکھنا فائدے کے بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

آخر میں ایک اہم ایشو پر گفتگو کرنا بھی ضروری ہے۔ 2018ء سے پاکستان میں ہر سال 8 مارچ کو عالمی یومِ خواتین کے موقع پر ''عورت مارچ'' کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مارچ کے شرکا اگر خواتین کے حقوق کی بات کرتے تو اِسے اچھا اقدام قرار دیا جاتا، مگر گزشتہ سالوں کے دوران ہونے والی ریلیوں میں شرکا نے کھلے عام اسلامی تہذیب سے نفرت کا اِظہار کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلامی تہذیب میں خواتین کو اُن کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات مارچ کے دوران نہایت بے ہودہ اور کفریہ نعرے بھی لگائے گئے، ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ کار کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں اور اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ اسلامی اقدار کا تحفّظ یقینی بنائے۔

دُنیا کا کوئی بھی انصاف پسند شخص اِس بات سے اِنکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی آمد سے پہلے خواتین کو اُن کے حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا اور جدید مغربی تہذیب بھی اُن کے احترام و تکریم سے کوسوں دُور ہے، جاہلانہ تہذیب اور یورپین کلچر میں فرق صرف یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں عورت کو ''نفرت'' کا نشانہ بنا کر اُس کی حق تلفی کی جاتی تھی، جب کہ مغربی تہذیب اُسے ''ہوس'' اور ''خواہش پرستی'' کا نشانہ بنا کر اُس کا احترام پامال کرتی ہے۔ یہ فقط اسلامی تہذیب ہی ہے جو عورت کو ''نفرت'' کے بجائے ''شفقت'' اور ''خواہش'' کے بجائے ''تحفظ'' اور ''احترام'' عطا کرتی ہے۔ مارچ والے قوم کی بیٹیوں کو جو تہذیب دینا چاہتے ہیں اُس سے متعلق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت[1]
ہے حضرتِ انسان کے لیے اُس کا ثمر موت

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازَن[2]
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت

بے گانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زَن[3]
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہُنر موت

کاش! حقوقِ نسواں کے لیے گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرنے والوں کو غزہ میں خواتین پر ہونے والا ظلم بھی نظر آتا، جہاں پانچ ماہ سے اسرائیلی درندے باولے کتوں کی طرح حملہ آور ہیں، 30,000 سے زائد افراد شہید ہو چکے ہیں اور عالمی اِداروں کے مطابق غذائی قلت سے قحط کی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔

---

[1] تہذیبِ فرنگی: مغربی تہذیب۔ اُمُومَت: ماں ہونا۔ یعنی یورپی تہذیب اگر خاتون سے ماؤں میں پائی جانے والی خوبیاں ختم کر دیتی ہے تو انسانوں کے حق میں اِس کا نتیجہ موت کے علاوہ کچھ نہیں؛ کیونکہ جب ماں میں ماؤں والی خوبی نہ ہو تو اولاد حقیقت میں زندہ نہیں، مُردہ ہی ہو گی۔

[2] زَن: عورت۔ نازن: عورت نہ ہونا/بے حیا ہونا۔ یعنی جس علم کا اثر یہ ہو کہ عورت سے اُس کا اصل جوہر ''حیا'' ختم ہو جائے، اہلِ نظر اُس علم کو موت کہتے ہیں۔

[3] یعنی اگر خواتین کے تعلیمی اِدارے دین سے بے گانہ ہوں تو اُن اِداروں سے حاصل ہونے والا علم و ہنر حقیقی جذبات کے لیے موت ہے۔

۴ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ / 15 مارچ 2024ء

سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مِینا دے!

(روزہ اور زکوٰۃ کے ذریعے دلوں کی پاکیزگی... مع مسائلِ زکوٰۃ)

مشمولات

- روزہ کے ذریعے دل کی پاکیزگی
- زکوٰۃ کے ذریعے دل کی پاکیزگی
- مسائلِ زکوٰۃ جاننے کی ضرورت
- تزکیہ کی اہمیت اور اُس کے لیے اہم اُمور
- کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟
- زکوٰۃ کب اور کتنی ادا کرنا فرض ہے اور کسے دینی ہے؟
- زکوٰۃ کس پر اور کون سے اموال کی فرض ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۔ [التوبۃ9:103]

ربّ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ انسانوں کو مختلف طرح سے آزما کر پہچان کروادیتا ہے کہ فرماں برداری کے دعوٰی میں کون سچا ہے! آزمائش کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ربِّ کریم نے انسان پر شیطان کو قدرت دی ہے، نیز اُس کی ذات میں برائی کی دعوت دینے والی قوّت (نَفسِ اَمّارہ[1]) کو رکھا ہے۔ جو بندہ برائی کی دعوت دینے والے اِس نفس کو اپنے مہربان ربّ کے حکم کا تابع بنانے کی کوشش کرے باری تعالیٰ اُس کی مدد بھی فرماتا ہے اور دُنیا و آخرت کے انعامات سے بھی نوازتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی o فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی o "اور جو اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا o تو یقیناً اُس کا ٹھکانا جنت ہی ہے o" [النّٰزعٰت79: 40، 41]

دل پاکیزہ اور نفس مطمئنہ کیسے ہوتا ہے؟ بہت مرتبہ قلبِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں ربِّ کریم محض اپنے فضل سے دلوں کو پاک اور نفوس کو مُطۡمَئِنَّہ فرمادیتا ہے اور عموماً کچھ اچھے اعمال کی برکت سے یہ کرم نوازی ہوتی ہے۔ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا، دونوں اُن حسین اعمال میں سے ہیں جن کی برکت سے دل پاکیزہ ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا بے جا نہیں کہ رمضان المبارک دل کو پاکیزہ اور نفس کو مطمئنہ بنانے کا بہترین موقع ہے، اِس کی ہر رات میں بالخصوص جمعۃ المبارک کے ہر لمحے میں بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے اور دلوں سے گناہوں کا زنگ دُور ہوتا ہے... اِس میں قرآنِ مجید پڑھنے اور سننے کا موقع ملتا ہے جو ظاہر و باطن کی شفا ہے... اِس ماہِ مبارک کے روزے فرض ہیں جن سے پرہیز گاری کی توفیق نصیب ہوتی ہے... اور بے شمار مسلمان اِس مہینے میں اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، یہ بھی دلوں کے تزکیہ و طہارت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے بارگاہِ الٰہی میں پاکیزہ دل کی دُعا کرتے ہوئے کہا:

بے لَوث محبّت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے[2]

چنانچہ آج کے خطبہ میں روزوں اور زکوٰۃ کے ذریعے دل کو ستھرا کرنے سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

---

[1] جیسے ربّ تعالیٰ نے ہر انسان میں مختلف قوّتیں پیدا فرمائی ہیں... کانوں میں سننے کی قوّت رکھی ہے، آنکھوں کو دیکھنے کی طاقت بخشی ہے اور زبان کو چکھنے کی قابلیت سے نوازا ہے... ایسے ہی انسان میں ایک قوّت ہے جس سے بُری خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اِسے نَفسِ اَمّارہ کہا جاتا ہے۔

[2] مِینا: شیشہ۔ یعنی اِلٰہی! ہماری محبت بے لوث (فقط تیری رِضا کے لیے) ہو! ہماری سچائی بے باک اور بے خوف ہو! ہمارے سینوں کو روشن فرمادے اور ہمارے دلوں کو شیشے کی طرح صاف شفاف کر دے۔

روزہ کے ذریعے دل کی پاکیزگی

قرآنِ حکیم کے مطابق "نفس انسان کو برائی کی بہت دعوت دیتا ہے۔"[یوسف 53:12] بزرگوں نے لکھا: اگر انسان نفس کی مخالفت کرے اور ربِّ کریم کے حکم کو ترجیح دے تو اِس کی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، لیکن اگر نفس کے جال میں پھنس جائے تو یہ سرکش ہو جاتا ہے، پھر پوری زندگی انسان اپنی چاہتوں کو پورا کرنے میں مگن رہتا ہے، مگر خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔

روزہ نفس کو کنٹرول کرنے کی بہترین تربیت ہے، اِس کے وقت میں انسان کو کھانے، پینے وغیرہ کی چاہت ہوتی ہے اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے، مگر صرف اپنے ربِّ کریم کے حکم کی وجہ سے بھوک پیاس برداشت کرتا ہے اور خود کو خواہشات سے بچاتا ہے، یوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے نفس قابو میں آتا ہے اور تقویٰ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔
"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔"[البقرۃ 183:2]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔ یعنی "اے جوان مسلمانو! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو (نکاح کے لیے مال ہو اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو) وہ ضرور نکاح کرے؛ کیونکہ اِس سے نگاہوں اور پاک دامنی کی خوب حفاظت ہو جاتی ہے (نکاح کے بعد غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنے یا گناہ کا ارتکاب کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی)، اور جسے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ ضرور روزے رکھے؛ کیونکہ روزہ خواہشاتِ نفس کا توڑ ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 5066)

تربیت: حدیثِ مبارک میں نکاح کو نگاہوں کی حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا، اگر ہم روزوں کے ذریعے بد نگاہی سے بچنے کی عادت اپنالیں تو یہ بھی دل کی پاکیزگی کا اہم ذریعہ ہو گا۔ ارشادِ ربّانی ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ یعنی "اے حبیب! مسلمان مردوں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور حرام کاموں سے بچیں / پردے والے حصوں کو چھپائیں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے۔"[النور 30:24]

آیتِ کریمہ میں ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے) فرما کر نگاہوں کی حفاظت کا شوق دلایا گیا؛ کہ اِس کی برکت سے دل پاکیزہ ہو گا اور خیر و بھلائی میں اِضافہ ہو گا، نیز اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے) فرما کر وعید سنائی گئی کہ اگر نگاہوں کی حفاظت نہ کی تو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے وقت شرمندگی اُٹھانی پڑ سکتی ہے؛ اُسے سب کاموں کی خبر ہے۔

زکوٰۃ کے ذریعے دل کی پاکیزگی

انسان کا نفس فطری طور پر مال سے محبت کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی آرزو دلاتا ہے، جب انسان اِس کی مخالفت کرتے ہوئے دل سے دولت کا لالچ نکال دے اور اپنے ربِّ کریم کی رضا کے لیے اُس کی راہ میں مال خرچ کرے، خصوصاً زکوٰۃ ادا کرے تو توفیقِ الٰہی سے نفس تابع اور دل پاکیزہ ہونے لگتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ ”اے حبیبِ مکرّم! آپ اُن (مسلمانوں) کے مالوں سے زکوٰۃ[1] وصول کیجیے جس کے ذریعے آپ اُنھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دیں اور اُن کے حق میں دُعائے خیر کیجیے، یقیناً آپ کی دُعا اُن کے دلوں کا چین (سکون و رحمت کا ذریعہ) ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔“ [التوبہ 9:103] جب مسلمان اِس آیتِ کریمہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہونے والے انعامات سے متعلق غور کرتا ہے تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی ”بوجھ“ کے بجائے ”سعادت“ محسوس ہوتی ہے۔

مسائلِ زکوٰۃ جاننے کی ضرورت

مسلمان اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن باتوں کا محتاج ہے اُن کا علم حاصل کرنا فرض ہے... درست عقائد، ارکانِ اسلام کے ضروری مسائل، دل سے متعلق ضروری اُمور اور اپنے شعبہ سے متعلق شرعی احکام وغیرہ... اِن سب چیزوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:623، 624۔ بہارِ شریعت، ج:3(ب)، ص:1035، ملخصًا)

چنانچہ ہر مال دار شخص پر زکوٰۃ سے متعلق کم از کم پانچ سوالات کے جوابات سیکھنا فرض ہے: 1) زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟ 2) کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟ 3) کب فرض ہوتی ہے؟ 4) کتنی مقدار ادا کرنا فرض ہے؟ 5) کس کو ادا کرنی ہے؟

زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟

وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی[2] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامانِ تجارت وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

نوٹ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے 2024ء/1445ھ کے لیے زکوٰۃ کا نصاب ایک لاکھ 35 ہزار 179 روپے مقرر کیا ہے۔[3]

---

[1] امام ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ نے اِس بات کو ترجیح دی کہ آیتِ کریمہ میں ”صدقہ“ سے زکوٰۃ مراد ہے۔ (خزائن العرفان)

[2] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[3] 11 مارچ، 2024ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 2,550 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً ایک لاکھ 34 ہزار روپے ہے۔

نصاب میں سونے کا اعتبار ہوگا یا چاندی کا؟ جو شخص سونے کے علاوہ کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو، اُس پر سونے کی زکوٰۃ تب فرض ہوگی جب اُس کا وزن 7.5 تولہ یا اِس سے زیادہ ہو، البتہ اگر سونے کے ساتھ چاندی / کرنسی یا دیگر چیزیں موجود ہوں تو سونے اور دیگر تمام چیزوں کی مالیت کو جمع کیا جائے گا، مجموعہ 612 گرام چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہے۔

فرضیت معلوم کرنے کا طریقہ: بنیادی ضروریاتِ زندگی کے علاوہ جن چیزوں کے آپ مالک ہیں، مثلاً نقدی[Cash]، سونا چاندی کی قیمت، سامانِ تجارت کی قیمت اور لوگوں کو دیا ہوا قرض،[1] انشورنس کی جمع کرائی ہوئی رقم،[2] مکان وغیرہ کی حفاظت کے لیے دی ہوئی پیشگی رقم (ایڈوانس)، کمیٹی کی جمع کرائی ہوئی قسطیں وغیرہ، اِن سب کو جمع کریں، پھر اِس سے قرض[3] کو مِنہا (Minus) کر دیں، اگر باقی رقم مذکورہ بالا نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو آپ صاحبِ نصاب ہیں اور زکوٰۃ فرض ہے۔

دورانِ سال نصاب میں کمی کا حکم دورانِ سال اگر مال نصاب سے کم ہو جائے، مگر سال کے شروع اور آخر میں نصاب کی مقدار پوری ہو تو زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر دورانِ سال تمام مال ہلاک ہو جائے تو جب دوبارہ نصاب کی مقدار مال حاصل ہو گا تو اُس تاریخ سے نیا سال شمار کیا جائے گا۔

خواتین پر زکوٰۃ: عورت مالکِ نصاب ہو تو اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ حضرت عَمرو بن شعیب نے اپنے آبائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو خواتین حاضر ہوئیں، اُنھوں نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اِس سونے کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" اُنھوں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟ "کیا تم گوارا کرو گی کہ اللہ تعالیٰ اِن کے عوض تمھیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟" اُنھوں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَدِّيَا زَكٰوتَهٗ۔ "تو پھر اِس کی زکوٰۃ ادا کرو۔" (جامع ترمذی، حدیث:637)

نوٹ: جن چیزوں کی مالک بیوی ہے شوہر پر بیوی کی طرف سے اُن کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، البتہ شوہر پر یہ لازم ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی اہلیہ کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:132، 133، ملخصًا) تاہم اگر شوہر بیوی کی اِجازت سے اُس پر لازم ہونے والی زکوٰۃ ادا کر دے تو ادا ہو جائے گی۔

---

[1] حساب کی آسانی اِسی میں ہے کہ جو قرض لوگوں کو دیا ہوا ہے اُس کی زکوٰۃ سال بہ سال ادا کرتا رہے۔ (فتاوٰی رضویہ:10/133۔ بہارِ شریعت:1/906، ملخصًا)

[2] اگرچہ انشورنس کرانا شرعی طور پر ناجائز ہے۔

[3] مسئلہ: جو قرض زکوٰۃ لازم ہونے کے بعد لیا ہو اُسے نصاب سے مِنہا (Minus) نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: طویل المیعاد (Long Term) دَین... جسے فوری طور پر ادا نہیں کرنا (مثلاً کوئی سامان اُدھار پر لیا اور اُس کے ثمن کی کچھ قسطیں ابھی ادا کرنی ہیں)، اُس کی زکوٰۃ فرض ہے۔

کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟

شرعی ضابطہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اُس مال کی فرض ہے جو نامی / بڑھنے والا ہے۔ ہمارے پاس عموماً جو اموال موجود ہوتے ہیں شریعت نے اُن میں سے صرف تین قسم کے درج ذیل اموال کو بڑھنے والا قرار دیا ہے[1]:

1) نقدی (Cash) بشمول پرائز بانڈ، چیک وغیرہ۔[2]

2) سونا اور چاندی خواہ وہ کسی بھی ہیئت وصورت میں ہوں، زیرِ استعمال ہوں یا فروخت کے لیے یا ویسے محفوظ کر رکھے ہوں۔[3] ارشادِ ربّانی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. "وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔" [التوبہ 34:9]

3) وہ چیز (سامان / اشیا / پراپرٹی) جسے تجارت (Trading) کے لیے خریدا ہو۔ سیدنا سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ. یعنی رسول اللہ ﷺ ہمیں تجارت کے لیے مہیا کی گئی اشیا کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرماتے۔ (سنن ابوداؤد، حدیث: 1562)

---

[1] سال کا اکثر حصہ بغیر اخراجات کے چرنے والے جانوروں (سائمہ) کی زکوٰۃ اور زمین کی پیداوار کے عُشر کے مسائل یہاں مذکور نہیں ہیں۔ اِن کے مسائل بہارِ شریعت وغیرہ فقہی کتب سے ملاحظہ کیے جائیں۔

[2] ایک شخص نے (ادائے دین کے علاوہ) آئندہ پیش آنے والی کسی بنیادی ضرورت / حاجتِ اصلیّہ کے لیے رقم جمع کی اور اُسے استعمال کرنے سے پہلے سال پورا ہو گیا تو اُس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، تاہم اگر سال پورا ہونے کے دن سے پہلے وہ رقم خرچ ہو چکی یا سال پورا ہونے کے دن وہ بنیادی ضرورت موجود ہے تو اُس رقم کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1 (ب)، ص: 881) فی ردّ المحتار: إِذَا أَمْسَكَهُ لِيُنْفِقَ مِنْهُ كُلَّ مَا يَحْتَاجُهُ فَحَالَ الْحَوْلُ، وَقَدْ بَقِيَ مَعَهُ مِنْهُ نِصَابٌ فَإِنَّهُ يُزَكِّيْ ذٰلِكَ الْبَاقِيَ، وَإِنْ كَانَ قَصْدُهُ الْإِنْفَاقَ مِنْهُ أَيْضًا فِي الْمُسْتَقْبَلِ لِعَدَمِ اسْتِحْقَاقِ صَرْفِهِ إِلٰى حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ وَقْتَ حَوَلَانِ الْحَوْلِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا حَالَ الْحَوْلُ وَهُوَ مُسْتَحِقُّ الصَّرْفِ إِلَيْهَا۔ (ردّ المحتار، ج:3، ص:218)

مسئلہ: مکان بنانے کے لیے جو رقم جمع کر رکھی ہو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتاوٰی اہلِ سنت (احکام زکوٰۃ)، ص: 99، ملخصًا)

مسئلہ: زیارتِ حرمَین شریفَین کے لیے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:140، ملخصًا)

مسئلہ: حج کے لیے رقم جمع کروا رکھی ہو اور نام فائنل ہونے سے پہلے سال پورا ہو جائے تو اِس رقم کی زکوٰۃ لازم ہے اور نصاب کا 5/1 وصول ہونے پر ادائیگی فرض ہو گی۔ نام فائنل ہونے کے بعد سال پورا ہو تو لازم نہیں۔ (فتاوٰی اہلِ سنت (احکامِ زکوٰۃ)، ص: 170، ملخصًا)

مسئلہ: بچی کی شادی کے لیے جمع کیا جانے والا سونا اور رقم عموماً والدین کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اِس لیے دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اِن کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتاوٰی اہلِ سنت، ص: 107) البتہ نابالغ بچی کو مالک بنا دیا تو جب تک وہ بالغ نہ ہو اِن کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:144، 145)

[3] جو زیور گروی رکھا ہوا ہے اُس کی زکوٰۃ فرض نہیں، نہ گروی رکھنے والے پر، نہ لینے والے پر... نہ اب، نہ بعد میں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:146، ملخصًا)

سامانِ تجارت سے متعلق وضاحت: ☆ جو چیز بیچنے کے لیے نہیں خریدی، اُس کی زکوٰۃ فرض نہیں،[1] مثلاً: جامد اثاثہ جات (پراپرٹی، مشینری، اوزار وغیرہ) اور اسٹور (Store) میں پڑی فالتو چیزیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ص:883)

☆ جس چیز کو خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی، بعد میں بیچنے کا اِرادہ کیا تو فروخت کرنے سے پہلے اُس کی زکوٰۃ لازم نہیں۔

☆ جو پراپرٹی یا کوئی اور چیز کرایہ پر دے رکھی ہے، اُس کی مالیّت (قیمت) کی زکوٰۃ فرض نہیں، سال پورا ہونے کی تاریخ میں اُس کا جتنا کرایہ موجود ہوگا اُسے باقی اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ملایا جائے گا، نصاب مکمل ہونے کی صورت میں سب کی زکوٰۃ لازم ہے۔

زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟

جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک بنے، چاند کے حساب سے ایک سال بعد اُسی تاریخ کو اگر وہ نصاب کا مالک ہے تو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔[2] اور اب ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:202)

کیا زکوٰۃ رمضان میں فرض ہوتی ہے؟ اگر رمضان المبارک سے پہلے کسی مہینے میں زکوٰۃ فرض ہو، مثلاً کوئی شخص پہلی بار 15 شعبان، 1445ھ کو نصاب کا مالک ہوا، اِس کا سال 15 شعبان 1446ھ کو مکمل ہوگا، تو ایسے شخص کو رمضان آنے تک زکوٰۃ کی ادائیگی کو مؤخر کرنا جائز نہیں، بلکہ 15 شعبان کو ہی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر یہ رمضان شریف کی فضیلت حاصل کرنا چاہے تو آئندہ سال کی زکوٰۃ پیشگی طور پر اِس رمضان میں ادا کر سکتا ہے۔

☆ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ سال بھر وقتاً فوقتاً شرعی فقرا کو زکوٰۃ کے مال سے دیتا رہے تو اِس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے آئندہ سال کی زکوٰۃ پیشگی طور پر دیتا رہے اور سال مکمل ہونے پر جتنا دے چکا اُس کا حساب کر لے۔ اگر زکوٰۃ اُتنی ہی بنتی ہو جتنی دے چکا ہے تو فریضہ ادا ہو چکا، زیادہ دے چکا ہے تو اِضافہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے، کم دیا ہے تو بقیہ زکوٰۃ کو سال پورا ہونے کی تاریخ میں ادا کر دے۔[3]

---

[1] جس چیز کو خریدا نہیں وہ نیتِ تجارت سے مالِ تجارت نہیں قرار پائے گی، جیسے جانور خریدا؛ تاکہ اُس کے بچوں کو بیچیں تو پیدا ہونے والے بچوں کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ (فتاوٰی اہلِ سنت (احکام زکوٰۃ)، ص:583، مکتبۃ المدینہ)

[2] اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔ "جب تک مال پر ایک سال نہ گزرے اُس کی زکوٰۃ فرض نہیں۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث:1792)

[3] سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہی اُسے ادا کرنے کی اِجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں رخصت عطا کی۔ (جامع ترمذی، حدیث:678)

ہر مال کا الگ سال نہیں: مختلف اوقات میں حاصل ہونے والے سونا، چاندی، نقدی اور سامانِ تجارت پر الگ الگ سال گزرنا ضروری نہیں۔ سال پورا ہونے کے دن مالکِ نصاب کے پاس جتنا مالِ زکوٰۃ موجود ہو، تمام کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(بہارِ شریعت، ج:1، ص:884، ملخصًا)

زکوٰۃ کتنی ادا کرنا فرض ہے؟

ہر قسم کے مال سے 40/1، یعنی 2.5٪ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپے کی زکوٰۃ اڑھائی ہزار روپے ہے۔

مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہُ تعالٰی وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا... "چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو۔" (جامع ترمذی، حدیث:620)

مقدارِ زکوٰۃ سے متعلق اہم وضاحت: ☆ زکوٰۃ ادا کرنے میں سامان کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں، بلکہ جس جگہ مالِ زکوٰۃ موجود ہے اُس جگہ کے مارکیٹ ریٹ کا 2.5٪ ادا کرنا لازم ہے۔

(بہارِ شریعت، ج:1(الف)، ص:908۔ فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:133، ملخصًا)

☆ تھوک (Wholesale) کے تاجروں پر تھوک ریٹ کا 2.5٪ بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے اور پرچون (Retail) کے تاجروں پر پرچون ریٹ کا 2.5٪ فرض ہے۔ (فیضانِ زکوٰۃ، ص:41، ملخصًا، مکتبۃ المدینۃ)

☆ زکوٰۃ کے طور پر سامان یا سونا چاندی کو ادا کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً کسی شخص کی کپڑے کی دکان ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کپڑے ہی بطورِ زکوٰۃ پیش کرے تو ایسا کر سکتا ہے، اِس صورت میں اِن کپڑوں کے مارکیٹ ریٹ کے برابر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(بہارِ شریعت، ج:1، ص:909)

زکوٰۃ کسے دینی ہے؟

وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ پیشہ وَر بھکاری عموماً مالکِ نصاب ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو مالِ زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

نیت ضروری ہے، بتانا ضروری نہیں: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مال الگ کرتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت دل میں زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہونا ضروری ہے، مستحق کو بتانا ضروری نہیں کہ مالِ زکوٰۃ ہے۔ سفید پوش مستحق کو زکوٰۃ کے بجائے ہدیہ وغیرہ کہہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

---

1 جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے۔

مالک بنانا: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مستحق کو مالک (Owner) بنانا ضروری ہے؛ اِسی لیے زکوٰۃ کی رقم مسجد کو نہیں دی جاسکتی۔ زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کو واجب الادا قرض (Loan) دینا یا اُسے اِس قسم کے رِفاہی (Welfare) کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

کن کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے: اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی (اُصول) اور اولاد (فروع) کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ باقی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بلکہ مستحق رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا دوسرے مستحقین کو دینے سے بہتر ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں (سادات اور دیگر بنو ہاشم) کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی: جن حضرات کے بینک اکاؤنٹس ہیں اُنھیں چاہیے کہ خود اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کریں، بینکوں کا نظامِ زکوٰۃ درست نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ذریعے ادائیگی یقینی نہیں ہوگی۔

اہم وضاحت: وجوبِ زکوٰۃ کے لیے نصاب کی مقدار مالِ نامی ہونا ضروری ہے، حرمانِ زکوٰۃ کے لیے نصاب کا نامی ہونا ضروری نہیں۔ یعنی کسی شخص کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ نصاب کی مقدار ایسا مال ہے جو بڑھنے والا نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہے، اگرچہ اُس پر زکوٰۃ فرض بھی نہیں۔ مثلاً زید کے پاس بنیادی ضرورت سے زائد ایسی پراپرٹی ہے جو بیچنے کے لیے نہیں، تو زید پر اگرچہ اِس پراپرٹی کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں، تاہم وہ دوسروں سے زکوٰۃ وصول بھی نہیں کرسکتا۔

دینی مدارس کو زکوٰۃ دینا: زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے مدارسِ اہل سنت کو نہیں بھولنا چاہیے، دینی مدارس کو زکوٰۃ پیش کرنے میں مستحقین کی مدد بھی ہے اور دین کی خدمت بھی۔

حرفِ آخر... تزکیہ کی اہمیت اور اُس کے لیے اہم اُمور

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ اُس نے اپنی رحمت سے ہمیں زندگی میں ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کی رحمتیں سمیٹنے اور اِس میں اپنے دلوں کو پاکیزہ بنانے کا موقع عطا فرمایا۔

دل کی پاکیزگی کتنی ضروری ہے؟ اِس کا اندازہ اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی دُعا سے کیجیے:

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ. "(اے اللہ!) اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب کو اُٹھایا جائے گا، جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔" [الشعراء 26:87-89]

یعنی قیامت کے دن کسی شخص کو اُس کے مال اور اولاد سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، البتہ جو قلبِ سلیم (سلامت دل) لے کر حاضر ہوا اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال کا بھی فائدہ ہوگا اور اُس کی نیک اولاد بھی اُس کے کام آئے گی۔

رمضان المبارک دلوں کو پاک کرنے کا سنہری موقع ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ:

⟸ سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں؛ کہ ہر لمحے میں بے شمار لوگوں کی مغفرت ہو رہی ہے۔

⟸ فرائض کی پابندی نصیب ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُن کا ذوق وشوق مزید بڑھائیں، لیکن اگر خدانخواستہ پابندی نہیں تو پختہ نیت وبھرپور کوشش کریں کہ آئندہ کوئی فرض نہیں چھوٹے گا۔

⟸ جن حضرات پر زکوٰۃ فرض ہے وہ خوش دلی سے شرعی طریقے کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں، نیز اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خیر کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مال پیش کریں۔

⟸ قرآنِ مجید ظاہری وباطنی بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے؛ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ صحیح تلفّظ کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت کریں، پوری توجّہ اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ اُسے سنیں، نیز قرآنِ مجید کو سمجھ کر اُس کے احکام پر عمل کی کوشش کریں۔

⟸ روزہ دلوں کو پاک کرنے اور پرہیز گار بنانے کے لیے فرض کیا گیا ہے؛ چنانچہ ضروری ہے کہ پیٹ کے روزہ کے ساتھ ساتھ باقی اعضا کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائیں... جھوٹ، بدنگاہی، فحاشی اور تمام بے مقصد کاموں سے اجتناب کریں۔

⟸ نبیِ کریم ﷺ نے رمضان المبارک کو صبر اور غم خواری کا مہینہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ تمام مسلمانوں بالخصوص اپنے رشتہ داروں، ملازمین اور دیگر تعلق والوں کی خیر خواہی کریں۔

دلوں کی پاکیزگی کا ذکر کرتے ہوئے اُس ہستی کا تذکرہ بھی باعثِ برکت ہے جس کے القابات میں "طیّبہ" "طاہرہ" اور "زاکیہ" وغیرہ بھی شامل ہیں... یعنی خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسلام اللہ علیہا۔

اُن کا دل اور کردار ایسا پاکیزہ ہے کہ جانِ عالم ﷺ سے مروی ہے: «إِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَ اللهُ ذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ۔» "بلاشبہ فاطمہ نے پاک دامنی اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اُس کی اولاد پر جہنم کو حرام فرما دیا ہے۔" (المستدرک:4726)

آج پچاس سے زائد اسلامی ممالک کے پاس دولت وہتھیار وغیرہ سب کچھ ہونے کے باوجود غزہ، کشمیر اور دیگر مقامات میں مسلمانوں کے ظلم کی چکی میں پسنے کی ایک بڑی وجہ بھی مسلم حکمرانوں کے مُردہ دل ہیں۔

اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری[1]

---

[1] خوابیدہ: سویا ہوا/ مردہ۔ دَورِ حاضر کے تناظر میں مفہوم یہ کہ اے مسلمان! دل مردہ ہو تو ایٹمی ہتھیار بھی کام نہیں آتے اور تیل کے ذخیرے بھی بے فائدہ ہو جاتے ہیں، عزت پانے اور مقاصد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دل کو بیدار کر۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ / 22 مارچ 2024ء

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے

(پہلا حصہ)

(مع تذکرۂ اُمّہات المؤمنین سیدتنا خدیجہ وسیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہما)

مشمولات

- محبتِ باری کی اہمیت اور اُس کا مفہوم
- کردار کی پاکیزگی اور سیرتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- پسندیدہ بندے.... صبر کرنے والے
- پسندیدہ بندے... کثرت سے توبہ کرنے والے
- بے مثال صابرہ سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- پسندیدہ بندے... توکّل کرنے والے
- پسندیدہ بندے... خوب پاک رہنے والے
- پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش
- چیزوں کو پاک کرنے کا شرعی طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ۔ [البقرۃ2:222]

دُنیاوآخرت کی تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی نصیب ہوتی ہیں... وہ جسے چاہے، جب چاہے، جو چاہے عطا فرماتا ہے... تاہم اُس کا یہ نظام ہے کہ وہ دُنیاوی نعمتیں تمام مخلوق کو عطا فرماتا ہے، مگر اُس کی بارگاہ سے اِعزاز و تکریم، قُرب و محبوبیت اور اُخروی نعمتیں صرف اُس کے پیاروں کو نصیب ہوتی ہیں۔

وہ مسلمان نہایت خوش نصیب ہے جسے ربّ تعالیٰ اپنا پسندیدہ و محبوب بنالے۔[1] یہی وہ اِعزاز ہے جسے پانے کے لیے ہر مسلمان کو دُعائیں بھی کرنی چاہییں اور حدّ درجہ محنت بھی کرنی چاہیے۔

ربّ تعالیٰ کن مسلمانوں سے محبت فرماتا ہے؟ قرآن و سنت میں کئی ایسے اعمال کو بیان فرمایا گیا جن کی برکت سے کرم نوازی ہوتی ہے اور ربِّ کریم اپنے بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

یاد رہے کہ انسانوں کی آپس میں محبت یہ ہوتی ہے کہ دل کسی کی طرف مائل ہو، مگر باری تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ محبت فرمانے کا یہ مفہوم نہیں، اُس کی شان مخلوق کے اوصاف سے بلند ہے، اُس کے محبت فرمانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو قُرب سے نوازتے ہوئے اُسے گناہوں سے بچالے، اُس کے دل میں اپنی رِضا کی ایسی تڑپ پیدا کردے کہ بندے کو کسی اور کی چاہت نہ رہے، اُس کے دل کو دُنیاوی کُدورتوں سے پاک فرما کر یہ کیفیت کردے کہ گویا بندہ اپنے مہربان ربّ کو دیکھ رہا ہے۔[2]

رمضان المبارک میں رحمتِ الٰہی جوش پر ہوتی ہے، اچھے اعمال کا شوق بھی بیدار ہوتا ہے اور اُنھیں بجالانا بھی آسان ہوتا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اِس ماہِ مبارک میں پسندیدہ بندوں والے کام کرکے محبوبانِ خدا کی فہرست میں شامل ہونے کی سعادت پائیں!

چنانچہ آج کے خطبہ میں کچھ ایسے ہی اعمال کا تذکرہ ہوگا۔ نیز اِس ماہِ مبارک میں وصال فرمانے والی دو اُمہات المؤمنین: سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ اور سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذکرِ خیر سے بھی برکت حاصل کی جائے گی۔

---

[1] ربّ تعالیٰ کے محبت فرمانے پر یہ آیتِ کریمہ دلیل ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗ... یعنی "اے ایمان والو! (وصالِ نبوی کے بعد) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد (اسلام سے خارج) ہوجائے گا تو بہت جلد اللہ ایسی قوم لائے گا، جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہوں گے اور اللہ سے محبت بھی کریں گے۔" [المائدۃ5:54]

[2] مَحَبَّةُ اللّٰهِ لِلۡعَبۡدِ: تَقۡرِیۡبُهٗ مِنۡ نَفۡسِهٖ بِدَفۡعِ الشَّوَاغِلِ وَالۡمَعَاصِیۡ عَنۡهُ وَتَطۡهِیۡرِ بَاطِنِهٖ عَنۡ کُدُوۡرَاتِ الدُّنۡیَا وَرَفۡعِ الۡحِجَابِ عَنۡ قَلۡبِهٖ حَتّٰی یُشَاهِدَهٗ کَاَنَّهٗ یَرَاهُ بِقَلۡبِهٖ۔ (إحیاء علوم الدین للغزالی، کتاب المحبة، القول فی علامات محبة العبد لله تعالیٰ، ج:4، ص:329)

پسندیدہ بندے.... صبر کرنے والے

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو عقل اور شریعت اچھا قرار دیتی ہیں، مگر اُس پر قائم رہنے کے لیے مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے، چنانچہ اگر انسان مشقت برداشت کرلے اور اُس اچھی بات پر استقامت اختیار کرے تو اِسے "صبر" کہا جاتا ہے۔

صبر کی تین صورتیں ہیں:

1) اِطاعت پر صبر۔ یعنی عبادت وغیرہ کسی شرعی حکم کو پورا کرنے میں مشقت برداشت کرنا پڑے، مگر انسان مشقت کی پرواہ کیے بغیر ہر صورت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کا حکم پورا کرے۔

2) نافرمانی سے بچنے پر صبر۔ یعنی جس چیز سے منع کیا گیا اُس سے بچنے میں مشکل ہو، مگر انسان مشکلات جھیلنے کے باوجود نافرمانی سے بچے۔

3) مصیبت پر صبر۔ یعنی انسان کو جانی، مالی یا کسی اور طرح کی آزمائش آئے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہے اور رِضائے اِلٰہی کے خلاف نہ تو زبان سے کوئی بات کہے اور نہ کوئی ایسا عمل کرے۔[1]

صبر پر ملنے والے انعامات میں سے ایک یہ بھی ہے ایسے شخص کو باری تعالیٰ اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ ربِّ کریم نے اپنے کچھ صابر بندوں کا تذکرہ کرکے ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ "اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:146]

صبر کرنے والوں کو خوش خبری سے نوازنے کے لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔
یعنی "اور (اے محبوب!) صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے o وہ لوگ کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں o یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے دُرود (خصوصی نوازشات) ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔" [البقرۃ 2:155 تا 157]

صبر ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے بڑی سے بڑی آزمائش اور سخت ترین مشکل بھی انسان کے حق میں رحمتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے اور وہ ایسا اِعزاز پاتا ہے جو اُسے آسائش اور آسانی میں نصیب نہیں ہوسکتا تھا... جب کہ بے صبری ایسی نحوست ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف نیکیوں کا موقع گنوا دیتا ہے، بلکہ بہت مرتبہ دُنیاوی ذلّت و رسوائی کے ساتھ ساتھ ربِّ کریم کی ناراضی کا بھی حق دار ٹھہرتا ہے۔

حدیثِ مبارک کے مطابق رمضان المبارک "صبر کا مہینہ" ہے، ہمیں اِس مہینے میں تینوں طرح کے صبر کی عادت ڈالنی چاہیے۔

---

[1] وَأَمَّا الصَّبْرُ فَثَلَاثُ دَرَجَاتٍ: أَوَّلُهَا: الصَّبْرُ عَلَى الْمُصِيبَةِ، وَثَانِيهَا: الصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ، وَأَعْلَاهَا: الصَّبْرُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ۔
(غريب الحديث لابن قتيبة، ج:1، ص:580، مطبعة العانی)

بے مثال صابرہ سیدتنا خدیجہ: اُمّ المؤمنین، اُمّ القاسم، سیدۂ قریش، حضرت خدیجۃ الکُبریٰ بنتِ خُویلد طاہرہ صدّیقہ [1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصالِ مبارک اعلانِ نبوت کے دسویں سال 10 رمضان المبارک کو ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا حد درجہ صبر کرنے والی تھیں اور تقریباً 25 سال اپنے تن مَن دَھن کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو کفار نے اذیتیں پہنچانے کی حد کر دی، چاروں طرف مشکلات ہی مشکلات تھیں، اِن حالات میں اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف خود بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا، بلکہ جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو تسلی بھی دیا کرتی تھیں اور دل کھول کر مال و جان کے ساتھ خدمت بھی کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اُن کے بے مثال صبر اور خدمت گزاری کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یاد فرمایا کرتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَكَرَ خَدِيجَةَ أَحْسَنَ عَلَيْهَا الثَّنَاءَ۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کرتے تو اُن کی خوب تعریف فرماتے۔ ایک موقع پر مَیں (عائشہ) نے اِس بارے میں کچھ عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا أَبْدَلَنِيَ اللهُ بِهَا خَيْرًا مِّنْهَا، صَدَّقَتْنِيْ إِذْ كَذَّبَنِيَ النَّاسُ، وَوَاسَتْنِيْ بِمَالِهَا إِذْ حَرَمَنِيَ النَّاسُ، وَرَزَقَنِيَ اللهُ مِنْهَا الْوَلَدَ إِذْ لَمْ يَرْزُقْنِيْ مِنْ غَيْرِهَا۔ یعنی "(مَیں خدیجہ کی تعریف کیوں نہ کروں!) اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی، جب لوگوں نے میرا اِنکار کیا اُس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں، [2] جب لوگ مجھے کچھ پیش کرنے کے لیے تیار نہ تھے تب اُس نے اپنے مال (اور جان) کے ذریعے میری غم خواری کی (خوب خدمت بھی کی اور تمام مال بھی مجھ پر نچھاور کر دیا) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد بھی اُسی سے عطا فرمائی [3]۔" (المعجم الکبیر: 23/13، رقم: 22۔ مسند احمد، رقم: 24864)

آپ رضی اللہ عنہا کے صبر واستقامت کی باری تعالیٰ نے بھی خوب عزت افزائی فرمائی۔ ایک موقع پر سیدنا جبریل امین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: خدیجہ آپ کے پاس کھانا وغیرہ لے کر حاضر ہو رہی ہیں، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّيْ، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَّا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ۔ جب وہ آئیں تو اُنھیں ربِّ کریم کی طرف سے بھی سلام دیجیے گا اور میری طرف سے بھی... اور اُنھیں جنت میں خول دار (اندر سے خالی) موتی سے بنے ہوئے گھر کی خوش خبری بھی عطا کیجیے گا، جس میں نہ تو کوئی شور ہو گا نہ کوئی تکلیف ہو گی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3820) سلام رضا میں ہے:

مَنْزِلٌ مِّنْ قَصَبٍ لَا نَصَبٌ لَا صَخَبٌ ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

---

[1] دورِ جاہلیت میں بھی آپ کو صدّیقہ اور طاہرہ کہا جاتا تھا۔

[2] خواتین میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول کیا۔

[3] شہزادۂ والاشان حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔

پسندیدہ بندے... خوب پاک رہنے والے

باری تعالیٰ اِس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اُس کے بندے کا باطن بھی سُتھرا ہو اور ظاہر بھی پاکیزہ ہو... نہ تو کفر و گمراہی اور گناہوں کی باطنی نجاست اُسے قبول ہے اور نہ ہی وہ ظاہری نجاست و گندگی کو پسند فرماتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ "یقیناً اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور خوب پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [البقرۃ2:222]

دوسرے مقام پر باری تعالیٰ نے نبیِ رحمت ﷺ کو منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد میں جانے سے منع فرما کر مسجدِ قُبا میں قیام کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ "اُس میں وہ لوگ (صحابہ) ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [التوبۃ9:108]

ہماری حالتِ زار: دین سے دُوری کے سبب ہمیں طہارت کی اہمیت کا اِحساس ہی نہیں... صفائی کا پھر بھی کچھ خیال کرتے ہیں، مگر طہارت کے حوالے سے صورتِ حال بہت پریشان کُن ہے۔ صفائی بلاشبہ ربّ تعالیٰ کو پسند ہے، مگر طہارت و پاکیزگی اتنی اہم ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے بطورِ مبالغہ طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:223) بدن، جگہ یا کپڑے صاف نہ ہوں تو بھی نماز ہو جاتی ہے، اگرچہ ایسا کرنا اچھا نہیں، مگر پاک نہ ہوں تو نماز ہوتی ہی نہیں۔

شریعتِ مطہرہ حکم دیتی ہے کہ کسی پاک چیز کو بلاوجہ ناپاک کرنا حرام ہے اور اگر ناپاک ہو جائے تو اُسے شرعی طریقے سے پاک کیا جائے... مگر ہم لوگ نہ تو نجاست سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ہمیں ناپاک چیز کو پاک کرنے کا شرعی طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ نجاست کی پرواہ نہ کرنے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ نبیِ مکرم ﷺ نے ایک قبر والے کے بارے میں بتایا کہ اِسے عذاب ہو رہا ہے اور وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ۔ "وہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔" (صحیح بخاری، حدیث:218)

دوسری طرف طہارت کی اہمیت یہ ہے کہ ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: جب کوئی شخص طہارت پر سوتا ہے (گناہوں سے توبہ کر کے باوضو سوتا ہے، نیز بدن اور جگہ وغیرہ پاک ہوتی ہے) تو رات بھر فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا۔ اے اللہ! اپنے اِس بندے کو بخش دے، یہ طہارت پر سویا ہے۔[1]

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: طَهِّرُوْا هٰذِهِ الْأَجْسَادَ طَهَّرَكُمُ اللّٰهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ يَّبِيْتُ طَاهِرًا إِلَّا بَاتَ مَعَهُ مَلَكٌ فِيْ شِعَارِهِ لَا يَنْقَلِبُ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: 13620، 13621۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

پاک کرنے کا شرعی طریقہ: کوئی چیز ناپاک ہو جائے تو اُسے پاک کرنے کے حوالے سے چند بنیادی اُصول یہ ہیں:

1) اگر اُس چیز میں مسام نہ ہوں اور اُس میں نجاست جذب نہ ہوتی ہو (جیسے آئینہ، پالش شدہ لکڑی اور مٹی کے روغنی برتن جن میں نقش و نگار نہ ہوں) تو اُسے اچھی طرح پونچھ لیں؛ تاکہ اثر باقی نہ رہے یا تین بار دھولیں۔

2) اگر وہ چیز اپنے اندر نجاست جذب کر لیتی ہے اور اُسے نچوڑنا ممکن ہے (جیسے کپڑے وغیرہ) اور پتلی نجاست (پیشاب وغیرہ) لگی ہے تو اُسے تین بار دھوئیں اور اچھی طرح اتنا نچوڑیں کہ مزید قطرے نہ ٹپکیں... اور گاڑھی نجاست ہے (جس کی جسامت ہوتی ہے جیسے پاخانہ، گوبر وغیرہ) تو اُسے دور کرنا ضروری ہے، دھونے کی گنتی مقرر نہیں۔

3) اگر وہ اپنے اندر نجاست جذب کر لیتی ہے مگر اُسے نچوڑنا ممکن نہیں (جیسے قالین) اور پتلی نجاست لگی ہے تو اُسے تین بار دھوئیں اور ہر بار اتنی دیر چھوڑ دیں کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

4) ناپاک زمین پر نجاست کا اثر نہ ہو تو وہ خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے۔

5) بہتے پانی میں کوئی چیز پاک کی جائے تو نچوڑنا ضروری نہیں ہے۔ اِسی طرح بالٹی، ٹب وغیرہ پر پانی کا نل کھول دیا جائے، پانی بہتا رہے اور کپڑے اُس میں ڈوبے رہیں تو جب نجاست نکل جائے نچوڑے بغیر ہی پاک ہو جائیں گے۔

کردار کی پاکیزگی اور سیرتِ اُمّ المؤمنین: طہارت سے متعلق یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ انسان کا کردار بھی پاکیزہ ہونا چاہیے۔ اِس حوالے سے حبیبۃ الرسول ﷺ، بنتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر یقیناً برکت کا باعث ہو گا۔ آپ کا وصال سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دَورِ سلطنت میں 17 رمضان المبارک، 57ھ کو ہوا۔

آپ ظاہری و باطنی طہارت سے یوں مزیّن تھیں کہ آپ کی شان میں سورۂ نور کی سولہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں، آخری آیت یہ ہے: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ۔ ”ناپاک عورتیں / گندی باتیں ناپاک مَردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مَرد ناپاک عورتوں / باتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ عورتیں / اچھی باتیں پاکیزہ مَردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مَرد پاکیزہ عورتوں / باتوں کے لیے ہیں۔“ مزید ارشاد فرمایا: لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ ”اُن (پاکیزہ لوگوں) کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔“ [النور24:26] یعنی جب تم نکاح سے پہلے سوچ بچار کر کے اچھے کردار والے کے لیے پاکیزہ خاتون کا انتخاب کرتے ہو تو سوچو کہ اُمّ المؤمنین کا کردار کتنا پاکیزہ ہو گا جنھیں ربّ تعالیٰ نے کائنات کی سب سے پاکیزہ ہستی، سیدِ عالم ﷺ کی زوجہ بنانے کے لیے منتخب فرمایا۔ (نور العرفان، ملخصًا)

صحيح ابن حبان، رقم الحديث:189) قال المناوی: والطهارة عند النوم قسمان: طهارةُ الظاهر وهی معروفةٌ، وطهارةُ الباطنِ وهی بالتوبةِ وهی آكدُ من الظاهرةِ۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج:4، ص:271) وقال الكحلانی: "ليس عبدٌ يبيت طاهرًا"، من النجاسات أو متوضئًا وضوءَهُ للصلاة۔ (التنوير شرح الجامع الصغير:139/7)

پسندیدہ بندے... کثرت سے توبہ کرنے والے

باری تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ بندے کا ظاہر بھی ستھرا ہو اور باطن بھی پاکیزہ ہو۔ ظاہری طہارت سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، کہ نجاست کو دُور کرکے پاکیزگی کیسے حاصل ہوتی ہے! یوں ہی باطنی طہارت وتزکیہ کی طرف توجہ بھی بہت ضروری ہے۔

باطن کو ناپاک کرنے والی بدترین پلیدی کفر ہے، گمراہی بھی باطن کو سخت گندا کر دیتی ہے، اِسی طرح گناہوں سے بھی انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ باطنی طہارت کے لیے ضروری ہے کہ عقائد اسلامی ہوں اور گناہ ہو جانے پر انسان سچی توبہ کرلے۔

توبہ کرنے والا ربِّ کریم کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

"یقیناً اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور خوب پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [البقرۃ2:222]

کثرت سے توبہ کرنے کی اہمیت کا اندازہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ اِرشادِ نبوی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اچھی طرح (سنتوں اور مستحبات کی رعایت کرکے) وُضو کرے، پھر یہ کلمات کہے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اُس کے رسول ہیں، اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور خوب پاک رہنے والوں میں سے بنادے) تو اُس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جس سے چاہے داخل ہو جائے۔" (جامع ترمذی، رقم:55)

اہلِ معرفت میں سے کوئی صاحب ایک گلی سے گزرے، کسی گھر کے دروازے میں بچہ کھڑا ہو کر رو رہا تھا اور اُس کی ماں اُسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال رہی تھی، ماں نے بچے کو باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا، بچہ کچھ قدم دُور گیا اور پھر سوچنے لگا کہ اِس گھر کے علاوہ اُس کا کوئی ٹھکانا نہیں اور ماں کے علاوہ اُسے کوئی سنبھالنے والا نہیں، وہ پریشان ہو کر واپس آیا، دروازہ بند تھا، وہ دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا، کچھ دیر بعد ماں نے دروازہ کھولا تو اپنے بچے کو اِس حالت پر دیکھ کر ممتا کو جوش آگیا، اُس نے بچے کو چوم کر سینے سے لگایا اور رو کر کہنے لگی: میرے بچے! میرے دل میں تیرے لیے بے پناہ محبت ہے، مَیں تجھ پر سب سے زیادہ شفیق ومہربان اور تیری خیر خواہ ہوں، مَیں تجھے بار بار سمجھاتی ہوں کہ میری نافرمانی کرکے مجھے غصہ نہ دلایا کر! پھر وہ اُسے سینے سے لگا کر گھر میں لے گئی۔

(مدارج السالکین لابن القیم، فصل منزلة توبة العبد، ج:1، ص:229، دار الکتاب العربی)

یہ واقعہ ذکر کرکے بزرگوں نے لکھا: ربّ تعالیٰ بندے پر اتنا مہربان ہے کہ تمام ماؤں کی محبت کو جمع کیا جائے تو بھی اُس کی رحمت ومہربانی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں! بندہ مسلسل نافرمانی کرکے اُسے ناراض کر بیٹھتا ہے، اگر بندہ سچی توبہ کرکے اپنے مہربان ربّ کی بارگاہ میں پھر سے حاضر ہو جائے تو ربِّ کریم اپنی رحمتوں کا سلسلہ پھر سے بحال فرمادیتا ہے۔

پسندیدہ بندے... توکّل کرنے والے

دنیادار الاسباب ہے، اِس میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب رکھا ہے، جب انسان وہ سبب اختیار کرے تو باری تعالیٰ کے کرم سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ یعنی کام اللہ کریم کے حکم سے ہی ہوتا ہے، البتہ اُس نے نظام یہ رکھا ہے کہ پہلے اسباب کو اختیار کیا جاتا ہے۔

باری تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ انسان اسباب اختیار کرنے کے بعد نظر اسباب پر نہ رکھے، بلکہ اپنے مہربان ربّ پر بھروسا کرے... مثلاً بیمار ہو جائے تو دوا لے، مگر یہ نہ سمجھے کہ اِس دوا سے شفا ہو گی، بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنے کرم کے ساتھ اِس دوا کے ذریعے شفا عطا فرمادے گا۔ باری تعالیٰ پر بھروسا کرنے کو "تَوَکُّل" کہا جاتا ہے اور توکل کرنے والوں کو ربِّ کریم پسند فرماتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ یعنی "اے حبیب! اہم کاموں میں اپنے صحابہ کے ساتھ مشورہ کیجیے! پھر جب کسی بات کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کیجیے! بے شک اللہ توکّل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:159]

ربّ تعالیٰ کے کرم پر بھروسا کرنے کا ایک فائدہ اِس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ... "اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے تو وہ اُسے (دونوں جہان میں) کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے (اُس کے ارادے کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں)..." [الطلاق 65:3]

ہر اچھے کام میں باری تعالیٰ پر توکل کے انعامات نصیب ہوتے ہیں، خصوصاً دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا کوئی کام اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے شروع کیا جائے تو اُس کی برکتیں بے مثال ہوتی ہیں۔ ایسے ہی توکُّل کی ایک حسین یادگار "یومِ پاکستان" ہے۔

22 تا 24 مارچ 1940ء کو منٹو پارک (اقبال پارک)، لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا چونتیسواں سالانہ اجلاس ہوا، 23 مارچ کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برِّصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ "قراردادِ لاہور" بعد میں "قراردادِ پاکستان" کے نام سے مشہور ہوئی اور اِسی قرارداد کی یاد میں ہر سال 23 مارچ کو قومی سطح پر "یومِ پاکستان / Pakistan Day" منایا جاتا ہے۔

یومِ پاکستان ہمیں توکّل کا درس دیتا ہے۔ جب یہ قرارداد پیش کی گئی تھی تو بظاہر پاکستان بنتا نظر نہیں آرہا تھا، مگر بانیانِ پاکستان نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر کے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کوشش جاری رکھی تو ربِّ کریم نے کامیابی سے نوازا۔

یومِ پاکستان ہمیں یہ بھی سبق دیتا ہے کہ اہلِ پاکستان کو پاکستان کے لیے جان دینے والوں کے مشن سے وفا کرنی چاہیے۔ اُنھوں نے تمام تر قربانیاں اِس لیے دی تھیں کہ نئے وطن میں اسلامی نظام ہو گا اور مسلمان کسی روک ٹوک کے بغیر دین پر عمل کر سکیں گے۔

حرفِ آخر... پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش

دُنیا میں رہنا انسان کی "ضرورت" ہے اور "ضرورت" کو ضرورت ہی سمجھنا چاہیے، اُسے شوق بنانا عقل مندی نہیں ہوتی... شوق وتمنا اِسی بات کی ہونی چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت ومحبوبیت نصیب ہو۔ اگر یہ اِعزاز مل جائے تو دُنیا انسان کے پیچھے پیچھے ہوتی ہے، لیکن اگر خدانخواستہ کوئی شخص دُنیا کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو وہ زندگی بھر دُنیا کے پیچھے پڑا رہنے کے باوجود نہ تو سکون پاتا ہے اور نہ اُسے حقیقی عزت نصیب ہوتی ہے۔[1]

بزرگ فرماتے ہیں: مال ودولت میں اِضافہ خوش نصیب ہونے کی نشانی نہیں، یہ آزمائش بھی ہو سکتی ہے... تاہم وہ شخص یقیناً مقدّر کا سکندر ہے جسے بارگاہِ الٰہی میں قُرب ووجاہت نصیب ہو جائے اور ربّ تعالیٰ اُسے اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے۔[2]

ربّ تعالیٰ جسے چاہے پسند فرمالے، اُس کی رحمت کسی ضابطہ کی پابند نہیں، تاہم اُس نے قرآنِ حکیم میں کچھ ایسے اعمال کا ذکر فرمایا ہے جن کی برکت سے بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت ومحبوبیت نصیب ہوتی ہے۔

آج کے خطبہ میں چند ایسے ہی اعمال کا تذکرہ ہوا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

❖ صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ:

1) اِطاعت پر صبر کریں۔ ربّ تعالیٰ کی فرماں برداری میں اگر کوئی مشکل آتی ہے تو بھی اِطاعت میں کوتاہی نہ کریں۔
2) نافرمانی سے بچنے پر صبر کی عادت اپنائیں۔ گناہ سے بچنے کے لیے مشقت اُٹھانا پڑتی ہے تو اُسے سعادت سمجھیں اور ہر گز گناہ کے قریب نہ جائیں۔
3) آزمائشوں میں صبر اختیار کریں۔ مصیبت آئے تو رضائے اِلٰہی پر راضی رہیں۔

---

[1] جب کوئی بندہ آخِرت کی بہتری کی غَرَض سے دنیا میں سے کچھ لے گا تو اُسے "دُنیادار" نہیں کہیں گے، بلکہ اس کے حق میں دنیا آخِرت کی کھیتی ہو گی اور اگر ذاتی خواہشات اور حصولِ لذّت کے طور پر یہ چیزیں حاصل کرتا ہے تو وہ "دُنیادار" ہے۔

[2] سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللهَ لَيُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ أَحَبَّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ، فَمَنْ أَعْطَاهُ الدِّيْنَ فَقَدْ أَحَبَّهُ.» یعنی "جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اموال کو ایک معین مقدار میں تقسیم فرمایا ہے اور تقدیر میں لکھا ہے، ایسے ہی اُس نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق واعمال کو بھی تقسیم فرمایا ہے اور تقدیر میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیاوی رزق اپنے محبوب بندوں کو بھی عطا کرتا ہے اور اُنھیں بھی دیتا ہے جو اُسے پیارے نہیں ہیں، مگر دین اُسے ہی عطا کرتا ہے جس سے محبت فرماتا ہے، چنانچہ جسے ربّ تعالیٰ نے دین عطا کیا وہ ضرور اُس سے محبت فرماتا ہے۔" (المستدرک علی الصحیحین: 3671)

❖ خوب پاک رہنے والوں سے خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ پیار فرماتا ہے۔ چنانچہ ہم پر لازم ہے کہ:

1) بلاوجہ پاک چیزوں کو ناپاک ہونے سے بچائیں اور نجاست سے متعلق لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کیا کریں۔

2) اگر کوئی چیز ناپاک ہو جائے تو اُسے شرعی طریقے کے مطابق پاک کریں۔

3) اِس بات کا شعور بیدار کریں کہ صاف ہونا اور ہے، جب کہ پاک ہونا کچھ اور ہے۔ صفائی بلاشبہ اچھی چیز ہے، مگر پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور اِسے اختیار کرنا لازم ہے۔

4) بدن اور لباس وغیرہ کو پاک رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے کردار کو بھی پاکیزہ رکھیں؛ یہ دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے۔

❖ کثرت سے توبہ کرنے والے اللہ کریم کو بہت پسند ہوتے ہیں؛ لہٰذا اگر ہم سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اُس پر ہرگز اِصرار نہ کریں، فوراً توبہ کرکے آئندہ کے لیے اُس سے اجتناب کریں۔

❖ توکُّل کرنے والے خوش نصیبوں کو درجۂ محبوبیت عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دُنیاوی نظام کے مطابق اسباب کو اختیار کریں، مگر نظر ہمیشہ مسبب الاسباب پر رکھیں، ہر خیر اُسی کی رحمت سے نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ خطبۂ جمعہ میں مزید کچھ پسندیدہ بندوں کا ذکرِ خیر ہو گا۔

رمضان المبارک کو کئی اکابر محبوبانِ خدا کے ساتھ نسبت ہے، آج کے خطبہ میں دو اُمّہات المؤمنین:

1) سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ

2) اور سیدتنا عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تذکرہ ہوا، ہمیں چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو اِن پاکیزہ ہستیوں کی سیرت سے آگاہ کریں اور اُنھیں اپنے اصل راہ نماؤں کی پہچان کروائیں۔

پسندیدہ بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے محبوبانِ خدا کی سرزمین "بیت المقدس" کی یاد دل کو رُلا دیتی ہے، جہاں 07 اکتوبر 2023ء سے جاری اسرائیلی دہشت گردی میں 32,000 کے قریب مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہیں۔ عالمی اداروں کے مطابق قحط کی صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی درندے رفح میں زمینی آپریشن کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔

اِن حالات میں اُمّت کا اپنے مظلوم بھائیوں کی عملی طور پر مدد نہ کرنا اور فقط مذمت پر اکتفا کرنا قابلِ مذمت ہے۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ / 29 مارچ 2024ء

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے

(دوسرا حصہ)

(مع تذکرۂ مولَی المسلمین و مجاہدینِ بدر و فتحِ مکّہ رضی اللہ عنہم)

مشمولات

- محبوبیتِ خالق کی برکت سے محبوبیتِ خلق
- باہمی اتفاق کے ساتھ ڈٹ کر جہاد کرنے والے
  - صف بستہ جہاد کی اعلیٰ مثال... غزوۂ بدر
- پسندیدہ بندے... غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
  - فتحِ مکہ میں غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہر
- پسندیدہ بندے... انصاف کرنے والے
  - سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور منصبِ قضا
- پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ۔ [الصف 4:61]

انسان کے دل میں مختلف خواہشات مچلتی رہتی ہیں۔ سوائے خاص بندوں کے ہر ایک کی یہ تمنّا بھی ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظر میں اُس کا وقار ہو اور مخلوق اُس سے مَحبّت کرے، حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ مخلوق محتاج ہے اور کسی کو کچھ دے نہیں سکتی، فقط رسمی باتیں کر سکتی ہے... یہ چاہت فقط چیدہ وچُنیدہ خوش بختوں کو ہی نصیب ہوتی ہے کہ ہمارا ربّ ہم سے محبت فرمائے اور ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل کرلے، جب کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ربِّ کریم سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی سب کچھ عطا فرمانے والا ہے۔

یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ اگر باری تعالیٰ کسی کو اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے تو مخلوق کے دلوں میں بھی اُس کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ مخلوق کا محبوب بننے کی تمنّا کرنے والا مخلوق کو خوش کر سکتا ہے نہ اپنے مالک کو راضی کر پاتا ہے، جب کہ خالق کا محبوب بننے کی چاہت رکھنے والا اپنے ربّ کا پسندیدہ بندہ بھی بن جاتا ہے اور مخلوق بھی اُس سے پیار کرتی ہے۔

ربِّ کریم جسے چاہے اپنا محبوب بنالیتا ہے، تاہم عموماً اعمالِ صالحہ کی برکت سے کرم نوازی ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔ "بلاشبہ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے عن قریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔" [مریم 96:19] اُنھیں اپنا محبوب بھی بنالے گا اور اپنے بندوں کے دلوں میں بھی اُن کا پیار ڈال دے گا۔

فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سمیت دیگر محبوبانِ خدا کے ساتھ مخلوق کی دیوانہ وار محبت اِس ارشادِ ربّانی کی عملی تفسیر ہے۔

ربِّ کریم کا پسندیدہ بننے کی چاہت رکھنے والوں کے لیے رمضان المبارک سنہری موقع ہے، اِس بابرکت مہینے میں رحمتِ الٰہی جوش پر ہوتی ہے، اچھے اعمال کا شوق بھی بیدار ہوتا ہے اور اُنھیں بجالانا بھی آسان ہوتا ہے۔

اِس ماہِ مبارک میں کئی ایمان افروز واقعات کے ساتھ ساتھ متعدّد محبوبانِ خدا کا وصال ہوا ہے۔ ہجرتِ نبویہ کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک کو اسلام اور کفر کی پہلی بڑی جنگ ہوئی، جسے غزوۂ بدر کہا جاتا ہے... 8ھ کو دوسرے عشرۂ رمضان میں مکّہ مکرمہ فتح ہوا... 21 رمضان المبارک 40ھ کو مولیٰ المسلمین شیرِ خدا سیدنا علی مُرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت ہوئی۔

گزشتہ خطبۂ جمعہ میں "پسندیدہ بندوں" کے کچھ اعمال کا تذکرہ ہوا تھا، آج بھی اِسی سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔

پسندیدہ بندے... باہمی اتفاق کے ساتھ ڈٹ کر جہاد کرنے والے

ربِّ ذوالجلال کا وعدہ ہے کہ وہ دینِ اسلام کو ہمیشہ باقی اور غالب رکھے گا۔ اِس وعدہ کو پورا فرمانے کے لیے اُسے مخلوق میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں، انسان اگر نالائقی کا مظاہرہ کریں اور دین کی مدد نہ کریں تو وہ فرشتوں، ابابیلوں اور دیگر مخلوقات کے ذریعے بھی اپنا حکم پورا کرواسکتا ہے، تاہم اُس نے مسلمانوں کو نوازنے کے لیے اُنھیں حکم دیا ہے کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے جہاد کریں۔

چنانچہ حکم ہے کہ مسلمان دُنیا بھر کے کفار کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیں، جو کافر اسلام قبول کرلیں اُنھیں عزت و تکریم حاصل ہوگی، اگر اسلام قبول نہ کریں تو اُنھیں اسلامی ریاست میں جِزیہ / ٹیکس ادا کرکے رہنے کی پیشکش کریں، اِسے قبول کرلیں تو اُنھیں مسلمانوں کی طرح مکمل عدل وانصاف دیا جائے گا، یہ بھی نہ مانیں تو پھر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی زمین سے فتنہ وفساد کو ختم کرنے اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے اُن سے جہاد کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ ”اور اُن (کفار) سے جہاد کرو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔“ [الانفال 8:39]

راہِ خدا میں جَم کر جہاد کرنے والوں کو جو انعامات نصیب ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ باری تعالیٰ اُن سے محبت فرماتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ ”یقیناً اللہ اُن مجاہدین سے محبت فرماتا ہے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“ [الصف 61:4] مفہوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن بہادر مجاہدین سے محبت فرماتا ہے جو باہمی اتفاق کے ساتھ ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں اور میدان سے نہ بھاگیں۔ اُس دَور میں جہاد کے دوران صفیں باندھی جاتی تھیں؛ اِس لیے آیتِ کریمہ میں صف بندی کا ذکر ہوا، ہمارے دَور میں جنگ کے نئے طریقے ہیں، ہر وہ طریقہ اِس آیت میں شامل ہے جس میں نظم وضبط اور باہمی قوّت وطاقت ہو اور وہ دشمنوں پر فتح کا ذریعہ بنے۔ (نور العرفان، صراط الجنان، ملخّصًا)

صف بستہ جہاد کی اعلیٰ مثال... غزوۂ بدر: باہمی اتحاد واتفاق کے ساتھ جم کر جہاد کرنے کی اعلیٰ مثال غزوۂ بدر ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک کو اسلام اور کفر کی پہلی بڑی جنگ ”بدر“ کے مقام پر ہوئی، اِس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق واتحاد، جاں نثاری اور بہادری کا ایسا حسین مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں اُس کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔ وہ بے سروسامانی کے عالَم میں اُن دشمنوں کے سامنے جم کر کھڑے ہوئے جو تعداد میں بھی اُن سے کئی گنا زیادہ تھے، اسلحہ سے بھی لَیس تھے اور بڑی طاقتوں کے حمایت یافتہ بھی تھے۔ پھر اللہ کریم نے نہ صرف کفار کو عبرت ناک شکست دی، بلکہ بدر والوں کو اپنی رِضا سے یوں نوازا کہ ایک شخص نے کئی سال بعد بدری صحابی سے متعلق سخت لہجے میں بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے روکتے ہوئے فرمایا: إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ! لَعَلَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ یعنی ”(خاموش رہو) یہ بدر میں شریک ہوا تھا، تمہیں کیا معلوم! اللہ تعالیٰ جانتا ہے جبھی تو اُس نے اہلِ بدر کے حق میں فرمایا: جو چاہو کرو، یقیناً مَیں نے تمہیں بخش دیا ہے۔“ (صحیح بخاری: 4890)

جنگ شروع ہونے سے پہلے کفار نے جاسوسی کے لیے عُمَیر بن وہب جُمَحی کو بھیجا (جو بعد میں مسلمان ہوگئے)۔ اُس کی پیش کردہ رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے: مسلمانوں کی تعداد بھی بہت مختصر ہے اور اُن کی مدد کے لیے ریزرو فوج بھی دستیاب نہیں ہے... اُن کے پاس زیادہ اسلحہ بھی نہیں ہے اور سواریاں بھی نہایت محدود ہیں... تاہم اُن کے تیور اور جذبات بتاتے ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے تمہارا کم از کم ایک بندہ ضرور مار دے گا۔ اگر اِتنی تعداد میں تمہارے بندے مارے گئے تو پیچھے کیا بچے گا! اب جو فیصلہ کرنا ہے کر لو۔"[1]

پھر اُنھوں نے ابو اُسامہ جُشَمی کو جاسوسی کے لیے بھیجا، اُس نے بھی یہی رپورٹ دی کہ اسلحہ اور تعداد بہت کم ہے، مزید کہا: وَلٰكِنِّي وَاللهِ رَأَيْتُ قَوْمًا لَا يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَنْقَلِبُوْا إِلٰى أَهْلِيْهِمْ، قَوْمًا مُسْتَمِيْتِيْنَ۔[2] یعنی "لیکن اللہ کی قسم! مَیں نے اُن کے جذبات سے محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو زندہ واپس نہیں جانا چاہتے (ہر ایک اپنے آقا کے قدموں میں جان نچھاور کرتے ہوئے شہادت کا جام پینا چاہتا ہے)، وہ ایسے جاں باز ہیں کہ مرنے تک لڑتے رہیں گے۔" (المغازی للواقدی، ج:1، ص:62، دار الأعلمی)

بچوں کے جذبات کا یہ عالَم تھا کہ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَیں بدر کے موقع پر مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا، مَیں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو دو نَو عمر لڑکے کھڑے تھے۔ دل میں خیال آیا کہ اگر دائیں بائیں دو مضبوط لوگ ہوتے تو میری پوزیشن اچھی ہوتی۔ اِسی دوران ایک لڑکے نے چُپکے سے پوچھا: چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: بھتیجے! جانتا ہوں، مگر تمھیں اُس سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا: أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِيْ سَوَادَهُ حَتّٰى يَمُوْتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے نظر آگیا تو یا اُسے قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں گا؛ کیونکہ مجھے پتا چلا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں بکتا ہے۔ سیدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَیں حیرت سے اُس نوجوان کا منہ تک رہا تھا کہ اچانک دوسرے لڑکے نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا۔ اتنے میں ابو جہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آگیا، میں نے اشارے سے بتایا کہ ابو جہل یہی ہے۔ فرماتے ہیں: فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ۔ دونوں لڑکے تلواریں لے کر ابو جہل پر جھپٹے اور اپنی تلواروں سے اُسے زمین پر ڈھیر کر دیا۔ (یہ سیدتنا عَفراء کے بیٹے سیدنا مُعَوَّذ اور سیدنا مُعاذ تھے رضی اللہ عنہم) پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا: "تم میں سے کس نے اُسے قتل کیا ہے؟" ہر ایک نے کہا: مَیں نے قتل کیا ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اُن کی تلواریں دیکھ کر فرمایا: كِلَاكُمَا قَتَلَهُ۔ "تم دونوں نے اُسے قتل کیا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3141)

---

[1] لَا مَدَدَ وَلَا كَمِيْنَ، اَلْقَوْمُ ثَلَاثُ مِائَةٍ إِنْ زَادُوْا زَادُوْا قَلِيْلًا، وَمَعَهُمْ سَبْعُوْنَ بَعِيْرًا وَفَرَسَانِ۔ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اَلْبَلَايَا تَحْمِلُ الْمَنَايَا، نَوَاضِحُ يَثْرِبَ تَحْمِلُ الْمَوْتَ النَّاقِعَ۔ قَوْمٌ لَيْسَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَلَا مَلْجَأٌ إِلَّا سُيُوْفُهُمْ، أَمَا تَرَوْنَهُمْ خُرْسًا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ، يَتَلَمَّظُوْنَ تَلَمُّظَ الْأَفَاعِيْ، وَاللهِ مَا أَرٰى أَنْ نَقْتُلَ مِنْهُمْ رَجُلًا حَتّٰى يُقْتَلَ مِنَّا رَجُلٌ، فَإِذَا أَصَابُوْا مِنْكُمْ عَدَدَهُمْ فَمَا خَيْرٌ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَرُوْا رَأْيَكُمْ۔ (الطبقات الکبرٰی لابن سعد، ج:2، ص:11، دار الکتب العلمیة)

[2] وَالْمُسْتَمِيْتُ: اَلَّذِيْ يُقَاتِلُ عَلَى الْمَوْتِ۔ (غریب الحدیث للخطابی، ج:1، ص:397، دار الفکر)

پسندیدہ بندے... غلامانِ رسول ﷺ

ایمان کی تکمیل اور اسلام کا حُسن یہ ہے کہ مسلمان اپنے ربِّ ذوالجلال کا "بندہ" اور اپنے نبیِ اکرم ﷺ کا "غلام" بن کر رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کے حکم کے سامنے اپنی گردن یوں جھکا دے کہ گویا اب اُس کی کوئی چاہت نہیں، اُسے کوئی اختیار نہیں، بلکہ اُس کا کچھ بھی نہیں... اب اُس کی چاہت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب ﷺ کی چاہت ہے، وہ خود بھی اللہ، رسول کا ہے اور اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اللہ، رسول کا ہے۔ "بندگیٔ خدا" اور "غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ" اِسی جذبہ و عمل کا نام ہے۔

سرورِ عالم ﷺ کے سچے غلاموں اور فرماں برداروں کو دُنیا و آخرت میں بارگاہِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔ اُن پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ ایک آیتِ کریمہ میں یوں ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ "اے حبیب! فرما دیجیے کہ لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے غلام / فرماں بردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" [اٰلِ عمران 3:31]

فتحِ مکہ میں غلامیٔ رسول ﷺ کے مظاہر: غلامیٔ رسول ﷺ کا سلیقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھنا چاہیے، اُن کی برکت سے بعد والوں میں بھی اِس جذبہ کی جھلک باقی رہی، مگر وہ اپنی مثال آپ تھے۔ 8ھ، رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں[1] مکہ مکرمہ فتح ہوا، اِس موقع پر بھی صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان نے اطاعت و غلامی کا ایسا مظاہرہ کیا جو لائقِ تقلید و تحسین ہے۔

6ھ میں نبیِ مکرم ﷺ تقریباً چودہ سو اصحاب کے ہمراہ عمرہ کے لیے مکہ مکرّمہ زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّتَعْظِيْمًا تشریف لائے اور کفار نے راستہ روکا، تب مذاکرات کے بعد ایک معاہدہ طے پایا، جسے صُلحِ حُدَیْبِیَہ کہا جاتا ہے۔ اِس معاہدہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب میں سے ہر قبیلہ کو اختیار ہو گا کہ وہ چاہے تو قریش کا ساتھی بن جائے اور چاہے تو رسولِ مکرم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ اِس شرط کے مطابق "بنو بکر" قریش کے ساتھی بنے اور "بنو خُزاعہ" مسلمانوں کے حلیف قرار پائے۔

ایک عرصہ سے بنو بکر اور بنو خُزاعہ کے درمیان سخت دشمنی تھی... صلحِ حُدَیبِیَہ کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کے لیے قریش سے مل کر حملہ کر دیا، اِس حملہ میں قریش نے بنو بکر سے بھرپور تعاون کیا اور حُدَیبِیہ میں ہونے والا معاہدہ توڑ دیا۔

بعد میں قُریشِ مکہ کو اپنی غلطی کا اِحساس ہوا، اُنھوں نے معذرت کرنے اور معاہدہ کو بحال کروانے کے لیے ابوسُفیان (جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں بہت قُرب پایا) کو مدینہ منوّرہ کی طرف بھیجا۔ اُس نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر معاہدہ بحال کرنے کی درخواست کی، مگر سرکارِ دوعالَم ﷺ نے اُسے قبول نہ فرمایا۔

---

[1] یومِ فتح سے متعلق روایات مختلف ہیں، 20 رمضان المبارک کا یومِ فتحِ مکہ ہونا مشہور ہے۔

اب وہ سفارش کروانے کے لیے مختلف اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس گیا، سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیق کے پاس، پھر سیدنا عمر فاروق کے پاس، پھر سیدنا عثمانِ غنی کے پاس، پھر سیدنا علی مرتضٰی اور حضرتِ خاتونِ جنت سمیت متعدد دیگر بزرگ شخصیات کے پاس گیا رضی اللہ عنہم... سب سے ایک ہی گزارش کی کہ سرکار کے پاس جاکر میری سفارش کر دیں یا خود اِعلان کر دیں کہ مَیں نے امان دے دی ہے... مگر اِس بات سے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ہر ایک نے جواب میں اِسی طرح کے کلمات کہے: جِوَارِیْ فِیْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ... عَقْدُنَا فِیْ عَقْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ "ہماری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ کے تابع ہے... ہمارا معاہدہ رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ کے تابع ہے (اسلام قبول کرنے کے بعد اب ہماری مجال نہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ کی مرضی کے خلاف ایک حرف بھی کہیں، اب جو بھی فیصلہ کرنا ہے آقا کریم ﷺ ہی کریں گے)۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:5، ص:10، دار الکتب العلمیۃ۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:6، ص:517، دار ہجر۔ المغازی للواقدی، ج:2، ص:793، دار الأعلمی)

فتحِ مکہ کے بعد لوگوں نے فوج در فوج اسلام قبول کیا اور سرورِ عالم ﷺ کی غلامی اختیار کر کے عزتیں پائیں، مگر اِس سے پہلے کا دَور بہت مشکل دَور تھا، اُس وقت رسول اللہ ﷺ سے غلامی کا رشتہ نبھانا "جان ہتھیلی پر رکھنے" والی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جنت کا وعدہ فرمایا، مگر فتحِ مکہ سے پہلے غلامی کرنے والوں کی شان برتر قرار دی۔ فرمایا: لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ یعنی "جن صحابہ نے فتحِ مکہ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا اُن کا درجہ بعد میں خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں سے بڑا ہے، اور اُن سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔" [الحدید 57:10]

ہماری حالتِ زار: ہم سب غلامِ رسول ﷺ ہونے کا دعوٰی تو کرتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہیں کہ "غلامیٔ رسول میں.... موت بھی قبول ہے"، مگر عملی طور پر ہمارے دَور میں غلامی، اِطاعت اور خود سپردگی کا یہ جذبہ بہت کم ہو چکا ہے۔ اپنی خواہش کو شریعت کے حکم پر قربان کرنا، اپنے مفاد پر دینی مفاد کو ترجیح دینا، دین کی خاطر مشکلات برداشت کرنا اور اسلام کی خاطر جینے، مرنے کا جذبہ رکھنا... یہ سب پرانے دَور کی باتیں لگتی ہیں، حالانکہ یہی ایمان کی مٹھاس اور اسلام کا حُسن ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِہِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ "اور کسی بھی مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو اُنھیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار باقی ہو اور جو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک وہ صریح گمراہی میں بھٹک گیا۔" [الاحزاب 33:36] اقبال علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

مَقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر — بحقِ دِل بنُد و راہِ مصطفٰی رَو[1]

---

[1] یعنی اگر تُو اِس جہان میں اپنا مقام پانا چاہتا ہے تو دل کو اللہ تعالٰی کی محبت سے آباد کر اور مصطفٰی کریم ﷺ کے راستے پر چل۔

پسندیدہ بندے... انصاف کرنے والے

کسی بھی جگہ پر چند افراد کا اتفاق و محبت کے ساتھ اکٹھے رہنا تبھی ممکن ہوتا ہے جب وہ عدل و انصاف کے تقاضے پیشِ نظر رکھتے ہوں، ظلم کے ساتھ ایک گھر کے افراد اکٹھے نہیں رہ پاتے، ایک قوم یا مختلف اقوام کا ایک ساتھ رہنا تو بہت دُور کی بات ہے۔

چنانچہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظامِ عدل کا قیام بہت ضروری ہے۔ قرآن و سنت کی متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ مَحبَّت فرماتا ہے[1] اور اُن کے لیے دُنیا و آخرت کی عزتیں ہیں، جب کہ ظلم کرنے والوں کو باری تعالیٰ پسند نہیں فرماتا[2] اور اُنھیں دونوں جہان میں ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا۔

ایک آیتِ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے: وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ ”اور عدل کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“ [الحجرٰت 49:9]

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عز وجل، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، اَلَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا۔» یعنی ”انصاف کرنے والے بارگاہِ الٰہی میں بہت قُرب و اِعزاز کے ساتھ نور کے منبروں پر ہوں گے... وہ جو اپنی حکومت (عہدہ و منصب)، اپنے گھر والوں اور اپنی ذمہ داری / اپنے ماتحت لوگوں میں عدل کرتے ہیں۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 1827)

ویسے تو ہر شخص پر اپنی ذمہ داریوں اور اپنے متعلقین کے ساتھ انصاف کرنا اور اُن کے حقوق پورے کرنا لازم ہے، حتّٰی کہ اپنی ذات کے ساتھ انصاف بھی انسان کے فرائض میں سے ہے،[3] جیسا کہ اِس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے... تاہم انصاف سے متعلق سب سے زیادہ ذمہ داری حکمرانوں اور قاضیوں / ججز پر عائد ہوتی ہے؛ کیونکہ اِن کے ماتحت افراد زیادہ ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے منصب سے وفا کریں تو پوری قوم راحت و سکون پاتی ہے، لیکن یہ ظالم ہوں تو پوری قوم اُس کا وبال اُٹھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز قاضیوں اور حکمرانوں کو انصاف سے متعلق سب سے زیادہ جواب دہ ہونا ہوگا۔

---

[1] حاکمِ مطلق جلّ جلالہٗ نے تاج دارِ عرب و عجم ﷺ کو فرمایا: وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ ”اور اے محبوب! اگر آپ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمادیں، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“ [المائدۃ 5:42]
نیز دیکھیے الممتحنۃ 60:8

[2] دیکھیے اٰلِ عمران 3:57، 140۔ الشوریٰ 42:40

[3] اپنی ذات کے ساتھ انصاف میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ انسان اپنا وقت نافرمانی کے کاموں میں ضائع نہ کرے۔

سیدنا علی اور منصبِ قضا: انصاف کرنے والوں کا تذکرہ ہو تو انصاف یہی ہے کہ اُس ہستی کا ذکرِ خیر بھی کیا جائے جس نے اسلام کے ابتدائی دَور میں طویل عرصہ تک منصبِ قضا کو عزت عطا کی، جن سے متعلق سرورِ عالَم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ۔ یعنی "میری اُمّت میں سب سے بڑا قاضی علی (رضی اللہ عنہ) ہے۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث:154)

مولَی المسلمین شیرِ خدا سیدنا علی مُرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تعالٰی وَجْہَہُ الکَرِیم کی شہادت 21 رمضان المبارک، 40ھ کو ہوئی۔ آپ کو منصبِ قضا میں انوکھی شان حاصل تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا! آپ نے خود فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا، میں نے عرض کی: آپ مجھے قاضی (جج) بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں، حالانکہ مجھے فیصلہ کرنے کا تجربہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے (قوتِ فیصلہ سے نوازنے کے لیے) اپنا دستِ مبارک میرے سینے پہ مارا اور دُعا دی: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَثَبِّتْ لِسَانَهُ۔ "اے اللہ! اِس کے دل کو ہدایت (قضا کی سمجھ بوجھ) عطا فرما اور اِس کی زبان کو (فیصلہ کرنے میں) ثابت رکھ۔" سیّد المرسلین ﷺ کے دستِ مبارک اور دعا کی برکت سے ایسا کرم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے: فَمَا شَكَكْتُ بَعْدُ فِي قَضَاءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔ یعنی اِس کے بعد مجھے کبھی کسی فیصلہ میں تردُّد / شک نہیں ہوا۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث:2310)

حضرت سعید بن مسیَّب علیہ الرحمہ نے فرمایا: كَانَ عُمَرُ يَتَعَوَّذُ بِاللهِ مِنْ مُعْضِلَةٍ لَيْسَ لَهَا أَبُو حَسَنٍ۔ یعنی امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ربّ تعالٰی سے پناہ مانگتے تھے کہ کوئی مشکل فیصلہ ہو اور اُس میں سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مشورہ نہ کیا جائے۔
(فضائل الصحابة للإمام أحمد، رقم:1100، مؤسسة الرسالة۔ الطبقات الكبرٰى، ج:2، ص:258، دار الكتب العلمية)

مثالی فیصلہ: سیدنا علی مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تعالٰی وَجْہَہُ الکَرِیم کے فیصلے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اُنھیں جان کر انسان آپ کی قوّتِ فیصلہ کو بے اختیار داد دیتا ہے، آپ کا اندازِ انصاف آج بھی قاضیوں اور حکمرانوں کے لیے مَنارۂ نور ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کو چوری کے اِلزام میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، مدّعی نے دو جھوٹے گواہوں کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ بظاہر مُلْزَم پھنس چکا تھا، مگر آپ کی حکمتِ عملی سے حق واضح ہو گیا۔ مقدمہ پیش ہونے کے بعد آپ لوگوں کے کسی اور معاملہ میں مصروف ہو گئے، پھر فیصلہ سے پہلے جھوٹے گواہوں کو ڈراتے ہوئے فرمایا: فَلَا أُوتَى بِشَاهِدِ زُورٍ إِلَّا فَعَلْتُ بِهِ كَذَا وَكَذَا۔ یعنی اگر میری عدالت میں کسی نے جھوٹی گواہی دی تو اُسے نشانِ عبرت بنا دوں گا۔ پھر آپ نے فیصلہ کرنے کے لیے گواہوں کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دھمکی سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں، چنانچہ آپ نے بے گناہ ملزم کو بری کر دیا۔

(مصنف ابنِ ابی شیبہ، ج:5، ص:545، رقم:28829)

آج صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ پوری دُنیا اُس نظامِ عدل کے لیے ترس رہی ہے جو سید المرسلین ﷺ نے عطا کیا اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان نے اُسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔

حرفِ آخر... پسندیدہ بندہ بننے کی کوشش

ہر مسلمان کے دل میں اپنے مہربان ربّ کی محبت سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ یعنی اُس کے دل میں ربّ تعالیٰ کی تعظیم ہو، اُس کے قُرب ورِضا کا طلب گار رہے، اُس کی بارگاہ میں حاضری کا شوق ہو، اُس کے ذکر سے قرار پائے اور اُس کے حکم پر عمل کرے۔[1] ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ "اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔" [البقرۃ2:165]

نیز ہر مسلمان کے دل میں یہ آرزو بھی ہونی چاہیے کہ باری تعالیٰ اُسے اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے۔[2] یعنی وہ اپنا قُرب عطا فرمائے، گناہوں سے بچالے، اپنی رِضا کی تڑپ عطا کردے اور دل کو دُنیاوی کدورتوں سے پاک فرمادے۔[3]

قرآنِ حکیم میں محبوبانِ خدا کے اعمال کا تذکرہ ہے اور ماہِ رمضان نیکیوں میں سبقت / آگے نکلنے کا مہینہ ہے۔ ہمیں اِس مہینے میں اُن اعمال کی عادت ڈالنی چاہیے؛ تاکہ اُن کی برکت سے کرم نوازی ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالے۔

گزشتہ جمعۃ المبارک اور آج کے خطبہ میں محبوبانِ خدا کے اعمال کا تذکرہ ہوا۔ مختلف آیاتِ کریمہ کا خلاصہ ہے کہ:

⟸ صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ:

- اِطاعت پر صبر کریں۔ ربّ تعالیٰ کی فرماں برداری میں اگر کوئی مشکل آتی ہے تو بھی اِطاعت میں کوتاہی نہ کریں۔
- نافرمانی سے بچنے پر صبر کی عادت اپنائیں۔ گناہ سے بچنے کے لیے مشقت اُٹھانا پڑتی ہے تو اُسے سعادت سمجھیں اور ہرگز گناہ کے قریب نہ جائیں۔
- آزمائشوں میں صبر اختیار کریں۔ مصیبت آئے تو رضائے اِلٰہی پر راضی رہیں۔

⟸ خوب پاک رہنے والوں سے خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ پیار فرماتا ہے۔ چنانچہ ہم پر لازم ہے کہ:

- نجاست سے متعلق لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کیا کریں، نیز کوئی چیز ناپاک ہوجائے تو اُسے شرعی طریقے کے مطابق پاک کریں۔
- اِس بات کا شعور بیدار کریں کہ صاف ہونا اور ہے، جب کہ پاک ہونا کچھ اور ہے۔ صفائی بلاشبہ اچھی چیز ہے، مگر پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور اِسے اختیار کرنا لازم ہے۔

---

[1] وَأَمَّا مَحَبَّةُ الْعَبْدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى: فَحَالَةٌ يَجِدُهَا مِنْ قَلْبِهٖ تَلْطُفُ عَنِ الْعِبَارَةِ، وَقَدْ تَحْمِلُهٗ تِلْكَ الْحَالَةُ عَلَى التَّعْظِيْمِ لَهٗ وَإِيْثَارِ رِضَاهُ وَقِلَّةِ الصَّبْرِ عَنْهُ وَالْاِحْتِيَاجِ إِلَيْهِ وَعَدَمِ الْقَرَارِ مِنْ دُوْنِهٖ وَوُجُوْدِ الْاِسْتِيْنَاسِ بِدَوَامِ ذِكْرِهٖ لَهٗ بِقَلْبِهٖ۔ (الرسالة القشيرية:485/2)

[2] محبتِ ربّانیہ سے متعلق آیت ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ... [المائدۃ5:54]

[3] مَحَبَّةُ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ: تَقْرِيْبُهٗ مِنْ نَفْسِهٖ بِدَفْعِ الشَّوَاغِلِ وَالْمَعَاصِيْ عَنْهُ وَتَطْهِيْرِ بَاطِنِهٖ عَنْ كُدُوْرَاتِ الدُّنْيَا وَرَفْعِ الْحِجَابِ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى يُشَاهِدَهٗ كَأَنَّهٗ يَرَاهُ بِقَلْبِهٖ۔ (إحياء علوم الدين للغزالي، كتاب المحبة، القول في علامات محبة العبد لله تعالى، ج:4، ص:329)

⟸ کثرت سے توبہ کرنے والے اللہ کریم کو پسند ہوتے ہیں؛ لہٰذا اگر ہم سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اُس پر ہرگز اِصرار نہ کریں، فوراً توبہ کرکے آئندہ کے لیے اُس سے اجتناب کریں۔

⟸ توکّل کرنے والے خوش نصیبوں کو درجۂ محبوبیت عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دُنیاوی نظام کے مطابق اسباب کو اختیار کریں، مگر نظر ہمیشہ مسبب الاسباب پر رکھیں، ہر خیر اُسی کی رحمت سے نصیب ہوتی ہے۔

⟸ محبوبِ خُدا ﷺ کی غلامی و فرماں برداری کرنے والے محبوبِ خُدا بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ عملی طور پر "غلام" ہونے کا ثبوت دیں، اپنے آقا کریم ﷺ کے احکام پر دل و جان سے عمل کریں اور آپ ﷺ کے دین کو سیکھ کر اُس پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی ترویج و اِشاعت کریں۔

⟸ انصاف کرنے والے، باری تعالیٰ کے پیاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اپنی ذات سے بھی انصاف کریں اور اپنا وقت فضول کاموں میں ضائع نہ کریں، نیز اپنے خاندان والوں اور ماتحت افراد کے ساتھ انصاف کو بھی اپنے اُوپر لازم کریں۔

⟸ تقوٰی اختیار کرنے والے خوش نصیبوں کو باری تعالیٰ اپنا دوست بنالیتا ہے۔[1] چنانچہ ہمیں احکام پر عمل اور ممنوعات سے بچنے کی عادت ڈالنی چاہیے؛ تاکہ دولتِ تقوٰی نصیب ہو۔

⟸ احسان والوں پر باری تعالیٰ اِحسانِ محبّت فرماتا ہے۔[2] چنانچہ ہمیں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا تصوّر پختہ کرنا چاہیے، نیز مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنی چاہیے؛ تاکہ ہمیں بھی "اِحسان" نصیب ہو۔

⟸ باہمی اتفاق کے ساتھ ڈٹ کر راہِ خدا میں جہاد کرنے والے محبوبِ الٰہی بن جاتے ہیں۔

قرآن و سنت میں جہاد کے جس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں اُن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پہلے وقتوں کے مسلمانوں نے ہمارے دَور کی صورتِ حال کا شاید تصوّر بھی نہیں کیا ہوگا۔

غزہ میں 32 ہزار کے قریب مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہیں۔ غزہ کے بے گناہ شہری اپنے شہر میں بے گھر ہیں اور قحط کی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل 25 ہزار ٹن بارود غزہ پر گرا چکا ہے۔ سلامتی کونسل کی قرارداد اور انٹرنیشنل کورٹ کے فیصلے کے باوجود اسرائیلی ظلم کا سلسلہ جاری ہے اور درندے "رفح آپریشن" کی تیاری کر رہے ہیں۔

اِن حالات کے باوجود مسلم حکمران جہاد کا نام لینے کے لیے بھی تیار نہیں، بلکہ زیادہ تر مسلمانوں کو اسرائیل کا بائیکاٹ کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

---

[1] اٰلِ عمران 3:76۔ التوبۃ 9:4، 7

[2] البقرۃ 2:195۔ اٰلِ عمران 3:134، 148۔ المائدۃ 5:13، 93

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ / 05 اپریل 2024ء

رحمتیں بانٹ کے رُخصت ہوا ماہِ رَمَضان

مشمولات

- جمعۃ الوداع کے موقع پر قلبی کیفیت
- ”صلاۃ الوداع“ کی تربیت
- رمضان المبارک کا اچھا اختتام
- رمضان المبارک کے بعد اعمالِ خیر پر استقامت
- صدقۂ فطر کے احکام
- رمضان المبارک کی قدر شناسی
- اختتامِ رمضان پر نبوی معمولات
- شبِ عید اور نبوی تعلیمات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۪ فَاَصَابَہَآ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ۔ [البقرۃ2:266]

سرورِ عالَم ﷺ کی رحمتِ خاصہ کا اِظہار ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اُمّت کو کئی ایسے اوقات اور مواقع عطا فرمائے ہیں، جن میں ربّ تعالیٰ کی رحمت نہایت جوش پر ہوتی ہے اور وہ خصوصی انعام واکرام سے نوازتا ہے۔

خاص اوقات میں سے ایک ماہِ رمضان المبارک بھی ہے۔ اِس مبارک مہینے میں رحمتِ اِلٰہی موسلا دھار برستی ہے.. اِس کی آمد پر جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے[1] اور بارگاہِ ربّ العزت سے نیکیوں کا ثواب زیادہ عطا ہوتا ہے۔[2]

کشتۂ عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اِن خصوصی رحمتوں کا سبب ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

عطائے ارب، جلائے کرب، فیوض عجب، بغیر طلب
یہ رحمتِ رب ہے کس کے سبب بربِّ جہاں تمہارے لیے[3]

آج (1445ھ کے) رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہے، جسے ہمارے ہاں جمعۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اِس موقع پر جہاں رحمتِ اِلٰہی کی وُسعت کی طرف توجہ کر کے فرحت ومَسرت ہوتی ہے وہاں اِس بات کی طرف دھیان کر کے دل غمگین ونرم بھی ہو جاتا ہے کہ ہم اِس رمضان کا حق تو ادا نہ کر سکے، نہ جانے آئندہ سال کا رمضان المبارک نصیب ہو گا یا اُس سے پہلے موت آجائے گی!

یہ کیفیت کیوں نہ ہو! نبیِ کریم ﷺ نے رمضان کی رحمتیں سمیٹنے والوں کو خوش خبریاں دی ہیں تو سستی کرنے والوں کے لیے وعید بھی بیان فرمائی ہے۔

جمعۃ الوداع کے موقع پر اگر ہم چند باتوں کی طرف توجہ کریں تو رمضان المبارک کے باقی ماندہ چند ایّام ہماری بخشش کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ زندگی میں مثبت تبدیلی کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ آج اِسی حوالے سے کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

---

[1] عَنۡ أَبِیۡ ہُرَیۡرَۃَ مرفوعًا: «إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتۡ أَبۡوَابُ الۡجَنَّۃِ وَغُلِّقَتۡ أَبۡوَابُ جَہَنَّمَ وَسُلۡسِلَتِ الشَّیَاطِیۡنُ۔» (صحیح بخاری:3277)

[2] عن سلمان مرفوعًا: مَنۡ تَقَرَّبَ فِیۡہِ بِخَصۡلَۃٍ مِّنَ الۡخَیۡرِ کَانَ کَمَنۡ أَدَّی فَرِیۡضَۃً فِیۡمَا سِوَاہُ، وَمَنۡ أَدَّی فِیۡہِ فَرِیۡضَۃً کَانَ کَمَنۡ أَدَّی سَبۡعِیۡنَ فَرِیۡضَۃً فِیۡمَا سِوَاہُ... (صحیح ابن خزیمہ، حدیث:1887)

[3] ارب: 100 کروڑ۔ جِلائے کَرب: غموں سے رہائی۔ یعنی اُمّتِ محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہیں، غم دُور کیے جاتے ہیں، بغیر مانگے عجیب وغریب فیض نصیب ہوتے ہیں، ربّ تعالیٰ کی یہ رحمت کس وجہ سے ہے؟ قسم بخدا، یارسول اللہ! صرف آپ کی وجہ سے ہے۔

”صلاۃ الوداع“ کی تربیت

جمعۃ الوداع کے موقع پر جب انسان ”رمضان کا آخری جمعہ“ ہونے کی طرف توجہ کرتا ہے کہ تو دل نرم ہو جاتا ہے، جس کی برکت سے آخرت کو یاد کرنے کا موقع ملتا ہے اور دل میں توبہ واستغفار کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ ایمانی جذبہ جواں رکھنے کے لیے تربیت فرمائی ہے کہ کوئی بھی نماز پڑھتے ہوئے انسان کو یہ سوچ رکھنی چاہیے کہ شاید یہ میری زندگی کی آخری نماز ہو اور اگلی نماز سے پہلے مجھے موت آجائے۔ اِس طریقے سے اُسے اپنا محاسبہ کرنے کی عادت پڑتی ہے اور کردار کو سنوارنے کا موقع ملتا ہے۔

سیدنا ابو ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدِ عالم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی: يَارَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ وَأَوْجِزْ۔[1] یارسول اللہ! مجھے مختصر کلمات تعلیم فرمایئے / مختصر نصیحت فرمایئے۔ نبیِ رحمت ﷺ نے اُسے تین نصیحتیں فرمائیں:

1) إِذَا قُمْتَ فِيْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ۔[2] مفہوم یہ کہ ”جب نماز پڑھو تو ایسے پڑھو کہ جیسے دُنیا سے الوداع ہونے والا شخص نماز پڑھتا ہے۔“ ہر نماز کو آخری نماز سمجھ کر تمام تر توجّہ اپنے مالک جلّ جلالہٗ کی طرف رکھو اور نماز کو بہترین طریقے سے ادا کرو۔

2) وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ۔ ”کوئی بھی ایسی بات نہ کرو جس سے تمہیں معافی مانگنی پڑے۔“ فضول گفتگو سے بچو اور تمہاری ہر بات اچھی ہونی چاہیے؛ تاکہ نہ تو بعد میں لوگوں سے معذرت کرنی پڑے اور نہ ہی روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی ہو۔

3) وَأَجْمِعِ الْيَأْسَ عَمَّا فِيْ أَيْدِي النَّاسِ۔ یعنی ”جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اُس سے مکمل طور پر مایوس ہو جاؤ۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 4171) اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہتے ہوئے قناعت اختیار کرو اور لوگوں کے پاس جو مال و دولت ہے اُس کا لالچ نہ رکھو، یوں تمہارا دل غنی ہو جائے گا اور تمہیں حقیقی مال داری نصیب ہو گی۔

نبیِ کریم ﷺ کو ربّ تعالیٰ نے جوامع الکلم سے نوازا ہے، آپ ﷺ مختصر کلمات میں وہ بات فرما دیتے ہیں جس کی وضاحت کی جائے تو کتابیں بھر سکتی ہیں۔ یہ حدیث پاک بھی جوامع الکلم سے ہے، تین نصیحتوں میں سے ہر ایک سرمایۂ حیات ہے۔

جمعۃ الوداع کی مناسبت سے اہم نقطہ یہ ہے کہ اچھے اعمال سے غفلت کا ایک بڑا سبب ”لمبی اُمّید“ ہے، انسان سمجھتا رہتا ہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے، بڑے بڑے منصوبے بناتا رہتا ہے اور یوں آخرت کی طرف اُس کی توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اِس مبارک حدیث میں ”صلاۃ الوداع“ کی سوچ دے کر سرورِ عالم ﷺ نے آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

---

[1] في رواية الإمام أحمد: عِظْنِيْ وَأَوْجِزْ۔ (مسند احمد، حدیث: 23498)

[2] مُوَدِّعٍ لِمَا سِوَى اللهِ بِالْاِسْتِغْرَاقِ فِيْ مُنَاجَاةِ مَوْلَاكَ، أَوِ الْمَعْنٰى صَلِّ صَلَاةَ مَنْ يُوَدِّعُ الصَّلَاةَ، وَمِنْهُ حَجَّةُ الْوَدَاعِ، أَيْ: اِجْعَلْ صَلَاتَكَ آخِرَ الصَّلَاةِ فَرْضًا فَحَسِّنْ خَاتِمَةَ عَمَلِكَ، وَأَقْصِرْ طُوْلَ أَمَلِكَ لِاحْتِمَالِ قُرْبِ أَجَلِكَ۔ (مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث: 5226)

رمضان المبارک کا اچھا اختتام

جمعۃ الوداع کا ایک اہم پیغام یہ ہے کہ ہمیں ماہِ مبارک کا اختتام اچھے انداز سے کرنا چاہیے؛ تاکہ اگر مہینہ بھر نیکیاں کی ہیں تو اُن کے اجر وثواب میں مزید اِضافہ ہو اور خدانخواستہ کوتاہیاں ہوئی ہیں تو اُن کی معافی مل جائے۔

"اچھے اختتام" سے مراد یہ ہے کہ اِس مبارک مہینے کے آخری دنوں اور راتوں، پھر شبِ عید اور روزِ عید میں خوب عبادت کا اہتمام کیا جائے... زیادہ تر وقت نوافل،[1] تلاوتِ قرآنِ حکیم، ذکرِ الٰہی، دُرودِ پاک اور دیگر اچھے کاموں میں گزارا جائے۔

اچھے اختتام کی اہمیت:

اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی کام کا اختتام اچھا ہونا بہت اہم ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے تربیت فرمائی ہے کہ ہر مجلس / نشست کا اختتام اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید، توحید کی گواہی اور استغفار پر ہونا چاہیے، اِس کی برکت سے اُس نشست میں ہونے والی خطاؤں کی معافی مل جاتی ہے۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ (اُمّت کی تربیت کے لیے) نماز کا سلام پھیرتے ہی یہ دُعا کرتے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَوَاتِيْمَ عَمَلِيْ رِضْوَانَكَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ۔» یعنی "اے اللہ! میری عمر کے آخری حصہ کو میری زندگی کا بہترین حصہ بنانا... اے اللہ! میرا آخری عمل تیری رضا (والا عمل) ہو... اے اللہ! میرا بہترین دن اُس دن کو بنا جس میں میری تجھ سے ملاقات ہونی ہے!" (المعجم الاوسط، حدیث: 9411۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی، حدیث: 121)

سیدنا ابو سعید سعد خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ "تم میں سے جس کی وفات کا وقت قریب ہو اُسے کلمہ طیبہ سکھاؤ۔" (صحیح مسلم، حدیث: 916) چنانچہ علما نے لکھا: جس شخص کی وفات کا وقت قریب ہو اُس کے پاس کلمہ طیبہ پڑھنا چاہیے؛ تاکہ وہ بھی پڑھے، البتہ اُسے کہا نہ جائے۔ پھر جب وہ کلمہ شریف پڑھ لے تو خاموشی اختیار کی جائے۔ یوں دُنیا سے جاتے ہوئے اُس خوش نصیب کا آخری کلام کلمہ شریف ہوگا... اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ ارشادِ نبوی ہے: «مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔» یعنی "جس کا آخری کلام "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہو اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا فرمائے گا۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 3116)

---

[1] اگر کسی شخص کے ذمے میں نمازوں کی قضا باقی ہو تو اُسے سب سے پہلے قضا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

[2] عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: مَنْ جَلَسَ فِيْ مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْمَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ذٰلِكَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔
(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 3433، ورواہ أبو داود فی سننہ عن أبی برزۃ الأسلمی مرفوعًا، رقم الحدیث: 4859)

اختتامِ رمضان پر نبوی معمولات: اِس بات سے بھی رمضان المبارک کا اختتام اچھا کرنے کی تربیت ملتی ہے کہ آخری عشرہ میں سرورِ عالم ﷺ کا ذوقِ عبادت مزید جوبن پر آجاتا تھا، آپ ﷺ اعتکاف اور دیگر اطاعتوں کا خوب اہتمام فرماتے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔ یعنی "رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں دیگر ایّام سے زیادہ عبادت کی کوشش فرماتے تھے۔" (صحیح مسلم، حدیث:1175) آخری عشرے کے دوران عبادات میں اِضافہ کی یہ حکمت بھی تھی کہ اُمّت کو لیلۃ القدر کی برکتیں حاصل کرنے، عظیم الشان مہینے کے باقی ماندہ وقت سے خوب فائدہ اُٹھانے اور مبارک مہینے کا اختتام اچھا کرنے کی تربیت ملے۔[1]

اُمّ المؤمنین بنتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے: «كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ[2] وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ۔»[3] یعنی "جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو سرورِ عالم ﷺ (عبادت کے لیے) کمربستہ (خوب تیار) ہوجاتے، اِن راتوں کو زندہ فرماتے (رات کا اکثر حصہ نماز، تلاوتِ قرآنِ مجید اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے / اُمّہات المؤمنین سے جُدا رہتے) اور اپنے گھر والوں کو بھی (عبادت کے لیے) جگانے کا حکم فرماتے۔" (صحیح بخاری، حدیث:2024)

شبِ عید اور نبوی تعلیمات: رمضان المبارک کے "اچھے اختتام" سے متعلق یہ بات بھی اہم ہے کہ شبِ عید / چاند رات کو نیکی کے کاموں میں گزارنا چاہیے۔

سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا: «مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ۔» یعنی "جو مسلمان ثواب کا طلب گار بن کر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے، اُس کا دل نہیں مرے گا (ایمان سے محروم نہیں ہوگا)، جب لوگوں کے دل مر جائیں گے۔"

(رواہ ابن ماجۃ فی سننہ بسند ضعیف، رقم الحدیث: 1782)

روایت کے مطابق شبِ عید / چاند رات کا نام لَيْلَةُ الْجَائِزَةِ (بارگاہِ الٰہی سے انعام اور عیدی ملنے کی رات) ہے۔[4]

---

[1] قال الشیخ علی القاری: رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِيهِ أَوْ لِلِاغْتِنَامِ فِي أَوْقَاتِهِ وَالِاهْتِمَامِ فِي طَاعَتِهِ وَحُسْنِ الِاخْتِتَامِ فِي بَرَكَاتِهِ۔ **(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، تحت الحدیث:2089)**
وقال الأمیر الکحلانی: لِأَنَّهَا خِتَامُ الشَّهْرِ الْمُبَارَكِ، فَيُخْتِمُهَا بِصَالِحِ الْأَعْمَالِ۔ **(التنویر شرح الجامع الصغیر، تحت الحدیث:6966)**

[2] أَرَادَ بِهِ الْجِدَّ فِي الطَّاعَةِ أَوْ عَنِ الِاعْتِزَالِ عَنِ النِّسَاءِ۔ **(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت الحدیث:6682)**

[3] أَيْ أَمَرَ بِإِيقَاظِهِمْ فِي بَعْضِ أَوْقَاتِهِ لِلْعِبَادَةِ وَطَلَبِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ... وَإِنَّمَا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ كَانَ مُعْتَكِفًا۔ **(مرقاۃ المفاتیح)**

[4] فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ۔ **(شعب الایمان، حدیث: 3421)**

اِنعام اور عیدی کی اہمیّت ہم سب جانتے ہیں... ہر چھوٹے کو بڑوں سے عیدی کی اُمّید ہوتی ہے... ربّ تعالیٰ کی تو شان ہی یہ ہے کہ سب اُس کی بارگاہ کے سوالی ہیں اور اُس سے رحمت کی بھیک مانگنے والے ہیں... تو کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اِس مبارک رات میں ربّ تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازنے کے لیے اُنھیں انعام عطا فرماتا ہے۔

پھر ہر ایک اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق عیدی دیتا ہے... کوئی دہائیوں میں، کوئی سینکڑوں میں اور کوئی ہزاروں میں... ربّ تعالیٰ بھی اپنی شان کے مطابق کرم فرماتا ہے، روایت کے مطابق رمضان المبارک کی آخری رات میں سب کی بخشش فرما دیتا ہے۔[1]

لمحۂ فکریہ: ہمارے دَور کی عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری ایّام کو عید کی خریداری / شاپنگ، گھروں کی صفائی ستھرائی اور دیگر تیاریوں میں گزار دیا جاتا ہے... چاند رات کو کھیل کود کی رات سمجھا جاتا ہے، بے شمار لوگ گناہوں کے کاموں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ، شبِ عید، پھر عید کا دن... یہ سبھی نہایت مبارک ایّام ہیں اور اِن میں تمام غیر ضروری کام چھوڑ کر نیکیوں کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

رمضان المبارک کے بعد اعمالِ خیر پر استقامت

جمعۃ الوداع کا ایک اہم پیغام یہ بھی ہے کہ ہم پختہ ارادہ کریں کہ ماہِ مبارک کے رخصت ہونے کے بعد بھی استقامت کے ساتھ نیکیوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور اس میں سُستی نہیں کریں گے۔

محبوب ترین عمل: جو عمل استقامت کے ساتھ کیا جائے اللہ تعالیٰ اُسے بہت پسند فرماتا ہے۔[2] اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔ "سب سے پیارا عمل وہ ہے جسے تسلسل کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6465) استقامت کے ساتھ کیا جانے والا تھوڑا عمل بغیر استقامت کے کیے جانے والے زیادہ عمل سے بہتر ہے۔

---

[1] روی البیهقی عن جابر رضی الله عنه مرفوعا: فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غَفَرَ لَهُمْ جَمِيعًا... (فضائل الأوقات، رقم الحدیث: 36۔ ورواه ابن عساكر أيضا في "فضل شهر رمضان"، رقم الحدیث: 8۔ وذكره البيهقي في "شعب الإيمان" عن أبي هريرة مرفوعا، برقم: 3331)

[2] اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا: وَاعْلَمُوا أَنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ۔ (صحیح مسلم: 2818)

پسندیدہ ہونے کی وجوہات: أَحَدُهُمَا: أَنَّ التَّارِكَ لِلْعَمَلِ بَعْدَ الدُّخُولِ فِيهِ كَالْمُعْرِضِ بَعْدَ الْوَصْلِ فَهُوَ مُتَعَرِّضٌ لِلذَّمِّ؛ وَلِهٰذَا وَرَدَ الْوَعِيدُ فِي حَقِّ مَنْ حَفِظَ آيَةً ثُمَّ نَسِيَهَا، وَإِنْ كَانَ قَبْلَ حِفْظِهَا لَا يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ۔ ثَانِيهِمَا: أَنَّ مُدَاوِمَ الْخَيْرِ مُلَازِمٌ لِلْخِدْمَةِ وَلَيْسَ مَنْ لَازَمَ الْبَابَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَقْتًا مَّا كَمَنْ لَازَمَ يَوْمًا كَامِلًا ثُمَّ انْقَطَعَ۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج: 1، ص: 103، دار المعرفة)

ترکِ استقامت کی مذمت: قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اچھا کام کرنے کی عادت بنالینے کے بعد بلاوجہ اُسے چھوڑ دینا بُری بات ہے اور بے برکتی و محرومی کا باعث ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سرورِ عالَم ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ، كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔ ”اے عبد اللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات (کے کچھ حصہ) میں قیام (تہجد ادا) کرتا تھا، پھر اُس نے (سستی کی وجہ سے) قیام اللَّیل کو چھوڑ دیا۔“ (صحیح بخاری، حدیث:1152۔ صحیح مسلم، حدیث:1159)

یہ نقطہ بھی توجہ طلب ہے کہ قیام اللیل فرض نہیں، اِس کے باوجود رحمتِ عالم ﷺ نے اُسے معمول بنا کر بلا عذر چھوڑ دینے سے منع فرمایا... سوچنا چاہیے کہ فرض بہر حال فرض ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رمضان المبارک میں اُس کی عادت بن جائے تو رمضان کے بعد اُس میں سستی کرنا کس قدر بُرا ہو گا!

نیکی کے بعد گناہ کی مثال: باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۪ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ ”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اُس کے لیے اِس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اُسے بڑھاپا پہنچے اور حال یہ ہو کہ اس کے کمزور و ناتواں (چھوٹے) بچے ہوں، پھر اُس باغ پر گرم ہوا کا ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو تو سارا باغ جل جائے۔ اللہ اِسی طرح تمہارے لیے وضاحت سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے؛ تاکہ تم غور و فکر کرو۔“ [البقرۃ2:266]

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کا مفہوم ہے: اِس آیتِ مبارکہ میں مثال کے ذریعے اُس مال دار شخص کی حالت بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں مشغول رہے، پھر اُس پر شیطان مسلَّط ہو جائے حتّٰی کہ وہ گناہوں میں ڈوب کر اپنے اعمالِ صالحہ کو ضائع کر بیٹھے۔[1] (صحیح بخاری، حدیث:4538)

لمحۂ فکریہ: اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان ہر روز... پورا ہفتہ... سال بھر... بلکہ زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں پاتا ہے جن کو شمار کرنا اُس کے بس کی بات نہیں۔ جب نعمتیں ہمیشہ ملتی ہیں تو نماز صرف رمضان میں ہی کیوں! جب اپنے مہربان ربّ سے رحمت کی خیرات ہمیشہ مانگنی ہے تو تلاوت و عبادت فقط رمضان میں ہی کیوں!

بزرگوں نے خوب بات فرمائی: کبھی کبھی آنے والے کو وہ نہیں ملتا جو ہمیشہ حاضر ہونے والے کو نصیب ہوتا ہے۔

---

[1] لِرَجُلٍ غَنِيٍّ يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ بَعَثَ اللهُ لَهُ الشَّيْطَانَ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِيْ حَتّٰى أَغْرَقَ أَعْمَالَهُ۔

صدقۂ فطر کے احکام

جمعۃ الوداع کے موقع پر صدقۂ فطر کی طرف توجہ بھی ضروری ہے؛ تاکہ اِس کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِّلْمَسَاکِیْنِ... یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا؛ تاکہ اس کی برکت سے روزہ دار کا روزہ لغو اور فحش و بے ہودہ کلام سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 1609)

کس پر واجب ہے؟ وہ مسلمان جو عید کی صبح بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامان وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

نوٹ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے 2024ء/1445ھ کے لیے زکوٰۃ کا نصاب ایک لاکھ 35 ہزار 179 روپے مقرر کیا ہے۔[2]

مسئلہ: کوئی شخص بلا عذر یا عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ پایا ہو تو بھی صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اُس کا فطرانہ واجب ہے۔

کس کس کا واجب ہے؟ ہر صاحبِ نصاب پر اپنا اور اپنی نابالغ اولاد (جو مالکِ نصاب نہیں) کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ عاقل بالغ اولاد اور بیوی اگر زیرِ کفالت ہوں تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری نہیں، ورنہ ضروری ہے۔

کب واجب ہے؟ نمازِ عید سے پہلے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے۔ رمضان المبارک میں ادا کر دینا بھی جائز ہے اور اگر نمازِ عید تک ادا نہ کیا تب بھی معاف نہیں، بعد میں ادا کر دے۔

کتنا واجب ہے؟ آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق تقریباً دو کلو گندم یا اُس کا آٹا یا قیمت،[3] یا چار کلو کھجور، کشمش، جَو یا اِن کی قیمت۔

کسے دینا ہے؟ وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے فطرانہ دینا جائز ہے۔

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[2] 11 مارچ، 2024ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 2,550 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً ایک لاکھ 34 ہزار روپے ہے۔

[3] موجودہ ریٹ کے مطابق دو کلو کی قیمت تقریباً 350 روپے ہے۔

حرفِ آخر... رمضان المبارک کی قدر شناسی

اللہ تعالیٰ کا بے حدّ احسان ہے کہ اُس نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کے صدقے میں ہمیں بخشش و مغفرت اور برکت و رحمت حاصل کرنے کے بے شمار مواقع عطا فرمائے۔ رمضان المبارک بھی خداوندِ کریم کی خصوصی رحمتیں سمیٹنے کا سنہری موقع ہے، ایسا مبارک مہینہ پہلے کسی بھی اُمّت کو نصیب نہیں ہوا۔

زندگی میں ماہِ رمضان کو پالینا جہاں بڑی سعادت ہے وہاں بھاری ذمہ داری بھی ہے۔ اِس کی قدر کرنے پر بے پناہ رحمتوں کا وعدہ ہے تو ناقدری پر سخت وعید بھی ہے... اطاعت گزاروں کے لیے خوش خبریاں ہیں تو سستی کرنے والوں کے لیے سرزنش بھی ہے۔

سیدنا کعب بن عُجْرَہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے حکم فرمایا: منبر کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ ہم حاضر ہو گئے۔ جب آپ منبر کے پہلے زینے پہ چڑھے تو کہا: اٰمین۔ ایسے ہی دوسرے اور تیسرے زینے پہ بھی اٰمین کہا۔ جب آپ ﷺ منبر سے اُترے تو ہم نے عرض کی: آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہیں سنتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً جبریل علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ۔ یعنی وہ شخص (خاص) رحمت سے دُور ہو جو ماہِ رمضان پائے اور (اپنی نالائقی کے سبب) بخشش سے محروم رہ جائے! مَیں نے کہا: اٰمین! جب میں دوسرے زینے پہ گیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: بُعْدًا لِّمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ۔ وہ شخص (خصوصی) رحمتِ خداوندی سے دُور ہو جس کے پاس آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر دُرُود نہ بھیجے! مَیں نے کہا: اٰمین! جب تیسرے زینے پہ پہنچا تو اُنھوں نے کہا: اُس آدمی کے لیے رحمت (خاصہ) سے دُوری ہو جس کی زندگی میں اُس کے والدین یا اُن میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچے اور (ماں باپ کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے) وہ اُس کے جنت میں جانے کا سبب نہ بنے! مَیں نے کہا: اٰمین!

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7256۔ التاریخ الکبیر للبخاری، ج:7، ص:220، حدیث:954)

اگر ہم نے ماہِ رمضان کو فرماں برداری میں گزارا ہے تو نیکیوں میں اِضافہ کے لیے... اور سستی کی ہے تو اُس کے اِزالہ کے لیے آج جمعۃ الوداع کے موقع پر ہمیں چند باتوں کا پختہ عزم کرنا چاہیے:

1) ماہِ پُرنور کی باقی ماندہ راتوں، خصوصاً 27ویں شب کو لیلۃ القدر کی برکتیں سمیٹنے کی خوب کوشش کریں۔ قرآنِ مجید نے اِسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے، اِس میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا گناہوں کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اِرشادِ نبوی روایت کیا: مَنْ يَّقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ ”جو مسلمان ایمان و اخلاص کے ساتھ شبِ قدر میں قیام (عبادت) کرے، اُس کے سابقہ (صغیرہ) گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث:35)

2) ماہِ مبارک کا اختتام اچھا کریں۔ باقی ماندہ ایّام کا زیادہ وقت نماز، تلاوت، ذکرِ الٰہی، دُرودِ پاک اور دیگر اچھے کاموں میں گزاریں۔

3) رمضان المبارک میں جن اچھے کاموں کا معمول رہا ہے اُن پر استقامت اختیار کریں۔ ماہِ پُر نور رُخصت ہونے کے بعد نمازوں میں سستی نہ ہو، قرآنِ حکیم سے تعلّق بر قرار رہے اور دیگر نیکیوں کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضان کے بعد گناہوں میں مبتلا ہونے کی نحوست سے رمضان کی برکتیں لُٹ جائیں۔

4) چاند رات اور یومِ عید بارگاہِ خداوندی سے انعام پانے کا وقت ہے اور نہایت بابرکت شب و روز ہیں، اِن میں نافرمانی سے مکمل اجتناب کریں۔ ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ ”صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا ثواب بے حساب بھرپور دیا جائے گا۔“ [الزمر 10:39] ایک تفسیر کے مطابق اس آیتِ کریمہ میں روزہ دار مراد ہیں۔ (احکام القرآن للقرطبی)

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے جمعۃ الوداع کی مناسبت سے خوب پیغام دیا:

رحمتیں بانٹ کے رُخصت ہوا ماہِ رَمضاں
نیکیاں سب کو سکھاتا گیا ماہِ رَمضاں

مغفرت اور عطا کی تھی مسلسل بارش
یوں نوازا کہ نہ دامن میں رہی گنجائش
ہم نکمّوں کے گناہوں کی کرائی بخشش
کر کے سرشار بہت اب چلا ماہِ رَمضاں

روزہ رکھ کے بھی عبادت کوئی مشکل تو نہیں
ہوں نمازیں بجماعت کوئی مشکل تو نہیں
روز قرآں کی تلاوت کوئی مشکل تو نہیں
درس ہر دم یہی دیتا رہا ماہِ رمضاں

یا اِلٰہی تِری خَشْیَتْ دلوں پر طاری رہے
تیرے محبوب کی سنت ہی ہمیں پیاری رہے
زندگی ایسے ہی کاموں میں سدا جاری رہے
جیسے اعمالِ حسیں سے سجا ماہِ رَمضاں

وداعِ رمضان کے موقع پر یہ خوف بھی دل کو رُلا دیتا ہے کہ کہیں ماہِ رمضان ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ شکایت نہ کرے کہ اربوں مسلمان اپنی بُزدلی کی وجہ سے رمضان میں بھی غزہ پر اسرائیلی درندگی کا سلسلہ نہ رکوا سکے۔

یکم شوّال المکرم ۱۴۴۵ھ / 10 اپریل 2024ء

خالقِ کل کی عطاؤں سے سجا ہے عید کا دن (خطبۂ عید)

مشمولات

- عید الفطر کی خوشی
- صدقۂ فطر اور دیگر چند احکام
- روزِ عید... بارگاہِ الٰہی سے انعام پانے کا دن
- نمازِ عید کا طریقہ
- روزِ عید... اِحسان مند ہونے کا دن
- روزِ عید... فکرِ قبولیت کا دن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ o اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ o [المؤمنون 23:60،61]

انسان کے دل میں جس چیز کی چاہت وقدر ہو وہ ملنے پر دل خوش ہوتا ہے... اولاد کا عطا ہونا خوشی کا ذریعہ بنتا ہے، منصب ملنے پر فرحت ہوتی ہے، بچھڑوں سے ملاقات باعثِ مسرت ہوتی ہے اور مال ودولت میں اِضافہ بھی شادمانی کا سبب بنتا ہے... اِسی طرح دیگر کئی چیزیں ہیں جن کو انسان پسند کرتا ہے اور جب وہ ملیں تو دل کی کلیاں کھل اُٹھتی ہیں۔

وہ شخص نہایت خوش نصیب ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوبِ خدا ﷺ کا پیار ہو، اُس کی نظر میں رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ مصطفیٰ کریم ﷺ کی قدر ہو... ایسے شخص کو اپنے مہربان ربّ کی فرماں برداری اور اپنے آقا کریم ﷺ کی غلامی کرنے پر فرحت ومسرت ہوتی ہے اور جب اُسے ربِّ رحیم کی رضا اور نبیِ کریم ﷺ کی خوشی کا مُژدہ سنایا جائے تو اُس کی ''عید'' ہو جاتی ہے۔

اصل میں ''عید الفطر'' کا تصوّر یہی ہے کہ مسلمان ماہِ رمضان المبارک میں ربّ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کچھ مشقت برداشت کرتے ہیں، روزہ رکھ کر کھانے پینے اور دیگر خواہشات کو چھوڑتے ہیں، اِسی طرح سرورِ عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رضائے اِلٰہی کے دیگر کام کرتے ہیں... چنانچہ رمضان رخصت ہونے پر بارگاہِ اِلٰہی سے رِضا کا پیغام اور ثواب کا انعام دیا جاتا ہے تو مسلمانوں کی ''عید'' ہوتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ**۔ ''روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی اِفطار کے وقت اور دوسری خوشی تب جب وہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا۔'' (صحیح بخاری، حدیث: 7492۔ صحیح مسلم، حدیث: 1151) شارحین نے لکھا:

- اِفطار کے وقت روحانی خوشی بھی ہوتی ہے اور جسمانی بھی... روحانی مسرت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اُس کا حکم پورا کرنے کی سعادت ملی اور جسمانی خوشی یہ کہ بھوک پیاس برداشت کرنے کے بعد کھانے پینے کے لیے نعمتیں عطا ہوئیں۔
- دوسری خوشی جو موت کے وقت اور قیامت کے دن ہو گی، وہ سب سے بڑھ کر ہو گی، جب ربِّ کریم اپنی رضا سے بھی نوازے گا اور اپنی شان کے مطابق اجر وثواب بھی عطا فرمائے گا۔ (مرآۃ المناجیح، ملخصًا)

عید الفطر ایک اسلامی تہوار ہے، جس میں سنّت پر عمل کی نیت سے خوشی کا اِظہار کرنا بھی باعثِ ثواب ہے۔ اِس مبارک موقع پر اگر ہم چند باتوں کا لحاظ کریں تو اِفطار کی خوشی کا لطف بھی دوبالا ہو جائے اور حاضری کی خوشی بھی دوچند ہو جائے۔

روزِ عید... بارگاہِ الٰہی سے انعام پانے کا دن

کوئی بھی شخص جب محنت کرتا ہے تو اُسے اپنی محنت کا صلہ اور اُجرت حاصل کرنے کی چاہت ہوتی ہے... تنخواہ داروں کو مہینہ کے آخر میں شدت کے ساتھ اپنی تنخواہ کا انتظار ہوتا ہے اور مزدور کام مکمل کرنے کے بعد اپنی مزدوری کے لیے بے تاب رہتا ہے۔

ہم ربّ تعالیٰ کے بندے ہیں، اگر اُس کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ اُس کی فرماں برداری کا کوئی کام کریں تو اُس پر اجر وثواب ہمارا حق نہیں، تاہم اُس نے اپنے کرم سے انعامات واحسانات کا وعدہ فرمایا ہے۔ بندہ ہونے کے ناطے اور اُس کے وعدہ کے سبب نیکی کا کام کرنے کے بعد پختہ اُمّید ہونی چاہیے کہ ربّ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے ساتھ اِطاعت پر اجر وثواب سے نوازے گا۔

چنانچہ رمضان المبارک کے بعد چاند رات اور عید کا دن حقیقت میں ربّ تعالیٰ سے انعام پانے کے شب وروز ہیں؛ اُس نے روزوں اور دیگر اطاعتوں پر عظیم اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

خاص اجر: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ قُدسی روایت کی، ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ، يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَأَكْلَهٗ وَشُرْبَهٗ مِنْ أَجْلِيْ... "روزہ میرے لیے ہے اور مَیں ہی اُس کا اجر عطا کروں گا، روزہ دار میری خاطر اپنی خواہش اور اپنا کھانا، پینا چھوڑتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:7492)

بھرپور اجر: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ "صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا ثواب بے حساب بھرپور دیا جائے گا۔" [الزمر 10:39] ایک تفسیر کے مطابق آیتِ کریمہ میں "صبر کرنے والوں" سے روزہ دار مراد ہیں۔[1]

جنت کی نعمتیں: جن خوش نصیبوں کو اُن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اُنھیں پسندیدہ زندگی اور عالی شان جنت کی بِشارت عطا کرنے کے ساتھ باری تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ یعنی "(اُن سے کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ پیو، یہ اُن نیک کاموں کا انعام ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیے تھے۔" [الحاقۃ 24:69] "گزشتہ دنوں" سے کیا مراد ہے؟ ایک قول کے مطابق اِن سے روزوں کے دن مراد ہیں۔ اب مفہوم یہ ہوگا: دُنیا میں تم اللہ تعالیٰ کی رِضا کی خاطر روزے رکھ کر کھانے پینے سے بچتے تھے، آج ربّ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ جنت کی نعمتیں وافر ہیں، خوب مزے سے جو چاہو کھاؤ پیو۔[2]

---

[1] وَ "الصّٰبِرُوْنَ" هُنَا الصَّائِمُوْنَ؛ دَلِيْلُهٗ قَوْلُهٗ عليه الصلاة والسلام مُخْبِرًا عَنِ اللهِ عز وجل: "اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ۔" (أحكام القرآن للقرطبي، تحت الآية)

[2] أَيَّامِ الصِّيَامِ. أَيْ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا بَدَلَ مَا أَمْسَكْتُمْ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ لِوَجْهِ اللهِ۔ (مفاتيح الغيب [التفسير الكبير]، تحت الآية)

سبق آموز واقعہ: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے کچھ احباب کے ہمراہ دستر خوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے، قریب سے ایک چرواہا گزرا، آپ نے اُسے کھانے کی دعوت دی، اُس نے جواب دیا کہ میرا (نفلی) روزہ ہے۔ آپ نے خوش گوار حیرت کا اِظہار کرتے ہوئے فرمایا: اِتنی سخت گرمی کے دوران دن بھر جنگل میں بکریاں چَراتے ہو، پھر بھی تم نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے! وہ چرواہا کہنے لگا: أَبَادِرُ الْأَيَّامَ الْخَالِيَةَ۔ یعنی مجھے یہ خوش خبری پانے کی چاہت ہے: "خوب مزے سے کھاؤ پیو، یہ اُن نیک کاموں کا انعام ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیے تھے۔"[1]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُس سے بہت متأثر ہوئے اور فرمایا: کیا تم ہمیں ایک بکری فروخت کر دو گے، ہم اِسے ذبح کر کے اِفطاری کے وقت تمہیں بھی اُس کا گوشت کھلائیں گے اور بکری کی قیمت بھی دیں گے؟ وہ عرض گزار ہوا: یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ آپ اُس کی دیانت داری سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ممکن تھا کہ یہ چرواہا ہمیں بکری بیچ دیتا اور جب اِس کا آقا پوچھتا تو جھوٹ بول دیتا کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا، لیکن یہ کتنا امین و دیانت دار ہے! چرواہا یہ بات سن کر وہاں سے چلا گیا اور اُس کی زبان پر یہ الفاظ تھے: فَأَيْنَ اللهُ! یعنی اگرچہ میرا آقا مجھے نہیں دیکھ رہا، لیکن میرا پروردگار تو مجھے دیکھ رہا ہے!

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُس کے اِس حسین جملے سے لُطف لیتے ہوئے مسلسل اِسے دُہراتے رہے: فَأَيْنَ اللهُ! اگرچہ میرا آقا مجھے نہیں دیکھ رہا لیکن میرا پروردگار تو مجھے دیکھ رہا ہے!

جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ پہنچے تو اُس چرواہے کے مالک سے اُسے بھی خرید لیا، بکریاں بھی خرید لیں اور اُسے آزاد کر کے بکریاں اُسے بطورِ تحفہ عنایت کر دیں۔ (عیون الحکایات لابن الجوزی، حکایت: 77، ص: 98 دار الکتب العلمیۃ۔ قصر الامل لابن أبی الدنیا، ص: 127)

ایک تربیت یافتہ چرواہے کے اِس خوب صورت واقعہ سے جہاں دیانت داری کی تربیت ملتی ہے وہاں روزوں کے شوق اور اُن پر ملنے والے اجر و انعام کی قدر کا سبق بھی ملتا ہے۔

لمحۂ فکریہ: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن شعائرِ اسلام اور شعائر اللہ سے ہیں، اِن کی تعظیم و تکریم لازم ہے اور یہ ربّ تعالیٰ کے احسانات پر خوشی کے ساتھ ساتھ اُس کی اطاعت و فرماں برداری کا پیغام دیتے ہیں... افسوس کہ ہمارے دَور میں یہ خالص اسلامی تہوار جاہلانہ رنگ میں منائے جانے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، خصوصاً نوجوان اِنھیں کھیل کود اور موج مستی کے دن سمجھتے ہیں، بلکہ یہ مبارک دن گناہوں کے کاموں میں گزار دیتے ہیں۔ بابرکت و تعظیم والے وقت کو نافرمانی میں گزارنا بڑی نالائقی و محرومی ہے۔

اِن مبارک دنوں کی قدر کرتے ہوئے اِن میں خوب نیکیاں کمانی چاہییں۔

---

[1] الحاقۃ 69:24

روزِ عید... اِحسان مند ہونے کا دن

انسان اگر کوئی اچھا کام کرے تو نفس و شیطان اُسے تکبر اور خود پسندی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں انسان فرماں برداری کو اپنا کمال سمجھنے لگتا ہے، خیال آتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہے اور اِس بات سے توجہ ہٹ جاتی ہے کہ ربّ تعالیٰ کی توفیق نہ ہوتی تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

رمضان المبارک میں روزوں، تلاوت، صدقہ و خیرات اور دیگر اچھے کام کرنے کے بعد بھی خدشہ ہوتا ہے کہ خود پسندی یا تکبر کی آفت نہ آجائے۔ چنانچہ آج اپنے دل کا جائزہ لینا چاہیے اگر خدانخواستہ خود پسندی یا تکبر کے آثار محسوس ہوں تو اپنی اِصلاح کرنی چاہیے کہ اگر کوئی نیکی کا کام کیا ہے تو یہ ہمارا کمال نہیں، بلکہ ہمارے اوپر ربّ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے توفیق عطا فرمائی۔

فرض کیجیے کہ دُنیا میں کوئی ایسا بادشاہ ہو جس کے پاس حاضری اور اُس کی خدمت کو بڑے بڑے حکمران اپنے لیے اِعزاز کا باعث سمجھتے ہوں... وہ اگر کسی عام دیہاتی شخص پر مہربانی کرتے ہوئے اُسے اپنے پاس آنے کی اِجازت دے، عزت والی جگہ پر بٹھائے، اُس کے عیبوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اُس کی معمولی خدمت کو قبول کرے اور انعام سے نوازے تو ہر عقل مند شخص اِسے بادشاہ کا بہت بڑا اِحسان قرار دے گا اور اُس دیہاتی سے کہے گا کہ بادشاہ کے احسان مند بنو اور دل و جان سے اُس کا شکریہ ادا کرو۔

ربِّ ذوالجلال وہ حقیقی بادشاہ ہے کہ زمین و آسمان کی ہر شے اُس کی پاکی بیان کرتی ہے، سوائے نافرمان انسانوں اور جنات کے سب اُس کے حضور سجدہ کرتے ہیں، دُنیا بھر کے بادشاہ اُس کے حکم کے تابع ہیں اور اُس کی قدرت و اختیار کے خلاف کسی کا بھی کوئی بس نہیں چلتا، کائنات کے دُولہا سرورِ عالَم ﷺ سمیت تمام عزتوں والے انبیائے کرام اور مقرب و معزز فرشتے علیہم السلام اُس کے سامنے جھکتے ہیں اور اُس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرتے ہیں... اُس بادشاہِ حقیقی نے اپنے فضل سے نوازنے کے لیے ہمیں رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا، اپنے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہونے اور بلاواسطہ التجائیں پیش کرنے کی اِجازت سے نوازا، گناہوں میں ملوَّث ہماری زبانوں کو اپنا قرآنِ عظیم پڑھنے اور خطاؤں سے آلودہ ہمارے کانوں کو اپنا کلامِ حکیم سننے کی سعادت عطا فرمائی، ہمیں مال و دولت سے نواز کر اُس میں سے کچھ اپنی راہ میں خرچ کرنے کی سعادت عطا کی۔

پھر مزید کرم فرماتے ہوئے غلطیوں اور کوتاہیوں سے پُر ہمارے اعمال کو نہ صرف قبول کرنے کی خوش خبریاں عطا فرمائیں، بلکہ اُن پر اتنے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی فرمایا کہ انسان اگر اپنے اعمال کی حیثیت اور اُس کی بارگاہ سے ملنے والے اِنعام کا موازنہ و تقابل کرے تو شرم سے سر جھک جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اِس ذرہ نوازی کو اپنے مہربان ربّ کا فضل و اِحسان قرار دے کر احسان مند ہونے کے بجائے اپنا کارنامہ یا اپنے عمل کا صلہ سمجھے تو اُس سے بڑا احمق کون ہو گا!

روزِ عید... فکرِ قبولیت کا دن

نیکی کی توفیق ملنا بڑی سعادت ہے، مگر اِس کے ساتھ یہ فکر اور آرزو ہونا بھی بہت ضروری ہے کہ ربّ تعالیٰ اپنے کرم سے اُسے قبول فرمالے۔ اگر چھوٹی نیکی قبول ہو جائے تو وہ بہت بڑی ہے، مگر بڑی نیکی قبول نہ ہو پائے تو وہ خاک برابر ہے۔

چنانچہ عید الفطر کے موقع پر ہم سب کو اِس حوالے سے فکر مند ہونا چاہیے اور دُعائیں بھی کرنی چاہییں کہ باری تعالیٰ رمضان میں کی ہوئی محنت کو قبولیت کے شرف سے نواز دے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ o "اور وہ جنہوں نے جو کچھ دیا وہ اِس حال میں دیتے ہیں (ہر اچھا عمل اِس حال میں کرتے ہیں) کہ ان کے دل اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔" [المؤمنون 23:60، 61] اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اِس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ فرمایا: لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ! وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ أَنْ لَّا تُقْبَلَ مِنْهُمْ {اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ}۔ یعنی "اے صدیق کی بیٹی! اِس آیت میں چور اور شرابی مراد نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں اور صدقات کرتے ہیں پھر بھی اُنھیں خوف ہوتا ہے کہ قبولیت سے محروم نہ رہ جائیں۔ یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔" (جامع ترمذی، حدیث: 3175)

قبولیت کی نشانیاں: کوئی عمل قبول ہوا یا نہیں؟ اِس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، البتہ علمائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ نشانیاں ذکر کی ہیں، جن سے قبولیت کی اُمید قائم کی جاسکتی ہے۔ مثلاً:

⟸ استقامت کی توفیق: نیک عمل قبول ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی وہ عمل جاری رکھنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

⟸ مزید نیک اعمال کی سعادت: جس کا عمل قبول ہو جائے اُسے مزید اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

⟸ توبہ واِستغفار کا شوق: گناہوں کا زنگ استغفار سے رکاوٹ ہوتا ہے، قبولیت کے ساتھ وہ دھل جائے تو توبہ کا راستہ کھل جاتا ہے۔

⟸ اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہنے کی لگن: جس کا عمل قبول ہو جائے اُسے ہمیشہ ربِّ ذوالجلال کی رضا پر راضی رہنے کا جذبہ ملتا ہے۔

بزرگانِ دین ربّ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بے حد محنت کرتے تھے، پھر بھی فکر مند ہوتے تھے کہ کاش! قبول ہو جائے... ہم لوگ کرتے کچھ بھی نہیں، مگر بے فکریوں ہیں جیسے قبولیت کی سند حاصل کر لی ہو۔

صدقۂ فطر کے احکام

جمعۃ الوداع کے خطبہ میں صدقۂ فطر سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا تھا، جن کا اعادہ مناسب ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِّلْمَسَاکِیْنِ... یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا؛ تاکہ اس کی برکت سے روزہ دار کا روزہ لغو اور فحش و بے ہودہ کلام سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 1609)

کس پر واجب ہے؟ وہ مسلمان جو عید کی صبح بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامان وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

نوٹ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے 2024ء/1445ھ کے لیے زکوٰۃ کا نصاب ایک لاکھ 35 ہزار 179 روپے مقرر کیا ہے۔[2]

مسئلہ: کوئی شخص بلا عذر یا عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ پایا ہو تو بھی صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اُس کا فطرانہ واجب ہے۔

کس کس کا واجب ہے؟ ہر صاحبِ نصاب پر اپنا اور اپنی نابالغ اولاد (جو مالکِ نصاب نہیں) کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ عاقل بالغ اولاد اور بیوی اگر زیرِ کفالت ہوں تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری نہیں، ورنہ ضروری ہے۔

کب واجب ہے؟ نمازِ عید سے پہلے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے۔ رمضان المبارک میں ادا کر دینا بھی جائز ہے اور اگر نمازِ عید تک ادا نہ کیا تب بھی معاف نہیں، بعد میں ادا کر دے۔

کتنا واجب ہے؟ آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق تقریباً دو کلو گندم یا اُس کا آٹا یا قیمت،[3] یا چار کلو کھجور، کشمش، جَو یا اِن کی قیمت۔

کسے دینا ہے؟ وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے فطرانہ دینا جائز ہے۔

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[2] 11 مارچ، 2024ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 2,550 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً ایک لاکھ 34 ہزار روپے ہے۔

[3] موجودہ ریٹ کے مطابق دو کلو کی قیمت تقریباً 350 روپے ہے۔

روزوں کی قضا

جن افراد کو رمضان المبارک کے تمام روزے رکھنے کی سعادت ملی وہ لائقِ مبارک باد ہیں، لیکن اگر کچھ روزے رہ گئے ہیں تو یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اگر خدانخواستہ رمضانِ کریم میں کوئی شخص عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزے نہیں رکھ سکا تو اُس پر بعد میں اُن کی قضا کرنا (اور شیخِ فانی کا فدیہ دینا) اُسی طرح فرض ہے جس طرح رمضان میں روزے رکھنا فرض تھا۔ جیسے شرعی عذر کے بغیر رمضان میں روزہ چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے اِسی طرح بلا عذر بعد میں قضا نہ کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ "تو تم میں جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُتنے روزے دوسرے دنوں میں رکھے۔" [البقرۃ2:184]

رمضان کے بعد چھ روزے

ربّ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزے فرض فرمائے ہیں، اِن کے علاوہ کوئی بھی روزہ فرض نہیں،[1] تاہم روزہ پسندیدہ عبادت ہے جس کو حسبِ سہولت مختلف اوقات میں جاری رکھنا چاہیے۔ عید کے بعد چھ نفلی روزے بھی بہت فضیلت کے حامل ہیں۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ "جو مسلمان (ماہِ رمضان میں روزے رکھے، پھر) عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اُسے پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا، (اس لیے کہ) جو ایک نیکی کرے اُس کے لیے اُس جیسی دس نیکیاں ہیں۔"

(سنن ابن ماجہ، حدیث: 1715)

احادیثِ مبارکہ میں عید کے بعد شوال کے اندر چھ روزے رکھنے کا بھی ذکر ہے،[2] تاہم اِس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے بعد کسی بھی مہینے میں چھ روزے رکھنے سے سال بھر روزے رکھنے کا ثواب عطا ہو جائے گا۔

---

[1] اگر کسی شخص نے روزوں کی منّت مانی ہو تو اُس پر اپنی منت کو پورا کرنا واجب ہے۔

[2] میزبانِ رسول ﷺ سیدنا ابو ایّوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔» "جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اِن کے بعد چھ دن شوال میں روزے رکھے تو ایسا ہے جیسے دہر کا روزہ رکھا۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1164) یعنی اللہ تعالیٰ اُسے پورے سال کے روزوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (لمعات التنقیح)

مصافحہ و معانقہ سے متعلق ایک اہم بات

عید کے موقع پر باہم ملاقات اور مصافحہ و معانقہ بکثرت ہوتا ہے، اِس موقع پر بخشش کا بہت آسان ذریعہ ہے کہ دل سے بھی کدورتیں نکال دی جائیں اور سلام کے ساتھ ساتھ بارگاہِ خاتم النبیین ﷺ میں دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے۔

خاتم النبیین ﷺ سے مروی ہے: مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابَّيْنِ فِي اللهِ يَسْتَقْبِلُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَيَتَصَافَحَانِ وَيُصَلِّيَانِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى تُغْفَرَ ذُنُوبُهُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْهَا وَمَا تَأَخَّرَ۔ (شعب الإیمان، 281/11 رقم: 8543، وأخرجه أيضًا البخاری فی التاریخ الکبیر: 252/3، وأبو یعلی: 334/5، رقم: 2960۔ فیه درست بن حمزة، وهو ضعیف) یعنی ”اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے آپس میں محبت کرنے والے دو مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں اور سلام و مصافحہ کریں اور نبی کریم ﷺ پر دُرود پڑھیں تو اُن کے جدا ہونے سے پہلے اُن کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔“

روزِ عید کی سعادتوں سے متعلق شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے خوب کہا:

خالقِ کُل کی عطاؤں سے سَجا ہے عید کا دِن
سَرورِ دِیں کے تصدُّق میں مِلا ہے عِید کا دِن

روزے داروں کی عبادت پر خدا کی یہ عنایت
یوں صِلہ اِک فرض کی تکمیل کا ہے عید کا دِن

روزِ عید الفطر ہے مَولیٰ کی جانب سے ضیافت
مومنوں کے واسطے عمدہ جَزا ہے عید کا دِن

ہم کریں ادنیٰ سی کوشش اُس کی ہو اعلیٰ نوازش
شُکر کے جَذبے سبھی میں بانٹتا ہے عید کا دِن

اِجتماعِ عید اور اللہ اکبر کی صدائیں
دِینِ حق کی شان کا مظہر بنا ہے عید کا دِن

موسمی تہوار کوئی اَب مسلماں کیوں منائیں
سب سے اعلیٰ اِن کو حق نے دے دیا ہے عید کا دِن

فضلِ ربّ سے اہلِ ایماں کے لیے عیدی میں ثاقب
مژدہ لے کر مغفرت کا آگیا ہے عید کا دِن

نمازِ عید کا طریقہ

پہلے زبان سے یا دل میں ہی یوں نیت کریں: ”دو رکعات نمازِ عید واجب، اضافی چھ تکبیروں سمیت، اِس امام کے پیچھے، قبلہ شریف کی طرف رُخ کیے۔“

پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ باندھ لیں۔ پھر ثنا پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اب امام صاحب تلاوت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔

پہلی رکعت کا رکوع اور سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر امام صاحب قراءت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ قراءت کے بعد امام کے ساتھ تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اُٹھائے اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کریں۔

نمازِ عید میں تاخیر سے پہنچنے والے کے لیے:

- مقتدی دیر سے پہنچا اور امام صاحب تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کر چکے تھے تو وہ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر فوراً ہی تین تکبیریں کہہ لے۔
- امام صاحب پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع میں جا چکے ہیں تو اُن کے ساتھ رکوع میں جائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع میں اِضافی تکبیرات کہہ لے۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو باقی تکبیرات معاف ہو گئیں۔
- اگر امام صاحب کے پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے، بلکہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اُس وقت کہے۔

نماز میں بھول سے متعلق:

امام پہلی رکعت کی تکبیریں بھول گیا تو قراءت کے بعد یا رکوع میں کہہ لے اور دوسری رکعت کی بھول گیا تو نہ قیام کی طرف لوٹے نہ رکوع میں کہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1، ح:4، ص:782، 783، ملخصًا)

۳ شوال المکرم ۱۴۴۵ھ / 12 اپریل 2024ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ نصیحتیں

مشمولات

- رسول اللہ ﷺ کی پُرحکمت دعوتِ دین اور خاص نصیحتیں • پانچویں نصیحت... زیادہ ہنسنے سے اجتناب
- پہلی نصیحت... مُحرَّمات سے اجتناب • نبوی نصیحتیں اور فلسطین سے متعلق اُمّت کی ذمہ داریاں
- دوسری نصیحت... تقدیر پر راضی رہنا اور قناعت اختیار کرنا
- تیسری نصیحت... پڑوسیوں سے حسنِ سلوک
- چوتھی نصیحت... دوسروں کی خیر خواہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔ [النحل16:125]

نبیِ کریم ﷺ نے توفیقِ الٰہی سے لوگوں کو راہِ حق کی طرف دعوت دینے کا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ کی "دعوت" حکمت سے بھرپور، بہترین نصیحتوں پر مشتمل اور روشن دلائل سے مزیّن تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا! باری تعالیٰ نے آپ کو راہِ حق کا داعی و مُبلّغ بنا کر خود ہی اُس کا بہترین سلیقہ و قرینہ بھی تعلیم فرمایا۔

ارشادِ ربّانی ہے: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔ "اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے! اور بہترین طریقے کے ساتھ اُن پر حجّت قائم کیجیے!" [النحل16:125]

ربِّ ذوالجلال کے حکم کے مطابق نبیِ رحمت ﷺ مختلف اوقات میں حسبِ ضرورت مختصر، جامع اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں فرماتے، جو کتبِ احادیث و سیرت میں موجود ہیں۔ اِن پُرمغز نصیحتوں میں بعض اوقات ایک جماعت سے خطاب ہوتا اور کئی مرتبہ ایک ہی صاحب کو مخاطَب ہونے کی سعادت ملتی... بہرحال یہ مواعظِ حسنہ آج بھی اُمّت کی بہترین راہ نمائی فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ امام الانبیا ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت اہتمام کے ساتھ پانچ مختصر نصیحتیں ارشاد فرمائیں، اُن کا ہر کلمہ ایسا حسین و پُرلُطف ہے کہ اگر انسان اُن پر عمل کرے تو زندگی میں مثبت تبدیلی آجاتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنۡ یَّأۡخُذُ عَنِّیۡ ہٰؤُلَاءِ الۡکَلِمَاتِ، فَیَعۡمَلُ بِہِنَّ أَوۡ یُعَلِّمُ مَنۡ یَّعۡمَلُ بِہِنَّ؟ "کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں / چند احکام لے لے، پھر اِن پر عمل کرے یا ایسے شخص کو سکھا دے جو اِن پر عمل کرے؟" مَیں نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مَیں (اِنھیں حاصل کرنے کے لیے حاضر) ہوں۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ باتیں شمار فرمائیں:

1) اِتَّقِ الۡمَحَارِمَ تَکُنۡ أَعۡبَدَ النَّاسِ۔ "حرام چیزوں سے بچو، تم لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے۔"

2) وَارۡضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنۡ أَغۡنَی النَّاسِ۔ "اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے لیے مقدّر فرمایا ہے اُس پر راضی رہو، تم لوگوں میں سب سے بڑے غنی ہو جاؤ گے۔"

3) وَأَحۡسِنۡ إِلٰی جَارِکَ تَکُنۡ مُّؤۡمِنًا۔ "اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، تم (کامل) مومن ہو جاؤ گے۔"

4) وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفۡسِکَ تَکُنۡ مُّسۡلِمًا۔ "لوگوں کے لیے ویسی ہی بھلائی پسند کرو جیسی اپنے لیے پسند کرتے ہو، تم (سچے) مسلمان ہو جاؤ گے۔"

5) وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ؛ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ ”اور زیادہ نہ ہنسو؛ کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔“[1]

(جامع ترمذی، حدیث: 2305۔ المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث: 7054)

رحمتِ عالَم ﷺ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ آپ کو جَوَامِعُ الْكَلِم عطا فرمائے گئے ہیں۔[2] یعنی آپ ﷺ مختصر کلمات میں وہ بات فرمادیتے جس کی وضاحت کی جائے تو کتابیں بھر جائیں... جو باتیں کتابوں میں سمیٹنا مشکل ہوتا ہے آپ ﷺ اُنھیں چند کلمات میں ارشاد فرمادیتے ہیں۔ پھر افصح الفُصحا ﷺ کے فرامینِ عالیہ میں بے مثال تاثیر ہے، وہ غم زدوں کو تسکین دیتے ہیں، ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھاتے ہیں، بُزدلوں کو دلیر بناتے ہیں، بھٹکے ہوؤں کی راہ نمائی فرماتے ہیں، سرکشوں کو تابع فرمان کرتے ہیں اور علم و معرفت کے متلاشیوں کو اُن کے مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

مذکورہ نصیحتوں کی فصاحت و جامعیت اور تاثیر و معنویت پر غور کرنے سے ایمان بھی تازہ ہو جاتا ہے اور بہترین راہ نمائی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں اِنہی سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

پہلی نصیحت... مُحَرَّمات سے اجتناب

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرورِ عالم ﷺ نے پہلی نصیحت فرمائی: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ[3] تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ۔

”حرام چیزوں سے بچو، تم لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے۔“

شریعتِ مطہرہ نے کچھ چیزوں کو بہت ضروری قرار دیا ہے اور اُنھیں چھوڑنے کی بالکل اِجازت نہیں دی، اِن چیزوں کو فرض و واجب کہا جاتا ہے... کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، مگر کبھی کبھار چھوڑنے پر زیادہ سختی نہیں فرمائی، اِنھیں سنتِ مؤکّدہ کہا جاتا ہے... کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں لازم تو نہیں کیا، مگر اُنھیں کرنے کا شوق دلایا ہے، یہ سنتِ غیر مؤکّدہ، نفل یا مُستَحَبّ کہلاتی ہیں... اِسی طرح کچھ چیزوں سے بچنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے، جو حرام ہیں... کچھ کو ناپسند کیا ہے، جو مکروہ کہلاتی ہیں... جب کہ کئی چیزوں سے بچنے کو فقط بہتر قرار دیا ہے، یہ خلافِ اولیٰ ہیں۔ حرام سے بچنا فرض ہوتا ہے اور فرض کو چھوڑنا حرام ہوتا ہے۔

---

[1] عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَأَقِلَّ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔» (السنن لابن ماجة، رقم الحدیث: 4217۔ الزهد لهناد، ج: 2، ص: 501، دار الخلفاء)

نوٹ: اِس حدیث کی بعض اسانید میں کلام ہے، مگر مجموعۂ اسانید سے یہ صحیح لغیرہٖ ہے۔

[2] سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ۔ ”مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 523)

[3] وَهِيَ شَامِلَةٌ لِجَمِيعِ الْمُحَرَّمَاتِ مِنْ فِعْلِ الْمَنْهِيَّاتِ وَتَرْكِ الْمَأْمُورَاتِ۔ (مرقاة المفاتيح)

شارحینِ حدیث نے لکھا: حرام چیزوں سے بچنے (اور فرائض کی پابندی) پر سب سے بڑا عبادت گزار بن جانے کی فضیلت اِس لیے ارشاد فرمائی کہ ربِّ کریم نے جو ذمہ داری دی ہے اُسے پورا کرنا سب سے بڑی عبادت ہے اور ربّ کی عطا کردہ ذمہ داریوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ اُس نے جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے اُنھیں پوری کوشش کے ساتھ ادا کیا جائے اور جن کو حرام قرار دیا ہے اُن سے مکمل اجتناب کیا جائے۔[1] نیز اگر اعمال نامہ میں حرام کی نحوست نہ ہو تو نوافل کی معمولی مقدار بھی بابرکت ہوتی ہے... لیکن اگر خدانخواستہ صحیفۂ اعمال حرام اُمور کی نجاست سے آلودہ ہو تو مستحبات کی بڑی تعداد بھی بے برکت ہو جاتی ہے۔[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی میں خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کا یہ ارشادِ مبارک بھی ہے: وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ... یعنی "میرا بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا ہے، اُن میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ اعمال ہیں جو میں نے اُس پر فرض کیے ہیں۔"[3] (صحیح بخاری، حدیث: 6502) میرے بندے کا فرض ادا کرنا اور حرام سے بچنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

لمحۂ فکریہ: دینی تقاضوں سے شناسانہ ہونے کے سبب اعمال سے متعلق بے اعتدالی کثرت کے ساتھ ہے۔ کئی حضرات فرائض کو بجالانے اور محرمات سے بچنے میں غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جب کہ مستحبات و نوافل کا خوب اہتمام کرتے ہیں... مثلاً: نسلِ نَو کو علم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں، مگر بے پردگی و بے حیائی سے بچنے کی فکر نہیں کرتے... لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بول دیتے ہیں... عمرے کرتے ہیں اور کعبۃ اللہ کے اندر سے بھی ہو آتے ہیں، مگر لوگوں پر ظلم سے باز نہیں آتے... نوافل ادا کرتے ہیں، مگر قضا نمازوں میں لاپرواہی برتتے ہیں... محافل میں بھرپور شرکت کرتے ہیں، لیکن فرض نمازوں میں سستی کر جاتے ہیں... ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں، مگر دینی فرض علوم سے ناآشنا ہوتے ہیں... صدقہ و خیرات کرتے ہیں مگر حج اور زکوٰۃ کا فریضہ ادا نہیں کرتے... لوگوں کی پریشانیاں حل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں مگر والدین کے حقوق سے غافل رہتے ہیں... اعتکافِ سنت کا اہتمام کرتے ہیں، مگر مسجد کے تقدس سے غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ فرض ہے۔ سب کو اپنی اِصلاح کرنی چاہیے۔

---

[1] إِذْ لَا عِبَادَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْخُرُوْجِ عَنْ عُهْدَةِ الْفَرَائِضِ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[2] فِي اتِّقَاءِ الْمَحَارِمِ تَبْقَى الصَّحِيْفَةُ نَقِيَّةً مِنَ التَّبِعَاتِ، فَالْقَلِيْلُ مِنَ التَّطَوُّعِ مَعَ ذٰلِكَ يَنْمُوْ وَتَعْظُمُ بَرَكَتُهٗ، فَيَصِيْرُ ذٰلِكَ الْمُتَّقِيْ مِنْ أَكَابِرِ الْعُبَّادِ۔ (فیض القدیر للمناوی)

[3] اِس حدیث پاک کی تشریح میں شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ نے لکھا: إِنَّ فَائِدَةَ النَّوَافِلِ فِي الْحَقِيْقَةِ تَكْمِيْلُ الْفَرَائِضِ وَتَتْمِيْمُ مَا وَقَعَ فِيْهَا مِنَ النُّقْصَانِ، فَيَكُوْنُ الْقُرْبُ الْحَاصِلُ بِأَدَاءِ النَّوَافِلِ بَعْدَ أَدَاءِ الْفَرَائِضِ وَتَكْمِيْلِهَا بِهَا أَتَمَّ وَأَكْمَلَ بِاجْتِمَاعِ الْقُرْبَيْنِ..... (لمعات التنقیح، باب ذکر اللہ عزوجل، الفصل الاول، زیرِ حدیث: 2266) یعنی نوافل فرائض کو مکمل کرنے کے لیے ہوتے ہیں؛ تاکہ فرائض میں جو کوتاہی رہ گئی وہ نوافل سے مکمل ہو جائے۔ جب فرائض بجالانے کے بعد نوافل ادا کیے جائیں تو اُن کے ذریعے حاصل ہونے والا قُرب کامل تر ہو گا۔

دوسری نصیحت... تقدیر پر راضی رہنا اور قناعت اختیار کرنا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آقا کریم ﷺ نے دوسری نصیحت فرمائی: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ۔

"اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے لیے مقدّر فرمایا ہے اُس پر راضی رہو، تم لوگوں میں سب سے بڑے غنی ہو جاؤ گے۔"

لالچ ایسی بیماری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اِس سے محفوظ نہ رکھے تو یہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، دولت کے انبار جمع کرنے کے باوجود مزید کی تمنّا انسان کو بے تاب رکھتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدِ انس وجاں ﷺ نے فرمایا: «لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَّابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔» یعنی "اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو (۲) وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا (لالچ کبھی بھی ختم نہیں ہو گا) اور انسان کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، تاہم جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اُس پر کرم فرماتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6436)

اِس کے برعکس اگر توفیقِ الٰہی سے قناعت نصیب ہو جائے... جائز طریقے سے کوشش کے بعد جتنا مل جائے اُس پر راضی رہنے کی سعادت مل جائے تو انسان خالی ہاتھ ہونے کے باوجود بھی نہایت پُر سکون رہتا ہے۔

چنانچہ لالچی حقیقت میں محتاج اور غریب ہی رہتا ہے، جب کہ قناعت والا حقیقت میں بڑا غنی (دل کا مال دار) ہو جاتا ہے۔

قناعت کی دُعا: ہجرت کے نویں سال یمن کے قبیلہ تُجِیب کا تیرہ افراد پر مشتمل ایک وفد (Delegation) اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اِن میں سے ایک جوان نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! آپ نے ہمارے وفد کے تمام افراد کی حاجتیں پوری کی ہیں، میری حاجت بھی پوری کر دیجیے! آپ ﷺ نے پوچھا: وَمَا حَاجَتُكَ؟ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اُس نے کہا: تَسْأَلُ اللهَ أَنْ يَّغْفِرَ لِيْ وَيَرْحَمَنِيْ وَيَجْعَلَ غِنَايَ فِيْ قَلْبِيْ۔ یعنی میرے لیے تین دُعائیں کر دیجیے: 1۔ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے! 2۔ مالکِ کریم مجھ پر رحمت فرمائے! 3۔ ربِّ ذوالجلال میرے دل کو غنی کر دے (دل کو دُنیا کے لالچ سے پاک کر دے اور قناعت عطا فرمائے)!

چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے دُعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ۔ "اِلٰہی اِسے بخش دے... اور اِس پر رحمت فرما... اور اِس کے دل کو غنی فرما دے!"

آئندہ سال حج کے دنوں میں منٰی میں اُس کے قبیلہ کے کچھ افراد کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے اُس جوان کے بارے میں پوچھا کہ اُس کا کیا حال ہے؟ اُنھوں نے بتایا: مَا رَأَيْنَا مِثْلَهُ أَقْنَعَ مِنْهُ بِمَا رَزَقَهُ اللهُ۔ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر خوش ہے اور قناعت کرتا ہے ایسے ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يَّمُوْتَ جَمِيْعًا۔

یعنی ”مجھے اُمید ہے کہ (وہ یوں ہی دل کا غنی رہے گا اور) اُسے ایسی حالت میں موت آئے گی کہ اُس کا دل دُنیا کے غموں سے پاک ہو گا۔“ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:1، ص:245، دار الکتب العلمیۃ)

چنانچہ دُعائے نبوی کی برکت سے اُسے زندگی بھر قناعت نصیب رہی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصالِ اقدس ہوا اور بہت سے یمنی مرتدّ ہوئے تو اُس جوان نے اُنھیں اسلام پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے کی خوب نصیحتیں کیں۔[1]

تیسری نصیحت... پڑوسیوں سے حسنِ سلوک

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیسری نصیحت فرمائی: وَأَحْسِنْ إِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُّؤْمِنًا۔ ”اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، تم مومن ہو جاؤ گے۔“

سرورِ عالَم ﷺ کے ارشادات سے تربیت ملتی ہے کہ انسان کو فقط نام کا ”مسلم“ و ”مومن“ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ”مسلمان“ کا کردار ایسا ہونا چاہیے کہ اُس میں ”اسلام“ کا لغوی معنیٰ بھی پایا جائے اور ”مومن“ کی سیرت ایسی ہونی چاہیے کہ اُس پر ”ایمان“ کا لغوی مفہوم بھی صادق آئے۔ ”ایمان“ امن سے بنا ہے، چنانچہ:

⟸ اگر کسی مومن کی شرارتوں سے اُس کے پڑوسیوں کو امن نہیں ہے تو اُس پر ایمان کا معنیٰ صادق نہیں آتا اور وہ کامل مومن نہیں ہے۔

سیدنا ابو شُرَیح خُوَیلِد خُزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے آقا کریم ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ۔[2] ”اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں۔“ عرض کی گئی: کون سا شخص؟ فرمایا: اَلَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ ”جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔“ (صحیح بخاری، حدیث:6016)

⟸ جو مومن اپنے پڑوسیوں سے حُسنِ سلوک کرتا ہے، پڑوسیوں کو اُس کی طرف سے امن حاصل ہے اُس پر ”مومن“ کا لغوی مفہوم ”امن دینے والا“ صادق آتا ہے اور وہ اپنے کردار کی برکت سے کامل مومن بن جاتا ہے۔

بلاشبہ اگر ہم پڑوسیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو معاشرہ جنت نظیر بن جائے۔

---

[1] فَعَاشَ ذٰلِكَ الْغُلَامُ فِيْنَا عَلٰى أَفْضَلِ حَالٍ وَأَزْهَدِهٖ فِي الدُّنْيَا وَأَقْنَعِهٖ بِمَا رُزِقَ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَعَ مَنْ رَجَعَ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ عَنِ الْإِسْلَامِ، قَامَ فِيْ قَوْمِهٖ فَذَكَّرَهُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْهُمْ أَحَدٌ، وَجَعَلَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ يَذْكُرُهٗ وَيَسْأَلُ عَنْهُ حَتّٰى بَلَغَهٗ حَالُهٗ وَمَا قَامَ بِهٖ، فَكَتَبَ إِلٰى زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ يُوْصِيْهِ بِهٖ خَيْرًا۔ (الزرقانی علی المواهب، سبل الهدیٰ والرشاد، عیون الأثر)

[2] لَا يُؤْمِنُ، أَيْ: إِيْمَانًا كَامِلًا أَوْ إِيْمَانًا مُطَابِقًا لِمَبْنَاهُ وَمَعْنَاهُ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

چوتھی نصیحت... دوسروں کی خیر خواہی

امام الانبیا ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو چوتھی نصیحت فرمائی: وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا۔

"لوگوں کے لیے ویسی ہی بھلائی پسند کرو جیسی اپنے لیے پسند کرتے ہو، تم مسلمان ہو جاؤ گے۔"

رحمتِ الٰہی سے نبیِ کریم ﷺ تمام جہان کے لیے رحمت ہیں، خصوصًا اپنی اُمّت پر بہت ہی مہربان ہیں، کرم فرماتے ہیں، اُمّت کی بھلائی بہت زیادہ چاہتے ہیں، اُمّت کی مشقت سے آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر بوجھ آتا ہے، حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں اور جن ناداروں کا کوئی بوجھ نہ اُٹھائے آپ اُن کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جامع الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ آپ ﷺ اُمّت کے نہایت "خیر خواہ" (بھلا چاہنے والے) ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے نوازنا چاہے اُسے سرکارِ دوجہاں ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کی خیرات عطا فرما دیتا ہے، چنانچہ اُسوۂ حسنہ پر عمل کی برکت سے اُسے کامل ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اِس حدیثِ مبارک میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی وساطت سے تمام اُمّت کو اپنا پسندیدہ وصف "خیر خواہی" اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی... کہ لوگوں کے لیے ویسی ہی بھلائی پسند کرو جیسی اپنے لیے پسند کرتے ہو... اور بشارت دی کہ اِس خوبی کی برکت سے اسلام کا کمال نصیب ہو گا۔ مثلاً:

⟸ کافر سے متعلق یہ بات پسند ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی دولت سے نوازے۔

⟸ گناہ گار کے حق میں یہ چاہت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُسے توبہ کی توفیق عطا کر دے۔

⟸ ظالم سے متعلق یہ جدّوجہد کرنی چاہیے کہ وہ ظلم سے باز آجائے۔

⟸ مصیبت زدہ کے حق میں یہ خواہش ہونی چاہیے کہ اُسے عافیت نصیب ہو جائے۔

⟸ بیمار کے لیے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ شفایاب ہو جائے۔

دین سے دُوری کے سبب بعض اوقات انسان اپنے لیے کوئی ایسی چیز پسند کرنے لگ جاتا ہے جس کی شریعت نے اِجازت نہیں دی، ایسا نالائق شخص یہ چیز دوسروں کے لیے ہرگز پسند نہ کرے، بلکہ اپنی چاہت کو درست کرتے ہوئے شریعت کے تابع بنائے۔ احادیثِ کریمہ میں دوسروں کے لیے خیر و بھلائی پسند کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، بُری چیز کی چاہت و تمنّا نہ اپنے لیے ہونی چاہیے نہ دوسروں کے لیے۔[1]

---

[1] وَالْمُرَادُ: يُحِبُّ لِأَخِيهِ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْمُبَاحَاتِ. يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا جَاءَ فِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ: "حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مِنَ الْخَيْرِ"۔

(مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4961)

پانچویں نصیحت... زیادہ ہنسنے سے اجتناب

خاتم النبیین ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچویں نصیحت فرمائی: وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ؛ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ ”زیادہ نہ ہنسو؛ کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔“

دل کی زندگی یہ ہے کہ اُس میں خوفِ خُدا ہو، وہ قرآن و سنت سے نصیحت قبول کرے، موت و آخرت یاد رہے اور دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو... جس دل میں خوفِ الٰہی نہ رہے، اُس پر آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیبہ کا اثر نہ ہو، اُس میں دوسروں کی پریشانی سے رقّت پیدا نہ ہو... وہ دل دھڑکنے کے باوجود حقیقت میں مُردہ دل ہے، بلکہ ”دل“ کہلانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”دلِ مُردہ“ دل نہیں ہے، اِسے زندہ کر دوبارہ　　کہ یہی ہے اُمّتوں کے مَرَضِ کُہَن کا چارہ

دل کی سختی کا ایک بڑا سبب انسان کا اپنی موت کو بھول کر دُنیا کی محبت اور گناہوں میں گرفتار ہو جانا ہے۔ زیادہ ہنسنا اور قہقہے لگانا موت کی تیاری و آخرت کی سختیوں سے غافل ہونے کی نشانی ہے، اِس لیے سرورِ عالم ﷺ نے زیادہ ہنسنے سے بچنے کا حکم دیا اور اِس کا نتیجہ یہ ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

وضاحت: جب انسان کسی چیز پر فرحت کا اِظہار کرتا ہے تو تین طرح کی کیفیات ہوتی ہیں:

1) تَبَسُّم / مسکراہٹ: یعنی چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوں یا اِس کے ساتھ سامنے والے دانت نظر آئیں، مگر آواز نہ نکلے۔ مُسکرانا خوش اخلاقی ہے اور اچھی چیز ہے، جانِ عالَم ﷺ کثرت سے تبسُّم فرمایا کرتے تھے۔

2) ضِحک / ہنسنا: یعنی سامنے والے دانت نظر آنے کے ساتھ ساتھ معمولی آواز بھی نکلے۔ جائز طریقے سے کبھی کبھی ہنسنا جائز ہے، اِس میں کوئی حرج نہیں۔ سرکارِ دوعالَم ﷺ بھی کبھی کبھی ضحک فرماتے تھے۔

3) قہقہہ (Giggle): یعنی بلند آواز سے منہ کھول کر ہنسنا۔ یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ (فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، ملخصاً[1])

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔ یعنی مَیں نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اِس طرح ہنستے نہیں دیکھا کہ منہ کھلنے کی وجہ سے تالو مبارک کے آخری حصے کا گوشت نظر آتا، آپ ﷺ (اکثر طور پر) صرف تبسم ہی فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6092۔ صحیح مسلم، حدیث: 899)

خلاصہ یہ کہ سنت پر عمل کے لیے مسکرانا اچھی بات ہے، مگر زیادہ ہنسنے اور قہقہے لگانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

---

[1] اَلتَّبَسُّمُ: وَهُوَ ظُهُوْرُ الْأَسْنَانِ بِلَا صَوْتٍ۔ وَالضِّحْكُ: وَهُوَ ظُهُوْرُهَا مَعَ صَوْتٍ لَا يُسْمَعُ مِنْ بُعْدٍ، فَإِنْ سُمِعَ مِنْ بُعْدٍ فَقَهْقَهَةٌ۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، تحت باب التبسم والضحك) یاد رہے کہ بعض اوقات نصوص میں تبسم کے لیے ”ضحک“ کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

حرفِ آخر... نبوی نصیحتیں اور فلسطین سے متعلق اُمّت کی ذمہ داریاں

سرکارِ دو جہاں ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ ایسے عظیم الشان ہیں کہ ربِّ کریم نے عزت افزائی فرماتے ہوئے رسولِ مکرم ﷺ کے قولِ مبارک کی قسم ارشاد فرمائی ہے۔[1] امامِ اہلِ سنت، تاج دارِ بریلی علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا! ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

محبوبِ خدا ﷺ کا ہر ارشادِ گرامی ہی پُر حکمت و پُر مغز ہوتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے جو پانچ خوب صورت نصیحتیں فرمائیں وہ بھی زندگی میں انقلاب بپا کرنے والی ہیں۔ اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1) فرائض کی ادائیگی اور حرام اُمور سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ حرام سے بچنے والا شخص مستحبات کا زیادہ اہتمام نہ بھی کرے تو بڑا عبادت گزار ہے... جب کہ حرام چھوڑے بغیر اچھے کاموں کے لیے کوشش کرنا کم عقلی ہے۔

2) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے اور قناعت اختیار کرنے سے دل غنی ہو جاتا ہے اور اُخروی بھلائیوں کے ساتھ ساتھ دُنیاوی زندگی کا کامل سکون بھی نصیب ہوتا ہے... لیکن اگر دل مال و دولت کا لالچی ہو جائے تو انسان ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔

3) دوسروں کے ساتھ معاملات اچھے کرنے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے سے کامل ایمان نصیب ہوتا ہے.. اگر کسی کی شرارتوں سے پڑوسیوں اور دوسرے مسلمانوں کو امن نہ ہو تو وہ سچا مومن نہیں۔

4) لوگوں کی خیر خواہی سنتِ مصطفیٰ کریم ﷺ بھی ہے اور اسلام کامل ہونے کا ذریعہ بھی۔ دوسروں کے لیے ویسی ہی بھلائی پسند کرنی چاہیے جیسی انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

5) اپنی موت اور آخرت کو یاد رکھنا دل کی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے.... جب کہ زیادہ ہنسنا، قہقہے لگانا اور موت کو بھول جانا ایسی آفت ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

"دوسروں کی خیر خواہی" سے متعلق بات کرتے ہوئے دل غزہ کے حالات پر خون کے آنسو روتا ہے۔ 07 اکتوبر 2023ء سے جاری اسرائیلی درندگی و نسل کُشی میں اب تک تقریباً 34 ہزار بے گناہ افراد شہید ہو چکے ہیں، ہزاروں زخمی ہیں اور اُن کے علاج کے لیے ضروری سہولیات بھی دستیاب نہیں ہیں، جب کہ لاکھوں افراد بے گھر ہیں۔ غزہ کا شہری ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے اور عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق قحط کی صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ: وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ [الزخرف 43:88]

ایسے حالات میں مسلم اُمّہ پر اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کرنا اور اُنھیں یہودی غنڈوں کے ظلم سے بچانا فرض ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ۔[1] ”مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر ظلم کرے نہ اُسے (دشمن کے ہاتھوں میں یا مصائب میں) بے یار و مددگار چھوڑے۔“
- وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ۔ ”اور جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورت پوری فرماتا ہے۔“
- وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً[2] فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ ”اور جو کسی مسلمان کی (ایک معمولی دُنیاوی) مصیبت و پریشانی دُور کرے اللہ تعالیٰ اُس سے قیامت کے دن کی (بڑی پریشانیوں میں سے) کوئی پریشانی دُور فرمادے گا۔“
- وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[3] ”اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ (دُنیا کے ساتھ ساتھ) قیامت کے دن بھی اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“ (صحیح بخاری، حدیث:2442)

غزہ کے موجودہ حالات کے تناظر میں:

⇐ سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے، اُن پر فرض ہے کہ اسرائیلی مظالم روکنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کریں، اگر طاقت کے استعمال کے علاوہ کوئی حل نہ ہو تو اُسے استعمال کرنے سے بھی گریز نہ کریں۔

⇐ پاکستان اور دیگر ممالک شدید زخمی فلسطینیوں کو اپنے ممالک میں لا کر اُنھیں علاج کی سہولیات فراہم کریں۔ نیز طبی عملے ضروری آلات و سہولیات کے ساتھ فلسطین میں بھیجیں۔

⇐ تباہ شدہ عمارتوں کی متبادل رہائشی سہولیات، مثلاً خیمے اور فائبر وغیرہ غزہ میں بھجوائیں۔

⇐ ریاستی اور عوامی سطح پر یہودی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں اور اسرائیل کو فلسطینی علاقوں سے انخلا پر مجبور کریں۔

⇐ اصحابِ خیر دل کھول کر اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے مال پیش کریں۔[4]

---

[1] لَا يَتْرُكُهُ مَعَ مَنْ يُؤْذِيهِ بَلْ يَحْمِيهِ. وزاد الطبرانی: وَلَا يُسْلِمُهُ فِي مُصِيبَةٍ نَزَلَتْ بِهِ۔ (ارشاد الساری، تحت الحدیث)

[2] وَالتَّنْوِينُ فِيهَا لِلْإِفْرَادِ وَالتَّحْقِيرِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4958)

[3] وفی روایۃ مسلمٍ: وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2699)

[4] دعوتِ اسلامی کے شعبہ FGRF کے زیرِ اہتمام روزانہ کی بنیاد پر اہلِ غزہ کو مختلف سہولیات فراہم کی جارہی ہیں، معلومات حاصل کرنے یا تعاون کے لیے ملاحظہ کریں: https://fgrf.org
نیز اِس کارِ خیر میں شرکت کے لیے مرکز تحریکِ لبیک پاکستان سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۰ شوال المکرم ۱۴۴۵ھ / 19 اپریل 2024ء

علمِ دین...

ضرورت وفضیلت، ازالۂ شبہات اور فروغ میں کردار

(دینی مدارس کے نئے تعلیمی سال کے آغاز پر)

مشمولات

- قابلِ رشک افراد
- علمِ دین میں ترقّی کے لیے نبوی دُعائیں
- دینی تعلیم اور مدارس سے متعلق شبہات کا اِزالہ
- فروغِ علمِ دین کے لیے کردار
- اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے! معیارِ تعلیم اچھا نہیں ہو گا!
- عزت نہیں ملے گی!
- دین پڑھے گا تو کھائے گا کہاں سے؟
- مدرسہ میں گیا تو انتہا پسند ہو جائے گا!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ۔ [المجادلۃ58:11]

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی دوسرے شخص کے پاس ربّ تعالیٰ کی نعمت دیکھے تو دل میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ کاش ایسی نعمت میرے پاس بھی ہو! اِس جذبہ و کیفیت کو عربی میں "غِبْطَہ" اور اُردو میں "رشک" کہا جاتا ہے۔

رشک کبھی اچھا ہوتا ہے اور کبھی بُرا... اگر وہ نعمت اور صاحبِ نعمت واقعی "قابلِ رشک" ہوں تو یہ کیفیت اچھی چیز ہے، لیکن اگر وہ نعمت / نعمت والا دینی اعتبار سے "قابلِ رشک" نہیں تو یہ جذبہ بُرا ہے اور بعض اوقات کئی خرابیوں کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ "قابلِ رشک" کون ہے؟ اِس سوال کا جواب مختلف افراد کے ذہنوں میں مختلف ہوگا؛ کیونکہ رشک اُس نعمت پر ہوتا ہے جس کی قدر ہو، جب نعمتوں کی قدر کے حوالے سے سوچ مختلف ہے تو "قابلِ رشک" ہونے کا معیار بھی مختلف ہوگا... جس کے دل میں گھر کی چاہت ہے وہ اچھے گھر والے کو قابلِ رشک سمجھے گا، جو دولت چاہتا ہے وہ دولت مند کو قابلِ رشک کہے گا اور جسے عہدے کا لالچ ہے وہ بڑے عہدے والے پر رشک کرے گا۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم مخلوق میں سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے دانا، سب سے بڑے سچے اور سب سے بڑے خیر خواہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک سے راہ نمائی حاصل کرلیں کہ حقیقت میں "قابلِ رشک" کون ہے! صاحبِ نعلَین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: "قابلِ رشک افراد فقط دو ہی ہیں":

1) رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ۔ "وہ شخص جسے اللہ کریم نے مالِ حلال عطا فرمایا اور اُسے راہِ حق میں بے دریغ خرچ کرنے کی توفیق سے نوازا۔"

2) وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ "وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (علمِ دین) سے نوازا، چنانچہ وہ اُس کے مطابق عمل اور فیصلے کرتا ہے اور اُسے دوسروں کو سکھاتا ہے۔" (صحیح بخاری: 73۔ صحیح مسلم: 816۔ ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح)

اِن دو خوبیوں کے حامل افراد قابلِ رشک کیوں ہیں؟ اِس لیے کہ یہ دونوں خوبیاں انبیائے کرام ورُسُلِ عِظام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے اوصاف سے ہیں، اُنھیں مال ودَولت عطا ہو تو وہ اُسے اپنی ذات کے لیے نہیں، بلکہ حق کی سربلندی کے لیے خرچ کرتے ہیں، نیز علمِ دین کا فروغ اور عدل وانصاف کا قیام اُن کا اولین مقصد ہوتا ہے؛ لہٰذا علم پر عمل کرتے ہوئے اُسے فروغ دینے والا اور راہِ حق میں مالِ حلال خرچ کرنے والا... دونوں ہی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام کے راستے پر چل رہے ہیں؛ اِس لیے یہ دونوں قابلِ رشک ہیں۔[1]

---

[1] وَإِنَّمَا حَرَّصَ عَلَى الْغِبْطَةِ فِي هَاتَيْنِ الْخَصْلَتَيْنِ؛ لِأَنَّهُمَا مِنْ صِفَاتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، خُصُوْصًا الثَّانِيَةُ مِنْهُمَا۔ (لمعات التنقیح)

صرف یہ نہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے اِن دو افراد کو قابلِ رشک قرار دیا، بلکہ منحصر فرمایا، کہ فقط یہی دو افراد اِس قابل ہیں کہ اِن پر رشک کیا جائے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِن قابلِ رشک افراد کا تذکرہ فرما کر ہمیں یہ شوق و رغبت دلائی کہ ہم بھی اِن جیسا بننے کی بھرپور کوشش کریں۔

برِّصغیر کے اکثر دینی مدارس و جامعات کا نیا تعلیمی سال شوال المکرم میں شروع ہوتا ہے، چنانچہ اِن دنوں ہزاروں مدارس میں نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریبات ہو رہی ہیں۔

موجودہ دَور میں بیشتر مسلمان علمِ دین اور دینی مدارس کی ضرورت و اہمیت سے ناواقف ہیں، حالانکہ عالَمی سازشوں کے باوجود آج بھی اُمّت کے اندر جو تھوڑا بہت دینی شعور موجود ہے اُس میں دینی مدارس اور اِن سے وابستہ افراد کا اہم کردار ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں علمِ دین سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمارے دلوں میں بھی علمِ دین کا شوق بیدار ہو، ہم خود بھی علمِ دین سے بہرہ مند ہوں اور گھر کے دیگر افراد کو بھی اِس نور سے منوّر کریں۔

علمِ دین میں ترقّی کے لیے نبوی دُعائیں

سرورِ عالَم ﷺ نے علمِ دین کا شوق بیدار کرنے کے مختلف ذرائع اختیار فرمائے۔ ایک حسین انداز یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے علم میں اِضافہ کی دُعا بھی کرتے، دوسروں کو بھی علمِ دین میں ترقّی کی دُعاؤں سے نوازتے اور اِضافۂ علم کی دعائیں تعلیم بھی فرماتے۔

اپنے لیے دُعا: مُعلّمِ اعظم ﷺ کو علم میں اِضافہ کی دُعا کرنے کا حکم خود ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا، آیتِ کریمہ میں ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ ”اور (اے محبوبِ مکرم!) یوں دُعا کیجیے: اے میرے ربّ! میرے علم میں اِضافہ فرما۔“ [طٰہٰ 114:20]

اِس آیتِ مبارکہ میں بلاواسطہ خطاب اُس ہستی کو ہے جسے خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے مخلوق میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے، پھر اُن کے واسطے سے دیگر کو حکم ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر مخلوق کے سب سے بڑے عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے علم میں اِضافہ کی دعا کرتے تھے تو ہمیں علم حاصل کرنے کی کتنی جستجو ہونی چاہیے!

دوسروں کے لیے دُعا: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوہری نسبت حاصل ہے:

1) وہ آپ ﷺ کے محترم چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں، اِس اعتبار سے سرکارِ دوعالَم ﷺ کے چچازاد ہیں۔

2) اُن کی والدہ اُمِّ فَضل لُبابہ بنتِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خواہرِ نسبتی ہیں، اُمّ المؤمنین سیدتنا میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ یوں وہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں۔

خدمت گزاری پر دُعا: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کئی مرتبہ اپنی خالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رسول اللہ ﷺ کے گھر مبارک میں رات گزاری اور آپ ﷺ کے قیام اللیل (رات کی نماز وغیرہ) کا مشاہدہ کیا۔

ایک موقع پر نبیِ کریم ﷺ بیت الخلا تشریف لے گئے،[1] سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے واپس تشریف لانے سے پہلے ہی وُضو کا پانی تیار کر دیا۔ آپ ﷺ نے واپس آکر پوچھا: مَنْ وَّضَعَ هٰذَا؟ "یہ پانی کا برتن کس نے رکھا ہے؟" عرض کی گئی: ابن عباس نے رکھا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی[2]: «اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔»[3] وفی روایۃ أُخْرٰی: «اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ۔»[4] یعنی "الٰہی! ابنِ عباس کو دین کا عالم وفقیہ بنادے اور اِسے تفسیرِ قرآنِ مجید کا علم عطا کر دے۔"

تعظیم پر دُعا: ایک مرتبہ حضور ﷺ رات کے آخری حصے میں نماز ادا فرما رہے تھے، اُنھوں نے بھی پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ فرماتے ہیں: فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَجَرَّنِيْ فَجَعَلَنِيْ حِذَاءَهُ۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ (اکیلا مقتدی امام کے برابر کھڑا ہوتا ہے، البتہ اُس کے ٹخنے امام کے ٹخنوں سے آگے نہیں بڑھنے چاہییں) سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فَلَمَّا أَقْبَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى صَلَاتِهٖ خَنَسْتُ۔ (ایک مرتبہ تو مَیں حکم پورا کرنے کے لیے ساتھ کھڑا ہو گیا، مگر) جب آپ ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو پھر پچھلی صف میں آ گیا۔ فراغت کے بعد جانِ عالم ﷺ نے پوچھا: مَا شَأْنِيْ أَجْعَلُكَ حِذَائِيْ فَتَخْنِسُ؟ "عبد اللہ بن عباس! کیا بات ہے، مَیں تمھیں برابر کھڑا کرتا ہوں، مگر تم پیچھے ہٹ جاتے ہو؟" عرض کی: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَوَيَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ أَنْ يُّصَلِّيَ حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ الَّذِيْ أَعْطَاكَ اللهُ! یعنی میرے آقا! آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں، جنھیں اللہ نے بلند شانیں عطا فرمائی ہیں، کسی کی کیا مجال کے آپ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے! کہتے ہیں: فَأَعْجَبَتْهُ، فَدَعَا اللهَ لِيْ أَنْ يَّزِيْدَنِيْ عِلْمًا وَّفَهْمًا۔ میری بات نبیِ کریم ﷺ کو پسند آ گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی کہ اللہ میرے علم وفہم میں اور اِضافہ فرما دے۔ (مسند احمد، حدیث: 3060۔ شعب الایمان، حدیث: 1432)

---

[1] حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ یہ واقعہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات کے وقت ہوا۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 6148)

[2] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعْطِهِ الْحِكْمَةَ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ۔» وَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِهٖ فَوَجَدَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَبَّاسِ بَرْدَهَا فِيْ ظَهْرِهٖ، ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ احْشِ جَوْفَهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔»، فَلَمْ يَسْتَوْحِشْ فِيْ نَفْسِهٖ إِلٰى مَسْأَلَةِ أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ، وَلَمْ يَزَلْ حَبْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللهُ إِلَيْهِ۔ (المعجم الکبیر، حدیث: **10585**)

[3] صحیح بخاری، حدیث: 143۔ (اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ) أَيْ اِجْعَلْهُ فَقِيْهًا عَالِمًا۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[4] المستدرک: 6280۔ وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيْ مَعْنَى التَّأْوِيْلِ، فَذَهَبَ أَكْثَرُ الْقُدَمَاءِ إِلٰى أَنَّهُ بِمَعْنَى التَّفْسِيْرِ۔ (کشف المشکل، ج: 2، ص: 341)

ربّ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو علمِ دین میں ایسا بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ آپ کا لقب ہے: «حَبْرُ هٰذِهِ الْأُمَّة»[1] (اُمّتِ محمدیّہ کا ماہر عالم)۔ دورِ فاروقی میں سیدنا ابن عباس جوان تھے، مگر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی رائے کو بہت اہمیّت دیتے، کسی نے تعجب کا اِظہار کیا تو آپ نے فرمایا: «ذَاكَ فَتَى الْكُهُوْلِ؛ إِنَّ لَهُ لِسَانًا سَئُوْلًا، وَقَلْبًا عَقُوْلًا۔» یعنی یہ جوانی میں بھی علمی مہارت رکھنے والے بوڑھوں کی طرح ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِسے علمی سوالات کرنے والی فصیح زبان اور باشعور دل عطا کیا ہے۔ (فضائل الصحابۃ للإمام احمد، رقم:1555، المستدرک علی الصحیحین، رقم:6298)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیاز مندی اور بارگاہِ رسالت سے نوازشات میں بہت کچھ سیکھنے کے لیے اہم ہے:

⟸ جب انسان کسی سے خوش ہوتا ہے تو اُسے ایسی چیز کی دُعا دیتا ہے جو اُس کی نظر میں بہت اہم ہو۔ رحمتِ عالم ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خوش ہو کر علمِ دین کی دُعا سے نوازا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں علمِ دین بہت بڑی دولت ہے؛ کہ آپ نے سیدنا ابن عباس کو نوازنا چاہا تو علمِ دین میں ترقی کی دُعا عطا فرمائی۔

⟸ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس کو حکم نہیں فرمایا تھا کہ پانی تیار کر دینا، اُنھوں نے از خود آپ ﷺ کی خوشی کے لیے پانی تیار کیا۔ اِس میں تربیت ہے کہ سرورِ عالَم ﷺ کے حکمِ عالی کی شان تو بہت بلند ہے، اُمّتی کو اپنے آقا کریم ﷺ کی چاہت و پسند پوری کرنے میں بھی سستی نہیں کرنی چاہیے اور اِس پر دُعا پانے کی اُمّید رکھنی چاہیے۔

⟸ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں پکڑ کر ساتھ کھڑا کیا تھا، مگر اُن کے دل میں اس قدر تعظیم تھی کہ وہ برابر کھڑے نہ رہ سکے اور پچھلی صف میں چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ اِطاعت و تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ دونوں ہی عظیم الشان دولتیں ہیں۔ آج بھی جو شخص غلامی اور تعظیم کرتا ہے اُسے بہت نوازا جاتا ہے۔

دُعا کی تعلیم: جانِ عالَم ﷺ اپنے لیے بھی علم میں اِضافہ کی دُعا فرماتے، دوسروں کو بھی دعاؤں سے نوازتے اور اُمّت کو خود دُعائیں کرنے کی تربیت بھی فرماتے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر کے بعد یوں دُعا کرتے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا۔ "اے اللہ! مَیں تجھ سے نفع بخش علم (وہ علمِ دین جس پر عمل کیا جائے)، پاکیزہ (حلال) رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔" (سننِ ابنِ ماجہ، حدیث:925۔ المعجم الصغیر، حدیث:735، مسند احمد، حدیث:26521۔ قال الهیثمی: رجال الطبرانی ثقات، مجمع الزوائد، زیرِ حدیث:16976)

---

[1] بفتح الحاء و کسرها، والفتح أفصح۔ (فیض القدیر)

دینی تعلیم اور مدارس سے متعلق شبہات کا اِزالہ

انسان کسی بھی نیک کام کو شروع کرے یا اُس کا ارادہ کرے تو نفس و شیطان بندے کو اُس سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں... دل میں مختلف وسوسے آنے لگتے ہیں اور ذہن طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں بندے کو رحمتِ الٰہی پر بھروسا کرتے ہوئے استقامت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؛ کیونکہ وساوس و شبہات تو ہر نیک کام کے ارادے پر آتے ہیں، اگر استقامت نہ ہو تو انسان کوئی بھی نیکی نہیں کر پائے گا۔

جب کوئی شخص علمِ دین کی خاطر خود یا اپنے بچے / بھائی / بہن کو دینی ادارے میں بھیجنے کا ارادہ کرتا ہے تو بھی وساوس و شبہات راستہ روکتے ہیں، اگر انسان استقلال و ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کرے تو علم سے محروم رہ جاتا ہے۔

اِن وسوسوں کو دُور کرنے کے لیے چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

کھائے گا کہاں سے؟ بہت سے لوگ دینی اداروں سے اِس لیے دُور رہ جاتے ہیں کہ ذہن میں سوال آتا ہے: "علمِ دین حاصل کرے گا تو کھائے گا کہاں سے؟" اِس حوالے سے چند باتیں ذہن نشین کر لیجیے:

1) سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ روزی کی فکر میں نیکی کو چھوڑنا "جاہلانہ سوچ" ہے۔ دورِ جاہلیت میں لوگ اپنے بچوں کو فقر کے خوف سے مار ڈالتے تھے؛ کہ میرے معاشی حالات اچھے نہیں ہیں، یہ بڑا ہو کر کھائے گا کہاں سے؟ ربّ تعالیٰ نے اولاد کے قتل کو حرام قرار دے کر فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔ یعنی "تمھیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں اور اُنھیں بھی ہم ہی رزق دیں گے۔" [الانعام6: 151] ہمیں بھی یہ شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس نہ تو اپنی روزی کی ضمانت ہے نہ بچوں کی روزی کی، ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا فرماتا ہے اور اُنھیں بھی وہی دے گا۔ روٹی کی فکر میں علمِ دین سے محروم رہ جانا بڑی کم عقلی ہے۔

2) رزق کی عطا میں علم یا جہالت کا کوئی دخل نہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہے، جسے چاہے اور جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات علم و دانش والے خالی ہاتھ ہوتے ہیں، جب کہ اَن پڑھوں کے پاس مال و دولت وافر ہوتا ہے۔ یہ مفہوم متعدد آیاتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے، ایک مقام پر ارشاد ہے: إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا۔ "بے شک آپ کا ربّ جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا بہت دیکھنے والا ہے۔" [بنی اسرائیل 17: 30] روزی کی "بے جا فکر" میں اپنے بچوں اور متعلقین کو علمِ دین سے محروم رکھنے والے اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا علمِ دین سے دُور رکھ کر اُن کے پاس روزی کی کوئی ضمانت ہے؟

3) علم مال و دَولت کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ دنیاوی مفادات، مثلاً: دَولت، شہرت، منصب اور عزت وغیرہ کی خاطر علم سیکھنے والے کے لیے احادیثِ کریمہ میں سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

4) جب بندہ اپنے مالک جلّ شانہٗ کی رضا کے لیے علمِ دین حاصل کرتا ہے تو ربّ تعالیٰ دُنیا کی دولت بھی عطا کر ہی دیتا ہے۔ روایت ہے:

«مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ مُهِمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔» ”جو اللہ کے دین کو سمجھے / علمِ دین حاصل کرے، باری تعالیٰ اُس کے (دین و دُنیا کے) مقاصد میں کافی ہو گا اور اُسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اُس کا گمان بھی نہیں۔“

(رواه الإمام الأعظم عن سيدنا عبد الله بن الحارث رضی اللہ عنہ مرفوعًا: مسند الإمام الأعظم، كتاب العلم، رقم الحديث:33. جامع بيان العلم وفضله للإمام ابن عبد البر، رقم الحديث: 216، دار ابن الجوزي. تاريخ بغداد للخطيب، ج:3، ص:242، الرقم: 1272، دار الكتب العلمية. وهو مروي عن سيدنا أنس رضی اللہ عنہ أيضًا مرفوعًا: التدوين في أخبار قزوين للرافعي، ج:3، ص:261، دار الكتب العلمية. الملاحظة: في إسناده كلام، لكن تلقّته العلماءُ بالقبول)

5) ہم سوچتے ہیں کہ دین پڑھے گا تو کھائے گا کہاں سے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ربّ تعالیٰ علمِ دین حاصل کرنے والے کو بھی نوازتا ہے اور اُس کی برکت سے علمِ دین میں تعاون کرنے والوں کو بھی روزی دیتا ہے۔ پروردۂ آغوشِ نبوت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں دو بھائی تھے، ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر رہتے (اور علم حاصل کرتے)، جب کہ دوسرے پیشہ وَر تھے۔ کام کرنے والے بھائی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دوسرے کی شکایت کی (کہ یہ کام وغیرہ نہیں کرتے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔ ”شاید کہ تجھے بھی اِس (کی خدمت) کے سبب رزق دیا جاتا ہے۔“ (جامع ترمذی:2345)

انتہاپسندی: دینی مدارس سے دُوری کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں: ”اگر بچہ مدرسہ میں گیا تو انتہا پسند بن جائے گا“۔ اِس حوالے سے گزارش ہے کہ:

1) یہ مکمل طور پر غلط فہمی ہے اور دینی مدارس کے نصاب و نظام سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ جامعات میں قرآن و سنت اور فقہ و تصوف، نیز اِنھیں سمجھنے میں معاون علوم سکھائے جاتے ہیں، تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان کا نصاب آفیشل ویب سائٹ سے دیکھا جاسکتا ہے، اُس میں انتہاپسندی کو فروغ دینے والا کسی بھی طرح کا کوئی مواد نہیں ہے۔

2) قومی ادارے اِس بات پر گواہ ہیں کہ امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی فکر سے تعلق رکھنے والے دینی مدارس سے آج تک نہ تو کسی بھی طرح کا اسلحہ برآمد ہوا ہے، نہ ہی کسی قومی اِدارے کے خلاف سازش کی نشان دہی ہوئی ہے۔ سُنّی مدارس میں تو یہ فکر دی جاتی ہے کہ مُلکِ پاکستان ہمارے بزرگوں نے بنایا تھا اور اِس کی حفاظت کے لیے ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کی ڈگری اور معیارِ تعلیم: یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ ”اگر بچہ دینی اِدارے میں پڑھے گا تو اُس کے پاس اعلیٰ تعلیم کی ڈگری نہیں ہو گی یا معیارِ تعلیم اچھا نہیں ہو گا“۔ اِس حوالے سے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

1) پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کا اِدارہ H.E.C. (ہائر ایجوکیشن کمیشن) سُنّی اداروں کی تنظیم ”تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان“ اور دیگر منظور شدہ بورڈز سے جاری ہونے والی سند کو ایم۔ اے۔ عربی + ایم۔ اے۔ اسلامیات (ڈبل ایم۔ اے) کے برابر تسلیم بھی کرتا ہے

اور برابر ہونے کا (مُعادَلہ) سرٹیفکیٹ بھی جاری کرتا ہے۔ اِس سے ڈگری کا بھی اندازہ کرلینا چاہیے اور معیارِ تعلیم کا بھی۔

2) دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کی بڑی تعداد دورانِ تعلیم یا فراغت کے بعد اعلیٰ عصری تعلیم بھی حاصل کرتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے فضلا میں سے بے شمار پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹرز / ایم۔ فل سکالرز ہیں... بلکہ کالجز اور یونی ورسٹیز میں لیکچرار / پروفیسر بھی ہیں، اِسی طرح دیگر قومی اداروں کے مختلف شعبہ جات میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

بے توقیری: بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی بھی ہوتی ہے کہ "دینی مدارس سے پڑھنے والے افراد کو معاشرے میں عزت نہیں دی جاتی، اگر ہمارا بچہ یہاں پڑھے گا تو اُس کی بھی بے توقیری ہوگی۔" اِس حوالے سے ذہن میں رہنا چاہیے کہ:

1) علمِ دین صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی حاصل کرنا چاہیے، نہ کہ عزت وشہرت کے لیے... مگر دُنیا پرستوں کے لیے پیغام ہے کہ علمِ دین کے ذریعے اُخروی عزتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ دُنیاوی عزّت ومناصب بھی عطا فرماتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ... "اللہ تم میں سے (کامل) مومنوں اور علم والوں کے درجے بلند فرمائے گا"۔ [المجادلۃ58:11] سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ کر فرماتے: أَيُّهَا النَّاسُ! اِفْهَمُوْا هٰذِهِ الْآيَةَ وَلْتُرَغِّبَنَّكُمْ فِي الْعِلْمِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ، اَلْمُؤْمِنُ الْعَالِمُ فَوْقَ الَّذِيْ لَا يَعْلَمُ دَرَجَاتٍ۔ لوگو! یہ آیت سمجھو، ہم تمھیں علم کا شوق دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایمان اور علم والوں کے درجے بلند کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، علم والا مومن لاعلم سے کئی درجے بڑھ کر ہے۔ (معالم التنزیل [تفسیر بغوی]۔ لباب التاویل [تفسیر خازن] تحت الآیۃ)

2) دین سے محبت کرنے والوں کی نظر میں آج بھی علمائے دین کی جو عزت وتکریم ہے وہ کسی دُنیادار کو نصیب نہیں ہوسکتی، البتہ جنہیں دین سے محبت نہیں وہ اگر علما کی توقیر نہ کریں یا اُن کا مذاق اُڑائیں تو اُن کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ "عزّت تو صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے، لیکن منافقوں کو معلوم ہی نہیں۔" [المنٰفقون63:8]

3) اِس حوالے سے بات کرتے ہوئے اُن لوگوں کو بھی اپنی اِصلاح کی دعوت دینا مناسب ہے جو بلاوجہ علمائے دین پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ پاکستان کی معروف ادبی شخصیت اشفاق احمد مرحوم کہا کرتے تھے: کچھ لوگ اسلام کو گالی دینا چاہتے ہیں، مگر ڈر یا عوامی دباؤ کے خوف سے ایسا نہیں کرپاتے، وہ مولوی کو گالی دے کر اپنی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔

علما کی بلاوجہ مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے! سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا وَزِيْدَ فِيْ رِوَايَةٍ: حَقَّهٗ۔ یعنی "جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 421۔ مسند احمد، حدیث: 22755۔ مکارم الأخلاق للطبرانی، حدیث: 147)

حرفِ آخر... فروغِ علمِ دین کے لیے کردار

یقیناً وہ افراد خوش نصیب ہیں جو علمِ دین حاصل کرتے ہیں اور اُسے پھیلاتے ہیں یا کسی بھی ذریعے سے فروغِ علمِ دین کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ اِنھیں خوش نصیب کیوں نہ کہا جائے! جب کہ نبیِ کریم ﷺ نے خود علمِ دین سیکھ کر اُس پر عمل کرتے ہوئے اُسے پھیلانے والوں کو قابلِ رشک قرار دیا ہے۔

فروغِ علمِ دین کے لیے دینی مدارس کا روشن کردار کسی بھی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں، برِّصغیر کے بیشتر دینی مدارس کا نیا تعلیمی سال شوال المکرم میں شروع ہوتا ہے، آج کل مدارس کی افتتاحی تقریبات جاری ہیں، اِس مناسبت سے آج علمِ دین کی ضرورت وفضیلت اور اِس سلسلے میں وساوس وشبہات کے ازالہ سے متعلق کچھ گفتگو کی گئی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ہم بھی علمِ دین کو فروغ دینے کے حوالے سے کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور یہ ہماری ذمہ داری بھی ہے۔ اِس حوالے سے چند باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے:

1) مسلمان اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن چیزوں کا محتاج ہے اُن کا علم حاصل کرنا اُس پر فرض ہے۔ سب سے پہلے بنیادی اسلامی عقائد کا علم ہے، پھر ارکانِ اسلام اور حلال وحرام کا علم ہے، یوں ہی اُن اُمور کا علم جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اِسی طرح اپنے شعبہ سے متعلق شرعی احکام کا علم، نیز دل سے متعلق ضروری اُمور کا علم.... ہم زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلّق رکھتے ہوں بہر حال ہمیں اِن چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لیے وقت نکالنا ہو گا، ورنہ ایک فرض کو چھوڑنے کا گناہ ہمارے ذمے ہو گا۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:623، 624، ملخصًا) اِس حوالے سے "فرض علوم سیکھیے" نامی کتاب کا مطالعہ بھی مفید ہے۔[1]

2) اگرچہ علمِ دین حاصل کرنے کے لیے دینی مدارس میں داخل ہونا ضروری نہیں اور یہ سب کے لیے ممکن بھی نہیں، مگر کم از کم حصولِ علم کے دیگر ممکنہ ذرائع کو تو اختیار کرنا چاہیے، مثلاً:

- ذاتی طور پر کسی صحیح العقیدہ اُستاذ سے سیکھیں۔[2]
- علمائے حق کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔
- سُنّی علما کے بیانات سنیں۔
- جو معلوم نہ ہو اُس سے متعلق کسی عالمِ دین سے پوچھنے کی عادت ڈالیں۔

---

[1] اِس کتاب کو مکتبۃ المدینہ نے شائع کیا ہے۔

[2] صحیح العقیدہ کا التزام اِس لیے ضروری ہے کہ امام مسلم علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم شریف کے ابتدائیہ میں حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمہ سے نقل کیا: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ۔ یہ علم دین ہے، چنانچہ تم غور کرو کہ کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔

عموماً کہا جاتا ہے: وقت نہیں ملتا۔ یہ بہانہ اُن کاموں کے لیے ہوتا ہے کہ جنہیں انسان غیر ضروری سمجھتا ہو، جو کام ضروری ہو وہ باقی مصروفیات چھوڑ کر بھی کر لیا جاتا ہے۔ ہمارے رویّے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں علمِ دین کی قدر ہی نہیں۔

سیدنا ابو اُمامہ صُدیّ بن عَجلان باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ كَانَ لَهُ أَجْرُ مُعْتَمِرٍ تَامِّ الْعُمْرَةِ۔ یعنی "جو صبح کو مسجد جائے، اُس کا مقصود فقط یہ ہو کہ بھلائی / علمِ دین سیکھے گا یا دوسرے کو سکھائے گا تو ربّ تعالیٰ اُسے پورے عمرہ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔"
- فَمَنْ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ فَلَهُ أَجْرُ حَاجٍّ تَامِّ الْحِجَّةِ۔ "اور جو شام کو مسجد جائے، صرف اِس لیے کہ بھلائی / علمِ دین سیکھے یا سکھائے گا تو اُسے بارگاہِ الٰہی سے پورے حج کا ثواب عطا ہوتا ہے۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 311۔ الآداب للبیہقی، حدیث: 860، قال الھیثمی: ورجالہ موثقون کلھم۔ مجمع الزوائد، زیرِ حدیث: 499)

3) رضائے اِلٰہی کی خاطر اپنے گھر کے افراد میں سے کم از کم ایک کو علمِ دین حاصل کرنے کے لیے اہلِ سنت کے کسی ادارے میں داخل کروائیں؛ تاکہ وہ اُس پر عمل کر کے اپنی دُنیا و آخرت سنوارے اور ہمیں سکھا کر ہماری مغفرت کا ذریعہ بھی بنے۔

4) اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے دینی مدارس اور اِن سے وابستہ افراد نے ہمیشہ نمایاں کردار ادا کیا ہے، ہمیں چاہیے کہ اہلِ سنّت کے مدارس سے اپنا تعلّق پختہ کریں... اپنی حیثیت کے مطابق بھرپور مالی تعاون کریں، بالخصوص اِس وقت ملکی اور عالمی معاشی بدحالی کی وجہ سے ہمیں اِس طرف توجّہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ نیز مدارس کی ترقّی کے لیے اپنا وقت اور خدمات پیش کریں۔

5) یہ ہمارے دَور کا ایک المیہ ہے کہ بہت سی دینی تقریبات پر بے تحاشار قم خرچ ہوتی ہے، مگر اُن میں علمِ دین کو فروغ دینے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ مثلاً! بزرگانِ دین کے اعراسِ مبارکہ، اعزّہ و اَقارِب کے ختمِ قُل اور چہلم شریف اور محافلِ میلاد النبی ﷺ وغیرہ... اِن سب دینی تقریبات کو علمِ دین پھیلانے کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ چنانچہ:

- اِن تقریبات میں کسی بھی طرح سے شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔
- لنگر شریف کا ایک معقول حصہ دینی اداروں میں بھی بھیجنا چاہیے۔
- مستند علما کے خطابات کا اہتمام کرنا چاہیے، جن میں عقائد و اعمال کی اصلاح کا درس ہو۔
- کھانے پینے کے لنگر کے ساتھ ساتھ "علمی لنگر" کا انتظام بھی ہونا چاہیے، آسان اور مستند کتابیں / رسائل مفت تقسیم کیے جائیں۔

نہ جانے جدید تعلیم کے لیے پوری دُنیا میں کمپین کرنے والوں کو غزہ کے بچے کیوں نظر نہیں آتے! جو سات ماہ سے کتابیں نہیں پڑھ رہے، بلکہ عالمی طاقتوں کے مُردہ ضمیر کی بھیانک داستان پڑھ رہے ہیں۔

۱۷ شوّال المکرم ۱۴۴۵ھ / 26 اپریل 2024ء

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں

(غزوۂ اُحد کا تعارف اور دُروس... حالاتِ غزہ کے تناظر میں)

مشمولات

- حکمتِ باری تعالیٰ کے مطابق حالات کی تبدیلی
- غزوۂ اُحد کا تعارف
- غزوۂ اُحد کا درس... اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا
- غزوۂ اُحد کا درس... ہر حال میں اِطاعت
- غزوۂ اُحد سے حاصل ہونے والے دروس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ۔ [آلِ عمران 3:172]

کائنات میں جو ہوا، جو ہو رہا ہے اور جو ہو گا... سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کے حکم سے ہے، اُس کے ہر فعل میں بے شمار فوائد اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ باری تعالیٰ کا کوئی بھی کام "اتفاقی" یا "رسمی" نہیں ہوتا، ہر چیز تقاضائے حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اُس کا ایک صفاتی نام: "اَلۡحَکِیۡم" بھی ہے، لفظ "الحکیم" قرآنِ مجید میں 38 بار اُس کے صفاتی نام کے طور پر ذکر ہوا۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ہے: عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ وَہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ۔ یعنی "وہ ہر چھپی اور ہر ظاہر چیز کو جانتا ہے اور وہ نہایت حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے۔" [الانعام 6:73]

ربّ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق افراد اور اقوام کو مختلف حالات سے گزارتا ہے... کبھی ترقّی و عروج سے نوازتا ہے تو کبھی پستی و زوال سے دوچار فرماتا ہے... کبھی فتح و کامرانی عطا کرتا ہے تو کبھی جانی و مالی نقصان کے مراحل سے گزارتا ہے۔

آزمائش کا یہ سلسلہ ہر دَور میں جاری رہا، حتّٰی کہ محبوبِ خدا ﷺ اور آپ کے پیارے صحابہ علیہم الرضوان کو بھی اُمّت کی تربیت کے لیے مشکل حالات میں ڈالا گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر آنے والی سخت آزمائشوں میں سے ایک "غزوۂ اُحد" بھی ہے۔

شوال المکرم 3ھ کو ہونے والے غزوۂ اُحد میں آزمائش اِس قدر سخت تھی کہ 70 کے قریب جلیل القدر صحابہ علیہم الرضوان شہید ہوئے، سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد شہدا رضی اللہ عنہم کے اعضائے مبارکہ کی سخت توہین کی گئی، بڑی تعداد میں زخمی حضرات بھی موجود تھے، خود سرورِ عالَم ﷺ کے دندانِ عالی شان کو بھی شدید تکلیف پہنچی.... حالات ایسے بن گئے کہ کفار نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا کہ ہم نے مسلمانوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔

اِس آزمائش میں ربّ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قیامت تک جب کبھی مسلمان مشکل حالات سے دوچار ہوں اور ایسا لگے کہ اب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے تو وہ غزوۂ اُحد میں شریک صحابۂ ذی شان کی استقامت و جاں نثاری کو یاد کریں اور اِس پہلو پر غور کر کے اپنے ایمانی جذبات کو جواں کریں کہ جس طرح اُحد میں سخت مشکل کے بعد باری تعالیٰ نے بہت جلد حالات کو بدل دیا اور مسلمانوں کو پھر سے شان دار فتوحات عطا فرمائیں، ایسے ہی اگر ہم بھی فرماں برداری کریں تو ربِّ کریم ہماری زبوں حالی کو جلد ترقّی و عروج میں تبدیل فرما دے گا اور ہماری عزتِ رفتہ کو بحال فرما دے گا۔

اِس وقت دُنیا بھر کے مسلمان مجموعی طور پر پریشان کُن حالات سے دوچار ہیں، بالخصوص غزہ کی صورتِ حال خون کے آنسو رُلاتی ہے، ایسے میں "غزوۂ اُحد" عُروج کی اُمّید دلانے کے ساتھ ساتھ کئی دیگر پہلوؤں سے بھی تربیت کرتا ہے۔

غزوۂ اُحد کا تعارف

مدینہ منوّرہ کی شمالی جانب ایک عظیم الشان پہاڑ ہے، جس کے بارے میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا[1] وَنُحِبُّهُ۔ ”یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اِس سے پیار کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 4084) اِس خوش نصیب پہاڑ کا نام ”اُحُد“ ہے۔ ہجرت کے تیسرے سال اِس پہاڑ کے دامن میں ایک عظیم معرکہ پیش آیا، جسے ”غزوۂ اُحد“ کہا جاتا ہے۔

غزوۂ اُحُد کے اسباب یہ تھے کہ ایک سال پہلے میدانِ بدر میں ستر کفار قتل اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے، قتل ہونے والوں میں اکثر قریش کے سردار تھے، اِس بنا پر مکہ کے ہر گھر میں افسوس کا سماں تھا اور دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُن کی تجارتی شاہ راہ بھی منقطع ہو چکی تھی اور دُنیا بھر کے بُت پرستوں سے ملنے والے نذرانے بھی موقوف ہو گئے تھے۔

چنانچہ اُنھوں نے مسلمانوں کے خلاف 3,000 افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا، جو اسلحہ سے لَیس تھا۔ آپ ﷺ کو خبر پہنچی تو حالات سے آگاہی اور تحقیق کے لیے نمائندوں کو بھیجا، اُنھوں نے کفار کی زبردست تیاری سے آگاہ کیا تو جانِ عالم ﷺ کی زبانِ اقدس پر یہ کلمات جاری ہوئے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، اَللّٰهُمَّ بِكَ أَجُوْلُ وَبِكَ أَصُوْلُ۔ ”ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، اے اللہ! مَیں تیری مدد کے ساتھ حملہ اور دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوں۔“ (مغازی الواقدی، ج: 1، ص: 208)

تحقیق و تفتیش کے بعد آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرمایا، یہ رائے بھی پیش ہوئی کہ حکمتِ عملی کے تحت مدینہ منوّرہ میں مورچہ بندی کر کے کفار کا مقابلہ کیا جائے، مگر شہادت کے لیے بے تاب حضرات کا اِصرار تھا کہ شہر سے باہَر نکل کر جہاد کیا جائے؛ تاکہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم اُن سے ڈر گئے ہیں۔ چنانچہ سرورِ عالم ﷺ نے زیادہ حضرات کی رائے کو اختیار فرماتے ہوئے شہر سے باہر جانے کا فیصلہ فرمایا۔

آپ ﷺ نے جنگی لباس زیبِ تَن فرمایا اور شوال المکرم کے دوسرے عشرے میں اُحُد کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت ہمراہیوں کی تعداد ایک ہزار تھی، راستے سے منافقین کا گُرو عبد اللہ بن اُبَی اپنے تین سو چیلوں کے ہمراہ واپس پلٹ آیا، اب ساتھ جانے والے تقریباً 700 مخلص صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ تازہ صورتِ حال کے مطابق کفار کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی اور اسلحہ کے اعتبار سے بھی دونوں فوجوں کا کوئی تقابل نہیں تھا۔

سرورِ عالم ﷺ نمازِ فجر کے قریب اُحُد کے پاس پہنچے، اذان و اِقامت کے بعد مشرکین کے سامنے باجماعت نمازِ فجر ادا کی گئی۔

---

[1] محدثین نے لکھا: پہاڑ کی محبت کو حقیقی معنیٰ پر محمول کرنا بہتر ہے، محبتِ جمادات کی کئی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ پتھر رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتا تھا، نیز آپ ﷺ جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے وہ آپ ﷺ کی جدائی میں رویا اور لوگوں نے اُس کی آواز بھی سُنی۔ (مرقاۃ المفاتیح)

نماز کے بعد جانِ عالم ﷺ نے ایک ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا، جس کا آغاز یوں تھا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أُوصِيكُمْ بِمَا أَوْصَانِيَ اللهُ فِي كِتَابِهِ: مِنَ الْعَمَلِ بِطَاعَتِهِ وَالتَّنَاهِي عَنْ مَحَارِمِهِ۔ "لوگو! مَیں تمھیں اُسی بات کی تاکید کرتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں مجھے تاکید فرمائی ہے کہ فرماں برداری کرو اور حرام کردہ چیزوں سے باز رہو۔"

پھر اِس خطبہ میں جہاد، صبر و یقین، باہمی اختلاف سے بچنے، دُرودِ پاک پڑھنے، نیک کام کرنے وغیرہ کی تربیت کرنے کے بعد آخری جملے یہ ارشاد فرمائے: وَالْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى تَدَاعَى عَلَيْهِ سَائِرُ الْجَسَدِ. وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ یعنی "ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں سے تعلّق اِسی طرح ہے جیسے سر کا جسم سے تعلّق ہے، جب سر بیمار ہو تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے، والسلام علیکم۔" (مغازی الواقدی، ج:1، ص:221)

نبیِ کریم ﷺ نے اپنی تلوار سیدنا ابو دُجانہ سِماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی، وہ کفار پر رُعب ڈالنے کے لیے اکڑنے اور اِترانے کے انداز میں چلتے ہوئے بہادری کے اشعار پڑھتے میدانِ جنگ کی طرف نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے اِس عمل کو پسند فرمایا۔

دیگر غزوات کی طرح اِس موقع پر بھی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہایت دلیری و جاں بازی سے جہاد کیا، حتّٰی کہ بہت جلد کفار کو شکست ہو گئی اور وہ میدان سے بھاگنے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایک حالت پر رکھ کر نہیں آزماتا، کبھی خوف سے آزمائش ہوتی ہے اور کبھی امن سے، کبھی دولت کی فراوانی سے پرکھا جاتا ہے اور کبھی تنگ دستی سے، کبھی فتح کے ذریعے امتحان لیا جاتا ہے اور کبھی شہادتوں اور نقصان کے ذریعے۔[1] ربِّ کریم نے بدر میں شان دار فتح کے ذریعے آزمایا، اب اُس کی مشیّت تھی کہ شہادتوں اور نقصان کے ذریعے آزمایا جائے۔

اِس آزمائش کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چوٹی پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور سیدنا عبد اللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ کو اُس کا سربراہ بنا کر تاکید فرمائی کہ کچھ بھی ہو جائے، تم نے اِسی مقام پر ڈٹے رہنا ہے۔ کفار کی بھگدڑ اور مسلمانوں کے فاتحانہ مناظر دیکھ کر اِن میں سے بعض حضرات نے سوچا کہ فتح ہو گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کا حکم پورا ہو چکا ہے اور اب یہاں رُکنے کی ضرورت نہیں، اب ہمیں بھی بھاگتے کفار سے اُن کا اسلحہ وغیرہ چھیننا چاہیے؛ تاکہ آئندہ ہمارے اور دیگر مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ غلط فہمی میں سوائے چند حضرات کے وہاں پر مقرر افراد بھی باقی مسلمانوں کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرنا شروع ہو گئے۔

لشکرِ کفّار کا ایک افسر خالد بن ولید (جسے اسلام قبول کرنے کے بعد "سیف اللہ" کا لقب ملا) پہاڑ کی بلندی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے فوراً ہی اِس دَرّہ (چوٹی) کے راستے سے فوج لا کر مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا، جس سے اِس چوٹی پر موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ. [البقرۃ2:155]

شہید ہوگئے۔ اب کافروں کے لیے یہ راستہ صاف ہوگیا اور بھاگتی ہوئی فوج نے اِسی جانب سے سخت حملہ کر دیا۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے، پیچھے پلٹ کر دیکھا تو تلواریں چھائی ہوئی تھیں اور کفار دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے۔

اِسی دوران افواہ پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں۔ اِس افواہ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جو کیفیت طاری ہوئی اُسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے بہادر مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ اُنھیں کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں! چنانچہ وہ پریشانی کے عالَم میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ اِس صورتِ حال میں بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آقا کریم ﷺ کی حفاظت کے لیے آپ کے گرد حلقہ بنا کر بہادری اور جاں نثاری کے ایسے نقوش چھوڑے جن کی مثال نہیں ملتی۔

اِس موقع پر سرورِ عالم ﷺ کے پیارے چچا سیدنا امیر حمزہ سمیت بڑی تعداد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، زخمیوں کی بہت کثرت تھی اور خود جانِ عالم ﷺ کے دندانِ عالی شان کو بھی شدید تکلیف پہنچی۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سکینہ / سکون واطمینان نازل فرمایا اور کفار اپنے مقصد میں ناکام ونامراد ہو کر واپس لوٹے۔

مولانا حافظ محمد نوید محمدی سیفی[1] نے خوب کہا:

جلوہ نُما سرکار تھے میدانِ اُحد میں — اور سات سو حُب دار تھے میدانِ اُحد میں
جو تین ہزار آئے تھے اسلام مٹانے — وہ شر کے پَرستار تھے میدانِ اُحد میں
اَللّٰھُمَّ بِكَ أَجُوْلُ وَ بِكَ أَصُوْلُ — پڑھتے شہِ ابرار تھے میدانِ اُحد میں
اصحابِ نبی پاک کی للکارِ أَمِتْ[2] سے — ڈرتے سبھی کفّار تھے میدانِ اُحد میں
عمِّ نبی وہ شیرِ خدا، شیرِ شہِ دیں — آقا کے فِدا کار تھے میدانِ اُحد میں
جو کاٹتے اعدا کو تھے ہر بار پلٹ کر — وہ حیدرِ کرّار تھے میدانِ اُحد میں
ایماں بُودُجانہ کے ترانوں سے ہے تازہ — کیا خوب وہ اشعار تھے میدانِ اُحد میں
پھر حضرتِ مُصْعَب نے پیا جامِ شہادت — جو پیکرِ انوار تھے میدانِ اُحد میں
حق کے لیے دیتے تھے جو نذرانے میں جانیں — جنت کے طلب گار تھے میدانِ اُحد میں
دیتے ہیں مَزاروں سے سلاموں کا جواب اب بھی — جو حق کے وفادار تھے میدانِ اُحد میں
کرتا ہے اُنہیں پیش سلامی یہ نوید اب — جو عشق کا معیار تھے میدانِ اُحد میں

---

[1] مولانا محمد نوید نے جامعہ فخر العلوم مرتضائیہ نقشبندیہ سے موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد 2020ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔

[2] وَكَانَ شِعَارُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ أُحُدٍ: أَمِتْ، أَمِتْ. (السيرة النبوية لابن هشام، ج:2، ص:68)

غزوۂ اُحد کا درس... اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا

نبیِ کریم ﷺ کے اعلانِ نبوّت فرمانے سے اب تک، ہر دَور میں غیر مسلم قوتوں نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پورا زور لگایا ہے اور ہر مرتبہ یہی سمجھا ہے کہ اب کی بار ہم مسلمانوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کا سخت جانی ومالی نقصان ہوا، حتّٰی کہ واپس پلٹنے سے پہلے کافروں کے سیاسی لیڈر نے اپنے بتوں کے نعرے لگائے، اپنے تئیں یہ باور کرایا کہ ہم نے اسلام کا راستہ روک دیا ہے اور اب ہمارا جھوٹا مذہب غالب ہو گا، مگر باری تعالیٰ نے چند سالوں میں اسلام کو ایسا غلبہ اور مسلمانوں کو ایسی ترقّی دی کہ اہلِ مکہ کی اکثریت نے یہ کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا کہ مسلمانوں کا راستہ روکنا کسی کے بس میں نہیں، اِنھیں ربّ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ o هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ یعنی "وہ اپنے مونھوں (پھونکوں) سے اللہ کا نور بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو o اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔" [الصف 61:8،9]

اگرچہ اِس وقت دُنیا بھر میں اُمّتِ مسلمہ کی اجتماعی صورتِ حال کمزور اور پریشان کُن ہے، خصوصاً غزہ کے حالات پر سوائے بے حس مسلم حکمرانوں کے سبھی کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اسرائیلی درندوں کے ظلم کی داستان اتنی ہَول ناک ہے کہ معمولی غیرت رکھنے والے غیر مسلم بھی اِس پر خاموش نہیں رہ پا رہے۔

ہم فلسطینی مسلمانوں کی پریشانیوں پر بہت پریشان ہیں... مگر مایوس نہیں؛ کیونکہ مسلمانوں پر کئی مرتبہ اِس سے بھی زیادہ مشکل وقت آیا ہے، متعدد بار ایسے حالات پیدا ہوئے کہ دُنیا نے سمجھا "اب مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جائے گا"، مگر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق کفار اپنی سازشوں میں پہلے بھی ہمیشہ ناکام ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ناکام ہوں گے۔

ہلاکو خان کے مظالم: تاریخ نے ہلاکو خان (م:1265ء) کے مظالم بھی دیکھے ہیں، جس کی وحشی فوج نے اُس وقت کے سیاسی وتعلیمی مرکز "بغداد" کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، پورے عراق میں مسلمانوں کا یوں قتلِ عام کیا تھا کہ دریائے دِجلہ کا پانی خون سے رنگین ہو گیا، لائبریریوں سے کتابیں اُٹھوا کر دریا میں ڈال دیں اور یوں بہت بڑا علمی ذخیرہ ہمیشہ کے لیے پانی میں بہہ گیا، ہر طرف ظلم کا راج تھا، مگر بالآخر ہلاکو خان نیست ونابود ہوا اور عرب شریف پھر سے اسلام کا مرکز ومضبوط قلعہ بن گیا۔

برطانوی مظالم: ہم اپنے خطے کی تاریخ دیکھیں تو سکھوں، ہندوؤں اور انگریزوں نے برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کو دبانے

کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا... نواب سراج الدولہ اور شیرِ میسور ٹیپو سلطان جیسے بہادر حکمرانوں کا خون بہایا گیا، مولانا سید کفایت علی کافی علیہ الرحمہ جیسے ہزاروں علمائے کرام اور مذہبی راہ نماؤں کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا، فکری طور پر غلام بنانے کے لیے یہاں کا نظامِ تعلیم تبدیل کیا گیا، اسلامی تہذیب کی جگہ انگریزی کلچر کو رواج دیا گیا... الغرض اُن سے جو کچھ ہو سکا اُنھوں نے کیا... مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اِس خطے میں آج بھی اسلام کی شمع روشن ہے، بلکہ اِس خطے میں اسلامی اقدار دیگر بہت سے اسلامی ممالک کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہیں، یہی خطہ دُنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے اور حکومتوں کی لوٹ مار نہ ہوتی تو یہ خطہ مضبوط معاشی قوّت بھی ہوتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوّت کے نظارے ہیں۔

امریکی مظالم: 11/9 کے بعد امریکہ نے نیٹو کے ساتھ مل کر افغانستان اور عراق پر خوف ناک ہتھیاروں سے حملہ کر دیا، اُس وقت کے امریکی صدر "بُش" اور اُس کے حمایتیوں کا خیال تھا کہ چند ماہ میں اسلام پسندوں کو "بنیاد پرست"، "اِنتہا پسند" اور "دہشت گرد" قرار دے کر اُن کا خاتمہ کر دیا جائے گا، پھر پوری دُنیا میں "نیو ورلڈ آرڈر" نافذ ہو گا اور سیکولرازم، عُریانی، فحش تہذیب اور سودی نظام کا دَور ہو گا، مگر وحشیانہ فوجی حملے کے بعد یورپ میں اِسلام، قرآنِ مجید اور سیرتِ نبویہ کے بارے میں مطالعہ کا شوق عام ہوا، لوگ تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ بیس سال تک افغانستان میں ایڑیاں رگڑنے کے بعد امریکہ وہاں سے بھاگ چکا ہے اور افغانستان میں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

شاعر نے بہت خوب صورت انداز میں کہا:

اسلام زمانے میں دَبنے کو نہیں آیا
تاریخ سے یہ مضموں، ہم تم کو دِکھا دیں گے

اِسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا، جتنا کہ دبا دیں گے

یقیناً آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہی غالب ہو گی اور تمام دشمنانِ اسلام کو جلد یا دیر سے منہ کی کھانی پڑے گی۔ موجودہ حالات دراصل ہمارے سمیت پوری اُمّت کا امتحان ہیں کہ مسلمان اِس صورتِ حال میں اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے ہیں یا اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی مدد کے لیے میدان میں آتے ہیں۔

ربّ تعالیٰ چاہے تو ہمارے کچھ کیے بغیر محض اپنی قدرت سے اسرائیلیوں کو نشانِ عبرت بنا دے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ "اور آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔" [الفتح 7:48] یہ حالات ہماری آزمائش کے لیے ہیں، کاش ہم اِس میں سرخرو ہوں!

غزوۂ اُحد کا درس... ہر حال میں اِطاعت

اِس بات کا ذکر ہو چکا کہ غزوۂ اُحد میں ایک لغزش کے سبب سخت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا، بہت جانی ومالی نقصان ہوا، مگر سنبھلنے کے بعد صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے فرماں برداری واِطاعت کا ایسا حسین مظاہرہ کیا کہ ربّ تعالیٰ نے اُن کی تعریف فرمائی۔

جب کفارِ مکہ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس لوٹے تو راستے میں اُنھیں خیال آیا کہ آج موقع ہے، مسلمان بہت بڑی تعداد میں زخمی اور شہید ہوئے ہیں، ابھی واپس جا کر سب کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ اُدھر وہ واپسی کا منصوبہ بنانے لگے، اِدھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُن کے تعاقب کا اعلان فرما دیا۔ زخموں سے چُور صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اِس حالت میں بھی ذرہ برابر ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا، فوراً جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے اُن کی جاں نثاری پر تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی "جن لوگوں نے زخموں سے چُور ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہا، اِن نیک بندوں اور پرہیز گاروں کے لیے بڑا ثواب ہے۔" [آلِ عمران 3:172]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کے ہمراہ کفار کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ ہوئے، تاہم اِس کی خبر ملنے پر کفار خوف زدہ ہو کر تیزی سے مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اِس پہلو پر غور کرنے سے متعدد باتوں میں راہ نمائی ملتی ہے:

⟸ بعض بدنصیب غزوۂ اُحد کے حالات کو بنیاد بنا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری پر شک کرتے ہیں اور اُن کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جن کی اطاعت وجاں نثاری پر ربّ تعالیٰ تعریف فرمائے اُن پر طعن کرنے والے سے بڑا بدنصیب کون ہو گا! چنانچہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ذکر ہمیشہ تعریف کے انداز میں کرنا لازم ہے۔

⟸ ایسے جاں نثار حضرات سے غلط فہمی میں جانِ عالَم ﷺ کے حکمِ عالی سے متعلق لغزش ہوئی تو اُن کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا گیا، دشمنوں کے بھاگ جانے کے بعد پھر سے جنگ کا منظر بدل گیا اور نہایت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا... اِس میں تربیت ہے کہ اللہ، رسول کی نافرمانی کر کے ترقّی اور عروج کی خواہش رکھنا بڑی حماقت ہے۔ عزت وعروج اُنھیں قوموں کو نصیب ہوتا ہے جو رحمتِ عالم ﷺ کی اطاعت کرتی ہیں۔ افسوس کہ اِس زبوں حالی کے باوجود ہم اُس کے سبب پر غور کرنے سے غافل ہیں۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے حسرت بھرے انداز میں کہا:

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے اِحساسِ زیاں جاتا رہا

حرفِ آخر... غزوۂ اُحد سے حاصل ہونے والے دروس

ایک دیہاتی اَن پڑھ شخص اگر کسی ماہر انجینئر یا سینئر ڈاکٹر پر اُس کے شعبہ کے کام سے متعلق اعتراض کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ تم نادان ہو، وہ اپنے شعبہ کا ماہر ہے؛ لہٰذا اُس پر اعتراض کر کے اپنا مذاق مت بناؤ!

ربّ تعالیٰ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہے، اُس کا ہر فعل بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے، اگر کوئی شخص ربّ تعالیٰ کے افعال کو اپنی چھوٹی سی عقل کے ترازو پر تولنے کی کوشش کرے تو اُس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ جاہل گنوار! خالقِ کائنات کا ہر فعل پُر حکمت ہے، اگر تجھے کچھ حکمتیں سمجھ آتی ہیں تو یہ تیری خوش نصیبی ہے، نہیں سمجھ آتیں تو ربِّ کریم سے عقل کی وُسعت مانگ، مگر اُس کے کسی فعل پر اعتراض کر کے خود کو ہلاکت میں مت ڈال!

ربِّ ذوالجلال اپنی حکمت کے مطابق افراد و اقوام کے حالات بدلتا رہتا ہے... کبھی تنگی تو کبھی وُسعت... کبھی خوشی تو کبھی غمی.. کبھی عروج تو کبھی زوال... کبھی شان دار فتح تو کبھی پریشان کُن شہادتیں... ہمیں حکم یہ ہے کہ ہر حال میں اطاعت و فرماں برداری کریں اور ہر صورت میں اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے جان و مال کو بھی پیش کریں اور تمام تر توانائیاں بھی صَرف کریں۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو بھی مختلف مقامات پر سخت آزمائش میں مبتلا کیا گیا، شوال المکرم 3ھ کو غزوۂ اُحد میں بھی بہت مشکل حالات پیش آئے، مگر اُنھوں نے ہمیشہ استقامت و اِطاعت کا شان دار مظاہرہ کیا۔

غزوۂ اُحد کے کئی پہلو ہماری تربیت کرتے ہیں، مثلاً:

❖ ربّ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور بالآخر مسلمان ہی غالب و سربلند ہوں گے۔ غزوۂ اُحد سمیت مختلف جنگیں اِس وعدہ کی سچائی پر گواہ ہیں، تاریخ میں کئی مرتبہ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اُمّیدیں ٹوٹنے لگیں اور کفار اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ اب مسلمان ہمیشہ کے لیے دب گئے ہیں، مگر ربّ تعالیٰ نے پھر ایسا عروج عطا فرمایا کہ دُنیا دیکھتی رہ گئی۔

اِسی بات کو اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے انداز میں یوں کہا:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید[1] جیتے ہیں
اِدھر ڈُوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈُوبے اِدھر نکلے

"غزہ" اور دیگر اسلامی دُنیا کے حالات پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اپنا فریضہ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر مسلمان اسلام کی سربلندی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو بہت جلد ربّ تعالیٰ دوبارہ سے عروج عطا فرمائے گا۔

---

[1] صورتِ خورشید: سورج کی طرح۔

❖ اُحد میں جہاد کے آغاز سے پہلے سرورِ عالم ﷺ نے اپنے ایمان افروز خطبہ کا آغاز اِن الفاظِ کریمہ سے فرمایا تھا: ”لوگو! مَیں تمھیں اُسی بات کی تاکید کرتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں مجھے تاکید فرمائی ہے کہ فرماں برداری کرو اور حرام کردہ چیزوں سے باز رہو۔“ کاش ہمیں بھی اِس نصیحت پر عمل کی سعادت نصیب ہو جائے!

❖ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایسے اطاعت گزار تھے کہ باری تعالیٰ نے اُن کی جاں نثاری کی تعریف فرمائی، اِس کے باوجود اُن سے غلط فہمی میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے حکمِ عالی سے متعلق لغزش ہوئی تو وہ سخت آزمائش میں مبتلا کیے گئے۔ افسوس! ہم بے دھڑک روزانہ کئی احکام کو چھوڑتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے نہیں ڈرتے۔

ربِّ کریم نے نافرمانی کرنے والوں کو سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ ”تو جو لوگ رسولِ مکرم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچے یا اُن پر دردناک عذاب آئے۔“ [النور 24:63]

اللہ تعالیٰ عمِ رسول سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت تمام شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم کے درجات بلند فرمائے، اُن کے صدقے میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ سے نوازے اور ہمیں بھی اطاعت و فرماں برداری کی توفیق عطا فرمائے۔

باری تعالیٰ فلسطین اور کشمیر سمیت دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو عملی طور پر اُن کے لیے کچھ کرنے کی ہمت سے نوازے۔

ربِّ قدیر پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم

۲۴ شوال المکرم ۱۴۴۵ھ / 03 مئی 2024ء

عُشر
کے فضائل و مسائل
اور ادا نہ کرنے کا وبال

مشمولات

- رزق کا وعدۂ الٰہیہ اور زمین سے رزق کی عطا
- عشر ادا نہ کرنے کا وبال
- کاشت کاری کی فضیلت و اہمیت
- کاشت کاری سے متعلق اہم اُمور
- عشر ادا کرنے کا حکم
- مسائلِ عشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۪ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ۔ [الانعام 6:141]

کائنات کی ہر چیز ربِّ کریم کی پیدا کردہ ہے اور وہی سب کو روزی دیتا ہے۔ اُس نے تمام مخلوق کو رزق دینے کا وعدہ کیا اور اُنھیں اِس کے حوالے سے اپنی ذات پر مکمل بھروسا کرنے کا شوق دلاتے ہوئے فرمایا: وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَمُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ۔ یعنی ”زمین پر چلنے والے ہر جان دار کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، وہ ہر ایک کے ٹھکانے اور سپرد کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں موجود ہے۔“ [ھود 11:6]

اللہ کریم نے اپنے اِس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے مختلف اسباب بنائے ہیں اور وہ اپنی مخلوق کو مختلف ذرائع سے رزق عطا فرماتا ہے، بندوں کو حکم ہے کہ وہ اسباب اختیار کریں اور پھر ربِّ کریم کی ذات پر بھروسا رکھیں۔

رزق حاصل کرنے کے وسائل میں سے ایک اہم ذریعہ کاشت کاری و باغ بانی بھی ہے۔ ربّ تعالیٰ نے زمین میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اگر انسان اُس میں اللہ کریم کا پیدا کردہ بیج بوتا ہے، پھر اُس کے پیدا کیے ہوئے پانی سے زمین کو سیر اب کرتا ہے اور دیگر ضروری چیزیں فراہم کرتا ہے تو قدرتِ الٰہیہ سے پیداوار حاصل ہوتی ہے۔

زمین کی پیداوار خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ کا حسین اِظہار بھی ہے؛ کہ ایک ہی پانی کے ذریعے، ایک ہی خطہ میں بے شمار قسم کے پھل، غلہ اور سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں... اور یہ انسانوں کی روزی کا ذریعہ بھی ہے؛ کہ کاشت کاری و باغ بانی انسانوں کی بڑی تعداد کا ذریعۂ آمدن ہے اور تمام انسان پیداوار کے ذریعے غذا حاصل کرکے زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی زمین... اُسی کا پیدا کردہ بیج... اُسی کا نازل کردہ پانی... زمین میں اُسی کی طرف سے رکھی ہوئی اُگانے کی صلاحیت... اب حاصل ہونے والی پیداوار سے متعلق اگر ربّ تعالیٰ یہ حکم فرماتا کہ تمام پیداوار کو میری راہ میں پیش کردو! تو ہرگز یہ حکم بے جا نہ ہوتا.. مگر اُس نے اپنی رحمت سے تمام پیداوار نہیں، بلکہ اُس کا فقط ایک معیّن حصہ اپنی راہ میں پیش کرنے کا حکم فرمایا ہے، جسے ”عُشر“ کہا جاتا ہے، مزید احسان یہ کہ عُشر ادا کرنے پر اجر و ثواب اور انعامات کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دَور میں بہت کم کاشت کار عشر ادا کرتے ہیں، بلکہ بہت سے حضرات کے لیے تو یہ لفظ بھی نیا ہوگا، حالانکہ قرآن و سنت میں واضح طور پر پیداوار کی زکوٰۃ، یعنی عشر ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

ملکِ پاکستان کا ایک بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زرخیز ہے اور یہاں مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس وقت ملک بھر میں گندم کی کٹائی جاری ہے۔ اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں عشر سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر ہوگا۔

کاشت کاری کی فضیلت واہمیت

کاشت کاری اور باغ بانی کے شعبہ کو انسانی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، ظاہر ہے کہ انسان غذا کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اور غذا کے لیے باری تعالیٰ نے کاشت کاری کو ذریعہ بنایا ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات نے اِس شعبہ کو عزت عطا فرمائی ہے، سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لُوط علیہ السلام کاشت کاری فرماتے تھے اور انصاری صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی شعبہ تھا۔

کاشت کاری کے حوالے سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت پُر لُطف بات روایت کی۔ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک جنتی شخص اپنے ربّ سے کھیتی باڑی کی اِجازت مانگے گا۔“ ربِّ کریم فرمائے گا: أَوَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ ”کیا تو اپنی پسند کی نعمتوں میں نہیں ہے (تُو جو بھی چاہے وہ مل جاتا ہے، پھر کھیتی کی کیا ضرورت ہے)؟“ وہ کہے گا: بَلَى! وَلَكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ۔ کیوں نہیں! (یہاں سب کچھ عطا ہوتا ہے) مگر مَیں کھیتی کرنا چاہتا ہوں! ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے کہ اُسے بیج دیا جائے گا، وہ اُسے بوئے گا تو پلک جھپکنے سے پہلے وہ اُگ آئے گا اور کٹائی کے بعد صاف کیے ہوئے دانے پہاڑوں کی طرح اُس کے سامنے ہوں گے۔ ربّ تعالیٰ فرمائے گا: دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ، فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ۔ ”اے انسان! یہ لے (جو تُو چاہتا تھا)، تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی!“

یہ ارشادِ گرامی سُن کر قریب بیٹھے ایک دیہاتی صاحب نے کہا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! یہ کوئی قریشی یا انصاری صاحب ہی ہوں گے، یہی حضرات کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہ بات سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 7519)

اسلامی تعلیمات کے مطابق پیشہ اختیار کرنا اور محنت مَزدوری کرنا ایسی بات نہیں جس پر انسان عار محسوس کرے یا احساسِ کمتری کا شکار ہو، بلکہ حلال کمانے کے لیے پیشہ اختیار کرنا باعثِ عزت ہے، بلکہ اگر نیت اچھی ہو اور انسان شرعی احکام کا پابند رہے تو پیشہ اختیار کرنے پر روزی بھی ملتی ہے اور رحمتِ الٰہی سے اجر وثواب بھی عطا ہوتا ہے۔ کاشت کاری وباغ بانی کی بھی یہی صورتِ حال ہے، اچھی نیت کے ساتھ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کھیتی باڑی کرنے پر بھی اجر وانعام کا وعدہ ہے۔

پروَردۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلَ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔» یعنی ”جو مسلمان باغ لگائے یا کھیت بوئے، پھر اُس سے پرندے یا انسان یا جانور کچھ کھائیں تو اِس کے سبب اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے صدقہ کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔“
(صحیح بخاری، حدیث: 2320۔ صحیح مسلم، حدیث: 1553)

افسوس کہ ہمارے معاشرے میں کسانوں اور دیگر پیشہ وَر حضرات کو اُن کا مقام نہیں دیا جاتا! ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

عشر ادا کرنے کا حکم

کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کے بعد اُس کے ذریعے روزی حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے، دُنیا میں بے شمار افراد ایسے ہیں جو اپنے شعبہ میں حد درجہ مہارت رکھتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں، مگر خالی ہاتھ ہیں... جب کہ کئی لوگ ہنر مند نہیں، زیادہ محنت بھی نہیں کرتے، مگر ربّ تعالیٰ اُنھیں بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ کھیتی باڑی کی بھی یہی صورتِ حال ہے... بیج بونے اور دیگر اقدامات کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ پیداوار حاصل ہو، ربّ تعالیٰ رحمت فرمائے تو ہی اِس مقصد میں کامیابی ملتی ہے۔

رحمتِ الٰہی سے حاصل ہونے والی پیداوار سے متعلق حکمِ الٰہی ہے کہ اُس کا ایک معیّن حصہ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے، جسے "عُشر" کہا جاتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ "جب وہ پھل لائے تو اُس کے پھل سے کھاؤ اور جب اُس کی کٹائی کا دن آئے تو اُس کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" [الانعام 6:141]

آیتِ کریمہ کے اِس حصے میں ربّ تعالیٰ کی عطا کردہ پیداوار سے خود کھانے کی اِجازت بھی دی گئی، اُس کا عشر ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا اور فضول خرچی / بے جا خرچ کرنے سے منع بھی فرمایا گیا۔ مفسرینِ کرام نے فضول خرچی کی مختلف صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

i. کل مال خرچ کر دیا، اپنے گھر والوں کو کچھ نہ دیا اور خود فقیر بن بیٹھا تو یہ خرچ بھی بے جا ہے۔
ii. سب کچھ اپنے ذاتی کاموں میں خرچ کیا اور راہِ خدا میں عشر وغیرہ دینے کا حکم پورا نہ کیا تو یہ بھی بے جا ہے۔
iii. ایسے کام میں خرچ کیا جس سے شریعتِ مطہرہ نے منع کیا ہے تو یہ بھی بے جا ہے، چاہے معمولی مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔

حضرتِ مجاہد علیہ الرحمہ نے بہت خوب صورت بات فرمائی: کسی کے پاس ابو قُبَیس پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ رضائے الٰہی کے کام میں خرچ کر دے تو یہ بے جا خرچ نہیں، لیکن نافرمانی کے کام میں ایک درہم بھی خرچ کرے تو یہ اسراف / بے جا ہے۔[1]

پیداوار سے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے متعلق یہ ارشادِ ربّانی بھی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ "اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرو اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اُس میں سے (اللہ کی راہ میں) کچھ خرچ کرو۔" [البقرۃ 2:267]

"اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے" سمجھ آجائے تو عشر ادا کرنا بوجھ نہیں، سعادت محسوس ہو۔

---

[1] لَوْ كَانَ أَبُوْ قُبَيْسٍ ذَهَبًا لِرَجُلٍ فَأَنْفَقَهُ فِيْ طَاعَةِ اللهِ لَمْ يَكُنْ مُسْرِفًا، وَلَوْ أَنْفَقَ دِرْهَمًا أَوْ مُدًّا فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ كَانَ مُسْرِفًا۔
(معالم التنزیل فی تفسیر القرآن [تفسیر البغوی]۔ مفاتیح الغیب [التفسیر الکبیر]، تحت الآیۃ)

مسائلِ عشر

مسلمان اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن باتوں کا محتاج ہے اُن کا علم حاصل کرنا فرض ہے... درست عقائد، ارکانِ اسلام کے ضروری مسائل، دل سے متعلق ضروری اُمور اور اپنے شعبہ سے متعلق شرعی احکام وغیرہ... اِن سب چیزوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:23، ص:623، 624۔ بہار شریعت، ج:3(ب)، ص:1035، ملخصًا)

چنانچہ ہر زمین دار شخص پر عشر سے متعلق کم از کم پانچ سوالات کے جوابات سیکھنا لازم ہے: 1) کس شخص پر فرض ہے؟ 2) کس پیداوار سے ادا کرنا ہے؟ 3) کتنی مقدار میں ادا کرنا ہے؟ 4) کب ادا کرنا ہے؟ 5) کس کو دینا ہے؟[1]

عشر کس پر فرض ہے؟

جس مسلمان کو زمین سے پیداوار حاصل ہوئی اُس پر عشر ادا کرنا فرض ہے... خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، عقل سلامت ہو یا نہ ہو، غنی ہو یا تنگ دست یا قرض دار۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:5، ص:916، م:7)

اگر زمین ایک شخص کی ہے اور مُزارِع / اُس میں کھیتی کرنے والا کوئی اور ہے تو دو صورتیں ہیں:

1) اگر مالک (رقم کی صورت میں) کرایہ وصول کرتا ہے تو پیداوار کا عشر کھیتی کرنے والے پر ہے۔

2) اور اگر مالک پیداوار میں شریک ہے تو دونوں پر اپنے اپنے حصے کی پیداوار کا عشر ادا کرنا لازم ہے۔ (ایضاً، ص:921، م:33)

اگر کسی شخص نے فصل / پھلوں کو پکنے کے بعد بیچ دیا تو عشر بائع کے ذمہ ہوگا، تیار ہونے سے پہلے بیچا تو مشتری ادا کرے گا۔ (ایضا، ص:920، م:30)

کس پیداوار سے ادا کرنا ہے؟

جس پیداوار سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود ہو اُس سے عشر ادا کرنا لازم ہے، خواہ وہ غلہ ہو، جیسے گندم، چاول، جَو اور گنا وغیرہ ...یا پھل ہوں، جیسے خربوزہ، سیب، آم اور اَمرود وغیرہ... یا سبزیاں ہوں، جیسے آلو، ٹماٹر، پیاز، لہسن اور گوبھی وغیرہ... یا کچھ اور۔

اگر پیداوار سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود نہیں تو عشر لازم نہیں، جیسے گھاس وغیرہ اور وہ چیزیں جو از خود اُگ آتی ہیں۔

---

[1] مسائلِ عشر سے متعلق عوام کے لیے "عشر کے احکام" نامی رسالہ، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بہت مفید ہے۔

عُشر لازم ہونے کے لیے پیداوار کی مقدار مقرر نہیں۔ جتنی پیداوار بھی حاصل ہو... کم ہو یا زیادہ... اُس کا عشر ادا کرنا فرض ہے؛ کیونکہ ربِّ کریم نے مقدار کی تفصیل بیان کیے بغیر ارشاد فرمایا: "اور کٹائی کے دن اُس کا حق ادا کرو۔"

نیز عشر میں وقت کی حد بندی بھی نہیں ہے، ایک کھیت کی سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ پیداوار ہو تو ہر مرتبہ عشر فرض ہے۔

(بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:5، ص:916،917، م:6،10،11)

کتنی مقدار میں ادا کرنا ہے؟

جس زمین کی آب پاشی قدرتی پانی سے ہو... بارش یا (قیمت خرچ کیے بغیر) نہر کے پانی سے سیر اب کی... اُس کی کل پیداوار کا دسواں حصہ / 10٪ ادا کرنا لازم ہے۔ اگر آلات کے ذریعے اخراجات کر کے پانی لگایا... مثلاً ٹیوب ویل کے ذریعے یا قیمت خرچ کر کے نہر کا پانی لگایا... تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ / 05٪ ادا کرنا لازم ہے۔

اگر ایسا ہوا کہ کچھ دن بغیر اخراجات کے آب پاشی کی، جب کہ کچھ دن اخراجات کے ساتھ پانی لگایا تو زیادہ دنوں کا اعتبار ہو گا، زیادہ دن مفت کا پانی تھا تو عشر (دسواں حصہ) فرض ہے، ورنہ نصف عشر (بیسواں حصہ)۔ (ایضًا، ص:917، م:13)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا[1] الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ.» یعنی "جو باغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے سیر اب کیا گیا یا قدرتی طور پر تَر رہا (مالک کو پانی کے اخراجات نہیں اُٹھانے پڑے) اُس میں عشر (دسواں حصہ) فرض ہے اور جن کو پانی حاصل کر کے سیر اب کیا گیا اُن میں نصف عشر (بیسواں حصہ) فرض ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:1483)

یاد رہے کہ کاشت کاری میں جو مختلف اخراجات ہوتے ہیں... جیسے ہل، بیل، بیج، کھاد، کام کرنے والوں کی اُجرت اور ٹیکسز... اِن سب کو نکالے بغیر کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا لازم ہے۔ (ایضًا، ص:918، م:16)

اگر کوئی شخص پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ دینے کے بجائے اُس کی قیمت کو بطورِ عشر ادا کرے تو بھی جائز ہے، یعنی چاہے تو دسواں یا بیسواں حصہ دے دے اور چاہے تو اُس کی قیمت ادا کر دے۔ (الفتاوی المصطفویہ، ص:298، مطبوعہ شبیر برادرز)

---

[1] شارحِ مشکوٰۃ المصابیح حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے لکھا: عربی میں "عَثَری" وہ زمین کہلاتی ہے جو پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے خود بخود تَر رہتی ہو اور اُس کا مالک اُسے پانی دینے سے فارغ ہو... نیز جس درخت کی جڑیں گہرائی میں پہنچ کر زمین کی قدرتی تری خود لے لیں اُسے بھی "عَثَری" کہتے ہیں۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث:1797)

کب ادا کرنا ہے؟

جب پیداوار حاصل ہو جائے تو عشر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص کھیتی ظاہر ہونے کے بعد یا پھل قابلِ نفع ہونے کے بعد پیشگی طور پر عشر ادا کر دے تو بھی جائز ہے، مگر افضل یہی ہے کہ پیداوار حاصل ہونے کے بعد عشر ادا کیا جائے۔ (البحر الرائق، کتاب الزکوۃ)

پیداوار حاصل ہونے کے بعد بلاوجہ عشر کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے، حتّٰی کہ عشر ادا کرنے یا اُس کی مقدار الگ کرنے سے پہلے پیداوار کو استعمال کرنا جائز نہیں، تاہم یہ ارادہ ہو کہ بعد میں تمام پیداوار کا عشر ادا کرے گا تو کھانا حلال ہے۔

(بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ص:919، م:24)

اگر معاذ اللہ سُستی یا جہالت کی وجہ سے کسی شخص نے گزشتہ سالوں میں پیداوار کا عشر ادا نہ کیا ہو تو بھی وہ معاف نہیں، اب لازم ہے کہ تاخیر پر توبہ کرے اور گزشتہ سالوں کا حساب لگا کر استطاعت کے مطابق ادا کرتا رہے۔ (الفتاوی المصطفویہ، ص:298، ملخصًا)

کس کو دینا ہے؟

عشر حقیقت میں زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے؛ لہٰذا یہ اُسے ہی دے سکتے ہیں جسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے عشر دینا جائز ہے۔ پیشہ وَر بھکاری عموماً مالکِ نصاب ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو مالِ زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

⟸ عشر کی ادائیگی کے لیے مال الگ کرتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت دل میں عشر ادا کرنے کی نیت ضروری ہے، مستحق کو بتانا ضروری نہیں کہ مالِ زکوٰۃ ہے۔

⟸ عشر کی ادائیگی کے لیے مستحق کو مالک (Owner) بنانا ضروری ہے؛ اِسی لیے مسجد میں عشر دینا درست نہیں۔ نیز عشر کی رقم سے غریبوں کو واجب الادا قرض (Loan) دینا یا اُسے اِس قسم کے رِفاہی (Welfare) کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

کن کو عشر نہیں دے سکتے: اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی (اُصول) اور اولاد (فروع) کو عشر نہیں دے سکتے۔ بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو عشر نہیں دے سکتے۔ باقی رشتہ داروں کو عشر دیا جا سکتا ہے، بلکہ مستحق رشتہ داروں کو عشر و زکوٰۃ دینا دوسرے مستحقین کو دینے سے بہتر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں (سادات اور دیگر بنو ہاشم) کو بھی نہیں دے سکتے۔

زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مدارسِ اہلِ سنت کو نہیں بھولنا چاہیے، مدارس سے تعاون خدمتِ خلق بھی ہے اور خدمتِ دین بھی۔

عشر ادا نہ کرنے کا وبال

اگر انسان قرآن وسنت کے احکام پر عمل کرے تو اجر وثواب کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی ڈھیروں رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں، جب کہ احکامِ الٰہیہ کو چھوڑنے سے انسان نہ صرف اُخروی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، بلکہ دُنیا میں بھی بے برکتی اور نحوست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

زکوۃ اور عشر دونوں کی ادائیگی سے متعلق قرآن وسنت کے واضح احکام موجود ہیں، خطبہ کے آغاز میں عشر کی ادائیگی سے متعلق دو آیاتِ کریمہ پیش کی گئیں، اب زکوۃ وعشر ادا نہ کرنے کے وبال سے متعلق آیتِ کریمہ پیش کی جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ ”جو لوگ اُن چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو اُنہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا کی ہیں وہ ہر گز اِسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں، بلکہ یہ بخل اُن کے حق میں بہت بُرا ہے، عن قریب قیامت کے دن اُن کے گلوں میں اِسی مال کا طوق بنا کر ڈالا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے تھے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔“[اٰلِ عمران 180:3]

لمحۂ فکریہ: اِس وقت کسانوں سمیت اکثر حضرات معاشی مشکلات کا شکار ہیں، اِس کے ظاہری اسباب بہت سے ہیں، مگر کوئی بھی مسلمان اِس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اصل وجہ ہماری بداعمالیوں کی نحوست وبے برکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ”برکت“ نہ ہو تو گویا کچھ بھی نہیں ہے اور ”برکت“ ہو تو گویا سب کچھ ہے۔ کسی چیز کی مقدار زیادہ ہو مگر اُس میں برکت نہ ہو تو وہ بے فائدہ ہے، اِس کے برعکس مقدار کم ہو مگر باری تعالیٰ اُس میں برکت عطا فرمادے تو وہ راحتِ جاں بن جاتی ہے۔

برکت کی اہمیت کا اندازہ دُعائے نبوی سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ۔ یعنی ”اے اللہ! ہمارے مدینہ میں (دُنیاوی واُخروی) برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے صاع (سے ماپی جانے والی چیزوں) میں خیر وبرکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مُدّ[1] (سے ماپی جانے والی چیزوں) میں خیر وبرکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مُدّ میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مدینہ میں (دنیا وآخرت کی) برکتیں عطا فرما۔ اے اللہ! مدینہ میں دُگنی برکتیں عطا فرما۔ (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ وفیض القدیر)

---

[1] صاع اور مُدّ دونوں ماپنے کے پیمانے ہیں۔

حرفِ آخر... کاشت کاری سے متعلق اہم اُمور

ربّ تعالیٰ اپنے فضل واحسان کے ساتھ تمام مخلوق کو روزی عطا فرماتا ہے۔ اُس نے اپنے کلامِ حکیم میں اِس کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنے وعدہ کی تکمیل کے لیے روزی کے مختلف اسباب پیدا فرما کر انسانوں کو وہ ذرائع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسبابِ رزق میں سے ایک اہم سبب کاشت کاری وباغ بانی بھی ہے۔ باری تعالیٰ اپنی رحمت سے انسانوں کو زمین کی پیداوار سے روزی عطا کرتا ہے اور یہ بھی اُس کا احسان ہے کہ اُس نے زمین کی پیداوار پانے والوں کو اُس کا ایک معیّن حصہ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، جسے عُشر کہا جاتا ہے۔

قرآن وسنت میں واضح طور پر زمین کی پیداوار کی زکوۃ، یعنی عشر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر افسوس کہ ہمارے دَور میں کاشت کاروں کی بڑی تعداد یہ فریضہ پورا نہیں کرتی، بلکہ بہت سے افراد کے لیے لفظِ "عشر" بھی نیا ہو گا۔

پاکستان میں اِس وقت گندم کی کٹائی جاری ہے، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں کاشت کاری کی فضیلت اور عشر سے متعلق احکام کا ذکر ہوا کہ یہ کس پر فرض ہے؟ کس پیداوار کا ادا کرنا ہوتا ہے؟ مقدار کتنی ہے؟ کب ادا کرنا ہوتا ہے؟ اور کس کو دینا ہوتا ہے؟

گفتگو کے اختتام میں بطورِ خلاصہ یہ چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں:

1) قرآن وسنت میں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ربّ تعالیٰ کی قدرتوں میں غور وفکر کر کے اپنے ایمان کو مزید پختہ کریں۔ کاشت کاری میں بھی ربِّ کریم کی قدرتِ کاملہ کا حسین اِظہار ہوتا ہے کہ ایک ہی خطہ کی زمین میں ایک ہی پانی سے سیرابی کے بعد بے شمار قسم کے پھل، سبزیاں اور غلہ اُگتا ہے، جن کی آپس میں رنگت بھی مختلف ہوتی ہے، ذائقہ بھی جدا جدا ہوتا ہے اور مہک بھی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ یہ سب اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایک ایسی ذات موجود ہے جو اپنی حکمت ومشیت کے مطابق نظامِ دُنیا کو چلا رہی ہے اور وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔

2) اسلامی تعلیمات کے مطابق رزقِ حلال کمانے کے لیے کاشت کاری یا کوئی اور پیشہ اختیار کرنا/ محنت مَزدوری کرنا ہرگز ایسی بات نہیں جس سے انسان جھجک محسوس کرے یا احساسِ کمتری کا شکار ہو، بلکہ حلال کمانے کے لیے پیشہ اختیار کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور باعثِ عزت ورحمت ہے۔

یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ ہمارے معاشرے میں پیشہ وَر حضرات کو عزت نہیں دی جاتی، اُن کے حقوق پورے نہیں کیے جاتے، حالانکہ یہ معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ملک وقوم کا سرمایہ ہیں۔ اِس وقت پاکستانی کسان بے حد پریشان ہیں؛ کیونکہ مہنگائی کے سبب اُنھوں نے گزشتہ سالوں کی بہ نسبت زیادہ اخراجات برداشت کر کے فصل تیار کی ہے اور اچھی

فصل تیار ہوئی ہے، مگر حکومت گندم کو خرید ہی نہیں رہی یا اخراجات سے بھی کم داموں میں خرید رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ نگران حکومت نے اپنے دَور میں گندم کی بھاری مقدار درآمد کرلی تھی، اِس لیے اب حکومت کے پاس مزید گندم ذخیرہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

وجہ کوئی بھی ہو، بہر حال حکام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسانوں سمیت تمام پیشہ وَروں اور مزدوروں کی مشکلات کا اِزالہ کرے؛ کیونکہ اگر حکومت نے اِن حضرات کی سرپرستی نہ کی تو یہ ملک و قوم کے لیے بہت بڑا نقصان ہو گا۔

3) زمین کی پیداوار ہو یا کوئی اور معاملہ... بہر حال شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے میں ہی رحمت و برکت ہے اور شریعت سے رُوگردانی سخت بے برکتی کا سبب ہے۔

اِس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ کچھ عرصہ پہلے تک کاشت کاری کے جدید آلات اور کھادیں وغیرہ نہیں تھیں، مگر پیداوار شان دار ہوتی تھی، جب کہ ہمارے دَور میں سہولیات وافر ہیں، لیکن کاشت کار پھر بھی پریشان ہیں۔ بلاشبہ اِس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دَور میں شرعی حکم کے مطابق زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنے میں بہت کوتاہی کی جارہی ہے۔ ہمیں دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے شریعتِ مطہرہ پر عمل کی عادت بنانی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ پیکرِ رحمت و برکت سرورِ عالم ﷺ کے طفیل ہمیں شریعتِ مطہرہ پر عمل کی توفیق سے نوازے اور ہمارے ملک کی زرخیز زمین کو ملک و قوم کے لیے نفع بخش اور ترقّی کا ذریعہ بنائے۔

باری تعالیٰ فلسطین اور کشمیر سمیت دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو عملی طور پر اُن کے لیے کچھ کرنے کی ہمت سے نوازے۔

ربِّ قدیر پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

یکم ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ / 10 مئی 2024ء

ایمان کی مٹھاس...
تعارف، علامات اور ذرائع

مشمولات

- ایمان کی قدر اور اُس میں ترقّی کی کوشش
- حلاوتِ ایمان کا چوتھا ذریعہ... اللہ، رسول اور اسلام پر خوش رہنا
- حلاوتِ ایمان کا تعارف، علامات اور اہمیّت
- حلاوتِ ایمان کا پانچواں ذریعہ... بدنگاہی سے اجتناب
- حلاوتِ ایمان کا پہلا ذریعہ... محبتِ خدا تعالیٰ و عشقِ مصطفیٰ کریم ﷺ
- عصرِ حاضر میں اُمّت کی بے ضمیری
- حلاوتِ ایمان کا دوسرا ذریعہ... رضائے اِلٰہی کی خاطر بندگانِ خدا سے محبت
- حلاوتِ ایمان کا تیسرا ذریعہ... کفر سے نفرت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔

ہر مسلمان کو دولتِ ایمان کی قدر کرنی چاہیے؛ کیونکہ یہ نعمت سب کو عطا نہیں ہوتی... ربّ تعالیٰ دُنیاوی نعمتیں اور آسائشیں اپنے پیاروں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی، جب کہ دین وایمان کی نعمت فقط اُسے عطا فرماتا ہے جو اُسے پیارا ہوتا ہے۔

انسان کو جس نعمت کی قدر ہو وہ اُس میں اِضافہ کی کوشش کرتا ہے، اِسی طرح اگر ایمان کی اہمیت کا احساس ہو جائے تو اِس میں بھی ترقّی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے، بلکہ حقیقت میں ایمان ہی وہ نعمت ہے جس میں ترقّی واِضافہ کی آرزو اور جستجو ہونی چاہیے؛ کیونکہ پختہ ایمان نصیب ہو گیا تو دونوں جہان کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں، لیکن اگر خدانخواستہ ایمانِ کامل نہ ملا تو بہت بڑی نعمت سے محرومی ہوئی۔

کامل ایمان کے نتیجے میں جو نوازشات ہوتی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو "ایمان کی چاشنی" نصیب ہوتی ہے، ایسی لذّت کہ اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسی لذّت کہ اگر وہ مل جائے تو انسان تمام دُنیاوی لذّتیں اُس پر قربان کر دے۔

ایمان کی چاشنی ربِّ کریم کا بہت بڑا اِحسان ہے، اِس حوالے سے قرآنِ حکیم سے بھی راہ نمائی ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔

"جو مَرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مسلمان ہو تو ہم ضرور اُسے "پاکیزہ زندگی" عطا کریں گے اور ہم ضرور اُنہیں اُن کے بہترین کاموں کے بدلے میں اُن کا اجر دیں گے۔" [النحل 97:16]

آیتِ کریمہ میں اعمالِ صالحہ پر "پاکیزہ زندگی" کی خوش خبری عطا ہوئی، "پاکیزہ زندگی" سے کیا مراد ہے؟ ایک تفسیر کے مطابق اِس سے "عبادت کی حَلاوت وچاشنی" مراد ہے۔[1] یعنی جو مسلمان مَرد یا عورت نیک اعمال کرے ربّ تعالیٰ اُس پر یہ اِنعام فرماتا ہے کہ اُسے اپنی فرماں برداری اور عبادت کی مٹھاس عطا فرما دیتا ہے۔

"ایمان کی مٹھاس" ایسی عظیم شے ہے کہ سیدنا بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کو ملی تو جس وقت اُنھیں سخت ترین اذیتیں دی جاتیں تب بھی اُنھیں أَحَدٌ أَحَدٌ (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کہنے میں مزہ آرہا ہوتا۔ اسلامی تاریخ ایسی خوب صورت مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ ایمان کی مٹھاس پانا تو دُور کی بات ہے، ہم میں سے اکثر کو معلوم ہی نہیں کہ ایمان کی چاشنی کیا چیز ہے اور کیسے نصیب ہوتی ہے! چنانچہ ذوقِ ایمان بڑھانے کی خاطر آج کے خطبہ میں ایمان کی مٹھاس سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

---

[1] قَالَ أَبُوْ بَکْرٍ الْوَرَّاقُ: ھِیَ حَلَاوَۃُ الطَّاعَۃِ۔ (الکشف والبیان۔ معالم التنزیل۔ روح البیان، تحت الآیۃ)

حلاوتِ ایمان کا تعارف، علامات اور اہمیّت

ایمان کی مٹھاس سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حلاوتِ ایمان کیا چیز ہے؟ اِس کی علامات کیا ہیں؟ اور یہ کتنی بڑی دَولت ہے؟

تعارف: اللہ تعالیٰ نے انسان کی زبان میں چکھنے کی قوّت رکھی ہے۔ اگر انسان صحت مند ہو تو زبان کو میٹھی / لذیذ چیزوں کا ذائقہ عمدہ معلوم ہوتا ہے، تاہم بیماری میں بعض اوقات چکھنے کی قوّت متأثر ہوتی ہے اور شہد جیسی میٹھی چیزیں بھی کڑوی محسوس ہوتی ہیں... ایسے ہی باری تعالیٰ نے انسان کے دل میں باطنی کیفیات پانے کی طاقت رکھی ہے۔ اگر دل باطنی بیماریوں، مثلاً غفلت وخواہشات کی پیروی سے پاک ہو تو اُسے ایمان کی مٹھاس اور ایسی لذّت وچاشنی ملتی ہے کہ دُنیا کی کوئی لذّت اُس جیسی نہیں ہو سکتی، بلکہ انسان حلاوتِ ایمان کی خاطر دُنیا وآخرت کی تمام لذتیں بھول جاتا ہے، تاہم اگر دل بیمار ہو تو اُسے ایمان کا لطف محسوس نہیں ہوتا۔[1]

علامات: ایمان کی مٹھاس کو کسی آلہ کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا، ایسا نہیں کہ کسی ٹیسٹ کے ذریعے اِس کا پتا چل جائے، تاہم کچھ ایسی نشانیاں ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حلاوتِ ایمان نصیب ہے۔ بزرگوں نے لکھا: جسے حلاوتِ ایمان مل جائے وہ:

⟸ عبادت وفرماں برداری میں ایسا لُطف پاتا ہے کہ تمام دُنیاوی خواہشات اور لذّتوں کو فرماں برداری پر قربان کر دیتا ہے۔

⟸ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کو راضی کرنے کے لیے ہر طرح کی مشقت برداشت کر لیتا ہے۔

⟸ مصیبت وآزمائش میں بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

⟸ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہتا ہے۔[2]

اہمیّت: ایمان کی مٹھاس ایسی پُر کیف ہے کہ ایک مرتبہ نصیب ہو جائے تو مرتے دم تک دل سے نہیں جاتی اور قوی اُمّید ہوتی ہے کہ ایمان پر ہی خاتمہ نصیب ہو گا۔[3]

---

[1] وَفِيهِ تَلْمِيحٌ إِلَى الصَّحِيحِ الَّذِي يُدْرِكُ الطُّعُومَ عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ وَالْمَرِيضِ الصَّفْرَاوِيُّ الَّذِي بِضِدِّهِ، إِذْ يَجِدُ طَعْمَ الْعَسَلِ مِنْ نَقْصِ ذَوْقِهِ بِقَدْرِ نَقْصِ صِحَّتِهِ، فَالْقَلْبُ السَّلِيمُ مِنْ أَمْرَاضِ الْغَفْلَةِ وَالْهَوَى يَذُوقُ طَعْمَهُ وَيَتَلَذَّذُ مِنْهُ وَيَتَنَعَّمُ بِهِ كَمَا يَذُوقُ الْفَمُ طَعْمَ الْعَسَلِ وَغَيْرِهِ مِنَ لَذِيذِ الْأَطْعِمَةِ وَيَتَنَعَّمُ بِهَا. بَلْ تِلْكَ اللَّذَّةُ الْإِيمَانِيَّةُ أَعْلَى، فَإِنَّ فِي جَنْبِهَا يُتْرَكُ لَذَّاتُ الدُّنْيَا بَلْ جَمِيعُ نَعِيمِ الْأُخْرَى. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، تحت الحديث:8)

[2] مَعْنَى حَلَاوَةِ الْإِيمَانِ اسْتِلْذَاذُ الطَّاعَاتِ وَإِيثَارُهَا عَلَى جَمِيعِ الشَّهَوَاتِ وَالْمُسْتَلَذَّاتِ وَتَحَمُّلُ الْمَشَاقِّ فِي مَرْضَاةِ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَتَجَرُّعُ الْمَرَارَاتِ فِي الْمُصِيبَاتِ، وَالرِّضَا بِالْقَضَاءِ فِي جَمِيعِ الْحَالَاتِ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، تحت الحديث:8)

[3] وَقَدْ وَرَدَ أَنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ إِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْهُ أَبَدًا، فَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى بِشَارَةِ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ لَهُ. (مرقاة المفاتيح، تحت الحديث:8) قال هرقل عظيم الروم: وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ. (صحيح البخاري، الرقم:51)

حلاوتِ ایمان کا پہلا ذریعہ... محبتِ خدا تعالیٰ و عشقِ مصطفیٰ کریم ﷺ

ایمان کی مٹھاس کیسے نصیب ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر بھلائی محض ربّ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی ملتی ہے، تاہم کچھ ایسے اعمال و اوصاف ہیں جن کی برکت سے خالقِ کائنات کرم کرتا ہے اور حلاوتِ ایمان عطا فرما دیتا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص میں تین خوبیاں ہوں اُسے اِن کی برکت سے ایمان کی مٹھاس نصیب ہو جائے گی۔“ پہلی خوبی یہ بیان فرمائی: أَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ ”اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ اُسے دیگر تمام سے زیادہ محبوب ہوں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6941)

محبتِ خدا تعالیٰ: ربّ تعالیٰ سے محبت کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اِس کے تقاضے کیا ہیں؟ اور اِسے بڑھانے کا طریقہ کیا ہے؟

❖ ہر انسان جانتا ہے کہ مخلوق سے محبت کیا ہوتی ہے، مگر ربّ تعالیٰ سے محبت کو اِس طرح کا جذبہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بزرگوں نے لکھا: ربّ تعالیٰ سے محبت ایسی حالت ہے جسے محسوس تو کیا جاتا ہے، مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اِس کی پہچان اِس کے تقاضوں سے ہوتی ہے۔ محبتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کے دل میں ربّ تعالیٰ کی تعظیم ہو، وہ اُس کے قُرب و رِضا کا طلب گار رہے، اُس کی بارگاہ میں حاضری کا شوق رکھے، خود کو ربِّ کریم کا محتاج سمجھے، اُس کے ذکر سے قرار پائے، یادِ خدا کے بغیر اُسے چین نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے۔ (1)

❖ محبتِ الٰہیہ میں اضافہ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان باری تعالیٰ کے احسانات پر غور کرے، کہ میرا وجود بھی احسانِ خداوندی سے ہے اور میرے پاس موجود ہر شے بھی رحمتِ الٰہیہ سے ہے... نیز ربّ تعالیٰ کے علم و قُدرت میں غور کرے۔ یوں محبتِ الٰہیہ میں ترقّی نصیب ہو گی۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، زیرِ حدیث: 3415)

عشقِ مصطفیٰ ﷺ: سرورِ عالم ﷺ سے عشق کا مفہوم واضح ہے۔ اِس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آپ ﷺ کے احکام پر عمل کرے، آپ ﷺ سے نسبت والے تمام خوش نصیب افراد سے اور آپ کے ساتھ تعلّق والی ہر چیز سے پیار کرے، کثرت سے دُرودِ پاک پیش کرے، آپ کی بارگاہ میں حاضری کا شوق رکھے اور ہر اُس کام سے بچے جس کی وجہ سے آپ کی ناراضی کا خدشہ ہو۔

محبتِ رسول ﷺ میں اضافہ کا طریقہ یہ ہے آپ ﷺ کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا جائے، آپ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے اور آپ کے بے پناہ احسانات کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

---

(1) وَأَمَّا مَحَبَّةُ الْعَبْدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى: فَحَالَةٌ يَجِدُهَا مِنْ قَلْبِهٖ تَلْطُفُ عَنِ الْعِبَارَةِ، وَقَدْ تَحْمِلُهٗ تِلْكَ الْحَالَةُ عَلَى التَّعْظِيْمِ لَهٗ وَإِيْثَارِ رِضَاهُ وَقِلَّةِ الصَّبْرِ عَنْهُ وَالْاِحْتِيَاجِ إِلَيْهِ وَعَدَمِ الْقَرَارِ مِنْ دُوْنِهٖ وَوُجُوْدِ الْاِسْتِيْنَاسِ بِدَوَامِ ذِكْرِهٖ لَهٗ بِقَلْبِهٖ۔ (الرسالة القشيرية: 485/2)

حلاوتِ ایمان کا دوسرا ذریعہ... رضائے اِلٰہی کی خاطر بندگانِ خدا سے محبت

ایمان کی مٹھاس کا ذریعہ بننے والی دوسری خوبی سے متعلق حدیثِ مبارک کے الفاظ ہیں: وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ۔

"انسان صرف اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے بندۂ خدا سے محبت کرے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6941)

سرورِ عالَم ﷺ نے تربیت فرمائی ہے کہ انسان کا ہر کام فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے، حتّٰی کہ اُس کی محبت اور نفرت بھی فقط ربِّ کریم کی خوشنودی کے لیے ہی ہوں۔ خواہش پرستی، دُنیاوی مفادات اور ذاتی تعلّقات سے بالاتر فقط رضائے اِلٰہی کے لیے محبت سے مالکِ کریم کی رضا بھی ملتی ہے، اجر وثواب بھی ملتا ہے اور ایمان کی مٹھاس بھی نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

⟸ اللہ کریم کے پیاروں سے محبت کرنا... جیسے صحابۂ کرام، اہلِ بیتِ عظام، اولیائے ذوی الاحترام اور علمائے ذی شان کی چاہت۔

⟸ اُس بندے سے محبت کرنا جس کے ذریعے فرماں برداری کی توفیق ملی... جیسے نیکی کی راہ نمائی کرنے والے اُستاذ اور دوست کی اُلفت۔

⟸ اپنے والدین سے اِس لیے محبت کرنا کہ ربّ تعالیٰ نے اُن سے حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے۔

⟸ اولاد کے ساتھ اِس وجہ سے پیار کرنا کہ دین نے اُن پر شفقت اور اُن کی اچھی تربیت کا شوق دلایا ہے اور تربیت یافتہ اولاد مرنے کے بعد نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہے۔

⟸ رشتہ داروں سے فقط اِس لیے پریت نبھانا کہ رسولِ خدا ﷺ نے اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

⟸ غریبوں اور کمزوروں سے فقط اِس لیے لگاؤ رکھنا کہ اُن کی مدد سے ربّ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

⟸ علمِ دین سیکھنے والوں کی طرف اِس لیے میلان رکھنا کہ وہ دینِ خدا کے خدمت گزار بنیں گے۔

اِن سب صورتوں میں محبت کا بنیادی مقصد فقط رضائے اِلٰہی ہو... رشتہ داری، دوستی، احسانات اور دیگر چیزیں سب بعد میں ہوں تو یہ محبت ایمان کی مٹھاس ملنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔[1]

بزرگوں نے فرمایا: فقط رضائے اِلٰہی کے لیے محبت ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اُس میں حُسنِ سلوک یا بدسلوکی سے فرق نہیں پڑتا... یعنی جس سے محبت ہے وہ اچھا رویّہ رکھے تب بھی اُس سے ویسی ہی چاہت رہے اور وہ بُری طرح پیش آئے تب بھی ویسا ہی تعلّق رہے تو اِس کا مطلب ہے کہ یہ محبت خالص طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔[2]

---

[1] وَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَنْضَافَ إِلَيْهِ حُبُّهُ لِصَدَاقَةٍ وَرَحَامَةٍ وَإِحْسَانٍ۔ (التحبیر لإیضاح معانی التیسیر، ج:1، ص:184، مکتبۃ الرشد)

[2] قَالَ يَحْيَى بْنُ مُعَاذٍ: حَقِيقَةُ الْحُبِّ فِي اللهِ أَنْ لَا يَزِيدَ بِالْبِرِّ وَلَا يَنْقُصَ بِالْجَفَاءِ۔ (فتح الباری لابن حجر، ج:1، ص:62، المکتبۃ السلفیۃ)

حلاوتِ ایمان کا تیسرا ذریعہ... کفر سے نفرت

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے فرمانِ عالی شان کے مطابق ایمان کی مٹھاس کا ذریعہ بننے والی خوبیوں میں سے تیسری یہ ہے:

وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔ "انسان کفر کی طرف جانے کو یوں ناپسند سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند جانتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6941)

قرآن وسنت میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ مسلمان کو اپنے دین کے حوالے سے نہایت پختہ ومُتَصَلِّب ہونا چاہیے۔ وہ کامل استقامت کے ساتھ آخری سانس تک اسلام پر قائم رہے اور یہ یقین رکھے کہ دونوں جہان کی کامیابی رحمتِ عالَم ﷺ کی غلامی سے ہی وابستہ ہے، آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ صرف آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

اسلام پر پختگی کا تقاضا ہے کہ مسلمان اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل سمجھے اور کفر سے اتنی نفرت رکھے کہ اگر اُسے آگ میں جانے یا اسلام چھوڑنے کا اختیار دیا جائے تو وہ آگ میں جانا گوارا کرلے مگر دل سے کسی بھی صورت میں کفر کو قبول نہ کرے۔[1] دین کے فروغ اور مسلمانوں کے عُروج سے خوشی ہو... جب کہ دین سے دُوری اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے دل پریشان ہو جائے۔

اسلام سے ایسی کامل محبت اور کفر سے نفرت اللہ تعالیٰ کا اِحسان ہے اور اِس کی برکت سے ایمان کی مٹھاس نصیب ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسلامی عقائد واعمال پر نہایت تصلّب عطا فرمایا اور اِسے اپنا احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ o فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ یعنی "(اے صحابہ! تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ) اُس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا فرمادی اور اُسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی، ایسے ہی لوگ رشد وہدایت والے ہیں۔ اللہ کا فضل اور احسان ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔" [الحجرٰت 49: 7،8]

لمحۂ فکریہ: موجودہ دَور میں عالمی سازش کے تحت مسلمانوں، خصوصاً نوجوانوں کے دلوں سے اسلام پر پختگی کا جذبہ ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ تأثر دیا جارہا ہے کہ معاذ اللہ سبھی ٹھیک ہیں، کسی کو بھی غلط نہ کہیں۔ ریاستی ذرائع سے غیر اسلامی تہذیب کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔ اسلامی ریاست کے عہدے دار کفار کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ خود بھی اسلام سے محبت اور کفر سے نفرت کریں اور یہ جذبہ آنے والی نسل تک بھی منتقل کریں۔

---

[1] وفی روایۃ أخری: وَحَتّٰى أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6041)

حلاوتِ ایمان کا چوتھا ذریعہ... اللہ، رسول اور اسلام پر خوش رہنا

سرورِ عالَم ﷺ کے محترم چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللهِ رَبًّا[1] وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔» ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا اُسے ایمان کی لذّت و مٹھاس نصیب ہو جائے گی۔“ (صحیح مسلم، حدیث:34)

- مالکِ کریم کے ربّ ہونے پر خوش ہونے کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ انسان فقط اُسی کو اپنا ربّ سمجھے اور کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے... اِس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ ربِّ کریم کی ہر تقدیر پر خوش رہے، مصیبت آنے پر صبر کرے، نعمت ملنے پر شکر کرے اور اِس بات پر مسرور ہو کہ اللہ تعالیٰ اُس کا مالک ہے اور اُس کے تمام معاملات اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔
- اسلام کے دین ہونے پر مسرور ہونے کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ صرف اسلام کو حق سمجھے اور کسی دوسرے دین کی چاہت نہ رکھے... اِس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ پوری اسلامی شریعت کو دل و جان سے قبول کرے، احکام پر عمل کرے، ممنوعات سے اجتناب کرے اور اسلام کے کسی بھی حکم پر اعتراض نہ کرے۔
- سرورِ عالَم ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہونے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول مانے اور آپ کے بعد کسی کو نبی و رسول نہ سمجھے... اِس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے، آپ سے والہانہ محبت کرے، آپ اور آپ کی تمام نسبتوں کا دل و جان سے احترام کرے اور دل میں دُنیا کی محبت نہ آنے دے۔[2]

سیدنا ابو سعید سعد بن مالک خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں فرمایا: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! مَنْ رَّضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ ”اے ابو سعید! جو شخص اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا اُس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔“ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! یہ کلمات دوبارہ ارشاد فرمایئے! چنانچہ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی بات ارشاد فرمائی۔ (صحیح مسلم:1884)

---

[1] رَبًّا: أَيْ: مَالِكًا وَسَيِّدًا وَمُتَصَرِّفًا۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث:9)

[2] اَلرِّضَا يَنْقَسِمُ إِلَى عَامٍّ وَخَاصٍّ، فَالْعَامُّ: هُوَ الرِّضَا بِأَنْ لَا رَبَّ سِوَى اللهِ وَلَا دِيْنَ سِوَى الْإِسْلَامِ وَلَا نَبِيَّ فِي زَمَنِ الْمُصْطَفٰى وَلَا بَعْدَهُ سِوَاهُ۔ (فتح القریب المجیب علی الترغیب والترہیب، ج:6، ص:467)

وَالْمَقْصُوْدُ مِنَ الرِّضَا الْإِنْقِيَادُ الْبَاطِنُ وَالظَّاهِرُ وَالْكَمَالُ أَنْ يَكُوْنَ صَابِرًا عَلَى بَلَائِهِ وَشَاكِرًا عَلَى نَعْمَائِهِ، وَرَاضِيًا بِقَدَرِهِ وَقَضَائِهِ وَمَنْعِهِ وَإِعْطَائِهِ، وَأَنْ يَعْمَلَ بِجَمِيْعِ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ بِامْتِثَالِ الْأَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ الزَّوَاجِرِ، وَأَنْ يَتَّبِعَ الْحَبِيْبَ حَقَّ مُتَابَعَتِهِ فِي سُنَّتِهِ وَآدَابِهِ وَأَخْلَاقِهِ وَمُعَاشَرَتِهِ وَالزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا، وَالتَّوَجُّهِ الْكُلِّيِّ إِلَى الْعُقْبٰى۔ (أیضًا)

حلاوتِ ایمان کا پانچواں ذریعہ... بد نگاہی سے اجتناب

ایمان کی مٹھاس پانے کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی کہ انسان نگاہوں کی حفاظت کرے اور بد نگاہی سے بچے۔

رازدارِ رسول ﷺ سیدنا حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشادِ نبوی روایت کیا: «اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ مَسْمُوْمَةٌ، فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللهِ أَثَابَهُ جَلَّ وَعَزَّ إِيْمَانًا يَّجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ۔» یعنی "بد نگاہی شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے بد نگاہی چھوڑ دے اللہ عزّوجلّ اُسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا کہ بندہ اپنے دل میں اُس کی مٹھاس پالے گا۔" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7875)

ایمان کی مٹھاس تب نصیب ہوتی ہے جب دل بیمار نہ ہو۔ دل کی بیماری کا آغاز نگاہ بگڑنے سے ہوتا ہے... شیطان سب سے پہلے بد نگاہی کے جال میں پھنساتا ہے، اگر خدانخواستہ انسان اِس مرحلے میں ناکام ہو جائے تو بعد کی منزلیں شیطان کے لیے آسان ہو جاتی ہیں اور معاذ اللہ آہستہ آہستہ دل سیاہ ہو جاتا ہے... اِس کے برعکس اگر نگاہ محفوظ رہے تو ربّ تعالیٰ باقی کئی گناہوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے، یوں دل پاکیزہ ہونے کی برکت سے ایمان کی مٹھاس نصیب ہو جاتی ہے۔

نگاہوں کی حفاظت کے ذریعے دل کو پاکیزہ بنانے کا طریقہ خود ربِّ ذوالجلال نے قرآنِ حکیم میں تعلیم فرمایا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ یعنی "اے حبیب! مسلمان مَردوں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور حرام کاموں سے بچیں / پردے والے حصوں کو چھپائیں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے۔" [النور 24:30]

- آیتِ کریمہ میں ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے) فرما کر نگاہوں کی حفاظت کا شوق دلایا گیا؛ کہ اِس کی برکت سے دل پاکیزہ ہو گا اور خیر و بھلائی میں اِضافہ ہو گا۔
- نیز اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے) فرما کر وعید سنائی گئی کہ اگر نگاہوں کی حفاظت نہ کی تو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے وقت شرمندگی اُٹھانی پڑ سکتی ہے؛ اُسے سب کاموں کی خبر ہے۔

لمحۂ فکریہ: نگاہوں کی حفاظت سے متعلق آیتِ قرآنیہ اور ارشادِ نبوی ذکر کرتے ہوئے اِس بات پر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بد نگاہی کا مرض بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اگر ہم نے یہ سلسلہ روکنے کے لیے سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا تو آنے والا دَور انتہائی خطرناک ہو گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ربِّ کریم نے بے حیائی پھیلانے میں کسی بھی طرح سے شریک ہونے والوں کو دُنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ [النور 24:19]

حرفِ آخر... عصرِ حاضر میں اُمّت کی بے ضمیری

ایمان ربِّ کریم کی طرف سے ہم پر سب سے بڑا اِحسان واِنعام ہے، ہمیں اِس کی قدر کرتے ہوئے اِس کی حفاظت کے لیے بھی فکر مند ہونا چاہیے اور اِس میں ترقّی واِضافہ کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیے۔

ایمان کامل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِس کی مٹھاس بھی عطا ہو جاتی ہے... ایسی مٹھاس کہ دُنیا کی کوئی لذّت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی... ایسی چاشنی کہ اُس کا چسکا لگ جائے تو انسان اُس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ہمیں یہ لذّت حاصل کرنے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں بھی کرنی چاہییں اور اِسے پانے کے لیے اچھے اعمال کی صورت میں کوشش بھی کرنی چاہیے۔ خطبہ میں ذکر کیے گئے سرورِ عالَم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق جس خوش نصیب میں یہ اوصاف پائیں جائیں اُسے ایمان کی مٹھاس نصیب ہو جاتی ہے:

1) جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی محبت باقی سب کے پیار سے زیادہ ہو۔
2) جو فقط اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے بندۂ خدا سے محبت رکھتا ہو (اُس کی محبت ونفرت اپنی ذات کے لیے نہیں، فقط رضائے اِلٰہی کے لیے ہو)۔
3) جسے کفر سے اِس قدر نفرت ہو کہ آگ میں جانا گوارا کر لے، مگر کفر کو قبول نہ کرے۔
4) جو اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، سیدِ عالَم ﷺ کے نبی ورسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر مطمئن اور خوش ہو۔
5) جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بدنگاہی چھوڑ دے۔

اِس پہلو پر بھی توجہ کرنی چاہیے کہ جہاں یہ اوصاف اختیار کرنے کی برکت سے ایمان کی مٹھاس عطا ہوتی ہے وہاں اِن کا برعکس کرنے سے انسان کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نالائق دُنیا کی محبت کو ربّ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی محبت پر ترجیح دے... اپنی ذات کی خاطر دوسروں سے پیار اور دشمنی رکھے... کفر کی نفرت دل سے ختم ہو جائے... اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر، سرورِ عالَم ﷺ کی غلامی پر اور اسلامی احکام پر اُس کا دل خوش نہ ہو... اور وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت نہ کر سکے تو اُس کا دل دھڑکنے کے باوجود مُردہ ہو گا اور حقیقت میں وہ دل کہلانے کے لائق نہیں ہو گا۔

اقبال علیہ الرحمہ نے ایسے افراد کو جھنجھوڑتے ہوئے خوب کہا:

دلِ مُردہ دل نہیں ہے، اِسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمّتوں کے مَرَضِ کُہَن کا چارہ

یہ مسلم اُمّہ کے اجتماعی ضمیر کی موت کا ہی نتیجہ ہے کہ گزشتہ دنوں ایک مرتبہ پھر سویڈن میں قرآنِ حکیم کی توہین کی گئی ہے، اِس سے پہلے بھی اِسی منحوس ملک میں چند بار ایسے افسوس ناک واقعات ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف غزہ پر اسرائیلی درندگی آٹھویں ماہ میں داخل ہو چکی ہے، 35 ہزار کے قریب بے گناہ افراد شہید ہو چکے ہیں، غزہ کا ڈھانچہ تباہ کرنے کے بعد بھی اسرائیل ڈھٹائی کے ساتھ رفح میں فوجی آپریشن کرنے پر تُلا ہوا ہے، عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق غزہ میں قحط کی صورتِ حال ہے اور بے گناہ شہری سخت بھوک میں مبتلا ہیں، حتّٰی کہ اسرائیلی غنڈے پناہ گزینوں تک مختلف ممالک کی طرف سے بھیجی گئی امداد بھی نہیں پہنچنے دے رہے۔

یہ کڑوا سچ ہے کہ توہینِ قرآنِ حکیم ہو یا اسرائیلی مظالم... دونوں کی بنیادی وجہ اُمّت کی بے ضمیری ہے۔ مسلم حکمران اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہے ہیں اور مذمت کے علاوہ کچھ کرنے کو تیار نہیں، اگر اِس وقت اُمّت میں سلطان صلاح الدین ایوبی یا سلطان محمود غزنوی کا جانشین ہوتا تو نہ ہی قرآنِ حکیم کی بے حُرمتی کی جاتی اور نہ ہی سرزمینِ مقدّس کے مسلمانوں کا خون اتنا بے قیمت سمجھا جاتا۔

اللہ تعالیٰ سرورِ عالم ﷺ کے طفیل اُمّتِ مسلمہ کے حال پر رحم فرمائے، فلسطین اور کشمیر سمیت دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو عملی طور پر اُن کے لیے کچھ کرنے کی ہمّت سے نوازے۔

ربِّ قدیر قلبِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے صدقے میں ہمیں ایمان کی مٹھاس عطا فرمائے اور اُن تمام کاموں سے مکمل اجتناب کی سعادت دے جو ایمان کو کمزور کرتے ہیں۔

خالقِ کائنات پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

آمین بجاہ النبیِ الکریم ﷺ

۸ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ/17 مئی 2024ء

حیاتِ عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے حسین نقوش

مشمولات

- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ سوانحی خاکہ
- سیرتِ سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے لائقِ تقلید پہلو
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا علماء ومشائخ سے راہ نمائی حاصل کرنا
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بَہرُوپیا
- مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
- سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور غیر اسلامی تہواروں پر پابندی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ. [الصف 61:8،9]

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں دُنیا کی دولت وافر مقدار میں نہیں ملتی، اُن کے پاس کوئی بڑا عہدہ نہیں ہوتا، خستہ حال زندگی گزارتے ہیں... مگر اُن بد نصیبوں کو دُنیا کی محبت بے شمار گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے، وہ دولت کے پُجاریوں جیسا بننے کی آرزو میں بے تاب رہتے ہیں۔ یہ بد بخت دُنیا کی صعوبتیں جھیلنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں دولت کے پُجاریوں جیسا گناہ بھی پائیں گے۔

اِس کے برعکس کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جنھیں دُنیاوی دولت بھی بے تحاشا ملتی ہے، بڑے عہدوں پر بھی فائز ہوتے ہیں، اُن کے پاس عیش وعشرت کے تمام وسائل بھی دستیاب ہوتے ہیں... مگر اِن خوش نصیبوں کے دل میں دُنیا کی محبت نہیں ہوتی، سب کچھ موجود ہونے کے باوُجود اُن کا دل محبتِ خدا تعالیٰ وعشقِ مصطفیٰ کریم ﷺ سے آباد رہتا ہے، وہ دُنیا پر راج کرتے ہوئے بھی دُنیا کو اپنے دل میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ سعادت مند دُنیا میں بھی عزت وتکریم پاتے ہیں اور روزِ قیامت بھی اِن کا حشر محبوبانِ خدا میں ہوگا۔

دل کو دُنیا کی محبت سے پاک رکھنے اور شریعت پر عمل کرنے کا نام زُہد وتقویٰ ہے، اگر بادشاہ کو ربّ تعالیٰ دُنیا کے لالچ سے بچالے تو وہ زاہد ومتّقی ہے، جب کہ کوئی کنگال دُنیا کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو وہ پکّا دُنیادار ہے۔ جلیل القدر تابعی حضرت مالک بن دِینار رحمۃ اللہ علیہ ایک سبق آموز جملہ کہا کرتے تھے۔ فرماتے: لوگ (میرے بارے میں) کہتے ہیں کہ مالک بن دینار زاہد ہے، میرے پاس تو دُنیاوی دولت ہے ہی نہیں، وَإِنَّمَا الزَّاهِدُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؛ أَتَتْهُ الدُّنْيَا فَاغِرَةً فَاهَا فَتَرَكَهَا۔ حقیقت میں زاہد تو (اپنے وقت کے بادشاہ و خلیفۂ راشد) حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ ہیں، اُن کے پاس دُنیا اپنا منہ کھول کر آئی، مگر اُنھوں نے اُسے ٹھکرا دیا۔

(الزهد لابن أبي الدنيا، ص:227، الرقم: 529۔ مسند أحمد، الرقم: 22143)

"بادشاہی میں فقیری" کرنے والے سعادت مند افراد میں ایک نمایاں نام شاہِ ہند سلطان محمد اورنگ زیب عالَم گیر علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ کرّوفرّ اور جاہ وجلال کے ساتھ زندگی گزارنے والے شاہوں اور اُن جیسا بننے کی چاہت رکھنے والوں کے نام مٹ گئے، مگر اِس درویش بادشاہ کا احترام دلوں میں اب بھی باقی ہے اور اُس کی محبتوں کے چراغ تاحال روشن ہیں۔

اِس وقت جب کہ حکومت واقتدار کے لالچ نے سب کو بے تاب کر رکھا ہے اور حکمران اپنے اقتدار کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں... عالم گیر علیہ الرحمہ کی یاد بھی آتی ہے اور شدّت کے ساتھ اُن کے اُصولِ بادشاہی کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔

عالَم گیر علیہ الرحمہ کی ولادت بھی ماہِ ذوالقعدہ میں ہے اور وصال بھی اِسی ماہ میں ہے۔ اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی حیاتِ مبارکہ کے کچھ حسین نقوش کا تذکرہ ہوگا۔

سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

شاہِ ہند، ابو المُظَفَّر محمد اورنگ زیب عالَم گیر نقشبندی علیہ الرحمہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۰۲۷ھ / 24 اکتوبر 1618ء کو اکبر بادشاہ کے پوتے "خرم" المعروف شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے گھر پیدا ہوئے۔

وہ بچپن سے ہی دانا، بہادر، بُردبار اور دیگر کئی اچھے اوصاف کے حامل تھے۔ اُنھوں نے نامور علمائے اہلِ سنّت سے دینی علوم و فنون حاصل کیے اور مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے شہزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ وہ اولیائے کرام سے بہت محبت کرتے تھے اور اُن کی تعلیمات کے سچے پیروکار تھے۔

اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے اپنے والد شاہ جہاں کی زندگی میں بھی مختلف انتظامی اور فوجی عہدوں پر کام کیا اور اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے، وہ دُکن اور (بھارتی) گجرات کے گورنر رہے، نیز ایران قندھار کے معرکوں میں سپہ سالار رہے۔

۱۰۶۸ھ / 1658ء کو شاہِ ہند کی حیثیت سے تخت سنبھالا اور پھر وفات تک تقریباً پچاس سال اسلام اور رعایا کی خوب خدمت کی۔ ایک بڑی سلطنت کا مطلق العِنان بادشاہ ہونے کے باوجود اُنھوں نے درویشانہ انداز میں قابلِ رشک اور لائقِ تقلید زندگی گزاری۔

آپ کے دَور میں ہندوستان دُنیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت بنا، یہ خطہ دُنیا کا امیر ترین ملک تھا اور دنیا بھر کی کل خام ملکی پیداوار (G.D.P.[Gross Domestic Product]) کا ایک چوتھائی حصہ پیدا کرتا تھا۔ ریاست کی سرحدیں روز بروز وسیع ہوتی چلی گئیں اور آپ کا دورِ اقتدار پورے مغلیہ دَور کی سب سے بڑی سلطنت بنا۔[1]

والیِ ہند کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے پورے ملک کے اندر حقیقی معنوں میں اسلامی شریعت کو نافذ کیا، عدل وانصاف قائم کیا اور علمِ دین کی خوب اِشاعت کی۔ دینی خدمات کے اعتراف میں علماء ومشائخ نے آپ کو اپنے دَور کا "مجدّد" قرار دینے کے ساتھ ساتھ "مُحیِ الدّین" اور "سلطانِ اسلام" جیسے القاب سے نوازا۔

تاریخ نگاروں نے لکھا: اگر برِّ صغیر میں عالَم گیر جیسے دو بادشاہ اَور آتے تو مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کے جبر سے نجات کے لیے تحریکِ پاکستان چلانے کی ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ پورے خطے میں ہر طرف اسلام ہی کی رونق ہوتی۔

آپ مغلیہ سلطنت کے آخری طاقت وَر اور بااثر بادشاہ تھے، آپ کے بعد یہ سلطنت زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی۔

۸ ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ / 11 فروری 1707ء کو آپ کا وصال ہوا۔ مزار خُلد آباد (ضلع اورنگ آباد، مہاراشٹر) ہندوستان میں ہے۔

---

[1] دیکھیے مضمون: انگریزوں نے ہندوستان کو کتنا مالی نقصان پہنچایا، بی بی سی اُردو، 15 اگست 2018ء

سلطان عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا علماء ومشائخ سے راہ نمائی حاصل کرنا

امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ رضی اللہ عنہ علم وفضیلت والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشاورت فرماتے، بلکہ بعض اوقات اعلان کرواکر مدینہ منوّرہ میں موجود تمام علما کو طلب فرماتے اور سب کی متّفقہ رائے کو بطورِ قانون نافذ فرماتے۔ اِس فاروقی عمل سے قیامت تک آنے والے مسلم حکمرانوں کو تربیت ملتی ہے کہ وہ اسلامی ریاست کا نظام قرآن وسنت کے عین مطابق رکھیں اور اِس کے لیے قدم قدم پر علمائے حق سے راہ نمائی لیتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن شخصیات کو مثالی حکمرانی سے نوازا اُن میں ایک نمایاں نام سیدنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا بھی ہے۔ آپ انسانوں، پہاڑوں اور چرند پرند وغیرہ سبھی کے بادشاہ تھے۔ ربّ تعالیٰ نے اُنھیں حکم فرمایا: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ۔ ”اے داوٗد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا، تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور نفس کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں بلاشبہ ان کے لیے سخت عذاب ہے؛ کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھول جاتے ہیں۔“[ص 26:38]

اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ بچپن سے ہی علماء ومشائخِ اہلِ سنت کے ساتھ پختہ تعلّق رکھتے تھے اور اُن سے دینی راہ نمائی لیتے رہتے تھے، بادشاہ بننے سے پہلے دورِ شہزادگی میں جب وہ مختلف مقامات پر جہاد کے لیے سفر کرتے تو مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے پوتوں اور نواسوں میں سے ایک یا دو ماہر علما اُن کے ہمراہ ہوتے تھے۔ (مقدمہ حسنات الحرمین، ص:118، 119، مکتبہ سراجیہ)

سلطنت کا والی بننے کے بعد اُنھوں نے اپنے شیخِ گرامی شہزادۂ مجدّدِ الفِ ثانی ابوالخیرات خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی:۱۰۷۹ھ / 1668ء) سے درخواست کی کہ وہ اُمورِ سلطنت سے متعلق دینی راہ نمائی کے لیے اپنے ایک فرزند کو اُن کے ساتھ دربارِ شاہی میں بھیجیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے پانچویں بیٹے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ کو دربارِ شاہی میں متعیّن فرمایا۔

خواجہ سیف الدین مجدّدی علیہ الرحمہ شریعتِ مطہرہ کے اِس قدر پابند تھے کہ اُن کا لقب مُحْیِ السُّنَّہ (سنت کو زندہ کرنے والا) ہے۔ وہ ہمیشہ شریعت وسنت کی ترویج اور بدعات کے خاتمہ کے لیے سلطان کی بھرپور راہ نمائی فرمایا کرتے تھے۔ سلطان رحمۃ اللہ علیہ اُمورِ سلطنت سے فارغ ہو کر رات کو اُن کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور شریعت وطریقت سے متعلق راہ نمائی حاصل کیا کرتے تھے۔

(تذکرۂ مجددینِ اسلام، از علامہ غلام مصطفیٰ مجددی، ص:254، 259، مکتبہ نبویہ)

سلطان کے اِس لائقِ تقلید عمل سے تربیت ملتی ہے کہ عوام وخواص کو اپنے معاملات سے متعلق علما سے راہ نمائی لیتے رہنا چاہیے۔

سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بَہرُوپیا

ایک بَہرُوپیے نے حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمہ سے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کے دربار میں اہلِ علم وفن کی بہت قدر کی جاتی ہے، میرے پاس بھی ایک فن ہے! مَیں بہروپیا ہوں، کوئی بھی رُوپ دھار لیتا ہوں اور مجھے دوسرا شخص پہچان نہیں پاتا۔ سلطان نے فرمایا: تم مجھے اپنا فن دِکھاؤ! جس دِن مَیں تمہیں نہ پہچان سکا اُس دن جو انعام مانگو گے تمہیں دُوں گا۔

کچھ عرصہ بعد اورنگ زیب علیہ الرحمہ بیمار ہوئے، اِس دوران دربان نے آکر کہا: عالی جاہ! آپ کے بیمار ہونے کی خبر ایران میں بھی پہنچ گئی ہے، شاہِ اِیران نے آپ کے عِلاج کے لیے ایک طبیب بھیجا ہے۔ آپ نے طبیب کو آنے کی اجازت دی، وہ مختلف ادویات اور میڈیکل سٹاف کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: مَیں نے تمہیں پہچان لیا ہے، تم طبیب نہیں، وہی شعبدہ باز ہو۔ وہ شرمندہ ہوا اور دوبارہ کوشش کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔

پھر عید کے موقع پر شاہی دربار سجا تو مختلف تحائف بادشاہ کو پیش کیے گئے، ایک شخص نے کہا: عالی جاہ! میں فلاں ملک کا سفیر ہوں، ہمارے صدرِ مملکت نے آپ کے لیے ایک اَن مول ہیرا تحفے میں بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک ڈبہ کھولا اور آپ کے سامنے کر دیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: اِس بار بھی میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، تم وہی بہروپیے ہو۔ وہ پھر شرمسار ہو کر چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد وہ ایک زاہد وعبادت گزار بن کر کسی پہاڑ کی غار میں بیٹھ گیا، رات دن عبادت میں مصروف رہتا، آہستہ آہستہ اُس کی شہرت ہونے لگی، لوگ اُس کے پاس جاتے مگر وہ کسی کی طرف توجہ نہ کرتا، سرکاری عہدے دار آتے تو اُن سے بھی ملاقات نہ کرتا۔

سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ فلاں علاقے میں کوئی بزرگ تشریف لائے ہیں، آپ کو محبوبانِ خدا سے بہت محبت تھی، اُس کے پاس تشریف لے گئے، اُس مَکّار نے بادشاہ کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر گردن جھکا لی جیسے مراقبہ کر رہا ہو۔ آپ کافی دیر تک کھڑے ہو کر اُس سے ملاقات کا انتظار کرتے رہے، بعد میں اُس نے نظر اُٹھائی اور بیٹھنے کا اِشارہ کیا، آپ باادب بیٹھ گئے۔

جب آپ تشریف فرما ہوئے تو وہ فریبی کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آج میری کوشش کامیاب ہو گئی، آپ مجھے پہچان نہیں پائے۔ سلطان نے فرمایا: واقعی اِس بار مَیں نہیں پہچان پایا، حسبِ وعدہ جو چاہو مانگو! وہ کہنے لگا: اب مَیں آپ سے کیا مانگوں؟ مَیں نے ربّ تعالیٰ کا نام جھوٹے طور پر لیا تو اُس کا اثر یہ ہے کہ آپ جیسا جلیل القدر بادشاہ میرے دروازے پر ادب کے ساتھ حاضر ہوا ہے۔ اب مَیں سچے طور پر اُسی کا نام لوں گا اور مجھے اِس دُنیاوی لالچ کی ضرورت نہیں!

یہ کہہ کر وہ بہروپیا وہاں سے چلا گیا اور سچ مُچ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گیا۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:256، 257، مکتبۃ المدینہ۔ زلف وزنجیر، صفحہ:349 تا 356، ملخصًا)

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی

اللہ تعالیٰ نے رحمتِ عالم ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپ کے ذریعے دینِ اسلام کو غالب کر دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اعلانِ نبوّت سے وصالِ اقدس تک اسلام کی سرفرازی کے لیے ہر طرح سے کوششیں فرمائیں، کفار کے طعنے سنے، اذیتیں برداشت کیں، ہر ممکن مقام پر پہنچ کر اسلام کی دعوت دی، میدانِ جہاد میں تشریف فرما ہو کر اسلام کے خلاف نبرد آزما طاقتوں کو زیر کیا، شاہانِ وقت کو خطوط لکھ کر اسلام کا پیغام پہنچایا، اپنے ارشادات اور کردار کے ذریعے مجاہدینِ اسلام کی ایک کھیپ تیار کی اور قیامت تک کے لیے اُمّت کو خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار کیا۔

اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ کسی انسان کی صلاحیتیں اور مال و جان اُسی مقصد کے لیے استعمال ہوں جس کے لیے سیدِ عالم ﷺ اپنی پوری ظاہری حیاتِ طیبہ میں کوشش فرماتے رہے۔

سلطان اورنگ زیب عالَم گیر علیہ الرحمہ بھی اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھیں دین کے ساتھ سچی محبت نصیب ہوئی۔ آپ بچپن سے ہی شرعی احکام کے پابند تھے، اِس سے بڑی سعادت مندی یہ کہ تختِ شاہی نے اُن کے مزاج کو تبدیل نہیں کیا، عہدہ سنبھالنے کے بعد لوگ کیا سے کیا ہو جاتے ہیں، مگر وہ زندگی کے آخری سانس تک خود بھی دین پر عمل کرتے رہے اور پوری دُنیا میں اُس کی سربلندی کے لیے کاوش بھی فرماتے رہے۔ اُن کی حیاتِ مبارکہ کے چند پہلوؤں پر غور کیجیے!

- وہ عقائد میں بزرگوں کی پیروی کرتے ہوئے "پختہ سُنّی" تھے۔
- فقہی اعتبار سے امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے سچے مقلِّد اور "پکّے حَنَفی" تھے۔
- اُن کی شہزادگی کے دَور میں... جب ابھی شاہ جہاں زندہ تھا... مخالفین اُن کی دستار (عمامہ) و مذہبی حلیہ کا مذاق اُڑاتے تھے اور اُنھیں "نَمازی فقیر"/ "ریاکار" کہہ کر پھبتیاں کَستے تھے۔[1]
- قرآنِ حکیم کی متعدّد سورتیں اُنھوں نے بچپن میں ہی یاد کر لی تھیں، بادشاہ بننے کے تقریباً چار سال بعد بے پناہ انتظامی مصروفیات کے باوجود اُنھوں نے پورا قرآنِ مجید حفظ کیا اور تادمِ آخر اُسے یاد رکھا۔[2]
- وہ ہر وقت باوُضو رہتے تھے اور نمازِ پنج گانہ پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ دورِ شہزادگی میں حاکمِ بخارا عبد العزیز خان کے ساتھ ایک معرکہ کے دوران نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے دورانِ جنگ نماز ادا کرنے کی تیاری شروع کی، سپاہیوں نے کہا کہ

---

[1] دیکھیے مقدمہ رقعاتِ عالَم گیر، ص:226، 395، 396، مطبع معارفِ اعظم

[2] مقدمہ حسنات الحرمین، ص:119

صورتِ حال بہت نازک ہے، مگر آپ نے سواری سے اُتر کر اطمینان سے فرض اور سنت و نفل ادا کیے، عبد العزیز خان کو معلوم ہوا تو وہ حیران رہ گیا اور یہ کہتے ہوئے جنگ چھوڑ دی: ایسے پابندِ نماز شخص سے لڑائی کرنا خود کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔[1]

- دورِ اقتدار میں بھی رمضان المبارک کے روزوں کے پابند تھے، تراویح ادا کرتے اور آخری عشرے میں اعتکاف بھی فرماتے تھے۔ نیز خاص ایّام کو نفلی روزوں اور خاص راتوں میں شب بیداری کا بھی اہتمام کرتے۔[2]
- اُن کی اکثر راتیں مختلف اولیائے کرام اور علمائے ذی شان کے ساتھ دینی گفتگو میں گزرتی تھیں۔
- آپ کے دَور میں شاہی قلعہ، لاہور کے سامنے "بادشاہی مسجد" سمیت بے شمار مساجد تعمیر ہوئیں اور لاتعداد مدارس قائم ہوئے۔ آپ نے اپنے گورنروں کو تاکیدی حکم جاری کیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں دینی مدارس قائم کریں اور اساتذہ کو سرکاری خزانے سے تنخواہیں ادا کریں۔ اُنھوں نے سرکاری خزانے سے طلبہ کے لیے درجہ بدرجہ وظائف بھی مقرر کروائے۔[3]
- آپ نے پوری سلطنت میں اسلامی احکام کو عملی طور پر نافذ کروایا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق سُنّی مسلک سے تھا اور فقہِ حنفی پر عمل کرتے تھے، اب بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ضرورت پیش آئی کہ فقہِ حنفی کی روشنی میں اسلامی احکام کی ایک عام فہم، مستند اور جامع کتاب تیار کروائی جائے اور اُسے بطورِ قانون پورے ملک میں نافذ کیا جائے؛ لہٰذا آپ نے اپنی سرپرستی میں تقریباً پچاس ماہر حنفی علمائے کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی، اُس کا نگران شیخ نظام الدین برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا اور اِس منصوبے پر ہونے والے تمام اخراجات سرکاری خزانے سے جاری کروائے۔ آٹھ سال کی محنت کے بعد تقریباً 1672ء میں ایک قیمتی علمی سرمایہ مرتّب ہوا، جس کا نام اَلْفَتَاوَی الْهِنْدِيَّة / فتاوٰی عالم گیری ہے۔ یہ کتاب اِس وقت بھی پوری دُنیا کے علما میں مقبول ہے، اُردو میں یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔ اِس کے علاوہ بھی آپ کے دَور میں متعدد اہم دینی کتابیں تصنیف کی گئیں۔[4]
- شاہِ ہند عالَم گیر علیہ الرحمہ کے تخت نشین ہونے سے پہلے شہریوں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کیے جاتے تھے، مگر مسلمانوں سے زکوٰۃ و عشر وصول کرنے کا نظام معطّل تھا اور ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اُن سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ نے اسلامی احکام کے مطابق فوری طور پر تمام ظالمانہ ٹیکس ختم کروا دیے اور زکوٰۃ و عشر اور جِزیہ کا نظام بحال کروایا۔
- آپ نے شراب نوشی، جُوا اور حرام موسیقی پر مکمل پابندی عائد کروائی اور اِن بے ہودہ کاموں کے تمام اڈے بند کروا کر مستقل روک تھام کے لیے مُحتسب مقرر کیے۔ ایک مرتبہ موسیقاروں نے منصوبہ بندی کے ساتھ آلاتِ موسیقی کا ایک علامتی جنازہ تیار کیا

---

[1] مآثرِ عالَم گیری (مترجم)، ص:359، بک لینڈ کراچی

[2] ایضاً، ص:354

[3] سالک، محمد علم الدین، "علمائے کرام، دینی مدرسے" نقوش، لاہور نمبر، [فروری، 1962ء] ص:521

[4] تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرۂ مجددینِ اسلام، از علامہ غلام مصطفیٰ مجددی، ص:261، مکتبہ نبویہ

اور اُسے لے کر شاہی محل کے پاس سے گزرے، عالَم گیر علیہ الرحمہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: موسیقی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: خوب گہرائی میں دفن کرنا؛ تاکہ آئندہ کبھی باہر نہ آسکے۔[1]

❖ آپ کے دربارِ شاہی میں غیبت اور جھوٹ کی سختی سے ممانعت تھی، حاضرین کو حکم تھا کہ اگر کسی کا عیب بیان کرنے کی کوئی شرعی وجہ ہو تو بھی اُسے شائستہ الفاظ میں ذکر کیا جائے۔[2]

❖ شاہِ ہند سرکاری خزانہ کو اپنی جاگیر سمجھنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے ٹوپیاں بناتے، قرآنِ مجید کی کتابت کرتے اور اِس سے ہونے والی آمدن سے اپنے اخراجات پورے کرتے۔ آپ نے وصال کے وقت وصیت کی: میرے ترکہ میں سے چار روپے جو مَیں نے ٹوپیاں بنا کر کمائے ہیں وہ میرے کفن دفن میں خرچ کیے جائیں اور پانچ روپے جو مَیں نے قرآنِ مجید کی کتابت سے حاصل کیے ہیں وہ غریبوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

❖ علمِ دین سے محبت زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہی، آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایّام میں شیخِ مجدد علیہ الرحمہ کے پوتے مولانا محمد فرخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ پوری صحیح بخاری شریف پڑھی۔[3]

❖ حقیقت میں آپ کا تختِ حکومت سنبھالنا اسلام کی سربلندی کے لیے ہی تھا۔ شاہ جہاں چاہتا تھا کہ بڑا بیٹا داراشکوہ تخت سنبھالے۔ داراشکوہ ابتدا میں بہت نیک انسان تھا، لاہور کے معروف بزرگ حضرت میاں میر فاروقی قادری علیہ الرحمہ وغیرہ کا عقیدت مند بھی تھا، مگر بعد میں وہ غلط لوگوں کے ہاتھ چڑھ گیا اور گمراہانہ نظریات اختیار کر لیے۔ عالَم گیر علیہ الرحمہ نے داراشکوہ کے اقتدار کو قبول نہ کیا اور خود بادشاہی سنبھالی۔ اِس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے شاہ جہاں کو ایک خط میں لکھا: اگر خدانخواستہ آپ کی حمایت سے بدکردار داراشکوہ کامیاب ہو جاتا تو پورا جہان کفر و ظلم کی تاریکی میں ڈوب جاتا، شریعتِ مطہرہ کی رونق ختم ہو جاتی اور روزِ قیامت آپ کو اِس حمایت کا جواب دینا انتہائی مشکل ہو جاتا۔[4]

سلطان عالَم گیر علیہ الرحمہ اِس شعر کا بہترین مصداق تھے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
مَیں اِسی لیے مسلماں مَیں اِسی لیے نمازی

---

[1] تذکرۂ مجددینِ اسلام، ص:260، 261

[2] مآثرِ عالَم گیری (مترجم)، ص:355

[3] مقدمہ حسنات الحرمین، ص:119

[4] خدانخواستہ اگر بحمایتِ آنحضرت اندیشۂ آن بد کَیش از قوّت بہ فعل می آمد و عالم از ظلمتِ کفر و عُدوان تاریک گشتہ، کارِ شرع شریف از رونق می اُفتاد، روزِ جزا از عہدۂ جواب بر آمدن بغایت صعب و دشوار باشد۔۔۔ (مقدمہ حسنات الحرمین، ص:133)

سلطان عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور غیر اسلامی تہواروں پر پابندی

قرآن وسنت میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی عقائد واحکام کا پابند ہونا چاہیے اور اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے جھوٹے عقائد کی طرف ہر گز توجہ نہیں کرنی چاہیے، اِسی طرح غیر مسلموں کے رسم ورواج اور اُن کے مذہبی تہواروں سے بالکل دُور رہنا چاہیے۔

ارشادِ ربانی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ ”اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، (شیطانی وساوِس وشبہات میں نہ پڑو اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ) بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے o اگر تم روشن احکام آنے کے بعد پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔“ [البقرۃ2:208،209]

یاد رہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھروں / عبادت گاہوں میں اپنی مذہبی رسومات جیسے چاہیں ادا کریں، البتہ اُنھیں اپنا مذہب پھیلانے یا سرِ عام اپنے مذہبی تہوار منانے کی ہر گز اِجازت نہیں ہوتی۔

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دَور میں کئی مسلمان، غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں دل چسپی لیتے ہیں، مبارک باد دیتے ہیں، بلکہ حکمرانوں سمیت متعدد افراد اُن کے تہواروں میں شرکت بھی کرتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے اپنی اِن حرکتوں کو ”رواداری“ کا نام دے کر اسلام کا حُسن قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہِ ہند اورنگ زیب علیہ الرحمہ سے پہلے جلال الدین اکبر اور اُس کے جانشینوں کے دَور میں بھی ایسی ہی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی، بادشاہوں کی نالائقی سے سرکاری سرپرستی میں دھوم دھام کے ساتھ غیر مسلموں کے مذہبی تہوار منائے جاتے اور شاہی دربار کے اندر بھی ایسی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا۔

مجدّدِ اسلام اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے تخت نشین ہوتے ہی تمام غیر اسلامی تہواروں کو روک دیا اور غیر مسلموں کو پابند بنایا کہ وہ اپنے تہوار صرف اپنے مذہبی مقامات میں منائیں۔

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے بیٹے معظّم نے ایک غیر اسلامی تہوار ”نَوروز“ میں شرکت کی ہے تو آپ نے اُسے خط لکھا: بیٹے! ایک بے غرض آدمی سے معلوم ہوا کہ تم نے اِس سال جشنِ نَوروز ایرانیوں کی طرح بڑے دھوم دھام سے منایا، خدا کے فضل سے تمہارا عقیدہ درست ہے تو پھر تم نے یہ بدعت کس سے سیکھی ہے؟

(ولی مظہر، ایڈووکیٹ، عظمتوں کے چراغ، ص:44، ناشر مجلس کارکنانِ تحریک پاکستان)

حرفِ آخر... سیرتِ سلطان عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے لائقِ تقلید پہلو

"دُنیا کی محبت" ایسی بیماری ہے کہ لگ جائے تو غریبی میں بھی انسان کو گناہوں میں پھنسا دیتی ہے اور رحمتِ الٰہی سے بندہ بچ جائے تو تاج وَری میں نرالی شان سے زندگی گزارتا ہے۔

حکمران ہونا بُرا نہیں، بلکہ حکمرانی میں ربِّ کریم کے احکام کو بھلا دینا بُرا ہے۔ بعض خوش نصیب حکمرانوں کے ذریعے ربّ تعالیٰ اپنا یہ قرآنی وعدہ پورا فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ۔
"اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔" [الصف 9:61]

غلبۂ اسلام کا ذریعہ بننے والے سعادت مند حکمرانوں میں ایک روشن نام شاہِ ہند سلطان محمد اورنگ زیب عالَم گیر علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ ذوالقعدہ آپ کا ماہِ ولادت وماہِ وصال ہے، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی مبارک زندگی کے کچھ پہلوؤں کا تذکرہ ہوا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ حکمرانوں کے لیے بھی لائقِ تقلید ہے اور عوام کے لیے بھی۔

- اُنھوں نے تختِ شاہی کی بے پناہ مشغولیات کے باوجود قرآنِ مجید حفظ کیا، مگر ہم فضول کاموں کی مصروفیات کا بہانہ بنا کر اُس کی تلاوت بھی نہیں کرتے!
- وہ شاہِ ہند ہونے کے باوجود باوُضو رہتے تھے اور نمازِ پنج گانہ پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرتے تھے، مگر ہم میں سے بہت سوں کو معاذ اللہ نماز کے لیے وقت نہیں ملتا!
- اُن کی راتوں کا کافی حصہ علماء ومشائخ کے ساتھ گفتگو میں صَرف ہوتا، مگر ہماری راتیں نہ جانے کن کاموں میں گزرتی ہیں!
- شاہی مصروفیات نے بھی اُنھیں علمِ دین سے غافل نہ کیا اور ہم فرض علوم کی طرف بھی توجّہ نہیں کرتے۔
- وہ شاہی پروٹوکول کے باوجود اپنے ہاتھوں سے ٹوپیاں بناتے اور قرآنِ مجید کی کتابت کرتے تھے، مگر ہمارے معاشرے کے بہت سے افراد کو محنت مزدوری میں عار محسوس ہوتی ہے۔
- اُمورِ سلطنت میں اُن کا قدم قدم پر علما سے دینی راہ نمائی لینا بھی ہماری خوب تربیت کرتا ہے۔
- دین کی سربلندی کے لیے اُنھوں نے جو اَن تھک کاوشیں کیں اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ کیا ہم بھی دین کی کوئی خدمت کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اِس کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔
- اُن کے دَور میں ہندوستان دُنیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت تھا، یہ اُن لوگوں کے لیے سبق ہے جو سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ ہوا تو معیشت نہیں چل سکے گی!

۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ/24 مئی 2024ء

حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

(صلحِ حدیبیہ کا تعارف اور حاصل شدہ چند دُروس)

مشمولات

- ہر حال میں اِطاعت
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... خونِ مُسلم کی حرمت
- صلحِ حدیبیہ کا اجمالی تذکرہ
- صلحِ حدیبیہ سے حاصل شدہ نکات کی تلخیص
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... عقل قُرباں کُن بہ پیشِ مصطفیٰ ﷺ
- صلحِ حُدیبیہ کا درس... جاہلانہ ضد سے اجتناب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَیَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ وَّیَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ۙ [الفتح48:1-3]

اللہ جَلَّ مَجۡدُہٗ کی یہ شان ہے کہ اُس کی ذاتِ مقدسہ بھی ہر طرح کی تبدیلی و تغیّر سے پاک ہے اور اُس کی صفاتِ عالیہ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اُس کی بادشاہی کو بھی کبھی زوال نہیں آسکتا اور اُس کا حکم بھی ہمیشہ نافذ رہے گا۔

اِس کے برعکس مخلوق کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں... کبھی عروج و ترقّی نصیب ہوتے ہیں اور کبھی زوال و پستی کے دَور سے گزرنا پڑتا ہے... کبھی آسانی و آسائش کے مزے ہوتے ہیں اور کبھی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے... وُسعت و فراخی کے دن بھی آتے ہیں اور تنگ دستی و فقر سے بھی پالا پڑ سکتا ہے... فتح و کامرانی اور شکست و ہزیمت زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

دُنیا و آخرت میں کامیاب شخص فقط وہ ہے جو خود کو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کے حکم کا پابند رکھے؛ اِس لیے کہ اگر مالک جَلَّ جَلَالُہٗ راضی ہو تو ظاہری نقصان بھی بڑی کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور تاریخ میں اِس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں... لیکن اگر انسان نافرمانی کر کے اپنے مہربان ربّ کو ناراض کر بیٹھے تو ظاہری کامیابی بھی خطرناک ناکامیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال، ماہِ ذوالقعدہ میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے کفارِ مکہ کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا، جسے صُلحِ حُدَیبِیَہ کہا جاتا ہے، اِس معاہدہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں، حتّٰی کہ خود صحابۂ کرام علیہم الرضوان بھی حیران تھے کہ اتنی کمزور شرائط پر معاہدہ کیوں ہو رہا ہے! مگر اُنھوں نے سرورِ عالَم ﷺ کے حکمِ عالی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا، سمجھ نہ آنے کے باوجود جانِ کائنات ﷺ کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کیا تو باری تعالیٰ نے اِس معاہدہ کو بڑی کامیابی و شان دار فتح کا ذریعہ بنا دیا اور نبیِ مکرم ﷺ کے مدینہ منوّرہ واپس پہنچنے سے پہلے اِس معاہدہ سے متعلق آیاتِ بینات نازل فرمائیں، جن کا آغاز اِس آیت سے ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ یعنی "اے محبوبِ مکرم! یقیناً ہم نے آپ کو روشن اور شان دار فتح عطا فرما دی۔" [الفتح48:1]

صلحِ حدیبیہ میں پیش آنے والے متعدد اُمور ایسے ہیں جن پر غور کرنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور جذبۂ محبت و اِطاعت میں ترقّی نصیب ہوتی ہے۔

مادیت پرستی کے اِس دَور میں بلاشبہ ہمیں ایسے ایمان افروز واقعات سے سبق حاصل کر کے خود کو بدلنے اور اِن حسین جذبات کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کی اشدّ ضرورت ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں اِسی حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

صلحِ حدیبیہ کا اجمالی تذکرہ

ہجرت کے چھٹے سال رحمتِ عالم ﷺ نے ایک دن اپنے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو بتایا: مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم امن و سلامتی کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے ہیں اور عمرہ کیا ہے، بعض نے سر کے بال منڈوائے اور بعض نے تَرشوائے ہیں۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے سمجھا کہ یہ خواب اِسی سال پورا ہو گا اور اِسی برس عمرہ کی سعادت و بیت اللہ شریف کی زیارت کریں گے۔ چنانچہ سبھی بہت خوش ہوئے اور خوب جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا حاضر ہونے کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کم و بیش 1400 صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ہمراہ یکم ذوالقعدہ 6ھ کو عمرہ شریف کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سبھی حضرات نے اِحرام باندھے ہوئے تھے... قربانی کے جانور ساتھ تھے اور اسلحہ وغیرہ بالکل نہیں تھا... ذوالقعدہ کے احترام کے پیشِ نظر اِس مہینے میں جنگ نہیں کی جاتی تھی... اِن سب اُمور میں قریش کو یہ پیغام تھا کہ مسلمان لڑائی کے لیے نہیں، بلکہ صرف زیارت و عمرہ کے لیے آرہے ہیں۔

دوسری جانب جب کفّارِ مکہ کو خبر ملی تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ اُنھوں نے راستہ روکنے کے لیے فوجی دستے روانہ کر دیے۔

قافلہ مکہ مکرمہ سے تقریباً 24 کلو میٹر دُور مقامِ حُدَیْبِیَہ میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کی مبارک اُونٹنی "قَصْواء" وہاں بیٹھ گئی، لوگوں نے سمجھا کہ وہ اپنی عادت کے مطابق تھکاوٹ یا گھبراہٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے، جانِ عالَم ﷺ نے حقیقتِ حال واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ۔ یعنی "قَصْواء تھکاوٹ یا گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں بیٹھی اور نہ ہی یہ اُس کی عادت ہے، مگر اِسے اُسی ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک دیا تھا (اللہ کریم نے اپنی حکمت کے تحت اِسے یہیں روک دیا ہے)۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2731، 2732)

یہاں قیام فرما ہو کر نبیِ کریم ﷺ نے کفار کو یہ باور کروایا کہ بغیر کسی اسلحہ کے... احرام باندھے... قربانی کے جانور ساتھ لانے والوں کا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے، جنگ ہر گز مقصود نہیں... مگر قریش اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔

معاملہ کو سلجھانے کے لیے سفارت کاری کا سلسلہ بھی جاری رہا، کفار نے اپنے نمائندے بھیجے اور امام الانبیا ﷺ کی طرف سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطورِ سفیر اُن کے پاس تشریف لے گئے، کفار کے متعدد نمائندوں نے بھی اُنھیں اطمینان دلایا کہ مسلمان جنگ کرنے نہیں آئے، مگر سردارانِ مکہ نے اپنی جاہلانہ ضد نہ چھوڑی اور معاملات کو خراب کرنے پر تُلے رہے۔ اِس دوران یہ افواہ بھی گردش کرنے لگی کہ کفار نے سفیرِ رسول سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔

حکمتِ عملی کے تحت نبیِ کریم ﷺ نے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بیعت لی کہ وہ آخری سانس تک وفادار رہیں گے اور کفار سے جہاد کریں گے۔ بے سروسامانی کے باوجود تمام صحابۂ ذی شان رضی اللہ عنہم نے دیوانہ وار بیعت کی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے دل وجان سے تیار ہوگئے۔ باری تعالیٰ نے اِس جاں نثاری کو پسند فرماتے ہوئے قرآنِ حکیم میں تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہونے کا اِعلان فرمایا۔[1] اِس بیعت کو بَیْعَتِ رِضْوَان کہا جاتا ہے۔

ربِّ کریم نے اِس بیعت کے ذریعے کفار پر رُعب طاری کر دیا اور وہ صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ طے پایا کہ فریقَین دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے اور ایک دوسرے کے خلاف دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

اِس معاہدہ کی کئی شرائط بظاہر مسلمانوں کے مفادات اور وقار کے خلاف تھیں، مثلاً یہ کہ مسلمان اِس سال بغیر عمرہ کیے یہیں سے احرام کھول کر واپس چلے جائیں گے، پھر آئندہ سال عمرہ کی قضا کے لیے اسلحہ کے بغیر آئیں گے اور فقط تین دن مکہ میں ٹھہرنے کے بعد واپس روانہ ہو جائیں گے۔

دل بوجھل تھے کہ حق پر ہونے کے باوجود اتنی کمزور شرائط کو کیوں قبول کیا جارہا ہے، مگر قربان جائیں! وفا شعاروں نے اپنے مہربان ربّ اور اُس کے رؤوف ورحیم رسول ﷺ کا حکم دل وجان سے قبول کیا۔ چنانچہ اِحرام کھول دیے اور قربانی کے جانور ذبح کر کے واپسی کے لیے روانہ ہوگئے۔

واپسی کا سفر جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی آیاتِ بینات نازل فرمائیں اور اِس صلح کو "فتحِ مبین" (روشن فتح) قرار دیا، نیز یہ خوش خبری بھی عطا فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب ضرور پورا ہوگا اور مسلمان ضرور امن وسلامتی کے ساتھ عمرہ کریں گے۔ چنانچہ ارشادِ عالی ہوا: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ۔ "بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ، اِن شاء اللہ تم ضرور مسجدِ حرام میں امن و عافیت کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہیں ہوگا۔" [الفتح 48:27]

سورۂ فتح کی آیاتِ کریمہ نازل ہونے پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تمام پریشانیاں دُور ہوگئیں اور دلوں کی کلیاں کھل اُٹھیں۔

پھر دُنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بظاہر "مغلوبانہ صلح" معلوم ہونے والے اِس معاہدے کو مسلمانوں کے لیے فتحِ خیبر سمیت کئی بڑی کامیابیوں کا ذریعہ بنا دیا، بعد میں جب کفار نے خود ہی یہ معاہدہ توڑا تو رسول اللہ ﷺ صلحِ حدیبیہ کے فقط دو سال بعد دس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کے لیے تشریف لائے تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ ﷺ کا راستہ روک سکے۔

---

[1] الفتح 48:18

صلحِ حُدیبیہ کا درس... عقل قُرباں کُن بہ پیشِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

عقل وشعور کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اُس کے نتیجے میں ہونے والے فوائد ونقصانات کا جائزہ لے اور اُس کے اثرات کو پیشِ نظر رکھے، جب کہ قرآنِ کریم کا سکھایا ہوا ایمانی جذبہ یہ ہے کہ نتائج کی فکر تب تک ہو سکتی ہے جب تک ہمیں کسی بات کا اختیار ہو، اگر اللہ، رسول کی طرف سے کوئی حکم آجائے تو پھر غور وفکر اور تردّد کی گنجائش نہیں، پھر وہی کرنا ہے جو حکم ملا ہے، انجام کیا ہو گا؟ یہ اللہ اور اُس کا رسول جانیں۔ مولانا روم علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

عَقْلْ قُرْبَاں کُن بہ پیشِ مُصْطفٰی
حَسْبِیَ اللّٰہ گو کہ اللّٰہ اَمْ کَفٰی[1]

یہ بات ذکر ہو چکی کہ حدیبیہ میں طے پانے والے معاہدے کے کئی نکات بظاہر مسلمانوں کے مفادات اور وقار کے خلاف تھے، مثلاً: مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں گے... نیز اہلیانِ مکہ میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آیا تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا، جب کہ کوئی مسلمان مکہ آگیا تو اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسلام کی خاطر جان دینے کو اپنے لیے سب سے بڑا اِعزاز سمجھتے تھے، باطل سے دب جانے کا اُن کے ہاں تصوّر ہی نہیں تھا، وہ محض ایمانی جذبہ کے تحت پریشان تھے کہ یہ شرائط کیوں تسلیم کی جارہی ہیں! سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر چار معروضات پیش کیں جن پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشادات فرمائے۔ معروضات وارشادات یوں تھے:

1) فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلٰى! عرض: کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں؟ ارشاد: "کیوں نہیں! ضرور اللہ کا سچا نبی ہوں۔"

2) قُلْتُ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: بَلٰى! عرض: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ ارشاد: "کیوں نہیں! ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر ہیں۔"

3) قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا إِذًا؟ قَالَ: إِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيْهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ۔ عرض: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ ارشاد: "یقیناً مَیں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، مَیں اُس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے۔"

4) قُلْتُ: أَوَلَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوْفُ بِهٖ؟ قَالَ: بَلٰى! فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيْهِ الْعَامَ؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيْهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ۔ عرض: کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم عن قریب بیت اللہ شریف جا کر اُس کا طواف کریں گے؟

---

[1] مصطفیٰ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے اپنی عقل کو قربان کر دو اور یہ کہو: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

ارشاد: ”کیوں نہیں، مَیں نے کہا تھا، لیکن کیا یہ بھی بتایا تھا کہ اِسی سال وہاں جائیں گے؟“ عرض: نہیں، اِس سال کا تو نہیں فرمایا تھا۔
ارشاد: ”(تو پھر مَیں نے جو بتایا تھا وہ سچ ہے) تم ضرور بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اُس کا طواف کرو گے۔“

بارگاہِ رسالت میں مزید بولنے کی جرأت نہیں تھی، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں خاموش ہو کر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور وہی سوالات دہرائے۔ سوالات وجوابات یوں تھے:

1) فَقُلْتُ: يَا أَبَابَكْرٍ! أَلَيْسَ هٰذَا نَبِيَّ اللهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلٰى! سوال: جناب ابو بکر! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں؟ جواب: کیوں نہیں! وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

2) قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: بَلٰى! سوال: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ جواب: کیوں نہیں! ہم ہی حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔

3) قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا إِذًا؟ قَالَ: أَيُّهَا الرَّجُلُ! إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ، وَهُوَ نَاصِرُهُ، فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهِ فَوَاللهِ إِنَّهُ عَلَى الْحَقِّ۔ سوال: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ جواب: صاحب! یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ اُس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے اور وہ ضرور اُن کا مددگار ہے، تم اُن کے قدم تھامے رکھو، وہ ضرور حق پر ہیں۔

4) قُلْتُ: أَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ وَنَطُوْفُ بِهِ؟ قَالَ: بَلٰى! أَفَأَخْبَرَكَ أَنَّكَ تَأْتِيْهِ الْعَامَ؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيْهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهِ۔ سوال: کیا اُنھوں نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم عن قریب بیت اللہ شریف جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ جواب: کیوں نہیں، فرمایا تھا، لیکن کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ اِسی سال وہاں جائیں گے؟ عرض: نہیں، اِس سال کا تو نہیں فرمایا تھا۔ جواب: (پھر اُنھوں نے جو بتایا تھا وہ سچ ہے) تم ضرور بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اُس کا طواف کرو گے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2731)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اِسی جذبہ کے تحت وہ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان پریشان تھے، مگر حکمت سمجھ نہ آنے کے باوجود کسی ایک نے بھی صلح کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار یا اُس میں تردُّد نہیں کیا اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو سب سے بڑھ کر اطمینان کا مظاہرہ فرمایا، یہ ہمارے لیے تربیت ہے کہ حکمِ خدا اور فرمانِ مصطفیٰ کے سامنے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا، مسلمان کو کسی حکم کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے، بہر صورت وہ کرتا ویسے ہی ہے جیسے کرنے کا اُسے حکم ملتا ہے۔

ہمارے دَور کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ عقل پرستی بھی ہے، لوگ ہر بات کو عقل کے ترازو پر تولنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی ناقص عقل کسی بات کو نہ سمجھ پائے تو اُسے ماننے یا اُس پر عمل کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جذبۂ صحابہ مشعلِ راہ ہے۔

صلحِ حُدیبیہ کا درس... جاہلانہ ضد سے اجتناب

حدیبیہ میں قیام کے دوران قریشِ مکہ کو ہر طرح سے باور کرایا گیا کہ مسلمان لڑائی کے لیے نہیں آئے، صرف عمرہ کا اِرادہ ہے، خود اُن کے سفیروں نے بھی اُنھیں اپنا آنکھوں دیکھا حال بتایا کہ مسلمان مکمل طور پر غیر مسلّح ہیں، اُنھیں مکہ آنے کی اجازت دے دی جائے، لیکن قریش نے اپنی جاہلانہ ضد کو نہ چھوڑا۔

ابھی سفارت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہلِ مکہ نے 80 افراد پر مشتمل ایک دستہ بھیجا؛ تاکہ مسلمان خوف زدہ ہو کر واپس چلے جائیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان کہ جو ٹیم مسلمانوں کو ہراساں کرنے آئی تھی وہ خود مسلمانوں کے نرغے میں آگئی، صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اُن سب کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے حالات کو ساز گار بنانے کے لیے تمام حملہ آوروں کو چھوڑ دیا، اِس کے باوجود کفار اپنی ضد پر اَڑے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی اِس ہٹ دھرمی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ ”(اے حبیب! یاد کریں) جب کافروں نے اپنے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کی ہٹ دھرمی جیسی ضد رکھی تو اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنا اطمینان اُتارا اور پرہیز گاری کے کلمہ پر اُنھیں استقامت عطا کی اور مسلمان اِس کلمہ کے زیادہ حق دار اور اِس کے اہل تھے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔“ [الفتح 48:26]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جاہلانہ تعصّب / بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کو پسند نہیں فرماتا۔ افسوس کہ یہ بیماری ہمارے دَور میں بھی کثرت کے ساتھ مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

- حق واضح ہونے کے باوجود اپنی بات پر اَڑے رہنا اور حق قبول کرنے کو اپنی بے عزتی سمجھنا۔
- دینی مفادات کے برعکس اپنی پارٹی / اپنے لیڈر کی حمایت کرنا۔
- اپنے تعلّق داروں کا بے جا ساتھ دینا۔
- دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرنا۔
- علاقائی، لسانی یا خاندانی بنیادوں پر دوسروں سے نفرت کرنا۔

آیتِ کریمہ سے سبق لیتے ہوئے ہمیں ہر طرح کے تعصّب اور جاہلانہ ضد سے بچنا چاہیے۔ بے جا حمایت کرنے والا خود بھی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے ساتھ والوں کو بھی لے ڈوبتا ہے، جب کہ حق پرست خود بھی محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا لیتا ہے۔

صلحِ حُدیبیہ کا درس... خونِ مُسلم کی حرمت

حدیبیہ میں معاملات کو سُلجھانے کے لیے سرورِ عالَم ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، مذاکرات کا سلسلہ طویل ہو گیا اور وہ کافی دیر تک واپس نہ آئے، اِس دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ سرورِ عالم ﷺ نے صحابۂ ذی شان سے آخری دَم تک جہاد کرنے کی بیعت لی اور ربّ تعالیٰ نے کفار پر رُعب طاری فرما دیا۔[1]

بیعتِ رِضوان سے خونِ مسلم کی عزّت و حرمت بھی معلوم ہوتی ہے؛ کہ بے سروسامانی کے عالَم میں صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان نے یہ نہیں کہا کہ اِس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ہمارے پاس اسلحہ نہیں، اِحرام باندھا ہوا ہے، قربانی کے جانور ساتھ ہیں... بلکہ ایسے ایمانی جذبات کا مظاہرہ کیا کہ ربّ تعالیٰ بھی راضی ہو گیا اور کفار بھی مرعوب ہو کر صلح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

خونِ مسلم کی عزت و حُرمت جانِ عالَم ﷺ کے دیگر متعدد ارشادات سے معلوم ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: «لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔» یعنی "اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کا ناحق قتل پوری دُنیا کی تباہی سے سخت تر ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث:1395) مراد یہ کہ اگر کسی شخص کو پوری دُنیا تباہ کرنے کی قدرت ملے اور وہ ظلم کرتے ہوئے مسلمانوں کے علاوہ پوری دُنیا تباہ کر دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اِس کی سزا کم ہو گی، جب کہ ایک مسلمان کو ناحق قتل کرنے والے کی سزا اِس سے زیادہ ہو گی۔[2] دُنیا کو اِسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان اِس میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، تو مسلمان کو قتل کرنے والے نے دُنیا کے دولہا کی جان ضائع کر کے گویا ساری دُنیا کو تباہ کرنے سے بڑا جُرم کیا۔[3]

بیعتِ رِضوان سے بعض عقل کے اندھے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں؛ کیونکہ اگر غیب جانتے تو یہ بھی معلوم ہوتا کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر محض افواہ ہے، پھر بیعت لیتے ہی نہیں! علما نے فرمایا: بیعتِ رِضوان سے آقا کریم ﷺ کے علم کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ اِس سے علمِ غیب ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ عثمان زندہ ہیں۔ وہ یوں کہ اِس موقع پر آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اِشارہ کر کے فرمایا: هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ۔ "یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔" پھر اُسے اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ۔ "یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔" (صحیح بخاری:3698) زندگی کا علم نہ ہوتا تو اُن کی طرف سے بیعت نہ لیتے۔

---

[1] أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ -حِيْنَ بَلَغَهٗ أَنَّ عُثْمَانَ قَدْ قُتِلَ-: لَا نَبْرَحُ حَتّٰى نُنَاجِزَ الْقَوْمَ. فَدَعَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم النَّاسَ إِلَى الْبَيْعَةِ۔ (السيرة النبوية لابن هشام، ج:2، ص:315)

[2] وَالْمُرَادُ أَنَّهٗ تَعَالٰى لَوْ أَقْدَرَ إِنْسَانًا عَلٰى إِذْهَابِ الدُّنْيَا بِرُمَّتِهَا مِنْ دُوْنِ مَا فِيْهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِذْهَابُهَا ظُلْمًا وَعُدْوَانًا أَهْوَنُ فِيْ عِقَابِ اللهِ مِنَ الْعِقَابِ عَلٰى قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ ظُلْمًا۔ (التنوير شرح الجامع الصغير للأمير الكحلاني، ج:9، ص:36، تحت الحديث:7218)

[3] فَمَنْ حَاوَلَ قَتْلَ مَنْ خُلِقَتِ الدُّنْيَا لِأَجْلِهٖ فَقَدْ حَاوَلَ زَوَالَ الدُّنْيَا۔ (مرقاة المفاتيح، تحت الحديث:3462)

حرفِ آخر... صلحِ حدیبیہ سے حاصل شدہ نکات کی تلخیص

زندگی کے میدان میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں... دولت، آسائش، منصب اور عزت و وقار، سبھی میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، مگر حقیقت میں بندۂ خدا وہ ہے جو کسی بھی حالت میں "بندگی" کے تقاضوں سے غافل نہ ہو سچا غلامِ رسول وہ ہے جو کسی بھی کیفیت میں اِطاعت و فرماں برداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ یہ جذبہ رکھنے والے خوش نصیب کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتے، اِن کی مغلوبیت کو ربّ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ غلبہ میں بدل دیتا ہے اور پستی کو عروج کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

اِس کے برعکس کچے مزاج کے لوگ، جو آسانی میں حکم مان لیں، لیکن اپنی مرضی چھوڑنا پڑے تو مشکل کا بہانہ بنا کر نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں، یہ نہ تو ربّ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں، نہ ہی بلند مقاصد حاصل کرنا اِن کے بس میں ہوتا ہے۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم ﷺ کے حکم پر عمل کرنے اور پھر ربِّ کریم کی طرف سے مہربانیوں کی ایک بہترین مثال صُلحِ حُدَیبِیہ ہے۔ ماہِ ذوالقعدہ 6ھ میں ہونے والے اِس معاہدہ کے وقت نہایت پیچیدہ حالات تھے، مکہ مکرمہ کے ظاہر بین سمجھ رہے تھے کہ وہ کامیاب ہو گئے ہیں اور مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے، مگر سرورِ عالَم ﷺ کی استقامت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کو باری تعالیٰ نے اِس شان کے ساتھ قبول فرمایا کہ یہی معاہدہ "روشن فتح" اور کئی بڑی کامیابیوں کا ذریعہ بن گیا۔

صلحِ حدیبیہ کے ایمان افروز واقعہ سے بے شمار باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں، مثلاً:

1) اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کبھی بھی دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، ہمیشہ تقدیر پر خوش رہنا چاہیے، بعض اوقات انسان کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے، مگر وہ اُس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی بات کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی بات کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" [البقرۃ2:216]

2) معاہدے کی شرائط کی حکمتیں سمجھ نہ آنے کے باوجود صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اُنھیں دل و جان سے قبول کیا۔ اِس میں تربیت ہے کہ حکمِ خدا اور فرمانِ مصطفیٰ کے سامنے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا، مسلمان کو کسی حکم کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے، بہر صورت اُسے ویسے ہی کرنا چاہیے جیسا اُسے حکم دیا گیا ہے۔

3) معاہدہ کے وقت نبیِ کریم ﷺ نے نہایت بردباری سے کام لیا، جب کہ سردارانِ قریش آخری موقع تک اپنی ضد پر اَڑے رہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سلیقے سے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے معاملات کو سُلجھانا سرورِ عالم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے، جب کہ بے جا ضد اور حق واضح ہو جانے کے باوجود ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنا جاہلانہ طریقہ ہے۔

4) شہادتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ پھیلنے پر اصل صورتِ حال معلوم ہونے کے باوجود حکمتِ عملی کے تحت رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی جان کتنی محترم ہے! وہ لوگ جو معمولی ذاتی اختلافات کی وجہ سے لڑنے اور مارنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، اُنھیں اِس سے سبق لینا چاہیے۔ اِسی طرح دُنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو دیکھ کر اپنے مفادات کا تحفّظ کرنے والوں کے لیے بھی اِس میں درسِ عبرت ہے۔

5) جو شخص مشکل میں جان کی پرواہ کیے بغیر فرماں برداری کرتا ہے اُس پر ربّ تعالیٰ کی مہربانیاں بھی نرالی ہوتی ہیں۔ بیعتِ رضوان میں شریک حضرات جانتے تھے کہ اِس وقت کفار سے جنگ چھیڑنا موت کو گلے لگانے کے مترادف ہے، مگر اُنھوں نے دیوانہ وار بیعت کی تو رحمتِ الٰہی نے ایسا نوازا کہ قرآنِ حکیم میں اعلان ہوا: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ ”بے شک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے تو اللہ جانتا تھا جو اُن کے دلوں میں ہے، پس اللہ نے ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔“ [الفتح 18:48]

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

جاں نثارانِ بدر و اُحُد پر دُرود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ اصحابِ بیعتِ رِضوان کے صدقے میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ سے نوازے اور ہمیں بھی حقیقی معنوں میں ”بندہ“ اور ”سچا غلامِ رسول“ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

باری تعالیٰ فلسطین اور کشمیر سمیت دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو عملی طور پر اُن کے لیے کچھ کرنے کی ہمت سے نوازے۔

ربِّ قدیر پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ / 31 مئی 2024ء

بندہ ہونے کے تقاضے
اور
سیرتِ خلیل الرحمٰن

عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

مشمولات

- اِعزازِ بندگی
- بندہ ہونے کا تیسرا تقاضا... معافی مانگنا اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام
- بندہ ہونے کا مفہوم، فضیلت اور تقاضے
- لطفِ بندگی
- بندگی کا پہلا تقاضا... "شکر" اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام
- بندگی کا دوسرا تقاضا... صبر اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَالۡاَبۡصَارِ۔ [صٓ38:45]

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ۔ [الذّٰرِیٰت51: 56]

اللہ جلّ جلالُہٗ نے انسان کو کئی امتیازات وخصائص سے نوازا... اُسے سب سے حسین صورت عطا فرمائی... سیدھے قد وقامت کے ساتھ زمین پر چلنے والا بنایا... دل کی بات کو فصیح الفاظ میں تعبیر کر کے دوسروں کو سمجھانے کی قوّت بخشی... ہاتھ سے پکڑ کر کھانے کا قرینہ عطا کیا.... عقل وشعور دے کر بڑی بڑی چیزوں کو اُس کے تابع کر دیا... اور دیگر کئی اِعزازات سے نواز کر اپنے کلامِ مجید میں چار قسموں کے بعد تاکیدوں کے ساتھ اِرشاد فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔ "بے شک یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا۔" [التین95:4]

ایک خوبی ایسی ہے کہ اگر وہ انسان میں موجود نہ ہو تو مذکورہ تمام امتیازات کے باوجود وہ جانوروں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے[1] اور وہ خوبی موجود ہو تو اِن خصائص کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں اور دونوں جہان کی دیگر بے شمار عزتیں بھی نصیب ہوتی ہیں، وہ خوبی ہے: "اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا"۔ یہی انسان کی پیدائش سے مقصود ہے، یہی اُس کا سب سے بڑا اِعزاز ہے اور یہی دیگر تمام عزتوں کا ذریعہ ہے۔

یقیناً خود کو اللہ کا بندہ کہنا بھی سعادت ہے، مگر لُطف تب ہے جب انسان خود کو بندہ کہنے کے ساتھ ساتھ بندہ بن کر بھی دکھائے اور بندہ ہونے کے تقاضے پورے کرے۔ بلاشبہ ربّ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ ہی اُن میں کوئی کمی ہے، اُس کی رحمتیں آج بھی جوبن پر ہیں، کوتاہی ہماری طرف سے ہی ہے کہ ہم بندہ بن کر رہنے کا سلیقہ بھولتے جا رہے ہیں۔

ہمارے آقا کریم ﷺ کو ربّ تعالیٰ کا بندہ ہونے میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے، باقی تمام بندگانِ خدا اِس بات پر ناز کرتے ہیں کہ وہ خدا کے بندے ہیں اور خالقِ کائنات کو ناز ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اُس کے بندے ہیں۔

شانِ بندگی میں ہمارے آقا کریم ﷺ کے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا مقام بھی بہت نمایاں ہے، آپ نے بھی بندگی کے تقاضے اِس شان سے پورے کیے کہ قیامت تک انسانوں کو آپ کے کردار سے راہ نمائی ملتی رہے گی۔

آج ہمیں اِس بات کی شدت کے ساتھ ضرورت ہے کہ بندہ ہونے کے تقاضے سمجھیں اور اُنھیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں بندگی کے تقاضوں اور سیرتِ سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حوالے سے کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

---

[1] اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ۔ [الاعراف7:179]

بندہ ہونے کا مفہوم، فضیلت اور تقاضے

خلیل الرحمٰن عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سیرتِ طیبہ سے روشنی حاصل کرنے سے پہلے یہ بات جان لیناضروری ہے کہ بندہ ہونے سے کیامراد ہے؟ یہ کتنابڑااعزاز ہے؟ اوراِس کے تقاضے کیاہیں؟

مفہوم: عبدیّت یاعُبودِیّت، یعنی بندہ ہونے کامفہوم ہے: کسی کی تعظیم کرنااوراُس کے سامنے عاجزی کااِظہار کرنا۔ اگرعاجزی کرنے والاعاجزی کی حد کردے اور جس کی تعظیم کررہاہے اُسے معبود سمجھے تواِسے "عبادت" (بندگی) کہتے ہیں۔[1]

فضیلت: اُمّ المؤمنین سیدتناعائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: یَاعَائِشَةُ! لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّهَبِ۔ "اے عائشہ! اگرمَیں چاہوں توسونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔" پھر فرمایا: ایک فرشتے نے میرے پاس آکر کہا: إِنَّ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ، إِنْ شِئْتَ عَبْدًا نَّبِيًّا، وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَّلِكًا۔ یعنی "اللہ تعالیٰ آپ کو سلام عطاکرتا ہے اور اختیار دیتاہے کہ آپ چاہیں تونبی ہونے کے ساتھ بندگی کاوصف رکھیں اور چاہیں تونبوّت کے ساتھ بادشاہی کاوصف اپنالیں (جیسا کہ سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی)۔" چنانچہ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جبریلِ امین عَلَیْہِ السَّلَام کی مشاورت سے وصفِ نبوّت کے ساتھ بندگی (عاجزی) کوپسند فرمایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، حدیث: 541۔ تاریخ دمشق، ج:4، ص:74، رقم:890[2])

بندہ ہونے کے تقاضے: علمانے لکھا: بندے کی نمایاں خوبیاں تین ہیں:

1) نعمت ملے توشکر کرتاہے۔
2) آزمائش آئے توصبر کرتاہے۔
3) گناہ/نافرمانی ہوجائے تومعافی مانگ لیتاہے۔

جس بندے کویہ تین خوبیاں مل جائیں اُس کے لیے سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔[3]

---

[1] اَلْعُبُوْدِيَّةُ: إِظْهَارُ التَّذَلُّلِ، وَالْعِبَادَةُ أَبْلَغُ مِنْهَا؛ لِأَنَّهَا غَايَةُ التَّذَلُّلِ۔۔۔ (المفردات فی غریب القرآن للأصفهانی، ص: 542)
مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: علم القرآن، از حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ، ص:83
آسان الفاظ میں یوں کہاجاسکتاہے کہ شرعی طور پر "عابد" (بندہ) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر اُس کے سامنے حد درجہ کی عاجزی کرے اور اپنی مرضی ختم کرکے ہر کام اپنے مالک جلّ جلالہٗ کی مرضی کے مطابق کرے۔

[2] یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی، حدیث:6710۔ مسند احمد، حدیث:7160)

[3] قال ابن القيم الجوزية: إِذَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ شَكَرَ، وَإِذَا ابْتُلِيَ صَبَرَ، وَإِذَا أَذْنَبَ اسْتَغْفَرَ۔۔۔ فَإِنَّ الْعَبْدَ دَائِمًا يَتَقَلَّبُ بَيْنَ هٰذِهِ الْأَطْبَاقِ الثَّلَاثِ۔ (الوابل الصیب لابن القیم، مقدمہ، ص:5، دار الحدیث)

بندگی کا پہلا تقاضا... "شکر" اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں... انسان کی پیدائش اور اُس کا وُجود بھی مالکِ کریم کا فضل و کرم ہے اور وہ اپنی زندگی اور بعد کے معاملات میں بھی ہر لمحہ اپنے خالق جلّ جلالہٗ کے احسانات کا محتاج ہے۔

بندہ ہونے کا پہلا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات پر اُس کا شکر گزار رہے اور کسی بھی موقع پر ناشکری و احسان فراموشی نہ کرے۔

سیدنا اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو آپ کی تمام اولاد کا نظّارہ کروایا، جب اُنھوں نے دیکھا کہ کوئی مال دار ہے اور کوئی فقیر ہے... کسی کو حُسن و جمال ملا ہے اور کوئی دوسری طرح ہے تو عرض کی: رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ؟ "اے میرے رب! تو نے اپنے تمام بندوں کو یکساں کیوں نہ بنایا (سب کو ایک جیسا نہ بنانے میں کیا حکمت ہے)؟" باری تعالیٰ نے فرمایا: إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أُشْكَرَ۔ "مجھے پسند ہے کہ میرا شکر کیا جائے۔[1]" (مسند احمد، حدیث:21232)

شکر اور سیرتِ خلیل الرحمٰن: ہمارے آقا کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام شکر گزاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ "بے شک ابراہیم تمام اچھی خصلتوں (پسندیدہ اوصاف) کے مالک، اللہ کے فرماں بردار، ہر باطل سے اجتناب کرنے والے تھے اور وہ مشرک نہیں تھے ۝ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے اُنھیں (اپنا نبی اور خلیل بنانے کے لیے) منتخب فرمالیا اور اُنھیں سیدھے راستے (دینِ اسلام) کی ہدایت دی۔" [النحل 16:120، 121]

سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی پوری زندگی مختلف آزمائشوں اور مشکلات و مصائب میں گزری، مگر کتنے لُطف کی بات ہے کہ آزمائشوں کے ہجوم میں اُن کا قلبِ مبارک شکر کے جذبات، زبانِ پاک شکر کے کلمات اور بدنِ اقدس اچھے اعمال سے ایسے آباد رہے کہ باری تعالیٰ نے اُن کے شکر گزار ہونے پر اُن کی تعریف فرمائی ہے۔

کلماتِ شکر: ربّ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ پاک سے ادا ہونے والے شکر کے کچھ حسین کلمات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اولاد کے احسان پر آپ نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ "سب خوبیاں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا ربّ دُعا سننے والا ہے۔" [ابراہیم 14:39]

---

[1] مال دار شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہے اور فقیر شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے فتنے سے بچایا ہے اور حساب میں آسانی رہے گی۔ حسن و جمال والا شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دی ہے اور دوسرا شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حُسن کی آزمائشوں سے بچالیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

تعلیمِ شکر: سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اپنے مالکِ کریم کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اِس کا حکم فرماتے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو آپ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ ”بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں، پس تم اللہ سے رزق طلب کرو اور اُس کی عبادت کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“[العنکبوت 17:29]

ناشکری پر اِظہارِ ناراضی: رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام خبر گیری کے لیے اُن کے ہاں تشریف لائے، اُس وقت وہ گھر میں موجود نہیں تھے، آپ نے اُن کی اہلیہ (اپنی بہو) سے حالات پوچھے تو اُس نے ناشکری اور شکوہ کے کلمات کہے، چنانچہ آپ نے اُسے فرمایا: ”جب آپ کے شوہر (اسماعیل) آئیں تو اُنھیں میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ گھر کی چوکھٹ تبدیل کر دیں (بیوی کو طلاق دے دیں)۔“ سیدنا اسماعیل کو گھر واپس آتے ہی خوشبو سے محسوس ہوا کہ والدِ گرامی تشریف لائے تھے، اہلیہ سے پوچھا تو اُس نے تفصیل بتائی، آپ نے والدِ گرامی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً اُس بیوی کو طلاق دے دی اور کسی دوسری خاتون سے شادی کر لی... کچھ عرصہ بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے، تب بھی وہ گھر میں موجود نہیں تھے، آپ نے اُن کی اہلیہ (اپنی نئی بہو) سے گھر کے حالات پوچھے تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے کہا: نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، رزق وسیع ہے۔ آپ نے برکت کی دُعا سے نوازنے کے بعد فرمایا: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ وَمُرِيهِ يُثَبِّتْ عَتَبَةَ بَابِهِ۔ یعنی ”جب آپ کے شوہر (اسماعیل) آئیں تو اُنھیں میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ گھر کی چوکھٹ تبدیل نہ کریں (موجودہ بیوی کو طلاق نہ دیں)۔“ چنانچہ سیدنا اسماعیل جب گھر آئے تو والدِ گرامی کی خوشبو محسوس کی۔ پوچھا تو اہلیہ نے تفصیل بتائی۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے والدِ گرامی تھے اور اُنھوں نے (تمہاری شکر گزاری پر خوش ہو کر) حکم دیا ہے کہ تمھیں طلاق نہ دوں۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3364)

شکر کی مختلف صورتیں:

باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

1) زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا کرنا۔
2) اعضا کے ذریعے تعظیم و تکریم بجالانا اور اُنھیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے کاموں میں مصروف رکھنا۔
3) نعمتوں کو اُنھیں عطا فرمانے والے کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا آسان بھی ہے اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اِس پر عمل بھی کرتی ہے... تاہم اعضا کے ذریعے تعظیم اور نعمتوں کو ربِّ کریم کی رضا میں استعمال کرنے سے ہم بہت غافل ہیں۔

قرآنِ حکیم کے مطابق شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے؛ لہٰذا ہمیں شکر کی تمام اقسام کو اپنانا چاہیے۔

بندگی کا دوسرا تقاضا... صبر اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا فرماتا ہے اور یہ آزمائشیں بندے کی بھلائی کے لیے ہی ہوتی ہیں؛ تاکہ وہ اِن میں رضائے اِلٰہی پر راضی رہے اور صبر کرے، پھر صبر ورِضا کی برکت سے اُس کے گناہ بخش دیے جائیں، درجے بلند ہوں اور مزید عزتوں سے نوازا جائے۔

صبر کا کیا مطلب ہے؟ کیسے معلوم ہو گا کہ مَیں صبر کرنے والا ہوں یا بے صبرا ہوں؟ علما نے لکھا: صبر میں تین باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں / صبر کے تین ارکان ہیں:

1) دل میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراض ہونے کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ جو اللہ کریم نے مقدر فرمایا ہے انسان اُس پر دل کو خوش رکھے۔
2) زبان پر شکوہ وشکایت کا کوئی لفظ نہ آنے دے۔
3) اعضا سے نافرمانی / گناہ کا کوئی کام نہ کرے۔[1]

اگر آزمائش میں مبتلا شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اِن تینوں کا اہتمام کرے تو اُس کے حق میں زحمت ذریعۂ رحمت ہو جاتی ہے اور ایک مشکل کئی آسانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ یعنی "اور (اے محبوب!) صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے o وہ لوگ کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں o یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے دُرود (خصوصی نوازشات) ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔" [البقرۃ2:155تا157]

صبر اور سیرتِ خلیل الرحمٰن: انسان کی آزمائش مختلف ذرائع سے ہوتی ہے:

⟸ **جان کے ذریعے:** یعنی ایسا موقع آجائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جان قربان کرنی پڑے۔

⟸ **اولاد کے ذریعے:** انسان کو اپنی اولاد سے فطری طور پر شدید محبت ہوتی ہے، چنانچہ آزمایا جاتا ہے کہ وہ اولاد کی خاطر کہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے غافل تو نہیں ہوتا!

⟸ **مال کے ذریعے:** یعنی انسان کو پرکھا جاتا ہے کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔

---

[1] وَالصَّبْرُ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ التَّسَخُّطِ بِالْمَقْدُوْرِ وَحَبْسُ اللِّسَانِ عَنِ الشَّكْوٰى وَحَبْسُ الْجَوَارِحِ عَنِ الْمَعْصِيَةِ، كَاللَّطْمِ وَشَقِّ الثِّيَابِ وَنَتْفِ الشَّعْرِ وَنَحْوِهٖ، فَمَدَارُ الصَّبْرِ عَلٰى هٰذِهِ الْأَرْكَانِ الثَّلَاثَةِ۔ (الوابل الصیب، مقدمہ، ص:5، دار الحدیث)

⟸ وطن کے ذریعے: امتحان لیا جاتا ہے کہ اگر انسان کو اپنے دین کو بچانے کے لیے یا دین کی سربلندی کے لیے وطن چھوڑنا پڑے تو ایسا کرتا ہے یا نہیں!

⟸ اِسی طرح کبھی خوف مسلط کیا جاتا ہے، کبھی معاشی مشکلات آتی ہیں، کبھی غذائی قلّت سے دوچار کیا جاتا ہے اور کبھی پیاروں کی جدائی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے خلیل علیہ السلام کی عزت افزائی کے لیے اُنھیں مختلف آزمائشوں سے دوچار کیا۔ آپ نے اِن سب امتحانات میں صبر اور مالکِ کریم کی رضا پر راضی رہنے کا ایسا شان دار مظاہرہ کیا کہ خود خالقِ کائنات نے قرآنِ حکیم میں آزمائشوں اور اُن میں آپ کی استقامت کا ذکر فرمایا۔ ایک مقام پر اجمالاً سبھی امتحانات میں کامیابی پر تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ ”اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے چند باتوں کے ذریعے آزمایا تو اُس نے اُن (سب) کو پورا کر دیا، اللہ نے فرمایا: میں تمھیں لوگوں کا امام / پیشوا بنانے والا ہوں۔“ [البقرۃ2:124]

جان کی آزمائش: وہ کیسی سخت آزمائش تھی جب خدائی کا دعویٰ کرنے والے ”نمرود“ اور اُس کے تمام لشکروں کے سامنے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تنہا جرأت کے ساتھ توحید کا پیغام دے رہے تھے۔ بادشاہ نے اُنھیں سزا دینے کے لیے ایسی آگ جلائی جیسی شاید انسانوں نے کبھی بھی نہ جلائی ہو، مگر آپ نے نہ تو پیغامِ توحید کو چھوڑا، نہ اُن سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی دل ربّ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی طرف متوجہ ہوا، پھر ربّ تعالیٰ نے بھی اپنے خلیل کی خوب لاج رکھی۔ ارشادِ ربّانی ہے: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔ ”ہم نے فرمایا: اے آگ! تُو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔“ [الانبیا21:69] چنانچہ آگ کی گرمی ختم ہو گئی اور روشنی باقی رہی، اُس نے صرف وہ رسّیاں جلائیں جن سے سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو باندھا گیا تھا۔

بیٹے کی آزمائش: 99 سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو سیدنا اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی صورت میں چاند جیسا بیٹا عطا فرمایا، جب وہ جوان ہوئے تو حکم دیا کہ اِسے اپنے ہاتھ سے ذَبح کر دو، ایک بوڑھے باپ کے دل میں اپنے سہارے، چاند سے بیٹے سے متعلق کتنے ارمان ہوتے ہیں! مگر پیارے خلیل نے اِس موقع پر بھی اپنی چاہتوں کو یوں قربان کیا کہ مالکِ کریم نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا: فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ ”تو جب ان دونوں نے (ہمارے حکم پر) گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا (اُس وقت کا حال نہ پوچھ)، اور ہم نے اُسے ندا فرمائی: اے ابراہیم! بے شک آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں، بے شک یہ ضرور کھلی آزمائش تھی۔“ [الصّٰفّٰت37:103-106]

سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام سے سبق لیتے ہوئے ہمیں بھی صبر و رضا اور استقامت کا عادی بننا چاہیے۔

بندہ ہونے کا تیسرا تقاضا... معافی مانگنا اور سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام

انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور دیگر پیاروں کو ربِّ کریم اپنے فضل سے محفوظ رکھتا ہے، باقی انسانوں سے عموماً گناہ ہو ہی جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کے لیے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے، موت آنے سے پہلے انسان اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرلے تو باری تعالیٰ نہ صرف معاف فرمادیتا ہے بلکہ معافی مانگنے والے سے خوش بھی ہوتا ہے۔

بندہ ہونے کا تقاضا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے مہربان ربّ کے سامنے عاجزی کرتا رہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔

بزرگ فرماتے ہیں: بعض اوقات گناہ کے نتیجے میں رحمتِ الٰہی سے جنت نصیب ہو جاتی ہے اور کئی مرتبہ نیکی جہنم کا ذریعہ بن جاتی ہے... وہ اِس طرح کہ اگر انسان سے گناہ سرزد ہو جائے، پھر وہ اُس پر شرمندہ ہو، سزا سے ڈرتا رہے، اپنے ربّ سے حیا کرتا رہے تو اُمّید ہے کہ یہ عاجزی و شرمندگی قبول ہو جائے گی اور رحمتِ الٰہی سے جنت کا ذریعہ بن جائے گی... جب کہ نیکی کرنے کے بعد اگر انسان خود پسندی اور تکبر میں مبتلا ہو جائے تو نیکی کے نتیجے میں جو کیفیت پیدا ہوئی معاذ اللہ یہ جہنم کا سبب بن سکتی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ رحمتِ عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: طُوبٰی لِمَنْ وَّجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِہِ اسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا۔ یعنی "خوش خبری و مبارک باد ہو اُسے جس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہوگا کہ یہ بکثرت اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر معافی مانگتا تھا۔"

(سننِ ابنِ ماجہ، حدیث:3818)

استغفار اور سیرتِ خلیل الرحمٰن: جلیل القدر نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام گناہوں سے معصوم تھے، اِس کے باوجود آپ کی عاجزی کا یہ عالَم تھا کہ قرآنِ حکیم میں آپ کا اِرشاد مذکور ہے: وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ یعنی "اور (میرا ربّ) وہ (ہے) جس سے مجھے اُمّید ہے کہ قیامت کے دن میری خطائیں بخش دے گا۔" [الشعراء 82:26]

یہ فرمان حقیقت میں لوگوں کو بہت کچھ سکھانے اور اُن کی تربیت فرمانے کے لیے تھا، چنانچہ آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ:

1) ربّ تعالیٰ جس قدر بھی اُونچا مقام عطا فرمائے بہر حال بندے کو "بندہ" بن کر رہنا چاہیے اور اپنے ربّ کے حضور عاجزی کرنی چاہیے۔
2) جب معصوم بارگاہِ الٰہی سے مغفرت کی اُمّید کرتے ہیں تو گناہ گاروں کو بہت زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔
3) انسان ہمیشہ مغفرت کی آس رکھے، تاہم ساتھ خوف بھی ہو، بخشش کا یقین کرکے عمل سے غافل نہ ہو۔

ایک آیتِ کریمہ میں خالقِ کائنات نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عاجزی و بُردباری کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ۔ "بے شک ابراہیم بہت آہ وزاری کرنے والے، بہت حِلم (برداشت کرنے) والے تھے۔" [التوبۃ 114:9]

بلاشبہ اِس پہلو سے بھی سیرتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام منارۂ نور ہے۔

حرفِ آخر... لطفِ بندگی

اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا اور اُس کے حضور عاجزی و انکساری کرنا انسان کے لیے سب سے بڑی عزت ہے، یہ دیگر بے شمار دُنیاوی اور اُخروی اِعزازات کا ذریعہ ہے اور اِسی کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ "اور مَیں نے جن اور انسان اِسی لیے بنائے کہ وہ میری عبادت کریں۔" [الذّٰریٰت 51:56]

آج کے خطبہ میں بندہ ہونے کے تین تقاضوں کا تذکرہ ہوا:

1) بندہ وہ ہے جسے نعمت عطا ہو تو وہ نعمت دینے والے ربّ کا شکر ادا کرے۔ زبان بھی حمد و ثنا میں مصروف ہو، اعضا بھی فرماں برداری کے کاموں میں مشغول ہوں اور نعمت کو نعمت دینے والے کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔
2) بندہ وہ ہے جسے اُس کی بھلائی کے لیے آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو صبر سے کام لے۔ نہ دل میں تقدیر پر ناراضی کی کیفیت پیدا ہو، نہ زبان پر شکوہ و شکایت کا کوئی لفظ آئے اور نہ ہی جسم کے ذریعے گناہ کا کوئی کام سرزد ہو۔
3) بندہ وہ ہے جس سے غلطی ہو جائے تو اپنے مالک سے معافی مانگ لے۔ گناہ پر اصرار نہ کرے، مزید گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، بلکہ جو ہو چکا اُس پر شرمندہ ہو کر آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کرے اور مغفرت کا طلب گار بنے۔

سرورِ عالم ﷺ نے جہاں ہمیں یہ بتایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہاں آپ ﷺ نے عملی طور پر بندگی کے تقاضے اپنا کر یہ بھی سکھایا ہے کہ "بندہ" کیسا ہونا چاہیے۔ وہ ایسے پیارے بندے ہیں کہ شانِ قدرت کو اُن کی بندگی پر ناز ہے۔

قرآنِ عزیز میں اُس عبدِ خاص کا ذکر اِس حسین انداز میں ہے: أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ... "کیا اللہ اپنے محبوب بندے کے لیے کافی نہیں (یعنی یقیناً کافی ہے)۔" [الزمر 36:39]

بندہ بننے کا سلیقہ سیکھنے والوں کے لیے سیرتِ خلیل الرحمٰن سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی منارۂ نور ہے۔ آپ کی ذاتِ اقدس میں بھلائیاں اور خوبیاں یوں جمع ہیں کہ خود خالقِ کریم نے تعریف کرتے ہوئے اپنے کلامِ ازلی میں ارشاد فرمایا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا... "بے شک ابراہیم تمام اچھی خصلتوں (پسندیدہ اوصاف) کے مالک، اللہ کے فرماں بردار، ہر باطل سے اجتناب کرنے والے تھے۔۔۔" [النحل 16:120]

شکر، صبر اور طلبِ مغفرت میں بھی آپ کو اعلیٰ شان عطا ہوئی... آپ خود بھی شکر گزار تھے اور دوسروں کو بھی شکر کی تربیت دیتے تھے... ایسے صابر تھے کہ جان، مال، وطن اور اولاد سب میں آزمائش ہوئی اور وہ ہر امتحان میں اعلیٰ شان کے ساتھ کامیاب ہوئے...

ایسے عاجزی پسند تھے کہ معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔

اُن کی شانِ بندگی کو قبول کر کے ربِّ کریم نے ایسا نوازا کہ اُن کی نسل میں بھی اپنے "پیارے بندے" پیدا فرمائے۔ اُن کے شہزادے، اُن کے پوتے اور بعد والے بھی "خاص بندے" تھے۔

باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۔ "اور ہمارے (خاص) بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو، جو قوّت والے اور بصیرت والے تھے۔" [ص 45:38]

"ہمارے بندوں" اِس کلمہ میں جو لُطف اور چاشنی ہے وہ محبت والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اُن کی شان کس قدر بلند ہے جنھیں خود مالکِ کریم "ہمارے بندے" کہہ کر یاد فرماتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ زندگی کا لُطف بندہ بننے میں ہی ہے۔ ربِّ کریم کے پیاروں نے بندگی کے تقاضے پورے کیے تو مالکِ کریم نے بھی اُن پر بے مثال کرم نوازیاں فرمائیں... افسوس کہ ہم خود کو بندہ کہتے تو ہیں، مگر بندوں والے کام نہیں کرتے۔ ہمارے اندر عاجزی ختم ہونے کے قریب ہے، نعمتوں کو نافرمانی کے کاموں میں استعمال کر کے سخت ناشکری کرتے ہیں، آزمائش میں صبر کر کے ثواب پانے کے بجائے گناہوں میں مبتلا ہو کر مزید وبال اپنے سر لے لیتے ہیں اور غلطی ہو جانے پر معافی بھی فقط زبانی کلامی مانگتے ہیں۔

آج ہم چوہدری صاحب، راجا صاحب، رانا صاحب، بٹ صاحب، جنرل صاحب، چیئرمین صاحب، سردار جی، دانشور، انجینئر، ڈاکٹر، اور بزنس مین.... سبھی کچھ ہیں، نہیں بنتے تو "بندہ" نہیں بنتے، کمی ہے تو اُسی بندگی اور عاجزی میں ہے جو ہماری اصل عزت ہے۔

بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں میں اپنی مرضی کے بجائے اپنے مالک کی مرضی اختیار کریں۔ یہ نہ دیکھیں کہ ہماری ناقص عقل کیا کہتی ہے؟ دنیاوی فائدہ کس میں ہے؟ ظاہری عزت کس میں ہے؟ بلکہ یہ دیکھیں مالک جلّ جلالہٗ کی رِضا کس میں ہے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے آپ کی جائے ہجرت یعنی فلسطین کی صورتِ حال پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ انٹرنیشنل کورٹ نے کئی ماہ کی تحقیقات کے بعد اسرائیلی درندوں کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیتے ہوئے فوری طور پر حملے روکنے کا حکم دیا تھا، اس کے باوجود اسرائیلی حملے جاری ہیں اور گزشتہ چند دنوں میں سینکڑوں بے گناہ افراد شہید ہو چکے ہیں۔

اس صورتِ حال میں امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ اسرائیلی وحشیوں کو لگام ڈالنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائے اور اگر اس کے لیے طاقت کا استعمال ضروری ہو تو اس سے بھی گریز نہ کرے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا بہت مشکل ہو گا۔

۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ/07 جون 2024ء

تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ

(عشرۂ ذوالحجہ و حجِ بیت اللہ کی تعظیم اور اُس کے تقاضے)

مشمولات

- تعظیمِ حُرُمات کا مفہوم اور فضیلت
- تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور عشرۂ ذوالحجہ
- تعظیمِ عشرۂ ذوالحجہ کے تقاضے
- تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور حجِ بیت اللہ
- تعظیمِ حَرَم و حج کے تقاضے
- حج کی فرضیّت سے متعلق اہم اُمور
- تعظیمِ خداوندی سے تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ کا حصول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذٰلِكَ ۚ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۔ [الحج22:30]

انسان جن چیزوں سے متعلق حسّاس (Sensitive) ہوتا ہے اُن کے بارے میں سُستی اور کوتاہی برداشت نہیں کرتا۔ بااختیار افراد حسّاس معاملات میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرنے والے ملازمین کو کڑی سزا دیتے ہیں اور ایسے معاملات میں خصوصًا بادشاہوں کا مزاج زیادہ سخت ہوتا ہے؛ کیونکہ اُنھیں پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

بادشاہِ حقیقی جلّ مجدہٗ نے بعض چیزوں، مقامات، اوقات اور افراد کو عزت و حُرمت عطا کی ہے.... یعنی وہ چاہتا ہے کہ بندے اِن اُمور کو حسّاس سمجھیں اور اِن کی تعظیم و حُرمت کا پورا خیال رکھیں۔

''حُرُماتِ اِلٰہیہ کی تعظیم'' کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے متعلق ربّ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے اُس کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور اُن کا ارتکاب کرنے کی جسارت نہ کی جائے۔

ویسے تو ہر نیکی پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے اور ہر گناہ پر انسان سزا کا مستحق ہوتا ہے، مگر حُرماتِ اِلٰہیہ کی تعظیم پر باقی نیکیوں سے کہیں زیادہ انعام دیا جاتا ہے اور اِن کی بے حُرمتی کا وبال بھی باقی جرائم کی سزا سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ بندے کے لیے دونوں جہان کی بھلائی اِسی میں ہے کہ وہ حُرماتِ الٰہیہ کی تعظیم و تکریم کا خیال رکھے۔ اگر کوئی احمق اُن کی حُرمت کا پاس نہیں رکھتا تو گویا وہ بادشاہِ حقیقی کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۔ ''اور جو اللہ کی حُرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اُس کے لیے اُس کے ربّ کے نزدیک بہتر ہے۔'' [الحج22:30]

ربّ تعالیٰ کے تمام احکام ''حُرُماتِ الٰہیہ'' میں شامل ہیں، البتہ اِن میں بیت اللہ شریف، حرمِ مقدّس اور حج کے ایّام و افعال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔[1]

ربِّ کریم کے فضل سے ماہِ ذوالحجہ کا آغاز ہونے والا ہے، اِس ماہِ مبارک کے دن اور راتیں بھی حُرُماتِ الٰہیہ سے ہیں اور اِس مہینے میں دُنیا بھر سے آنے والے لاکھوں مسلمان ربِّ کریم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حج کی سعادت بھی پاتے ہیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں حُرُماتِ اِلٰہیہ کی تعظیم سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] وَ''الْحُرْمَةُ'' مَا لَا يَحِلُّ هَتْكُهُ، وَبِجَمِيعِ مَا كَلَّفَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٰذِهِ الصِّفَةِ... وعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: اَلْحُرُمَاتُ خَمْسٌ: اَلْكَعْبَةُ الْحَرَامُ وَالْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَالْبَلَدُ الْحَرَامُ وَالشَّهْرُ الْحَرَامُ وَالْمَشْعَرُ الْحَرَامُ۔ (مفاتيح الغيب [التفسير الكبير]، تحت الآية)

تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور عشرۂ ذوالحجہ

جن اوقات کو ربِّ کریم نے عزت وحُرمت عطا فرمائی ہے اُن میں ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں اور راتوں کو نرالی شان حاصل ہے۔

چنانچہ اِن میں اِطاعت وعبادت پر بارگاہِ الٰہی سے باقی ایّام ولیالی کی بہ نسبت زیادہ اجر وثواب عطا کیا جاتا ہے... اور اِن میں گناہوں کا ارتکاب باقی اوقات میں گناہ کرنے سے زیادہ سخت ہے۔[1]

قسم کے ذریعے اِظہارِ عظمت: باری تعالیٰ مختلف ذرائع سے عزت افزائی فرماتا ہے، ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ربِّ کریم جسے عزت دینا چاہے اُس کی قسم ارشاد فرماتا ہے، چنانچہ ایک تفسیر کے مطابق ماہِ ذوالحجہ کی عزت افزائی کے لیے خالقِ کائنات نے اِس کے دنوں اور راتوں کی قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالْفَجْرِ o وَلَيَالٍ عَشْرٍ o وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ o وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ o هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ o

"اور فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم اور جفت اور طاق کی قسم اور رات کی قسم جب وہ گزرے، بے شک اِس میں صاحبِ عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے (تمہیں مرنے کے بعد ضرور اُٹھایا جائے گا)۔" [الفجر 89:1-5]

اِس آیتِ کریمہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ "فجر" سے مراد یکم ذوالحجہ یا دس ذوالحجہ کی صبح ہے... "دس راتوں" سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں... "طاق" سے مراد یومِ عرفہ (9 ذوالحجہ) اور "جفت" سے مراد یومِ نحر (10 ذوالحجہ) ہے[2]... "رات" سے مراد ہر رات یا مُزدلفہ کی (دسویں) رات ہے۔ اِن پانچ چیزوں کی قسم ذکر کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یقیناً اِس میں صاحبِ عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے"، یعنی یہ پانچوں چیزیں عقل والوں کی نظر میں ایسی عظیم الشان ہیں کہ اِن کی قسم سے بات کو پختہ کرنا مناسب ہے۔[3]

ذوالحجہ کے شب وروز، خصوصاً اِس کی ابتدائی راتوں اور دنوں کی عظمت سے متعلق اگر کوئی اور بات نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے کہ باری تعالیٰ نے اِن کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں۔

---

[1] تَضَاعُفُ مَقَادِيْرِ السَّيِّئَاتِ فِيْهِ لَا كَمِّيَّاتِهَا، فَإِنَّ السَّيِّئَةَ جَزَاؤُهَا سَيِّئَةٌ، لٰكِنْ سَيِّئَةٌ كَبِيْرَةٌ جَزَاؤُهَا مِثْلُهَا وَصَغِيْرَةٌ جَزَاؤُهَا مِثْلُهَا، فَالسَّيِّئَةُ فِيْ حَرَمِ اللهِ وَبَلَدِهِ وَعَلٰى بِسَاطِهِ آكَدُ وَأَعْظَمُ مِنْهَا فِيْ طَرَفٍ مِنْ أَطْرَافِ الْأَرْضِ، وَلِهٰذَا لَيْسَ مَنْ عَصَى الْمَلِكَ عَلٰى بِسَاطِ مُلْكِهِ كَمَنْ عَصَاهُ فِي الْمَوْضِعِ الْبَعِيْدِ مِنْ دَارِهِ وَبِسَاطِهِ۔ (زاد المعاد فی هدی خیر العباد لابن القیم: 52/1، مؤسسة الرسالة)

[2] عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: {وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ} [الفجر: 1] «عَشْرُ الْأُضْحِيَّةِ وَ"الْوَتْرُ" يَوْمُ عَرَفَةَ وَ"الشَّفْعُ" يَوْمُ النَّحْرِ۔ (المستدرك علی الصحیحین، رقم الحدیث: 7517۔ مسند أحمد، رقم الحدیث: 14511)

[3] آیتِ کریمہ کی مزید تفسیر اور دیگر اقوال جاننے کے لیے تفسیر تبیان القرآن وغیرہ کا مطالعہ کیجیے۔

اِطاعت پر انعام: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ،[1] يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ، وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ یعنی "ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اِن میں سے ہر ایک دن کا روزہ سال بھر کے (نفلی) روزوں کے برابر ہے اور ہر ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث:758)

تعظیمِ عشرۂ ذوالحجہ کے تقاضے

ذوالحجہ کے ابتدائی شب و روز کی حُرمت کے پیشِ نظر اِن میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ:

1) فرائض کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے؛ کیونکہ کوئی بھی جگہ ہو اور کوئی بھی وقت ہو، فرض سے زیادہ ضروری کچھ نہیں۔ فرائض ربّ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں اور اِن کے ذریعے بے مثال قُرب نصیب ہوتا ہے۔

2) گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے گزشتہ جرائم سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔ ربّ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مجرموں کو سچی توبہ کرنے پر نہ صرف معاف فرماتا ہے، بلکہ اُن سے پیار بھی کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ... "یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" [البقرۃ2:222]

3) ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں کرنی چاہییں، بالخصوص یومِ عرفہ (9ذوالحجہ) کی دُعا بہت مقبول ہے۔

4) ممکن ہو تو اِن دنوں میں روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے؛ روایت کے مطابق سیدِ عالم ﷺ بھی اِن میں روزے رکھتے تھے۔[2] خصوصی طور پر غیرِ حاجی کے لیے یومِ عرفہ (9ذوالحجہ) کا روزہ بہت برکتوں کا حامل ہے۔

5) زبان کو فضول باتوں سے بچاتے ہوئے ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا چاہیے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ حدیثِ مبارک میں یہ الفاظ بھی ہیں: فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّحْمِيدِ۔ یعنی "اِن (ذوالحجہ کے ابتدائی) دنوں اور راتوں میں کلمہ طیبہ، "أَللهُ أَكْبَر" اور "أَلْحَمْدُ لِلّٰه" کثرت سے پڑھو۔" (مسند احمد:5446۔ شعب الإیمان:3474)

⟸ اِن دنوں اور راتوں میں کثرت کے ساتھ تکبیراتِ تشریق کو پڑھنا چاہیے۔

⟸ مستحب ہے کہ ذوالحجہ کے آغاز سے قربانی تک حجامت بنانے اور ناخن تراشنے سے اجتناب کیا جائے، حتّٰی کہ جس نے قُربانی نہیں کرنی اُس کے لیے بھی حجامت سے اجتناب مستحب ہے۔

---

[1] وَرَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ أَفْضَلَ مِنَ الْعَمَلِ فِي هٰذِهِ...» (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 969)

[2] عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ: «أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: صِيَامَ عَاشُورَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ.» (سنن النسائی، رقم الحدیث: 2416۔ مسند أحمد، رقم الحدیث: 26459)

تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ اور حجِ بیت اللہ

ربِّ ذوالجلال نے کعبہ مُشَرَّفہ و حَرَمِ مقدّس کو بھی بے پناہ عزت و حُرمت عطا فرمائی ہے اور حجِ بیت اللہ کو بھی بے حد عظمت وفضیلت سے نوازا ہے۔ ایک طرف قرآن وسنت میں بیان کیے گئے فضائلِ حج کے تذکرہ سے انسان کا دل مچل جاتا ہے اور حجِ بیت اللہ کی آرزو تڑپاتی ہے... دوسری طرف حَرَمِ اقدس اور حج کی بے حُرمتی سے متعلق وعیدوں کے تذکرہ سے جسم کانپ اُٹھتا ہے اور دل زندہ ہو تو سچ مچ دہل جاتا ہے۔

جن خوش نصیبوں کو اِس سال حج کی سعادت نصیب ہو رہی ہے اُن کے لیے تو حج کے فضائل اور اُس کے آداب کو جاننا ضروری ہے ہی... وہ لوگ جو آنے والے سالوں میں حاضری کی اُمّید لیے جی رہے ہیں اُنھیں بھی فضائل وآداب، دونوں پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے؛ تاکہ ابھی سے تربیت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور جب یہ سعادت ملے تب اُس سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکیں۔

حجِ بیت اللہ پر انعامات: احادیثِ طیبہ میں حج کی سعادت پانے والوں کے لیے کثیر فضائل کا تذکرہ ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا روایت کی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ۔ ”اے اللہ! حاجی کی بھی مغفرت فرمادے اور حاجی جس کے لیے استغفار کرے اُس کی بھی بخشش فرمادے۔“ (المستدرک علی الصحیحین: 1612)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ۔ ”تسلسل سے حج اور عمرہ کرو؛ اس لیے کہ یقیناً یہ دونوں غربت اور گناہوں کو ایسے دُور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونا چاندی کی میل دُور کرتی ہے اور حجِ مبرور (مقبول حج) کا ثواب جنت ہی ہے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 810۔ سنن نسائی، حدیث: 2631) ”مقبول حج“ سے مراد یہ ہے کہ حلال کمائی سے، اخلاص کے ساتھ تمام آداب ملحوظ رکھتے ہوئے حج کیا جائے۔

تیسری صدی ہجری کے معروف بزرگ حضرت علی بن مُوَفَّق علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجھے حجِ بیت اللہ کی سعادت ملی، کعبہ مُشَرَّفہ کا طواف کیا، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، دو رکعات ادا کیں، پھر کعبہ شریف کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر روتے روتے میری زبان پر آیا: مجھے کتنی ہی مرتبہ بیت اللہ کی حاضری نصیب ہوئی ہے، مگر نہ جانے وہ مقبول ہے یا نہیں! فرماتے ہیں: مجھے ہلکی سی نیند آئی اور سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں مَیں نے ایک غیبی آواز سنی: يَا عَلِيَّ بْنَ الْمُوَفَّقِ! قَدْ سَمِعْنَا مَقَالَتَكَ، أَفَتَدْعُوْ أَنْتَ إِلَى بَيْتِكَ إِلَّا مَنْ تُحِبُّ! یعنی اے علی بن موفّق! تم اپنے گھر میں اُسی کو دعوت دیتے ہو ناں جو تمہیں محبوب ہو! یوں ہی مَیں بھی اپنے گھر میں اُسے ہی بلاتا ہوں جو مجھے پیارا ہوتا ہے۔ (الروض الفائق، مجلس: 8، ص: 53، شرکۃ ومطبعۃ مصطفی البابی وأولادہ، مصر)

تعظیمِ حَرَم وحج کے تقاضے

ربِّ کریم نے اپنے مبارک گھر، اپنے حرمِ اقدس اور حجِ بیت اللہ کو بے پناہ عزت و حُرمت سے نوازا ہے۔ اِس اعتبار سے حاجیوں اور دُنیا بھر کے تمام مسلمانوں پر چند چیزوں کا لحاظ کرنا بے حد ضروری ہے:

محبت وتعظیم: انسان کو حج وعمرہ کی سعادت ملے یا ابھی اِس کے انتظار میں ہو، بہر حال اُس کے دل ودماغ میں حرمِ اقدس اور مدینہ منوّرہ کی دیوانہ وار محبت بھی ہونی چاہیے اور اِن کا حد درجہ احترام بھی ہونا چاہیے۔[1]

محبت و تعظیم اتنی بڑی سعادتیں ہیں کہ بزرگوں نے لکھا: كَمْ مِنْ رَجُلٍ بِأَرْضِ خُرَاسَانَ[2] أَقْرَبُ إِلَى هٰذَا الْبَيْتِ مِمَّنْ يَطُوْفُ بِهٖ۔ یعنی دُنیا کے دُور دراز علاقوں میں رہنے والے کئی لوگ طواف کرنے والوں سے زیادہ بیت اللہ کے قریب ہوتے ہیں۔

(قوت القلوب للشیخ أبی طالب المکی، ج:2، ص:203، دار الکتب العلمیۃ)

وجہ بالکل واضح ہے؛ کہ اگر ایک شخص حرمِ اقدس میں پہنچ کر ادب ومحبت کے تقاضے پورے نہ کرے تو کعبۂ مُشَرَّفَہ کے انوار وتجلیات کہاں نصیب ہوں گے! جب کہ دوسرا شخص پاکستان میں رہتے ہوئے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منوّرہ کی یاد میں تڑپتا ہو اور اُس کا دل اِن کی تعظیم سے لبریز ہو تو اُسے رحمتِ الٰہی سے حَرَمَین شَرِیفَین کی برکتیں وافِر مقدار میں عطا ہوں گی۔

یکسوئی: ربِّ تعالیٰ زندگی میں جب بھی حج وعمرہ کی سعادت عطا فرمائے انسان کو بارگاہِ الٰہی میں یکسوئی کے ساتھ حاضر ہونا چاہیے اور لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْك (اے اللہ مَیں حاضر ہوں) کا حقیقی لُطف اُٹھانا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ جسم حرم میں ہو اور دل پاکستان میں! یہی بات کسی بھی مسجد میں حاضری کے وقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔

بزرگوں نے لکھا: لَأَنْ تَكُوْنَ بِبَلَدِكَ وَقَلْبُكَ مُشْتَاقٌ مُتَعَلِّقٌ بِهٰذَا الْبَيْتِ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَكُوْنَ فِيْهِ وَأَنْتَ مُتَبَرِّمٌ بِمَقَامِكَ أَوْ قَلْبُكَ مُتَعَلِّقٌ إِلٰى بَلَدٍ غَيْرِهٖ۔ یعنی تم کعبۂ مُشَرَّفَہ کے اندر ہو اور تمہارا دل کہیں اور ہو اِس سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے شہر میں ہو اور تمہارا دل کعبہ کی یاد میں تڑپ رہا ہو۔ (المدخل للشیخ ابن الحاج، ج:4، ص:243، دار التراث)

سیلفی بنانا ایک عالَمی بیماری بن چکی ہے، لوگ حرمَین شریفَین میں پہنچ کر بھی اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اُن کی تصویریں دوست احباب تک پہنچتی رہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ زائرینِ حرم یہ وقت عبادت اور اپنے دوستوں کے لیے دعا میں صَرف کریں!

---

[1] دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:688 تا 698

[2] "خراسان" ایران کا ایک صوبہ ہے، جس کا بطورِ مثال ذکر کیا گیا ہے۔

گناہوں سے اجتناب: حَرَمِ اقدس کی حُرمت وعزّت کی وجہ سے جہاں اُس میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے، وہاں اُس میں گناہ کا ارتکاب کرنا بھی اُتنا ہی زیادہ سخت ہے۔ چنانچہ ہمیں اب سے ہی گناہوں کو چھوڑ دینا چاہیے؛ تاکہ جب حاضری نصیب ہو تو گناہوں کی نحوست کہیں پورے سفر کو بے کار نہ کر دے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خالقِ کائنات نے بہت عزتوں سے نوازا، وہ سرورِ عالم ﷺ کے محبوب چچازاد ہیں، اُن کے لیے آقا کریم ﷺ نے متعدد مرتبہ دُعا فرمائی، وہ اُمّت کے اکابر فقہا اور پہلے مفسرین میں سے ہیں۔ اُنھوں نے آخری عمر شریف میں طائف (مکہ مکرمہ کے قریب حدودِ حرم سے باہر ایک جگہ) کے اندر رہائش اختیار فرمالی اور وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَأَنْ أُذْنِبَ خَمْسِيْنَ ذَنْبًا بِرُكْبَةٍ[1]... أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُذْنِبَ ذَنْبًا وَاحِدًا بِمَكَّةَ۔ یعنی مکہ میں ایک گناہ ہو جائے تو مجھے اُس کی فکر کسی دوسری جگہ کے پچاس گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ (فتح القدیر لابن الہمام، ج:3، ص:179) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے آپ کا یہ ارشاد نقل کرکے لکھا: وہ حضرات گناہوں سے بچتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں گناہ ہو نہ جائے... ہمارے دَور کے لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں، پھر بھی خود کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:693، ملخصًا)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دُنیا میں کہیں بھی بُرائی کے اِرادے پر گرفت نہیں ہوتی (برائی کرنے پر گناہ ہوتا ہے)، جب کہ مکہ مکرمہ میں برائی کے ارادے پر بھی گرفت ہوتی ہے۔[2]

بے حُرمتی پر وعید: حُرُماتِ الٰہیہ کی بے توقیری پر متعدد آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیبہ میں وعید فرمائی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے: لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ[3] حَقَّ تَعْظِيْمِهَا، فَإِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ، هَلَكُوْا۔ یعنی "میری اُمّت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی جب تک وہ بیت اللہ شریف اور حرمِ اقدس کی کماحقُّہٗ تعظیم کرتی رہے گی، جب وہ اِس کی حُرمت کا تحفّظ نہیں کرے گی تو تباہ ہو جائے گی۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3110، اِسنادہٗ ضعیف) دُنیا میں تباہی یوں ہوگی کہ اُن پر دشمن مسلّط ہو جائے گا اور مصیبتیں آئیں گی، جب کہ آخرت میں تباہی اِس طرح ہوگی کہ دردناک عذاب میں گرفتار ہوں گے۔[4]

---

[1] طائف کے قریب ایک جگہ کا نام رُکبَہ ہے۔

[2] عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: مَا مِنْ بَلْدَةٍ يُؤْخَذُ الْعَبْدُ فِيْهَا بِالْهِمَّةِ قَبْلَ الْعَمَلِ إِلَّا مَكَّةَ، وَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: {وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ} [الحج22: 25] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، تحت الحدیث: 2725)

[3] هٰذِهِ الْحُرْمَةَ: أَيْ: حُرْمَةَ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ)

[4] هلكت هذه الأمة في الدنيا والآخرة بتسليط أعدائهم عليهم، وإنزال الشدائد عليهم؛ من الوباء والقحط والأمراض، وفي الآخرة بالعذاب الأليم۔ (شرح سنن ابن ماجہ للبوصیری، تحت الحدیث)

حج کی فرضیّت سے متعلق اہم اُمور

سعادتِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے اِس بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ حج کس مسلمان پر فرض ہوتا ہے؟

کس پر فرض ہے؟ وہ عقل مند، بالغ مسلمان جس کے اعضا سلامت ہوں اور اُس کے پاس بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ اتنا مال ہو کہ سفری اخراجات ادا کرنے کے ساتھ ساتھ واپسی تک کے لیے گھر والوں کو درمیانے درجے کا خرچ دے سکے، اُس پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، حتّٰی کہ اگر ضرورت سے زیادہ چیزیں بیچ کر حج کر سکتا ہو تو ایسا کرنا بھی لازم ہے۔

کب فرض ہے؟ جب مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو اُسی سال حج کے لیے جانا فرض ہے اور تاخیر کرنا گناہ ہے۔ جو شخص شرائط پائے جانے کے باوجود چند سال تک حج نہ کرے وہ فاسق ہے اور اُس کی گواہی مردود ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حبانِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ (سنن ابو داوٗد، حدیث: 1732) وفی روایۃ: تَعَجَّلُوْا إِلَى الْحَجِّ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهٗ۔ (مسند احمد، حدیث: 2867) یعنی "جس پر حج فرض ہو وہ جلدی کرے، نہ جانے آنے والے سال کیا صورتِ حال ہو گی! (زندہ رہے گا یا نہیں! جا سکے گا یا نہیں!)"

نوٹ: اگر کسی شخص کے پاس مال موجود تھا مگر معاذ اللہ سستی کی اور حج ادا نہ کیا، پھر حالات بدل گئے اور مال میسّر نہیں رہا تو اُس پر لازم ہے کہ قرض لے کر حج کے لیے جائے۔ اگر خدانخواستہ یہ شخص حج پر نہ جا سکا یا جانے سے معذور ہو گیا اور یہ عذر ختم ہونے کی اُمید نہیں تو اِس پر حجِ بدل کرانا یا اِس کی وصیت کرنا لازم ہے۔[1]

حج میں سستی کرنے والے کی آرزو: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآنِ حکیم کی ایک آیتِ کریمہ[2] کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرے یا زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ موت کے وقت آرزو کرے گا کہ کاش اُسے کچھ مہلت مل جائے اور وہ اپنا فریضہ ادا کر لے۔[3] (الجامع لاحکام القرآن، للقرطبی)

---

[1] حجِ بدل سے متعلق مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے: بہارِ شریعت، ج: 1 (ب)، ح: 6، ص: 1201 تا 1210

[2] وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ "اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو، اِس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں ہوتا اور جب کسی شخص کی مقررہ مدت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اُس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز مؤخر نہیں کرتا اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے۔" [المنٰفقون 63: 10، 11]

[3] مَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ يُبَلِّغُهٗ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهٖ أَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ زَكٰوةٌ فَلَمْ يَفْعَلْ، سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ۔

حرفِ آخر... تعظیمِ خداوندی سے تعظیمِ حُرُماتِ الٰہیہ کا حصول

مسلمان پر فرض ہے کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور محبت سب سے زیادہ ہو، یہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے اور ایمان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

جس خوش نصیب کا دل باری تعالیٰ کی تعظیم و محبت سے آباد ہو وہ رسولِ خدا ﷺ کا بھی دل و جان سے ادب کرتا ہے، اُس کے دل میں محبوبانِ خدا کی تکریم بھی ہوتی ہے اور اُسے حُرُماتِ الٰہیہ کی عزت و حُرمت کا بھی خیال ہوتا ہے... لیکن اگر خدانخواستہ کسی بدنصیب کے کرتوتوں کی وجہ سے اُس کا دل تعظیمِ الٰہی سے محروم ہو جائے تو محبوبِ خدا ﷺ کی عظمت بھی دل میں جلوہ گر نہیں رہتی، مقبولانِ بارگاہ کا احترام بھی ختم ہو جاتا ہے اور اُسے حرماتِ الٰہیہ کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

حُرماتِ الٰہیہ کی تکریم دونوں جہان کی بھلائیوں کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ ”اور جو اللہ کی حُرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اُس کے لیے اُس کے ربّ کے نزدیک بہتر ہے۔“[الحج 22:30]

آج ہم دن رات گناہوں میں مصروف ہیں اور اِس پر شرمندگی بھی نہیں، ڈرنا چاہیے کہ کہیں دلوں میں تعظیمِ الٰہی کی کمی تو نہیں!

پرورۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعَرِ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمُوبِقَاتِ۔» یعنی تم لوگ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں (اُنھیں معمولی سمجھتے ہو)، حالانکہ ہم اِنھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں ہلاک کر دینے والے گناہ شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6492)

ربّ تعالیٰ کے تمام احکام ”حُرُماتِ الٰہیہ“ میں شامل ہیں، البتہ اِن میں بیت اللہ شریف، حرمِ مقدّس اور حج کے ایّام و افعال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

آج کے خطبہ میں عظیم الشان حُرُماتِ الٰہیہ، یعنی ذوالحجہ کے ابتدائی شب و روز اور حجِ بیت اللہ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1) ذوالحجہ کے ابتدائی ایّام کی خوب قدر کرنی چاہیے۔ چنانچہ اِن دنوں میں:

- فرائض کی سختی سے پابندی کریں۔
- حرام کاموں سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے گزشتہ گناہوں سے سچی توبہ کریں۔
- ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں کریں۔

- روزوں کا اہتمام کریں۔
- زبان کو فضول باتوں سے بچاتے ہوئے ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھیں، خصوصًا کثرت سے تکبیراتِ تشریق پڑھیں۔
- مستحب ہے کہ ذوالحجہ کے آغاز سے قربانی تک حجامت بنانے اور ناخن تراشنے سے اجتناب کریں۔

2) حجِ بیت اللہ کی آرزو سے دل کو آباد رکھیں اور اِس سلسلے میں ابھی سے تربیت حاصل کریں، چنانچہ:

❖ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منوّرہ کی تعظیم اور محبت بڑھائیں۔ محبت و تعظیم ہو تو حاضری کے بغیر بھی برکتیں نصیب ہوتی ہیں، لیکن پیار اور ادب نہ ہو تو بہت مرتبہ حاضری بھی بے کار ہو جاتی ہے۔

❖ نماز میں یکسوئی کی عادت ڈالیں؛ تاکہ اِس کی برکت سے حاضریٔ حَرَمَین شریفَین میں بھی یکسوئی نصیب ہو۔

❖ بدنگاہی، فضول گوئی، ریاکاری، خود پسندی اور دیگر بُری عادتیں ابھی سے چھوڑیں، ورنہ وہاں جاکر اِن سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

حجِ بیت اللہ سمیت کسی بھی عبادت کا حقیقی نور تبھی نصیب ہوتا ہے جب اُس کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دِل، وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے[1]

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہمیں حرماتِ الٰہیہ کی تعظیم و تکریم کا جذبہ عطا فرمائے، حج و عمرہ کی سعادتوں سے بھی مشرَّف فرمائے اور ذوالحجہ کے اِن دنوں اور راتوں سے بھی خوب برکتیں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باری تعالیٰ فلسطین اور کشمیر سمیت دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو عملی طور پر اُن کے لیے کچھ کرنے کی ہمت سے نوازے۔

ربِّ قدیر پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔ آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] یعنی اے مسلمان! تیرے خون میں ایمانی حرارت نہیں ہے، تیرے سینے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز دل اور قربِ الٰہی کی آرزو نہیں ہے۔ نماز، روزہ، قربانی اور حج وغیرہ عبادات تو اب بھی جاری ہیں، مگر اے مسلمان! تیرا جذبہ باقی نہیں ہے۔

۷ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ/14 جون 2024ء

یومِ عرفہ اور قربانیاں
اللہ کریم کی نشانیاں

مشمولات

- "شعائر اللہ" کا مفہوم اور اُن کی تعظیم
- قربانی کی اقسام
- یومِ عرفات... ذریعۂ برکات
- قربانی کس پر واجب ہے؟
- قربانی... دینِ اسلام کی نشانی
- ایّامِ ذوالحجہ میں تعظیمِ شعائر اللہ کے تقاضے
- مسائلِ قربانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

ذٰلِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ۔[الحج22:32]

ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی تعظیم و توقیر ہر چیز سے بڑھ کر ہو، پھر باری تعالیٰ نے جن ہستیوں اور جن اُمور کی محبت و تعظیم کا حکم دیا ہے مالکِ کریم کے حکم کے پیشِ نظر اُن ہستیوں اور اُن اُمور سے والہانہ محبت بھی کی جائے اور اُن کا پورا اِعزاز واِکرام بھی کیا جائے۔

حکمِ الٰہی کے پیشِ نظر جن اُمور کی تعظیم و تکریم لازم ہے اُنھیں "شَعَائِرُ اللہ" کہا جاتا ہے۔ "شَعَائِر" عربی زبان کا لفظ ہے، اِس کا مأخذ "شِعَار" اور "شَعِیْرَۃ" ہے۔ شِعَار کا ایک معنی "نشانی" ہے۔ جو چیز کسی دین یا مذہب کی امتیازی شناخت / پہچان بن جائے اور اُس دین کا شُعور دلائے وہ اُس دین کا شِعَار کہلاتی ہے۔ چنانچہ جو اُمور دینِ اسلام کی پہچان ہیں... جو حق اور باطل میں فرق کرنے والے ہیں... جو اللہ تعالیٰ کی ذات یا اُس کی کسی صفت یا عبادت کی نشانی ہیں، وہ "شعائرِ اسلام" اور "شعائر اللہ" ہیں۔[1]

قرآن و سنت میں بار بار شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: ذٰلِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ۔ "یہی حق ہے اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔" [الحج22:32] یعنی شعائر اللہ کی تعظیم کرنا اِس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو تقوٰی کی دولت عطا فرمائی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآنی حکم ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ... "اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو..." [المائدۃ5:2]

عرفہ کا میدان اور عرفہ کا دن شعائر اللہ سے ہیں، اِسی طرح جمعۃ المبارک، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن شعائر اللہ سے ہیں، یوں ہی وہ جانور جن کو رضائے الٰہی کے لیے قربان کیا جاتا ہے وہ بھی شعائر اللہ سے ہیں۔

ہماری خوش نصیبی ہے کہ اسلام نے ان اوقات و اُمور کو مقدس قرار دے کر ہمیں یہ موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم اِن کی تعظیم و تکریم کر کے دونوں جہان کی بھلائیاں اور برکتیں حاصل کریں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں یومِ عرفہ، قربانی اور تکبیراتِ تشریق سے متعلق کچھ اُمور کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] شعائر اللہ سے متعلق مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے: "اللہ کی نشانیاں"، مشمولہ در ماہنامہ فیضانِ مدینہ، شمارہ اگست 2020ء

یومِ عرفات... ذریعۂ برکات

ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہی شعائر اللہ سے ہے اور قابلِ احترام ہے، بالخصوص اِس کے پہلے دس دنوں اور راتوں کی بہت عظمت ہے، اِن میں یومِ عرفہ (9ذوالحجہ) اور یومِ عید الاضحیٰ کی شان نرالی ہے۔ یومِ عرفہ کو حجاجِ کرام حج کا رکنِ اعظم "وُقوفِ عرفہ" ادا کرتے ہیں۔ اِس دن ربّ تعالیٰ کی رحمت جوش پر ہوتی ہے، وہ بندوں کو مغفرت سے بھی نوازتا ہے اور دُعائیں بھی قبول فرماتا ہے۔ یہ انعام واکرام فقط حاجیوں پر ہی نہیں ہوتا، اُن کی برکت سے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو نوازا جاتا ہے۔

شیطان کی ذلت: حضرت طلحہ علیہ الرحمہ نے سرورِ عالم ﷺ سے روایت کیا: «مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا رَأَى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوبِ الْعِظَامِ، إِلَّا مَا رَأَى يَوْمَ بَدْرٍ۔»[1] یعنی "عرفہ کے دن شیطان سب سے زیادہ ذلیل ورسوا، دھتکارا ہوا، حقیر اور غصے سے بھرا ہوتا ہے، اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے (ہر خاص وعام پر) ربّ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ البتہ بدر کے دن وہ اِس سے بھی زیادہ ذلیل ہوا تھا۔" (موطا امام مالک، حدیث:245۔ شعب الایمان، حدیث:3775)

بہترین دُعا: سرکارِ دوجہاں ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے[2]: «خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ[3]، وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔» یعنی "بہترین دُعا یومِ عرفہ کی دعا ہے (اِس کا ثواب عظیم تر ہے اور یہ بہت جلد قبول ہوتی ہے)، میرا اور مجھ سے پہلے انبیا کا بہترین کلام یہ ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث:3585)

روزہ کا اجر: سیدنا ابو قتادہ حارث بن رِبعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ۔ یعنی "مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمّید ہے کہ یومِ عرفہ (9ذی الحج) کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے (صغیرہ) گناہوں کو مٹادے گا۔" (صحیح مسلم، حدیث:1162)

---

[1] قِيلَ وَمَا رَأَى يَوْمَ بَدْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «أَمَا إِنَّهُ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ۔

[2] عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدّہ مرفوعا...

[3] لِأَنَّهُ أَجْزَلُ إِثَابَةً وَأَعْجَلُ إِجَابَةً۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث:2598)

قربانی... دینِ اسلام کی نشانی

قرآنِ حکیم نے تصریح کے ساتھ جن چیزوں کو شعائر اللہ قرار دیا اُن میں قربانی کے جانور بھی شامل ہیں۔ اِن جانوروں کے ذریعے ایک ایسی عبادت سرانجام پاتی ہے جو اسلام کی نشانی ہے اور گزشتہ کئی آسمانی ادیان کا حصہ رہی، چنانچہ یہ جانور بھی شعائرِ اسلام اور شعائر اللہ سے ہیں۔ اِن کی تعظیم و تکریم اور رضائے الٰہی کے لیے اِنھیں قربان کرنے پر بارگاہِ الٰہی سے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ... "قربانی کے بڑی جسامت والے جانوروں (اُونٹ اور گائے) کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا، تمہارے لیے اِن میں بھلائی ہے۔۔۔"[1] [الحج 36:22]

آیتِ کریمہ میں اِس بات کا بھی ذکر ہے کہ قربانی کے جانور شعائر اللہ سے ہیں اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قربانی کرنے والے کے لیے اِن جانوروں میں بھلائی ہے۔ "بھلائی" کیا ہے؟ مفسرینِ کرام نے لکھا: دُنیا کی بھلائیاں بھی ہیں اور آخرت کی بھی:[2]

⟸ دُنیا میں خیر و بھلائی یہ ہے کہ قربانی کے لیے متعین کرنے سے پہلے اُس کا دودھ پیتے ہیں، اُون استعمال کرتے ہیں، سواری کرتے ہیں، تاہم قربانی کے لیے متعین کرنے کے بعد شدید ضرورت کے بغیر ایسا نہیں کرسکتے۔ پھر ذبح کرنے کے بعد اُن کا گوشت کھاسکتے ہیں اور کھال استعمال کرسکتے ہیں (اگرچہ اپنے لیے بیچ نہیں سکتے)۔

⟸ اور آخرت کی خیر و بھلائی میں سے یہ ہے کہ اِن جانوروں کی قربانی پر ربّ تعالیٰ اپنی رضا سے بھی نوازتا ہے، بے شمار نیکیاں بھی عطا فرماتا ہے اور روزِ قیامت یہ جانور بطورِ سواری بھی عطا فرمائے گا۔

قربانی کی فضیلت میں کوئی اور آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارک نہ بھی ہوتی تو اِس کی فضیلت کے لیے یہی کافی تھا کہ ربّ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قربانی کا شوق دلانے کے لیے فرمایا کہ "اِن میں تمہارے لیے فائدے ہیں"[3] اور "اِن میں تمہارے لیے بھلائی ہے"۔

جلیل القدر تابعی حضرت صَفْوان بن سُلَیم رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے گئے، اُن کے پاس فقط سات دینار تھے، اُنھوں نے اُن سے جانور خرید کر قربانی کی۔ کسی نے کہا: آپ کے پاس صرف یہی مال تھا جس سے قربانی خرید لی ہے (باقی ضروریات کیسے پوری ہوں گی)! فرمانے لگے: إِنِّي سَمِعْتُ اللهَ عز وجل يَقُوْلُ: لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ۔ یعنی مَیں نے ربّ کا فرمان سنا ہے کہ قربانی کے جانوروں میں تمہارے لیے بھلائی ہے (مَیں نے وہ بھلائی حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا جس کا ربّ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے)۔ (حلیۃ الأولیاء: 3/160۔ الدر المنثور، تحت الآیۃ)

---

[1] یاد رہے کہ آیتِ کریمہ میں "ہدی" (حرم کی قربانی) کا تذکرہ ہے، مگر اِس سے دیگر قربانیوں کی فضیلت بھی ثابت کی جاسکتی ہے۔

[2] وَالصَّوَابُ عُمُوْمُهُ فِيْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (الجامع لأحکام القرآن [تفسیر القرطبی]، تحت الآیۃ)

[3] لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى... [الحج 22:33]

مسائلِ قربانی

مسلمان کو اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کا علم حاصل کرنا فرض ہے، چنانچہ ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قربانی سے متعلق ضروری مسائل سیکھے؛ تاکہ یہ شرعی حکم صحیح طریقے سے پورا کر سکے۔

قربانی کی اقسام: قربانی کی دو قسمیں ہیں:

1) جو حج کے شکرانے میں حاجیوں[1] پر لازم ہوتی ہے، اِسے هَدْی کہتے ہیں۔

2) جو دُنیا بھر کے صاحبِ حیثیت مسلمانوں پر لازم ہوتی ہے، اِسے اُضْحِیَّہ کہا جاتا ہے۔

بعض فتنہ پرور افراد کم علم مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ قربانی کا حکم صرف حج کرنے والوں کے لیے ہے، حالانکہ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی قربانی، یعنی هَدْی ایک الگ عبادت ہے اور اُضْحِیَّہ ایک الگ عبادت ہے، حتّٰی کہ جو حاجی حج کے دنوں میں مُقیم ہو (مسافر نہ ہو) اور صاحبِ نصاب ہو تو اُس پر دو جانوروں کو ذبح کرنا لازم ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ، يُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد تقریباً دس سال ظاہری حیات شریف میں رہے، ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی:1507)

نوٹ: درج ذیل مسائل اُضحیہ سے متعلق ہیں، ہَدی کے احکام اِس سے مختلف ہیں۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی[2] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔

نوٹ: لاہور میں چاندی کی حالیہ (13 جون، 2024ء کی) قیمت کے مطابق قربانی کا نصاب تقریباً 144,300 روپے ہے۔

سونے کا اعتبار ہے یا چاندی کا؟ اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہو، اِس کے علاوہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو تو 7.5 تولے (87.48 گرام) سونا ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہے، البتہ اگر سونے کے ساتھ چاندی / کرنسی یا دیگر چیزیں موجود ہوں تو سونے

---

[1] حجِ تمتّع یا حجِ قران کرنے والے۔

[2] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، گھر کا ضروری سامان، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

اور ضرورت سے زائد دیگر تمام چیزوں کی مالیت کو جمع کیا جائے گا، مجموعہ 612 گرام چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہے۔[1]

زکوٰۃ اور قربانی کے نصاب میں فرق: زکوٰۃ اور قربانی کے نصاب میں دو بنیادی فرق ہیں:

- زکوٰۃ کی ادائیگی صاحبِ نصاب بننے کے ایک سال بعد فرض ہوتی ہے، جب کہ قربانی واجب ہونے کے لیے سال گزرنا شرط نہیں۔ قربانی کے تین دنوں میں کسی بھی وقت مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو قربانی واجب ہے۔
- زکوٰۃ صرف بڑھنے والے اموال (سونا چاندی بشمول نقدی (Cash) اور سامانِ تجارت) پر لازم ہوتی ہے، جب کہ قربانی واجب ہونے کے لیے بڑھنے والا مال ضروری نہیں۔ قربانی کے نصاب میں بنیادی ضروریاتِ زندگی سے زائد تمام چیزیں شمار کی جاتی ہیں، چاہے وہ زیرِ استعمال ہوں یا نہ ہوں، مثلاً: خالی پلاٹ، ضرورت سے زائد گھر، سواریاں اور ملبوسات، کرایہ پر دیا ہوا مکان، اضافی کتابیں وغیرہ، جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:361۔ بہارِ شریعت، ج:3، ص:334)

وجوب سے متعلق چند اہم مسائل:

☆ اگر قربانی واجب ہو تو جانور ذبح کرنا لازم ہے، جانور کی قیمت صدقہ کرنا کافی نہیں، بلکہ ایسا کرنے والا شخص واجب چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہے۔ صاحبِ نصاب کے لیے قربانی سے افضل کوئی صدقہ نہیں۔

☆ قربانی گھر میں صرف ایک شخص یا صرف مَردوں پر ہی واجب نہیں، بلکہ گھر میں جتنے مَرد و عورت صاحبِ نصاب ہوں (مثلاً: بیوی کے پاس زیورات یا نقدی ہو، گھر میں کئی افراد کی آمدن ہو اور سب اپنی اپنی چیزوں کے مالک ہوں تو) سب پر الگ الگ قربانی واجب ہے۔

☆ جو شخص صاحبِ نصاب ہے مگر وقتی طور پر اُس کے پاس نقد رقم (Cash) موجود نہیں، اُس پر کوئی چیز بیچ کر یا قرض (Loan) لے کر قربانی کرنا لازم ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:370۔ فتاوٰی امجدیہ، ج:3، ص:315، مکتبہ رضویہ)

☆ جس شخص نے قربانی کی منت (Vow) مانی ہو اُس پر ہر صورت میں قربانی کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہو۔

☆ ذبح سے پہلے قربانی کا جانور مر جائے یا گم ہو جائے یا اُس میں کوئی بڑا عیب (Defect) پیدا ہو جائے، تو صاحبِ نصاب پر دوسرا جانور خرید کر ذبح کرنا لازم ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:342)

دوسروں کی طرف سے قربانی: ☆ سیدِ عالم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا سعادت ہے۔ آپ ﷺ نے قربانی کرتے وقت دعا کی: بِاسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ (ﷺ)۔ ”بسم اللہ، اے اللہ! میری

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دار الافتاء اہلِ سنت سے جاری شدہ فتوٰی نمبر Aqs-1657 ملاحظہ کیجیے، تاریخ اجرا: 31 جولائی، 2019ء https://www.darulifaahlesunnat.net/ur/1046

طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری اُمّت کی طرف سے قبول فرما (سب کو ثواب عطا فرما)۔" (صحیح مسلم، حدیث:1967)
جب آپ ﷺ نے ہمیں نہیں بھلایا تو ہمیں بھی نیاز مندی کرنی چاہیے۔

اِسی طرح دیگر فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے قربانی کرنا اچھا ہے، لیکن صاحبِ نصاب پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے جانور ذبح کرنے کا اہتمام کرے، پھر حسبِ استطاعت دیگر کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کرے۔

اس حوالے سے مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا عمل لائقِ تقلید ہے، آپ دو مینڈھے قربان کرتے، ایک اپنی طرف سے، ایک شہنشاہِ دوعالم ﷺ کی طرف سے... اور ارشاد فرماتے: أَمَرَنِي بِهِ - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا۔
یعنی "مجھے خود آقا کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے؛ لہٰذا مَیں ہمیشہ ایسا ہی کروں گا۔" (جامع ترمذی، حدیث:1495)

☆ اگر صاحبِ نصاب اپنی طرف سے قربانی نہ کرے اور دیگر گھر والوں کی طرف سے کرے، جیسا کہ بعض لوگوں نے گھر میں باری بنائی ہوتی ہے، تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

☆ صاحبِ نصاب اگر کسی فوت شدہ کی طرف سے نفلی طور پر (اُس کی وصیّت کے بغیر) قربانی کرے تو اُس (صاحبِ نصاب) کا وجوب پورا ہو جائے گا اور مرحوم کو ثواب ملے گا۔[1]

☆ گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں میں سے بالغ افراد کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو وجوب ادا ہونے کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری ہے، اجازت نہ لی تو اُن کا وجوب پورا نہیں ہوگا۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:334)

گزشتہ سالوں کی قربانی: جس شخص نے گزشتہ سالوں میں قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کی ہو، اُس پر لازم ہے کہ اُس وقت کے ریٹ کے مطابق جانور کی قیمت صدقہ کرے۔ اب اُس کی جگہ قربانی نہیں کر سکتا۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:339)

قربانی نہ کرنے پر وعید: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سرکارِ کونین ﷺ کا ارشادِ عالی شان روایت کیا:
مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔ "جو گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔"
(سنن ابن ماجہ، حدیث:3123)

---

[1] لَوْ ضَحّٰى عَنْ مَيِّتٍ وَارِثُهُ بِأَمْرِهِ أَلْزَمَهُ بِالتَّصَدُّقِ بِهَا وَعَدَمِ الْأَكْلِ مِنْهَا، وَإِنْ تَبَرَّعَ بِهَا عَنْهُ لَهُ الْأَكْلُ، لِأَنَّهُ يَقَعُ عَلٰى مِلْكِ الذَّابِحِ وَالثَّوَابُ لِلْمَيِّتِ، وَلِهٰذَا لَوْ كَانَ عَلَى الذَّابِحِ وَاجِدَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ أُضْحِيَّتُهُ... (ردّ المحتار، کتاب الاضحیہ، ج:9، ص:554)

قربانی سے متعلق مزید اہم مسائل

☆ بکرے کی قربانی صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے، کئی افراد کو شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی، جب کہ گائے یا اُونٹ میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔

☆ شراکت کے لیے ضروری ہے کہ شرکا میں سے ہر ایک کسی عبادت (قربانی، منت، عقیقہ یا ایصالِ ثواب وغیرہ) کی نیت کرے۔ اگر کسی ایک شریک نے بھی عبادت کی نیت نہ کی یا اُن میں سے کوئی ایسا ہے جس کی نیت شریعت میں قابل قبول نہیں... جیسے کافر اور بدمذہب... تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی۔

☆ جس شخص کا مال ثواب کی نیت سے خرچ کرنے کے قابل نہ ہو (تمام مال حرام ذریعہ سے حاصل ہوا ہو) اُس کے ساتھ شراکت جائز نہیں۔ (وقار الفتاوٰی، ج:2، ص:475)

☆ شراکت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی بھی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو، مثلاً: جانور کی قیمت 140,000 ہو تو ہر شریک پر کم از کم 20,000 روپے دینا لازم ہے۔ ساتویں حصہ سے زیادہ ہو، مثلاً چھ آدمیوں نے گائے کی قربانی کی تو کوئی حرج نہیں۔

☆ اجتماعی قربانی میں جانور کی خریداری سے پہلے ہی حصوں کی رقم معین کر لینا جائز نہیں، البتہ بعد میں کمی بیشی کا حساب کرنے کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

جانور کی عمدگی: مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور بیش قیمت، فربہ (Fatty) اور عمدہ گوشت والا ہو اور اُس میں کوئی عیب نہ ہو، یعنی اُس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں بالکل درست ہوں، تاہم معمولی عیب معاف ہے۔[1] (فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:458)

سرورِ عالم ﷺ سے مروی ہے: «إِنَّ أَفْضَلَ الضَّحَايَا أَغْلَاهَا وَأَسْمَنُهَا۔» "افضل قربانی وہ ہے جو بیش قیمت، فربہ ہو۔"
(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7561۔ مسند احمد، حدیث: 15494)

قربانی سے پہلے جانور سے نفع اُٹھانا: ذبح سے پہلے قربانی کے جانور سے کوئی نفع حاصل کرنا، مثلاً بال اپنے لیے کاٹ لینا یا اُس کا دودھ دوہنا یا اُون کاٹ لینا منع ہے، اگر اُون کاٹی یا دودھ دوہا تو اُسے صدقہ کرنا لازم ہے۔

نیز قربانی کا جانور قابلِ تعظیم ہے، اُس پر سوار ہونا یا کوئی چیز لادنا منع ہے۔

---

[1] کون سا عیب معاف ہے اور کون سا نہیں؟ اِس حوالے سے قربانی کے موضوع پر کتب، مثلاً بہارِ شریعت، حصہ: 15 ملاحظہ فرمائیں۔

حرفِ آخر... ایّامِ ذوالحجہ میں تعظیمِ شعائر اللہ کے تقاضے

جو اُمورِ دینِ اسلام کی پہچان ہیں... جو حق اور باطل میں فرق کرنے والے ہیں... جو اللہ تعالیٰ کی ذات یا اُس کی کسی صفت یا عبادت کی نشانی ہیں، وہ "شعائرِ اسلام" اور "شعائر اللہ" ہیں۔

شعائر اللہ اور شعائرِ اسلام کی تعظیم بے حد ضروری ہے، اِن کی تعظیم سے ربّ تعالیٰ کی رضا بھی نصیب ہوتی ہے اور اجر و ثواب بھی عطا ہوتا ہے... جب کہ اِن کی بے حرمتی گناہِ کبیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاذ اللہ ایمان کی بربادی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔

یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ دین سے دُوری کے سبب ہمارے اندر شعائر اللہ کی تعظیم رفتہ رفتہ کم ہوتی جارہی ہے۔ بے شمار ایسے لوگ ہیں جنھیں خاص اسلامی ایّام، مثلاً ذوالحجہ کے دنوں اور راتوں کی کوئی قدر نہیں، وہ بے دھڑک اِن مبارک دنوں میں بھی سرِعام گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں... مساجد میں بلند آواز سے دنیاوی باتیں کرنا بھی معمول بنتا جارہا ہے... قرآنِ مجید کا ترجمہ اخبارات اور دیگر مقامات پر چھپتا ہے مگر اُس کی تعظیم کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اِسی طرح مزید بھی کئی دردناک پہلو ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کو فروغ دیں؛ تاکہ ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا ایمان محفوظ رہے۔

یومِ عرفہ، عیدالاضحیٰ، ایامِ تشریق اور قربانی کے جانور لائقِ تعظیم ہیں۔ چنانچہ:

- اِن دنوں اور راتوں میں فرائض کی پابندی اور حرام کاموں سے مکمل پرہیز کا خوب اہتمام کریں؛ تاکہ اِن ایّام کی برکت سے سال بھر اطاعت و فرماں برداری کی توفیق نصیب ہو۔
- اِن دنوں اور راتوں میں زیادہ سے زیادہ ایسے کام کرنے کی کوشش کریں جن کی برکت سے ربّ تعالیٰ کی رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔
- یومِ عرفہ (09 ذوالحجہ) کا خصوصی اہتمام کریں:
  - اپنی بخشش کے لیے فکرمند ہوں اور ربّ تعالیٰ سے خوب استغفار کریں۔
  - اپنے مالک کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں مانگیں۔
  - ممکن ہو تو روزہ رکھیں (رمضان کی قضا ذمہ میں باقی ہو تو وہ اہم ہے)۔[1]
- شرائط پائی جائیں تو صاحبِ نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے، دیگر مسلمانوں پر اگرچہ واجب نہیں لیکن وہ قربانی کا اہتمام کریں تو دونوں جہانوں کی بھلائیاں نصیب ہوں گی۔

---

[1] یاد رہے کہ یہ حکم غیرِ حاجی کے لیے ہے، جو خوش نصیب حج کے لیے حَرَم شریف میں موجود ہے اُس کے حق میں یومِ عرفہ کو روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔

قربانی کے حوالے سے ہمیں چاہیے کہ:

- قربانی کے مسائل سیکھیں؛ تاکہ یہ حکم درست طریقے سے پورا کر سکیں۔
- قربانی کے جانور کی تکریم کریں، فقط رضائے الٰہی کے لیے اچھے جانور کی قربانی کریں اور دکھاوے سے بچیں۔

❖ 9ذوالحجہ (اتوار، 16جون 2024ء) کی نمازِ فجر سے 13 ذوالحجہ (جمعرات، 20جون) کی نمازِ عصر تک شہر میں جماعتِ مُستحبّہ کے ساتھ فرض نماز پڑھنے والے مَرد پر سلام پھیرتے ہی ایک بار بلند آواز سے تکبیرِ تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار پڑھنا افضل ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ آخِرَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ۔ رسول اللہ ﷺ 9ذوالحجہ کی فجر سے آخری یومِ تشریق (13ذوالحجہ) کی عصر تک تکبیر کہا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی، حدیث:6350)

- مذکورہ بالا صورت میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب ہے، اس لیے اگر کوئی شخص بلاوجہِ شرعی آہستہ آواز سے پڑھے تو گناہ گار ہے، البتہ عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں گی۔
- مَسْبُوق (جس شخص کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں) پر بھی فرائض سے فراغت کے بعد یہ تکبیرات بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔
- ذی الحج کے ابتدائی ایّام میں نماز کے علاوہ بھی اِن کلمات کو بکثرت پڑھنا مستحب ہے۔
- اِن دنوں میں کثرت سے أَللّٰهُ أَكْبَر (تکبیر) کہنے کی ایک بہت خوب صورت حکمت بیان کرتے ہوئے علما نے لکھا: عید کے دن خوشی کے دن ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ وہ غفلت یا سرکشی کی وجہ سے خوشی میں دینی حدود کی پرواہ نہیں کرتا اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، چنانچہ شریعت نے کثرت سے تکبیرات کہنے کا حکم فرمایا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرکے اور اُسے یاد کرکے غفلت دُور ہو جائے اور تکبر کا خاتمہ ہو۔[1]

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کے طفیل دُنیا بھر سے حج کے لیے آنے والے تمام حجاج کا حج قبول فرمائے اور اُن کی برکت سے ہمیں بھی مقبول بندوں میں شامل فرمالے۔

مالکِ کریم ہمیں شعائر اللہ کی قدر کرنے اور اُن کی زیادہ سے زیادہ برکتیں سمیٹنے کی توفیق سے نوازے۔

ربِّ قدیر کشمیری اور فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے، بیت المقدس کو صیہونیوں کے ظالم پنجے سے آزاد فرمائے اور مسلمانوں کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کی عملی مدد کرنے کی توفیق سے نوازے۔

آمین بجاہ النبیِ الکریم!

---

[1] مِنْ أَعْظَمِ أَسْرَارِ التَّكْبِيرِ فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ أَنَّ الْعِيدَ مَحَلُّ فَرَحٍ وَسُرُورٍ، وَكَانَ مِنْ طَبْعِ النَّفْسِ تَجَاوُزُ الْحُدُودِ، لِمَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ مِنَ الشِّرَّةِ، تَارَةً غَفْلَةً وَتَارَةً بَغْيًا، شُرِعَ فِيهِ الْإِكْثَارُ مِنَ التَّكْبِيرِ؛ لِتَذْهَبَ مِنْ غَفْلَتِهَا وَتَكْسِرَ مِنْ سَوْرَتِهَا۔ (فیض القدیر، تحت:7136)

۱۰ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ / 17 جون 2024ء

قربانی... ذریعۂ قُربِ الٰہی

(خطبۂ عید الاضحیٰ)

مشمولات

- قُربِ الٰہی کا مفہوم اور اُس کے ذرائع
- مسائلِ قربانی
- قرآنِ حکیم میں قُربانی کا ذکر
- ”قربانی“ کے ذریعے قربِ الٰہی
- قربانی کے ذریعے طلبِ قرب کی تربیت
- نمازِ عید کا طریقہ اور مصافحہ و معانقہ کے وقت دُرودِ پاک پڑھنے کی فضیلت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِہِمَا وَلَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ [المائدۃ5:27]

اللہ تعالیٰ کی عطائیں اور نوازشات بے شمار ہیں، اُس کی طرف سے ملنے والا سب سے بڑا اِنعام واِعزاز یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنا قُرب عطا فرمادے۔ تمام فضیلتیں اور عزتیں اِسی اِعزاز سے وابستہ ہیں۔

"قربِ الٰہی" سے "مکانی قرب" (جگہ قریب ہونا) مراد نہیں؛ کیونکہ ربّ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، بلکہ "قُرب سے نوازنے" کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندے کو اپنی معرفت عطا فرماتا ہے، اُس پر لُطف وکرم کرتا ہے اور اُس سے راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا قُرب کسے عطا فرماتا ہے؟ یہ محض اُس کی مشیت ورحمت کی بات ہے، اُس کی رحمت نہ تو کسی ضابطہ کی پابند ہے اور نہ ہی کسی عمل پر منحصر ہے۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے، جتنا چاہے اپنا قرب عطا فرماتا ہے... تاہم وہ جسے اپنے قریب کرنا چاہے اوّلاً اُسے ایمان کی دولت سے نوازتا ہے، پھر اپنی اِطاعت وفرماں برداری کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ایمان کے بغیر ربِّ کریم کا قرب پانا ناممکن ہے اور اعمالِ صالحہ اگرچہ شرط نہیں، تاہم اِن کی برکت سے ربّ تعالیٰ کرم کرتا ہے اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ جس قدر ایمان کامل ہو، فرماں برداری میں اِضافہ ہو اور اچھے اعمال کی کثرت ہو بندہ اُتنا ہی اپنے ربّ کے قریب ہوتا ہے اور فضیلت پاتا ہے۔

جن اعمالِ صالحہ کے ذریعے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے اُن میں سب سے اہم فرائض وواجبات ہیں، پھر سنتوں اور نوافل کا درجہ ہے۔

10، 11 یا 12 ذوالحجہ کو اُمّتِ مسلمہ اپنے آقا کریم ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرتی ہے اور رضائے الٰہی کے لیے بے شمار جانوروں کی قربانی کرتی ہے۔ یہ عمل بھی قربِ الٰہی پانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔[1]

عربی زبان میں لفظِ "قُرب" کا معنٰی ہے: "کسی شے کے نزدیک / قریب ہونا"۔ ذبح کیے جانے والے جانور کو "قربانی" اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ اِس کے ذریعے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

چنانچہ خطبہ میں "قربانی" اور "قُربِ الٰہی" کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] لغت کے مشہور اِمام ابو القاسم حسین راغب اَصفہانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اَلْقُرْبَانُ مَا یُتَقَرَّبُ بِهٖ إِلَى اللّٰهِ، وَصَارَ فِي التَّعَارُفِ اسْمًا لِلنَّسِيْكَةِ الَّتِيْ هِيَ الذَّبِيْحَةُ۔ "قربانی" اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ شرعی اصطلاح میں ذبح کیے جانے والے جانور کو "قربانی" کہا جاتا ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن، ص:664، دار القلم)

قرآنِ حکیم میں قُربانی کا ذکر

رضائے الٰہی کی خاطر ذبح کیے جانے والے جانور کے لیے قرآنِ کریم میں متعدد الفاظ مذکور ہیں، کئی آیاتِ مبارکہ میں اُسے ''قُربان'' ارشاد فرمایا گیا ہے، اِسی سے لفظِ ''قربانی'' ماخوذ ہے۔

پہلی قربانی: سورۂ مائدہ میں سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی کا تذکرہ ہے، یہ تاریخِ انسانیت کی پہلی قربانی تھی۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۔ ''اور (اے حبیب!) انہیں آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر پڑھ کر سناؤ، جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی طرف سے قبول کرلی گئی اور دوسرے کی طرف سے قبول نہ کی گئی۔''[1] [المائدۃ 5:27]

چنانچہ اِس آیتِ کریمہ میں قربانی کو ''قربان'' ارشاد فرمایا گیا۔

یہودیوں کا مطالبہ: یہودی گزشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کی گئی نشانیوں کے مطابق سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اچھی طرح پہچانتے تھے، مگر اپنی ہٹ دھرمی کے سبب اسلام قبول کرنے سے محروم رہے۔ قرآنِ حکیم کے مطابق اُنھوں نے ایک موقع پر بے جا بہانہ کرتے ہوئے کہا: اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۔ ''اللہ نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم کسی رسول کی اُس وقت تک تصدیق نہ کریں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔'' [اٰلِ عمران 3:183]

باری تعالیٰ نے اُن کی اِس حیلہ سازی کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ ''اے حبیب! آپ فرما دیجیے: بے شک مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور وہی (معجزات) لے کر آئے جو تم نے کہے تھے، پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے انہیں کیوں شہید کیا؟'' [اٰلِ عمران 3:183]

تم صرف بہانے کرتے ہو، تمہارا مقصود دلیل دیکھ کر حق کو پہچاننا نہیں ہے۔

اِس آیتِ مقدسہ میں بھی ذبح کیے جانے والے جانور کو ''قربان'' فرمایا گیا ہے۔

---

[1] اُس زمانہ میں جو قربانی مقبول ہوتی تھی آسمان سے ایک آگ اُتر کر اس کو کھالیا کرتی تھی۔ چنانچہ قابیل نے گندم کا ایک ڈھیر اور ہابیل نے ایک بکری قربانی کے لیے پیش کی، آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو لے لیا اور قابیل کی گندم کو چھوڑ دیا۔

یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمّت پر ربّ تعالیٰ کا کرم ہے کہ قبولیت کی نشانی کے طور پر آگ نہیں اُترتی، یوں پردہ بھی رہ جاتا ہے اور اُس جانور کو کھایا بھی جاسکتا ہے۔ (تفاسیر عامہ)

”قربانی“ کے ذریعے قربِ الٰہی

سرکارِ دو عالم ﷺ نے قربانی کے متعدد فضائل بیان فرمائے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا وہ پسندیدہ عمل ہے جس کے ذریعے مسلمان کو قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

سب سے افضل عمل: اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هِرَاقَةِ دَمٍ، وَإِنَّهُ لَتَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَظْلَافِهَا وَأَشْعَارِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ عَلَى الْأَرْضِ، فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ یعنی ”قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں، بلاشبہ وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کُھروں کے ساتھ آئے گا (سب کو نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقامِ قبولیت میں پہنچ جاتا ہے؛ لہٰذا خوش دلی سے قربانی کرو۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3126، وروی الترمذی معناہ، رقم الحدیث: 1493)

بربال کے بدلے نیکی: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے سوال کیا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں (صرف ہماری شریعت میں ہیں یا پہلے بھی اِن کا حکم تھا)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ۔» یہ تمہارے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔ اُنھوں نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! ہمارے لیے اِن میں کیا اجر وثواب ہے؟ ارشاد فرمایا: «بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ۔»[1] یعنی ”ربّ تعالیٰ جانور کے ہر عضو، حتّٰی کہ ہر بال کے بدلے میں نیکی عطا فرمائے گا۔“ پوچھا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! بھیڑ میں ہمارے لیے کیا اجر وثواب ہے؟ فرمایا: «بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔» یعنی ”بھیڑ کی اُون کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی عطا ہوگی۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3127)

اِزالۂ وہم: بعض عقل کے اندھے سادہ لوح مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرنے کے لیے مختلف شبہات پھیلاتے ہیں۔ کہتے ہیں: جو رقم قربانی پر خرچ کرنی ہے وہ کسی غریب کو دے دیں اُس کا بھلا ہو جائے گا۔ لاکھوں جانوروں کو قربان کرنے کے بجائے یہ رقم رفاہِ عامہ کے مفید کاموں... ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے خرچ کی جائے، تو معاشرے کو فائدہ ہوگا۔

ایسے شبہات کے مختلف جوابات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قربانی ہو یا کوئی اور عمل... مسلمان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ عزّوجلّ راضی ہو جائے اور اُس کا قرب نصیب ہو۔ ربّ تعالیٰ کس عمل پر راضی ہوتا ہے؟ مذکورہ احادیثِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کے اِن دنوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب عمل جانور کو قربان کرنا ہے؛ لہٰذا صاحبِ استطاعت مسلمان یہی عمل انجام دیتے ہیں۔

---

[1] أَيْ: فَضْلًا عَنِ اللَّحْمِ وَالشَّحْمِ وَالْجِلْدِ۔ (کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ للسندی، تحت الحدیث)

قربانی کے ذریعے طلبِ قرب کی تربیت

قرآن وسنت میں اِس بات کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے کہ قربانی سمیت مسلمان کا ہر عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کا قرب پانے کے لیے ہونا چاہیے، دُنیاوی مفادات یا لوگوں سے داد وصول کرنے کی خواہش ہر گز نہیں ہونی چاہیے۔

لوگوں کو دکھانے اور اُن سے داد وتحسین وصول کرنے کے لیے اچھا عمل کرنے والا شخص نہ صرف سخت گناہ گار ہوتا ہے، بلکہ ربّ تعالیٰ کی ناراضی کا مستحق بھی ٹھہرتا ہے۔

باری تعالیٰ نے ہمارے آقا کریم ﷺ کو حکم فرمایا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ”اے حبیب! فرما دیجیے: بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے o اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور مَیں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔“ [الانعام6:162،163]

قربانی سے متعلق یہ بھی ارشادِ ربّانی ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ ”اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِن قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، اُس کی بارگاہ میں تمہارا تقوٰی پیش ہوتا ہے۔“ [الحج22:37] یعنی مال خرچ کرنے کا حکم تمہارے دلوں کو آزمانے کے لیے ہے، ورنہ تمہارے صدقات اور قربانیوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں، اُس کی بارگاہ میں قدر دلوں کی کیفیات کی ہے، دلوں میں تقوٰی جتنا مضبوط ہوگا قربانیوں اور دیگر صدقات کی قبولیت بھی اُتنی ہی زیادہ ہوگی۔

یہی سبق جانِ رحمت ﷺ نے بھی عطا کیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے روایت کیا: «إِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ إِلٰی صُوَرِکُمْ وَأَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ إِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَأَعْمَالِکُمْ۔» ”اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نہیں ہوتی (اُس کی بارگاہ میں اِس بات کی کوئی قدر نہیں کہ کوئی خوب صورت ہے یا بدصورت، مال زیادہ ہے یا کم)، اُس کی نگاہِ رحمت تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف ہوتی ہے (وہ پاکیزہ دلوں اور اچھے اعمال سے خوش ہوتا ہے اور اِن کی برکت سے کرم فرماتا ہے)۔“ (صحیح مسلم، حدیث:2564)

ہماری حالتِ زار: یہ کڑوا سچ ہے کہ ہمارے اندر اخلاص کی دولت بہت کم ہے، سیلفیوں اور تصاویر کے شوق نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہر چھوٹے بڑے کام کی تصاویر بناتے ہیں اور سوشل میڈیا پر وائرل کرتے ہیں۔ گویا مقابلہ بازی جاری ہوتی ہے کہ کس کا جانور بڑا اور خوب صورت ہے! بزرگانِ دین اپنے اچھے اعمال کو اتنے اخلاص کے ساتھ کرتے تھے کہ زندگی بھر کسی کو خبر نہیں ہونے دیتے تھے، اُن کی وفات کے بعد مختلف ذرائع سے معلوم ہوتا کہ وہ اپنی زندگی میں اتنے بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے۔

ہمیں اپنے اندر یہ شعور بیدار کرنا چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی میں وہی عمل قبولیت کا مستحق ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے۔

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے قربانی سے متعلق خوب پیغام دیا:

خدا کے قرب کا مژدہ سناتی ہے یہ قربانی
مقامِ خاص بندوں کو دلاتی ہے یہ قربانی

خلیل اللہ، ذبیح اللہ، حبیب اللہ پہ قرباں ہم
کہ اُن کی ہی حسیں یادیں سجاتی ہے یہ قربانی

کریں پیشِ پیمبر جانور خود گردنیں اپنی
فدایانِ نبی اُن کو بناتی ہے یہ قربانی

مِرے سجدے مِری دولت مِرا جینا مِرا مَرنا
مِرے رب کے لیے ہی ہو، بتاتی ہے یہ قربانی

اُٹھائیں اہلِ ایماں لُطف، ربّانی ضیافت کا
اِنھیں ہر سال یوں خوشیاں دکھاتی ہے یہ قربانی

نہ ہم تقسیم میں بھولیں عزیزوں اور غریبوں کو
ہمیں ایثار کا جذبہ سکھاتی ہے یہ قربانی

جو ہو مقبول قربانی ملے ہر بال پر نیکی
سواری بن کے محشر میں بھی آتی ہے یہ قربانی

اگر تاریخِ محبوبانِ خالق پر نظر ڈالیں
تو اُس کے ہر ورق پر جگمگاتی ہے یہ قربانی

حسین ابن علی لے آئے کنبہ سارا صحرا میں
نرالی شان سے کربل بساتی ہے یہ قربانی

ملا ہے یہ سبق بدر و اُحُد، اَحزاب سے ثاقب
لُٹا کر اپنا سب کچھ دیں بچاتی ہے یہ قربانی

مسائلِ قربانی

خطبۂ جمعہ میں قربانی سے متعلق کئی مسائل کا ذکر ہو چکا ہے، ایک بنیادی بات کا اِعادہ کر کے کچھ مزید مسائل کا تذکرہ ہو گا۔

قربانی کس پر واجب ہے؟ وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔

نوٹ: لاہور میں چاندی کی حالیہ (13 جون، 2024ء کی) قیمت کے مطابق قربانی کا نصاب تقریباً 144,300 روپے ہے۔

قربانی کا وقت: قربانی کا وقت 10 ذوالحجہ (شہر میں نمازِ عید کے بعد) سے 12 ذوالحجہ کا سورج غروب ہونے تک ہے۔ زیادہ ثواب اس میں ہے کہ دس ذوالحجہ کو قربانی کی جائے، پھر گیارہ کو قربانی کرنا بارہ کی بنسبت بہتر ہے۔

نوٹ: کچھ لوگ اِنتشار پھیلانے کے لیے چوتھے دن قربانی کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں۔ مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم نے واضح طور پر فرمایا: اَلْأَضْحٰی يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحٰی۔ یعنی "قربانی صرف تین دن تک جائز ہے۔" (مؤطا امام مالک، حدیث: 1399، 1400۔ السنن الکبرٰی للبیہقی، حدیث: 19254) اگرچہ یہ روایت بظاہر صحابۂ کرام کا ارشاد ہے، مگر حقیقت میں حدیثِ نبوی ہے؛ کیونکہ ایسے اُمور اپنی رائے سے بیان نہیں کیے جاسکتے۔

ذبح سے پہلے کے اُمور: ☆ ذبح سے پہلے جانور کو چارا، پانی دیں، بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں۔

☆ جانور کو لٹانے سے پہلے اُس کی نظروں سے اوجھل چھری تیز کریں، نیز ذبح کی جگہ اور دیگر اُمور کا تعیُّن بھی پہلے سے کر لیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی ہیں کہ شفیع المذنبین ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو بکری کی گردن پر پاؤں رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا اور بکری یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَتُرِيْدُ أَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا حَدَّدْتَّ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا۔» یعنی "(کیا تم پہلے ایسا نہیں کر سکتے تھے؟) تم اِسے کئی موتیں مارنا چاہتے ہو؟ اِسے لٹانے سے پہلے اپنی چُھری تیز کیوں نہ کر لی؟" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7563۔ السنن الکبرٰی للبیہقی، حدیث: 19141)

قربانی کو لٹانے کا طریقہ: قربانی کو دوسرے جانوروں کی نظروں سے اوجھل بائیں پہلو پر اس طرح لٹائیں کہ اُس کا سر جنوب (South)، پُشت مشرق (East) اور منہ قبلہ کی طرف ہو، قبلہ رخ نہ ہونا مکروہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج: 20، ص: 216)

کون ذبح کرے؟ ☆ جانور حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، اگر غیر مسلم نے ذبح کیا یا ایسے کلمہ گو نے ذبح کیا جس کی گمراہی حد کفر تک ہے تو جانور حلال نہیں ہو گا۔ یہودی یا عیسائی سے ذبح کرانا بھی مکروہ ہے۔

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، گھر کا ضروری سامان، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

☆ جس کی طرف سے قربانی ہے، اگر وہ خود اچھی طرح سے ذبح کر سکتا ہو تو افضل ہے کہ خود ذبح کرے، ورنہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان سے ذبح کروائے اور بہتر ہے کہ خود پاس موجود رہے؛ تاکہ ذبح کا یہ منظر دیکھ کر اپنی آخرت کو یاد کر سکے۔

یاد رہے کہ ذبح کے وقت سنت پر عمل کی نیت سے پاس موجود رہنا ثواب ہے، مگر محض مزہ لینے کے لیے ٹھہرنا اور تفریح کی خاطر جانور کے گرد گھیرا ڈال لینا، ہنسنا، قہقہے بلند کرنا اور تماشا بنانا غفلت کی علامت ہے۔

ذبح کے وقت بسم اللہ اور دعا: ذبح کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا (اللہ تعالیٰ کا نام لینا) ضروری ہے، جان بوجھ کر نہ پڑھی تو جانور حرام ہے، البتہ بھولے سے ایسا ہوا (جیسا کہ بعض مرتبہ افراتفری میں ہو جاتا ہے) تو جانور حلال ہے۔ بہتر ہے کہ یہ دعا بھی پڑھیں اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اپنی طرف سے قربانی ہو تو ذبح کے بعد یہ دُعا پڑھیں: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَحَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ ﷺ۔

جانور کو تکلیف دینے کی ممانعت: کسی بھی طرح سے بلاوجہ جانور کو تکلیف دینا منع ہے، مثلاً: اُس کے سامنے چھری تیز کرنا یا روح نکلنے سے پہلے اُس کی کھال اُتارنا یا کوئی عضو کاٹنا۔ سیدنا قُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ! اِنِّیْ لَاَخْنُقُ الشَّاةَ لِاَذْبَحَهَا فَاَرْحَمُهَا۔ مَیں جانور کو ذبح کرنے کے لیے اُسے پکڑتا ہوں تو مجھے اُس پر رحم آنے لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَالشَّاةُ اِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ۔» ”اگر تم بکری پر رحم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔“ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6482)

تربیتی نکتہ: شریعتِ مطہرہ نے جانور کو بلاوجہ تکلیف دینے اور اُس پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر جانور کی یہ صورتِ حال ہے تو کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف دینا کتنا برا ہو گا!

بہتا خون ناپاک ہے: ذبح کے وقت جانور کے گلے سے بہنے والا خون ناپاک ہے، اُس سے حتّی الامکان گوشت اور کپڑوں کو بچانا لازم ہے؛ کیونکہ جان بوجھ کر بلاوجہ کسی پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے، اگر یہ خون گوشت وغیرہ کو لگ جائے تو اُسے پاک کرنا لازم ہے۔ البتہ ذبح کے بعد گوشت میں باقی رہ جانے والا خون پاک ہے، مگر اُسے بھی کھانا حلال نہیں۔

گوشت کی تقسیم: ☆ قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا مستحب ہے، دوسرے مسلمانوں کو بھی دے سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ فقرا کے لیے، ایک حصہ رشتہ داروں / دوستوں کے لیے اور ایک حصہ گھر والوں کے لیے۔

☆ منت (Vow) یا وصیت کی قربانی کا تمام گوشت صدقہ کرنا لازم ہے، نہ خود کھاسکتے ہیں اور نہ ہی کسی صاحبِ حیثیت دوست یا رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔

☆ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو نہیں دینا چاہیے۔ قربانی شعائرِ اسلام سے ہے اور اِسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ذبح کیا گیا ہے، لہٰذا اِس کا مبارک گوشت صرف مسلمانوں کو ہی دینا چاہیے۔

شرکا میں گوشت کی تقسیم: جب قربانی میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں تو تمام گوشت کو یکساں طور پر وزن کر کے حصوں میں تقسیم کرنا لازم ہے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں اور نہ ہی وزن کر لینے سے پہلے شرکا ایک دوسرے کو کمی و بیشی معاف کر سکتے ہیں، البتہ سب شرکا ایک ہی گھر میں رہتے ہوں کہ مل کر ہی بانٹیں گے اور کھائیں گے یا شرکا اپنا اپنا حصّہ لینا ہی نہیں چاہتے تو وزن کرنا ضروری نہیں۔ دو صورتوں میں وزن کیے بغیر اندازے سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں:

1. سب حصہ دار کسی اور بالغ مسلمان کو مکمل طور پر مالک بنا دیں، کہ وہ جیسے چاہے تقسیم کرے۔ (وقار الفتاوٰی، جلد:2، ص:472)
2. گوشت میں کوئی دوسری جنس، مثلاً کلیجی، مغز، پائے وغیرہ، شامل کر دیں۔ (ردّ المحتار، جلد:9، ص:527)

کھال وغیرہ کا حکم: بہتر ہے کہ قربانی کی کھال اور دیگر اضافی چیزیں، اُوپر ڈالنے والا کپڑا، رسّی اور گلے کا ہار وغیرہ غریبوں کو دے دیں یا کسی بھی نیک کام کے لیے کسی فرد یا تنظیم (مسجد، مدرسہ، ہسپتال اور سوسائٹی) کو عطیہ کر دیں۔ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں، البتہ قربانی کی کوئی چیز اپنے استعمال کے لیے بیچنا یا ذبح کرنے والے کو اُجرت میں دینا یا بدعقیدہ لوگوں کو دینا جائز نہیں۔

مدارسِ اہلِ سنت کو کھال دینا خدمتِ خلق بھی ہے اور خدمتِ دین کا ثواب بھی

☆ ذبح سے پہلے قربانی کے جانور سے کوئی نفع حاصل کرنا، مثلاً اُس کے بال اپنے لیے کاٹ لینا یا اُس کا دودھ دوہنا یا اُون کاٹ لینا منع ہے، اگر اون کاٹی یا دودھ دوہا تو اُسے صدقہ کرنا لازم ہے۔

☆ قربانی کی کسی بھی قابلِ استعمال چیز کو ضائع کرنا درست نہیں۔ اگر کوئی چیز خود استعمال نہ بھی کرنی ہو تو صدقہ کر دیں؛ کیونکہ بلاوجہ مال ضائع کرنا حرام ہے۔

جانور کے مختلف اجزا: حلال جانوروں کے مندرجہ ذیل اجزا کھانا ناجائز ہے: خون، پتا، مثانہ، علاماتِ نر و مادہ، کپورے، غدود (گردن یا حلق میں سرخ یا مٹیالے رنگ کی گانٹھیں)، حرام مغز، گردن (کے گرد کندھوں تک پیلے رنگ) کے پٹھے، اوجھڑی، آنتیں۔
(تفصیل کے لیے دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:240۔ ابلق گھوڑے سوار: ص37، مکتبۃ المدینہ)

حلال جانور کے گردے کھانا جائز ہے، تاہم ناپسندیدہ ہے۔

نمازِ عید کا طریقہ

پہلے زبان سے یا دل میں ہی یوں نیت کریں: ”دو رکعات نمازِ عید واجب، اضافی چھ تکبیروں سمیت، اِس امام کے پیچھے، قبلہ شریف کی طرف رُخ کیے۔“

پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ باندھ لیں۔ پھر ثنا پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اب امام صاحب تلاوت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔

پہلی رکعت کا رکوع اور سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر امام صاحب قراءت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ قراءت کے بعد امام کے ساتھ تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اُٹھائے اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کریں۔

نمازِ عید میں تاخیر سے پہنچنے والے کے لیے:

- مقتدی دیر سے پہنچا اور امام صاحب تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کر چکے تھے تو وہ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر فوراً ہی تین تکبیریں کہہ لے۔
- امام صاحب پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع میں جا چکے ہیں تو اُن کے ساتھ رکوع میں جائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع میں اِضافی تکبیرات کہہ لے۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو باقی تکبیرات معاف ہو گئیں۔
- اگر امام صاحب کے پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے، بلکہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اُس وقت کہے۔

نماز میں بھول سے متعلق:

امام پہلی رکعت کی تکبیریں بھول گیا تو قراءت کے بعد یا رکوع میں کہہ لے اور دوسری رکعت کی بھول گیا تو نہ قیام کی طرف لوٹے نہ رکوع میں کہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1، ح:4، ص:782، 783، ملخصًا)

معانقہ سے متعلق ایک اہم بات:

خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے: مَا مِنْ عَبْدَیْنِ مُتَحَابَّیْنِ فِی اللّٰہِ یَسْتَقْبِلُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَیَتَصَافَحَانِ وَیُصَلِّیَانِ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ إِلَّا لَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی تُغْفَرَ ذُنُوْبُهُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْهَا وَمَا تَأَخَّرَ۔ (شعب الإیمان: 281/11، رقم: 8543، وأخرجه أیضًا البخاری فی التاریخ الکبیر: 252/3، وأبو یعلی: 334/5، رقم: 2960۔ فیه درست بن حمزة، وهو ضعیف) یعنی ”اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے آپس میں محبت کرنے والے دو مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں اور سلام و مصافحہ کریں اور نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر دُرود پڑھیں تو اُن کے جدا ہونے سے پہلے اُن کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔“

۱۴ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ / 21 جون 2024ء

خصائلِ سیدنا ذوالنورَین

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

مشمولات

- تقدیر میں خصائل کا فیصلہ اور خصائلِ سیدنا ذوالنورَین رضی اللہ عنہ
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور مخلوق کی حاجت روائی
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور دل کی مال داری
- سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور ایمانی فراست
- آنکھوں کے ذریعے گناہ کو جان لینا
- ظالمانہ ٹیکس کی خبر... ٹیکس کا حکم
- خصائلِ سیدنا ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اپنانے کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی ۙ لَّہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ [البقرۃ2:262]

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے اپنے علم وحکمت کے مطابق قیامت تک ہونے والے ہر معاملے کا فیصلہ کرکے اُسے لکھوادیا۔ یہ اُس کے علم کا کمال ہے کہ ہزاروں سال بعد انسان نے اُس کے دیے ہوئے اختیار سے جو کچھ کرنا تھا اور دیگر جو کچھ بھی ہونا تھا، ہر معاملے اور ہر ذرے کی تفصیل اُس علیم وخبیر جلّ جلالہٗ کو معلوم تھی اور اُس نے لوحِ محفوظ میں لکھوادی۔ اِسے ''عقیدۂ تقدیر'' کہا جاتا ہے۔ قرآن وسنت میں کئی مقامات پر اِسے بیان فرمایا گیا ہے اور یہ بنیادی اسلامی عقائد میں سے ہے۔

ربّ تعالیٰ نے تقدیر میں انسان کو ملنے والے رزق کا فیصلہ بھی فرمادیا اور اُسے عطا ہونے والے خصائل واخلاق کا بھی۔ نہ تو لکھے ہوئے رزق میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، نہ اوصاف واخلاق بدل سکتے ہیں۔

صاحبِ نعلَین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللّٰہَ قَسَمَ بَیۡنَکُمۡ أَخۡلَاقَکُمۡ کَمَا قَسَمَ بَیۡنَکُمۡ أَرۡزَاقَکُمۡ ...» یعنی ''جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اموال کو ایک معین مقدار میں تقسیم فرمایا اور تقدیر میں لکھا ایسے ہی اُس نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق واعمال کو بھی تقسیم فرمایا اور تقدیر میں لکھا۔۔۔'' (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 3671۔ مسند احمد: 3672)

توفیقِ الٰہی سے جن خوش نصیبوں کو بہت سے اچھے اوصاف وخصائل عطا ہوئے اُن میں ایک نمایاں نام امیر المؤمنین خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذو النُّورَین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

اوصاف واخلاقِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسے عظیم ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنی شہزادی... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ... سیدتنا رُقیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: «أَکۡرِمِیۡہِ، فَإِنَّہٗ مِنۡ أَشۡبَہِ أَصۡحَابِیۡ بِیۡ خُلُقًا۔» ''عثمان کی عزت وتکریم کرنا، یہ میرے اُن صحابہ میں سے ہیں جن کے اخلاق میرے اخلاق کے زیادہ قریب ہیں۔'' (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6854)

ہمارے دَور میں دین سے دُوری کے سبب اعمال کی صورتِ حال بھی ناگفتہ بہ ہے اور اخلاق وعادات بھی حد درجہ بگاڑ کا شکار ہیں۔ ایسے میں شدت کے ساتھ اِس بات کی ضرورت ہے کہ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر بزرگوں کی سیرت کا نور عام کیا جائے اور اُن کے کردار واوصاف کو اپناکر دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل کی جائیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ لائقِ تقلید اوصاف کا تذکرہ ہوگا۔

سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

جامع القرآن، خلیفۂ ثالث، امیر المؤمنین، ذو النُّورَین، پیکرِ حیاوغنا، ابو عبد اللہ سیدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اوصافِ حمیدہ سے وافر حصہ عطا ہوا۔

سرورِ عالم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے دورِ جاہلیت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ ایسے نیک سیرت تھے کہ نہ کبھی شراب پی، نہ بدکاری کے قریب گئے، نہ چوری کی، نہ گانا گایا اور نہ ہی کبھی جھوٹ بولا۔

قبولِ اسلام کے بعد بے شمار اعزازات نصیب ہوئے...

- زندگی بھر آقا کریم ﷺ اور آپ کے دینِ متین کی خدمت کی۔
- تمام غزوات میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔
- ہمیشہ اخلاص کے ساتھ اپنا کثیر مال راہِ خدا میں خرچ کیا۔
- سرورِ عالم ﷺ نے آپ کو جنت و شہادت کی خوش خبری عطا فرمائی اور دیگر کئی فضیلتیں بیان فرما کر عزت افزائی فرمائی۔
- تاریخِ انسانیت میں صرف آپ کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ امام الانبیا ﷺ نے اپنی دو شہزادیوں سے آپ کا نکاح کروایا۔

حیاتِ مبارکہ کے ماہ و سال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

⟸ عام الفیل کے چھٹے سال (47ق ھ / 577ء) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

⟸ 34 سال کی عمر میں اعلانِ نبوّت کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

⟸ پھر تیرہ سالہ مکی اور گیارہ سالہ مدنی دَور میں رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریبی خدمت گزار رہے۔

⟸ وصالِ نبوی کے بعد 12 سال شیخَین کریمین رضی اللہ عنہما کے وزیر و مشیر خاص کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔

⟸ محرم الحرام 24ھ سے ذوالحجہ 35ھ تک... 12 سال تیسرے خلیفۃ المسلمین کے منصبِ جلیل پر فائز رہے۔

⟸ باغیوں کی طرف سے گھر کے محاصرہ اور قاتلانہ حملے کے بعد 82 سال کی عمرِ مبارک میں 18 ذوالحجہ 35ھ کو جمعۃ المبارک کے دن روزے کی حالت میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

⟸ اب روزِ حشر تک کے لیے جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

⟸ حدیثِ پاک کے مطابق نبیِ کریم ﷺ کے ہمراہ میدانِ محشر کی طرف روانہ ہوں گے، پھر امام الانبیا ﷺ کے ہمراہ جنت کے اعلیٰ مقام میں تشریف لے جائیں گے۔

سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ عنہ اور مخلوق کی حاجت روائی

اللہ تعالیٰ جسے نوازنا چاہے اُسے اپنی مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے، اِدھر یہ بندہ اپنے مالکِ کریم کے کرم سے مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے، اُدھر ربّ تعالیٰ کرم نوازی کرتے ہوئے اِس کی حاجتیں پوری فرماتا رہتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ حدیثِ مبارک میں یہ الفاظِ کریمہ بھی ہیں: «وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً[1] فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔»[2] یعنی "جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورت پوری فرماتا ہے... اور جو کسی مسلمان کی (ایک معمولی دُنیاوی) مصیبت و پریشانی دُور کرے اللہ تعالیٰ اُس سے قیامت کے دن کی (بڑی پریشانیوں میں سے) کوئی پریشانی دُور فرمادے گا... اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ (دُنیا کے ساتھ ساتھ) قیامت کے دن بھی اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث:2442)

عملِ ذوالنورَین: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو باطنی اِنعامات کے ساتھ ساتھ ظاہری دَولت بھی وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی، پھر ربّ تعالیٰ نے اُس مال کو مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ کرنے کی توفیق سے بھی خوب نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی بار بڑے بڑے کاموں کے لیے کثیر مال پیش کیا، حتّٰی کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اِظہار کرتے ہوئے دُعاؤں اور خوش خبریوں سے نوازا۔ وصالِ نبوی کے بعد بھی راہِ خدا میں مال لُٹانے کا معمول جاری رہا اور خلیفہ بننے کے بعد بھی آخری دم تک اُس میں کمی نہیں آئی۔

حاجت روائی کا انوکھا واقعہ: خلیفۂ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص اپنے کسی کام کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتا، مگر (حکمتِ الٰہیہ کے تحت) آپ کی اُس کی طرف توجہ نہ ہوتی اور اُس کی حاجت سے متعلق نظر نہ فرماتے۔ اُس نے سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرکے اُنھیں اپنا معاملہ بتایا۔ اُنھوں نے فرمایا:

- جاؤ! وضو کرو، پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو۔
- پھر دُعا کرنا: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وآله وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ۔[3] اے اللہ! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی، نبیِ رحمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

---

[1] وَالتَّنْوِينُ فِيهَا لِلْإِفْرَادِ وَالتَّحْقِيرِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4958)

[2] وفی روایۃ مسلمٍ: وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2699)

[3] وفی روایۃ الترمذی: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ﷺ۔ (الجامع للترمذی، رقم الحدیث: 3578)

- (پھر آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی درخواست پیش کرنا): يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ عزّ وجلّ فَيَقْضِيَ لِي حَاجَتِي۔ یارسول اللہ! میں آپ کے واسطے سے آپ کے ربّ عزّوجلّ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں؛ تاکہ وہ میری حاجت پوری فرمادے... (یہ الفاظ کہتے وقت) اپنی حاجت کا ذکر کرنا۔
- پھر میرے پاس آنا، مَیں تمہارے ساتھ امیر المؤمنین کے پاس چلوں گا۔

وہ شخص چلا گیا اور سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا، پھر وہ امیر المؤمنین سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، دربان نے اُسے امیر المؤمنین کے پاس پہنچادیا، آپ نے اُسے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور حاجت پوچھی، اس نے اپنا کام بتایا، آپ نے اُس کا کام کردیا اور فرمایا: مَا ذَكَرْتَ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَتْ هٰذِهِ السَّاعَةُ! اب تک تم نے اپنا کام بتایا ہی نہیں تھا۔ مزید فرمایا: مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأْتِنَا۔ آئندہ جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آجانا۔

جب اُس شخص کی سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا! (آپ کی سفارش سے میرا کام ہوگیا ہے) آپ کے بات کرنے سے پہلے امیر المؤمنین میری طرف توجہ ہی نہیں فرماتے تھے۔

سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! مَیں نے امیر المؤمنین سے کوئی بات نہیں کی، لیکن (تمہارا کام ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ) ایک مرتبہ مَیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ ﷺ کے پاس ایک نابینا صاحب آئے اور اپنی بینائی ختم ہونے کی شکایت کی۔ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اِس پر صبر کروگے؟ اُنھوں نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بہت مشکل ہوتی ہے۔ چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے اُسے یہی طریقہ اور یہی کلمات تعلیم فرمائے تھے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ قَطُّ۔ اللہ کی قسم! ابھی ہماری نشست تبدیل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی طویل گفتگو ہوئی تھی کہ وہ نابینا صاحب واپس آگئے، (اُن کی آنکھیں بالکل درست ہوچکی تھیں) ایسا لگتا تھا کہ اُنھیں کبھی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں (مَیں نے تمھیں بھی وہی طریقہ بتایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری حاجت بھی پوری کروادی)۔ (المعجم الصغير للطبراني، حديث صحيح، ج:1، ص:306، رقم الحديث: 508۔ معرفة الصحابة لأبي نعيم، ج:4، ص:1959، رقم: 4928۔ دلائل النبوة للبيهقي، ج:6، ص:167، 168)

اِس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کس حسین انداز سے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری فرماتے تھے... یہ بھی پتا چلا کہ ربّ تعالیٰ سے دُعا کرکے اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کو سفارش کے لیے عرض کرنا ممنوع نہیں، خود آقا کریم ﷺ نے اِس کی تربیت فرمائی ہے۔ نیز یہ تربیت بھی ملی کہ انسان کا توکّل واعتماد ربّ تعالیٰ پر ہونا چاہیے، وہ چاہے تو بغیر سبب کے ہماری حاجت پوری فرمادے اور کوئی بندہ بھی حاجت پوری ہونے کا سبب تبھی بنتا ہے جب ربّ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے۔

سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ عنہ اور دل کی مال داری

دُنیاوی مال و دولت اِس بات کی نشانی نہیں کہ ربّ تعالیٰ اپنے بندے کو نوازنا چاہتا ہے؛ کیونکہ ظاہری امیری تو کافروں کو بھی مل جاتی ہے... کرم کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل کو یوں غنی کر دے کہ دُنیاوی مال و دولت کا لالچ ہی نہ رہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔» یعنی "(حقیقت میں) مال داری یہ نہیں کہ مال و اسباب کی کثرت (ہاتھ غنی) ہو، لیکن (حقیقی) مال داری یہ ہے کہ دل غنی ہو۔" (صحیح بخاری: 6446) اصل امیر وہ ہے جس کے دل کو مخلوق سے بے نیازی، قناعت اور صبر و رِضا کی توفیق مل جائے۔

جس خوش نصیب کا دل غنی (امیر) ہو جاتا ہے اُسے:

⟸ دُنیا کی محبت سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ وہ انسان دُنیا میں رہتا تو ہے، مگر دل دُنیا کی طرف نہیں، بلکہ ربِّ کریم کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

⟸ مال و دولت میں سے جتنا مل جائے اُس پر دل مطمئن ہوتا ہے، مزید کا لالچ نہیں رہتا۔

⟸ عیش پرستی سے نفرت ہو جاتی ہے اور انسان دُنیا کی حقیقت سمجھنے کی وجہ سے مسافر کی طرح زندگی گزارتا ہے۔

⟸ حرام ذریعہ سے دولت کمانے کا تصوّر بھی نہیں ہوتا، بلکہ اعلیٰ درجہ کے غنی ضرورت سے زیادہ حلال بھی جمع نہیں کرتے۔

⟸ لوگوں کے پاس موجود دُنیاوی نعمتیں دیکھ کر اُنھیں حاصل کرنے کی چاہت پیدا نہیں ہوتی۔

⟸ راہِ خدا میں پیش کرتے ہوئے گھٹن پیدا ہونے کے بجائے خوشی محسوس ہوتی ہے۔

غنائے عثمانی: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ کے مال دار بھی تھے اور دل کے امیر بھی... یعنی کروڑپتی بھی تھے اور متّقی و زاہد بھی... امیر المؤمنین بھی تھے اور اعلیٰ درجے کے درویش بھی... فضلِ اِلٰہی سے ملتا بھی بے شمار تھا اور وہ دیتے بھی بے دریغ تھے۔

آپ کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعہ سے عقل دنگ رہ جاتی ہے، چند واقعات پیشِ خدمت ہیں:

❖ حضرت حسن علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں ایک مرتبہ مَیں نے آپ کو مسجد (نبوی) شریف میں قَیلولہ (دوپہر کو کچھ آرام) کرتے ہوئے دیکھا،[1] (نرم و گداز بستر نہیں تھا، زمین پر چٹائی بچھا کر اُسی پہ آرام فرما رہے تھے) جب آپ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو جسمِ مبارک پر چٹائی کے نشانات نمایاں تھے اور لوگ (حیرت سے) کہہ رہے تھے: هٰذَا أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، هٰذَا أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ امیر المؤمنین ہیں! یہ امیر المؤمنین ہیں!

(حلیۃ الأولیاء، ج:1، ص:60۔ الزھد للإمام احمد، ص:105، رقم:675۔ السنن الکبریٰ للبیھقی، رقم: 4341)

---

[1] اعتکاف والے کو مسجد میں سونا جائز ہے، خواہ منت کا اعتکاف ہو یا سنت و نفل۔

❖ ذاتی خدام کی بڑی تعداد دستیاب ہونے کے باوجود رات کو تہجد وغیرہ کے لیے اُٹھتے تو وضو کا اہتمام خود کرتے، کسی خادم کو نہیں جگاتے تھے۔ عرض کی گئی: کسی خادم کو حکم دے دیا کریں! ارشاد فرمایا: لَا، اَللَّيْلُ لَهُمْ يَسْتَرِيحُونَ فِيهِ۔ نہیں، رات اُن کے آرام کے لیے ہوتی ہے (مَیں اُن کے آرام میں خلل ڈالنا پسند نہیں کرتا)۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:3، ص:44۔ الزھد للإمام احمد، رقم:676۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:39، ص:236)

❖ آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا شرف پانے والے کہتے ہیں: إِنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُطْعِمُ النَّاسَ طَعَامَ الْإِمَارَةِ وَيَدْخُلُ إِلَى بَيْتِهِ فَأَكَلَ الْخَلَّ وَالزَّيْتَ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رضائے الٰہی کے لیے میزبانی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے) دوسروں کو شاہانہ انداز کا کھانا کھلاتے اور خود اپنے گھر جا کر (بغیر سالن کے) سرکہ اور زیتون (کے ساتھ) تناول فرما لیتے تھے۔ (الزھد للإمام احمد، ص:106، رقم:684۔ حلیۃ الأولیاء، ج:1، ص:60)

❖ راہِ خدا میں بے دریغ مال خرچ کرنے کے واقعات بے شمار ہیں۔ بئرِ رُومہ کی خریداری ہو، جیشِ عُسرت (غزوۂ تبوک) میں مجاہدین کی مدد ہو یا مسجدِ نبوی شریف کی توسیع ہو... متعدد بار آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا مال خرچ کرنے پر زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی بشارت ملی ہے۔ ایک قول کے مطابق قرآنِ مجید کی یہ آیتِ مبارکہ آپ کی شان میں نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ ”وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں اِن کا انعام اِن کے ربّ کے پاس ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ [البقرۃ2:262]

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے آپ کی شانِ زُہد اور سخاوت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

زاہدِ مسجدِ احمدی پر دُرود　　دولتِ جیشِ عُسرت پہ لاکھوں سلام

تربیت: دُنیا کی محبت ایسی بیماری ہے کہ جو شخص اِس میں مبتلا ہو جائے وہ نہ صرف اپنا سُکون گنوا بیٹھتا ہے، بلکہ بے شمار گناہوں کا ارتکاب بھی کرنے لگتا ہے۔

یہ کڑوا سچ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم دُنیا کی محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں... مال جمع کرنے کے لیے حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے... دُنیا کے کاموں میں اتنے مصروف ہیں کہ نماز اور حج وغیرہ فرائض کے لیے بھی وقت نکالنا مشکل لگتا ہے... زندگی بھر نیکی کے کاموں کو آنے والے کل پر مؤخر کرتے رہتے ہیں... دُنیا کی لگن نے راہِ خدا میں جہاد سے اِس قدر غافل کر دیا ہے کہ جہاں بھر میں خونِ مسلم ارزاں ہے۔

سیرتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سبق لیتے ہوئے دل کی مال داری کے لیے دُعا بھی کرنی چاہیے اور کوشش بھی۔

سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ عنہ اور ایمانی فراست

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کامل مسلمانوں کے دلوں میں مخفی اور پوشیدہ چیزوں کا علم ڈال دیتا ہے، وہ علامات اور نشانیاں دیکھ کر حقیقت جان لیتے ہیں اور صدیوں بعد ہونے والی باتوں کو یوں صحیح صحیح بیان کرتے ہیں جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ اِس خوبی کو "فراست" / "بصیرت" کہا جاتا ہے۔ جتنا ایمان کامل ہوتا ہے فراست بھی اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

سیدنا ابو سعید سعد بن مالک خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ؛ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ۔» "مومن کی فراست سے ڈرو (اِس بات سے ڈرو کہ اللہ تعالیٰ اُسے مخفی / پوشیدہ باتیں بتادے اور تمہیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے)؛ کیونکہ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔[1] "بے شک اِس میں فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔" (جامع ترمذی، حدیث: 3127)

امیر المؤمنین سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کریم نے اعلیٰ درجہ کی فراست و بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ میں ایمانی فراست کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

آنکھوں سے پہچان: ایک شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس نے راستے میں بدنگاہی کی تھی۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: يَدْخُلُ أَحَدُكُمْ وَفِي عَيْنَيْهِ أَثَرُ الزِّنَا؛ یعنی تمہاری آنکھوں میں بدکاری کا اثر معلوم ہو رہا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا: أَوَحْيٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ یعنی آقا کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے لوگوں کے حالات معلوم ہو جاتے، خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد کسی پر وحی تو نازل ہو نہیں سکتی، آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مَیں نے بدنگاہی کی ہے؟ آپ نے فرمایا: لَا، وَلٰكِنَّهَا فِرَاسَةٌ۔ یعنی اب نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کسی پر وحی نازل ہو گی، البتہ اللہ تعالیٰ خاتم النبیین ﷺ کے غلاموں کو ایسی فراست اور حکمت دیتا ہے کہ وہ بھی چہرے دیکھ کر حالت جان لیتے ہیں۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:2، ص:327، دار ھجر۔ ومثلہ فی الفتوحات المکیۃ)

ظالمانہ ٹیکس کی خبر: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے گورنروں کے نام جو پہلا پیغام بھجوایا وہ یہ تھا:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْأَئِمَّةَ أَنْ يَكُوْنُوْا رُعَاةً، وَلَمْ يَتَقَدَّمْ إِلَيْهِمْ أَنْ يَكُوْنُوْا جُبَاةً۔ وَإِنَّ صَدْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خُلِقُوْا رُعَاةً لَمْ يُخْلَقُوْا جُبَاةً۔ وَلَيُوْشِكَنَّ أَئِمَّتُكُمْ أَنْ يَصِيْرُوْا جُبَاةً وَلَا يَكُوْنُوْا رُعَاةً، فَإِذَا عَادُوْا كَذٰلِكَ انْقَطَعَ الْحَيَاءُ وَالْأَمَانَةُ وَالْوَفَاءُ۔ یعنی حمد و صلاۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو پابند کیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ اور نگران بنیں، یہ

---

[1] الحجر 75:15

اجازت نہیں دی کہ صرف ٹیکس جمع کرنے والے ہو جائیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے پہلے جانشین نگران اور محافظ ہی تھے، صرف ٹیکس وصول کرنے والے نہیں تھے، تاہم عن قریب تمہارے حکمران خدمت گزار اور نگران بننے کے بجائے ٹیکس خور بن جائیں گے، جب ایسا ہو گا تو حیا، دیانت داری اور وفا جیسے اچھے اوصاف ختم ہو جائیں گے۔[1]

(تاریخ الرسل والملوک [تاریخ طبری]، ج:4، ص:244، 245، دار التراث)

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو پہلا خط ٹیکس سے متعلق لکھا اور اپنی فراست سے آنے والے حالات کی پیشین گوئی بھی فرمائی۔ آپ کی پیشین گوئی کا کامل مظاہرہ ہم اپنے دَور میں دیکھ رہے ہیں۔

ٹیکس کا شرعی حکم: ملک کا نظام چلانے کے لیے اسلامی حکومت کو یہ اجازت ہے کہ وہ بیت المال قائم کرے اور اُس کے وسائل کا انتظام کرنے کے لیے ٹیکس وغیرہ لاگو کرے، تاہم یہ ضروری ہے کہ:

⇐ ملکی ضرورت کے مطابق ہی ٹیکس مقرر کیا جائے۔

⇐ ٹیکس اتنا زیادہ نہ ہو کہ عوام اُسے برداشت ہی نہ کر سکیں۔

⇐ ٹیکس کو اچھے طریقے سے وصول کر کے بہترین قومی و عوامی مفاد میں استعمال کیا جائے۔

اگر حکومت اِسی طریقے سے ٹیکس جمع کرے تو نہ صرف شرعی و اخلاقی طور پر جائز ہے، بلکہ عوام بھی خوشی سے ٹیکس ادا کرتے ہیں، لیکن اگر حکومت ظالمانہ طریقے سے ٹیکس جمع کرے یا اُسے قومی و عوامی مفاد کے لیے استعمال کرنے کے بجائے اپنی عیاشیوں... وزیروں، مشیروں کی بھاری تنخواہوں اور بے جا مراعات میں صرف کرے تو نہ صرف یہ شرعی اور اخلاقی طور پر ناجائز ہے، بلکہ پھر عوام بھی ٹیکس چوری کے مختلف راستے ڈھونڈتے ہیں۔

ظالمانہ ٹیکس کا گناہ: سیدنا عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ والیٔ کونین ﷺ نے (بطورِ سرزنش) فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ۔» ”بے جا ٹیکس لینے والے کو جنت میں داخلہ نصیب نہیں ہو گا۔“

(سننِ ابو داؤد، حدیث:2937۔ مسند احمد، حدیث:17294)

---

[1] مزید فرمایا: أَلَا وَإِنَّ أَعْدَلَ السِّيَرَةِ أَنْ تَنْظُرُوا فِي أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فِيمَا عَلَيْهِمْ فَتُعْطُوهُمْ مَا لَهُمْ وَتَأْخُذُوهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ، ثُمَّ تُثْنُوا بِالذِّمَّةِ فَتُعْطُوهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَتَأْخُذُوهُمْ بِالَّذِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ الْعَدُوَّ الَّذِي تَنْتَابُونَ فَاسْتَفْتِحُوا عَلَيْهِمْ بِالْوَفَاءِ۔ یعنی بہترین سیرت اور طریقہ یہ ہے کہ تم سب سے پہلے مسلمانوں کے معاملات کا جائزہ لو، اُن کے حقوق پورے کرو اور جو اسلامی حقوق اُن کے ذمے ہیں وہ اُن سے وصول کرو۔ پھر دوسرے مرحلے میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق ادا کرو اور جو اُن پر لازم ہے وہ اُن سے وصول کرو۔ پھر تمہارے دشمنوں کے معاملات ہیں جن سے تم جہاد کر رہے ہو، چنانچہ اسلامی احکام کے مطابق اُنھیں فتح کرنے کی کوشش کرو۔

حرفِ آخر... خصائلِ سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ عنہ اپنانے کی ضرورت

دُنیاوی مال و دولت رِضائے الٰہی کی علامت نہیں، یہ چیزیں تو دشمنانِ دین اور باری تعالیٰ کے ناپسندیدہ لوگوں کو بھی مل جاتی ہیں... رحمتِ الٰہی کی نشانی یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندے کو اچھے اوصاف اور عمدہ اخلاق کی توفیق سے نواز دے۔

جس ہستی کو کائنات میں سب سے زیادہ خوبیاں اور اوصافِ حمیدہ عطا ہوئے وہ ہمارے آقا کریم ﷺ ہیں، قرآنِ حکیم نے آپ کے خُلقِ عظیم کی تعریف فرمائی اور دُنیا آپ کی مثال ڈھونڈنے سے قاصر ہے۔

پھر جن خوش نصیبوں کی عادات خصائلِ نبویہ کا عکسِ جمیل ہیں اور اُن کے کردار میں جانِ عالم ﷺ کے کردار کی جھلک نظر آتی ہے اُن میں ایک نمایاں نام امیر المؤمنین سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ کریمہ اور اوصافِ حمیدہ کی خود آقا کریم ﷺ نے تعریف فرمائی۔ بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ اُن شخصیات میں سے ہیں جنھیں آئیڈیل بنانے والا دونوں جہان کی بھلائیاں اور رحمتیں حاصل کرتا ہے۔

آج کے خطبہ میں آپ کے تین خصائل سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا:

1) لوگوں کی حاجتیں پوری کرنا۔
2) دل کا غنی ہونا۔
3) ایمانی فراست کا حامل ہونا۔

موجودہ بگڑے ہوئے حالات میں ہمیں ربّ تعالیٰ سے دُعا بھی کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں یہ اوصاف عطا فرمائے اور اِنھیں حاصل کرنے کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سیدنا ذو النُّورَین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجات میں بے پناہ بلندیاں عطا فرمائے اور آپ کے صدقے میں ہماری بخشش و مغفرت فرمائے۔ مالکِ کریم غنائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طفیل ہمیں بھی غنی کر دے۔

ربِّ قدیر دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے اور پاکستان کو ترقّی و استحکام سے نوازے۔

مالکِ کریم دین کے خیر خواہوں کی مدد فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۲۱ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ / 28 جون 2024ء

حیاتِ سیدنا سَعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لائقِ تقلید پہلو

مشمولات

- اچھے نام و کردار کی اہمیت اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا نام و کردار
- سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اور اُس کی برکات
- غزوۂ بدر کے موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری
- غزوۂ خندق میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دلیری
- بنو قُرَیظہ کے بارے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ
- شہادتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور وقتِ آخر کرم نوازیاں
- جنازہ و قبر کی کیفیت اور جنت میں شان و شوکت
- سیرتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اسباق و دُروس
- قادیانیوں کی حیثیت اور اُن کے حمایتیوں کی مذمت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ صَیَاصِیۡهِمۡ وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ۝ وَاَوۡرَثَکُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَدِیَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ۝ [الاحزاب 33:26، 27]

اچھے نام اور عمدہ عنوان کی اہمیّت سے انکار نہیں کیا جا سکتا؛ اِسی لیے ہماری یہ تربیت فرمائی گئی کہ بچوں کے نام انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات اور بزرگوں کے ناموں پر رکھے جائیں، نیز تقریبات اور دیگر چیزوں کے عنوانات میں بھی اسلامی تعلیمات کا اثر نظر آئے۔ کبھی اچھے نام کی برکت سے بھی ربّ العزت کرم نوازی فرما دیتا ہے۔

اچھے نام کے ساتھ اگر کردار بھی اچھا ہو تو کیا کہنے! ورنہ بعض اوقات بزدل شخص کا نام "بہادر"... بدمعاش کا نام "شریف"... بے توقیرے کا نام "مُشرَّف" اور بھٹکے ہوئے کا نام "رشید" بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی بے حیائی کو "روشن خیالی" کا یا بد تمیزی کو "اِظہارِ رائے" کا نام دے تو اِن کاموں کو اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سرورِ عالم ﷺ کا نامِ نامی "محمد" ہے، اِس کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرتِ طیبہ بھی ایسی ہے کہ پوری کائنات حمد و مدح کرتی ہے، بلکہ صرف مخلوق ہی نہیں خود خالقِ کائنات بھی تعریف فرماتا ہے اور جو اَب نہیں کرتے وہ بھی قیامت کے دن کریں گے۔

وہ خوش نصیب افراد جن کا نام بھی قابلِ تعریف ہے اور کام بھی لائقِ تحسین، اُن میں سے ایک عظیم شخصیت سیدنا سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ "سَعد" کا معنی ہے: سعادت والا / خوش نصیب / بلند اقبال / بابرکت۔ سیدنا سَعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی سعادت والا تھا اور آپ کا کردار بھی ایسا تھا کہ ربّ تعالیٰ کے کرم سے دُنیا و آخرت کی سعادتیں پائیں۔

آپ آبائی طور پر مدینہ منوّرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تقریباً چھ سال ظاہری حیات میں رہے، اِس مختصر وقت میں اُنھوں نے کئی ایسی سعادتیں حاصل کیں جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئیں۔ اُن کی زندگی میں کئی بار نبیِ رحمت ﷺ نے اُن کی تعریف فرمائی، اُن کی شہادت کے وقت ناز برداریاں فرمائیں، شہادت کے بعد کئی عظیم الشان بشارتوں سے نوازا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق خود باری تعالیٰ نے اُنھیں ایسا اِعزاز عطا کیا جو اُن سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آیا۔

سعادتوں والے سیدنا سَعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ کے کئی پہلو لائقِ تقلید ہیں جو آج بھی اُمّت کی خوب راہ نمائی کرتے ہیں اور اُنھیں اختیار کر کے ہم بھی سعادت مند بن سکتے ہیں۔

آپ کی شہادتِ مبارکہ غزوۂ بنو قُریظہ کے بعد ماہِ ذوالحجہ میں ہوئی، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی حیاتِ کریمہ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اور اُس کی برکات

مکی دَور میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موسم میں دُور دراز سے حج کے لیے آنے والے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اعلانِ نبوت کے بارہویں سال مدینہ منوّرہ (سابق نام "یثرب") سے آئے ہوئے بارہ افراد نے جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست پر سیدنا مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے ہمراہ مدینہ میں تبلیغِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔

یہود نے اپنی کتابوں میں سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جائے ہجرت کے بارے میں نشانیاں پڑھ رکھی تھیں، چنانچہ بہت سے قبائل مختلف علاقوں سے ہجرت کرکے مدینہ میں آباد ہوئے؛ کہ جب نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے اِس علاقے میں تشریف لائیں گے تو ہمیں اُن کی غلامی نصیب ہوگی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اِسی امید پر آنے والے قبیلوں میں سے ایک قبیلے "اَوس" کے سردار تھے۔

سیدنا مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں تبلیغِ اسلام کا مشن جاری رکھے ہوئے تھے۔ اُن سے کہا گیا: اگر سعد بن معاذ اسلام قبول کر لیں تو پورا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسری طرف سعد سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے اُن کے پاس گئے، سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے سعد کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ کریم کی چند آیات سنائیں۔ وہ فرماتے ہیں: فَعَرَفْنَا وَاللهِ فِيْ وَجْهِهِ الْإِسْلَامَ قَبْلَ أَنْ يَّتَكَلَّمَ۔ اُن کے جواب سے پہلے ہی ہمیں اُن کے چہرے سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اسلام کی دولت سے سرفراز فرما دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُنھوں نے غسل کرکے پاک لباس پہنا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر نوافل ادا کرکے اسلام قبول کر لیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جب اپنے خاندان کی طرف واپس لوٹے تو اُن سے فرمایا: میری تم میں کیا حیثیت ہے؟ اُنھوں نے کہا: سَيِّدُنَا وَأَفْضَلُنَا رَأْيًا وَأَيْمَنُنَا نَقِيْبَةً۔ آپ ہمارے سردار ہیں، سب سے عمدہ رائے والے ہیں اور سب سے بابرکت و کامیاب ہیں۔ آپ نے فرمایا: فَإِنَّ كَلَامَ رِجَالِكُمْ وَنِسَائِكُمْ عَلَيَّ حَرَامٌ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ۔ جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تب تک تمہارے ساتھ میری گفتگو حرام ہے۔

چنانچہ رات سے پہلے پورا خاندان مسلمان ہوگیا اور چند ہی دنوں میں آپ اور دیگر داعیانِ اسلام کی تبلیغ کی برکت سے مدینہ منوّرہ کے ہر گھر میں اسلام کی دعوت پہنچ گئی۔ (سیرتِ ابن ہشام: 1/437۔ تاریخ طبری: 2/359۔ البدایہ والنہایہ: 3/187)

اگلے سال حج کے موقع پر 72 افراد نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا اور "یثرب" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لانے اور اُسے "مدینہ منوّرہ" بنانے کی دعوت دی۔

تربیت: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی سیرت سے سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے اثر ورسوخ اور عزت عطا کرے اُسے چاہیے کہ اپنے اثر ورسوخ سے اسلام کی خدمت کرے، اُس کی کوشش سے جتنے لوگوں کو نیکی کی توفیق میسّر ہوگی سب کا ثواب اُسے بھی عطا کیا جائے گا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

غزوۂ بدر سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قریش مدینہ منوّرہ پر حملہ کے لیے آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا۔ اِس موقع پر انصاری صحابہ کی نمائندگی کرتے ہوئے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی محبت بھری معروضات پیش کیں کہ اُنھیں سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

اُنھوں نے کہا: یارسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور ہم نے گواہی دی کہ آپ جو دین لائے ہیں وہی حق ہے، ہم نے حکم سننے اور فرماں برداری کرنے کے پختہ وعدے کیے ہیں۔ مزید کہا:

- فَامْضِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَا أَرَدْتَّ! فَنَحْنُ مَعَكَ، فَوَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَوِ اسْتَعْرَضْتَ بِنَا هٰذَا الْبَحْرَ لَخُضْنَاهُ مَعَكَ، مَا تَخَلَّفَ مِنَّا وَاحِدٌ۔ یعنی آقا! آپ جدھر کو چاہیں قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کو حق کے ساتھ بھیجنے والے ربّ کی قسم! اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔
- وَمَا نَكْرَهُ أَنْ تَلْقَى عَدُوَّنَا غَدًا، إِنَّا لَصُبُرٌ عِنْدَ الْحَرْبِ، صُدُقٌ عِنْدَ اللِّقَاءِ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ يُرِيْكَ مِنَّا مَا تَقَرُّ بِهِ عَيْنُكَ، فَسِرْ بِنَا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ۔ ہمیں اِس بات سے کوئی پریشانی نہیں کہ کل ہماری دشمن سے جنگ ہو جائے۔ اِن شاء اللہ ہم جنگ کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے اور وعدہ سچ کر دکھانے والے ہیں۔ اُمّید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری جاں نثاری کے وہ مناظر دکھائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ آپ ہمیں لے چلیے! اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔ (دلائل النبوۃ: 3/34۔ مغازی الواقدی: 1/48)

دوسری روایت کے مطابق سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کی: وَصِلْ حَبْلَ مَنْ شِئْتَ وَاقْطَعْ حَبْلَ مَنْ شِئْتَ، وَخُذْ مِنْ أَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ وَأَعْطِنَا مَا شِئْتَ، وَمَا أَخَذْتَهُ مِنَّا أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا تَرَكْتَ عَلَيْنَا۔ یعنی آپ جس سے چاہیں تعلقات قائم کریں اور جس سے چاہیں توڑیں، ہمارے مالوں میں سے جو چاہیں قبول فرمائیں اور جو چاہیں ہمیں عطا کریں، قسم بخدا! جو آپ قبول فرمائیں گے وہ ہمیں اُس مال سے زیادہ پیارا ہو گا جو آپ ہمارے پاس رہنے دیں گے۔ (دلائل النبوۃ: ج: 3، ص: 107، دار الکتب العلمیۃ)

راوی کہتے ہیں: فَسُرَّ بِذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ سیدنا سعد کی معروضات سُن کر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ: 3/34)

تربیت: اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے اور نافرمانی سے بڑھ کر کوئی نحوست نہیں ہے۔ سچے فرماں بردار کی پہچان مشکل وقت میں ہوتی ہے، آسانی میں تو لوگ عمل کر ہی لیتے ہیں۔ غزوۂ بدر کے وقت حالات انتہائی پیچیدہ تھے، ایک طرف اسلحہ سے لَیس بڑی فوج، دوسری طرف نہتے چند افراد... ایسے میں جنگ کرنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا، مگر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز گفتگو سے سبق ملتا ہے کہ اطاعت میں جان بھی جائے تو سعادت ہی سعادت ہے۔

غزوۂ خندق میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دلیری

ہجرت کے پانچویں سال عرب کے تمام کفار جمع ہو کر مدینہ منوّرہ پر حملہ آور ہوئے، اُن کی تعداد دس ہزار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد دفاعی حکمتِ عملی کا فیصلہ کیا اور مدینہ شریف کے گرد خندق کھدوا کر مورچہ بندی کروادی۔ تقریباً ایک ماہ تک کفار نے شہر مبارک کا محاصرہ کیے رکھا۔ اِس دوران مدینہ منوّرہ کے یہودیوں نے بھی امن کا معاہدہ توڑ کر بغاوت کر دی۔

اللہ کریم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جرأت و بہادری ظاہر فرمانا چاہتا تھا... چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو مشورہ کے لیے بلایا، تجویز یہ تھی کہ حملہ آوروں میں شامل قبیلہ غَطَفَان سے معاہدہ کر لیا جائے کہ وہ مدینہ شریف کی پیداوار کا ایک حصہ لے لیا کریں اور کفار کا ساتھ چھوڑ دیں، یوں کفار کی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!

- أَوَحْيٌ مِنَ السَّمَاءِ فَالتَّسْلِيمُ لِأَمْرِ اللهِ۔ یعنی اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو حکمِ الٰہی کے سامنے ہمارا سر جھکا ہوا ہے۔
- أَوْ عَنْ رَأْيِكَ أَوْ هَوَاكَ فَرَأْيُنَا تَبَعٌ لِهَوَاكَ وَرَأْيِكَ۔ اگر یہ آپ کی رائے یا چاہت ہے تو ہماری رائے آپ کی چاہت کے تابع ہے۔
- فَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا تُرِيدُ الْإِبْقَاءَ عَلَيْنَا فَوَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَإِيَّاهُمْ عَلَى سَوَاءٍ مَّا يَنَالُونَ مِنَّا تَمْرَةً إِلَّا بِشِرًى أَوْ قِرًى۔

یعنی اگر آپ ہم سے مشورہ لینا چاہتے ہیں تو عرض یہ ہے کہ جب ہم اور یہ سبھی کفر پر تھے تب اِنھیں یہ جرأت نہیں تھی کہ ہم سے ایک کھجور بھی چھین لیں، لینا چاہتے تو خرید کر لیتے یا بطورِ مہمان لیتے۔ (اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی توفیق دے کر آپ کی غلامی کے ذریعے عزت عطا کی ہے، اب ہم دب کر اُنھیں اپنا مال کیوں دیں؟[1])(المعجم الکبیر، حدیث:5409۔ مجمع الزوائد:6/132)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ نہ تو یہ اللہ کا حکم ہے، نہ میرا فیصلہ ہے، مَیں نے یہ تجویز تمہاری خاطر دی ہے۔ اُنھوں نے عرض کی:

مَا لَنَا بِهٰذَا مِنْ حَاجَةٍ، وَاللهِ لَا نُعْطِيهِمْ إِلَّا السَّيْفَ حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ... لِيَجْهَدُوا عَلَيْنَا۔ یعنی ہمیں دب کر صلح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں... قسم بخدا! ہم اُنھیں کھجوریں نہیں، تلواریں دیں گے، حتّٰی کہ اللہ ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرمادے... وہ اپنا پورا زور لگالیں (ہمیں اللہ کی مدد کافی ہے)۔ (دلائل النبوۃ:3/431۔ سیرتِ ابن ہشام:2/223، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور کفار کی فوجیں ایک ماہ بعد ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹ گئیں۔

تربیت: جب عرب کے تمام کافر جمع ہو کر حملہ آور تھے اور حالات انتہائی سنگین تھے تب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسا کرتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور اسلام پر فخر کا اِظہار کیا اور کفار سے قطعًا خوف زدہ یا مرعوب نہ ہوئے۔ اِسی جذبہ کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں "خودی" سے تعبیر کیا ہے اور اِسے عزت سے جینے کا ذریعہ بتایا ہے۔ آج اُمّت کو اِس کی شدید ضرورت ہے۔

---

[1] فَحِينَ أَكْرَمَنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ وَهَدَانَا لَهُ وَأَعَزَّنَا بِكَ نُعْطِيهِمْ أَمْوَالَنَا؟ (دلائل النبوۃ:3/430۔ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:2/223)

بنو قُرَیظہ کے بارے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

غزوۂ خندق سے فارغ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغاوت کرنے والے یہودی قبیلے بَنُو قُرَیظہ سے جہاد کرنے کا حکم ملا، نبیِ کریم ﷺ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ہمراہ فوری طور پر روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر مسلمانوں نے اُن کے علاقے کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً پچاس دنوں کے بعد بنو قُریظہ نے تنگ آکر اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہو گا۔ اُن کا خیال تھا کہ سعد کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات ہیں، چنانچہ وہ ہماری طرف داری کریں گے۔

نبیِ رحمت ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا، آپ زخمی حالت میں دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر ہوئے اور اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا: فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ اِن میں جتنے لڑنے والے ہیں اُن سب کو قتل کر دیا جائے، جب کہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حَكَمْتَ بِحُكْمِ اللهِ، أَوْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ۔ یعنی "سعد! تم نے اِن کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو عرش کے مالک کا فیصلہ تھا۔" (صحیح بخاری، حدیث:3804)

اِس حوالے سے ارشادِ ربّانی ہے: وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ "اور جن اہلِ کتاب نے کافروں کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ان کے قلعوں سے اُتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ان میں بعض کو تم قتل کرتے ہو اور کچھ کو قید کرتے ہو ۝ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانات اور ان کے مالوں کا مالک بنادیا اور اُس زمین کا بھی جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" [الاحزاب 33:26، 27]

تربیت: اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ دین میں پختہ ہوتے ہیں اور حق کے حوالے سے کسی کی ملامت و لعن طعن کی پرواہ نہیں کرتے۔ [المائدۃ 5:54] نیز جب اللہ، رسول کی بات ہو تو اپنی رشتہ داریوں اور تمام مفادات کو پسِ پُشت ڈال کر وہ کام کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سرورِ عالَم ﷺ کی خوشنودی حاصل ہو۔

یہ وصف بھی پورے جوبن کے ساتھ سیدنا سعد بن مُعاذ رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ میں نظر آتا ہے۔ بنو قُریظہ نے اُنھیں مُنصِف بنایا ہی اِس لیے تھا کہ اُن کے ساتھ پرانے تعلّقات تھے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ میرے فیصلے پر لوگ اعتراض کریں گے کہ بہت سخت فیصلہ کیا ہے... مگر آپ نے اللہ، رسول اور دین کے معاملے میں نہ تو اپنے تعلّقات کی پرواہ کی، نہ ہی لوگوں کی طعن و تشنیع کا خوف رکھا... بلکہ اسلام کی سربلندی اور دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے وہ شان دار فیصلہ کیا جو قیامت تک مسلمانوں کو دین کے معاملے میں پختگی کا درس دیتا رہے گا اور سرورِ عالَم ﷺ نے اِس فیصلے کو پسند فرماتے ہوئے یہ بشارت دی کہ سعد کو اللہ کے پسندیدہ فیصلے کی توفیق ملی ہے۔

شہادتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں دشمن کا تیر لگا، جس سے بازو کی ایک رَگ کٹ گئی، زخم کافی بہتر ہو رہا تھا، مگر اُنھوں نے دُعا کی:

⇐ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ ﷺ وَأَخْرَجُوهُ... فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ فَأَبْقِنِي لَهُ حَتَّى أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ ۔ یعنی اللہ! تُو جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ اُن قریش سے جہاد کا شوق ہے جنھوں نے تیرے رسولِ مکرّم ﷺ کو جھٹلایا اور اُن کی شرارتوں کی وجہ سے میرے آقا ﷺ کو مکہ مکرّمہ سے جانا پڑا۔ خدایا! اگر قریش سے مزید کوئی جنگ ہو گی تو مجھے اُس کے لیے زندگی عطا فرما؛ تاکہ مَیں تیری رضا کے لیے اُن سے جہاد کروں۔

⇐ وَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ فَافْجُرْهَا وَاجْعَلْ مَوْتَتِي فِيهَا ۔ اور اگر قریش کے ساتھ جنگوں کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اِس زخم کو تازہ کر کے میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 4122۔ صحیح مسلم، حدیث: 1769)

زندگی کی تمنّا فقط دشمنانِ رسول ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے، ورنہ آرزوئے شہادت! اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

وقتِ آخر سرورِ عالم ﷺ کی کرم نوازیاں

سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کے بعد تقریباً چھ سال ظاہری زندگی نصیب ہوئی۔ یہ وقت اگرچہ بہت مختصر ہے، مگر اُنھوں نے اِس میں جاں نثاری و وفاشعاری کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو یوں خوش کیا کہ اُنھیں شہادت کے وقت اور شہادت کے بعد بارگاہِ خدا تعالیٰ و دستِ مصطفیٰ کریم ﷺ سے ملنے والے انعامات کا ذکر سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

نبیِ کریم ﷺ اپنی نگرانی میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا علاج کروا رہے تھے، جب اُن کے زخم سے خون بہنے لگا تو صحابۂ کرام کے ہمراہ تشریف لائے اور اُن کا سر اپنی گود میں رکھ کر دُعا کی: «اَللّٰهُمَّ إِنَّ سَعْدًا قَدْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِكَ، وَصَدَّقَ رُسُلَكَ، وَقَضَى الَّذِي عَلَيْهِ، فَاقْبَلْ رُوحَهُ بِخَيْرِ مَا تَقَبَّلْتَ بِهِ الْأَرْوَاحَ ۔» ”اے اللہ! یقیناً سعد نے تیری راہ میں جہاد کیا، تیرے رسولوں کی تصدیق کی اور اپنی ذمہ داری پوری کی، اے اللہ! تو سعد کی روح کو بہترین فضل و کرم کے ساتھ قبول فرما لے۔“ (فضائل الصحابہ، رقم: 1499)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دُعا سن کر آنکھیں کھولیں اور عرض کی: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَمَا إِنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ۔ یعنی یا رسول اللہ! غلام کا آخری سلام قبول کیجیے! مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ: 3/427)

رسول اللہ ﷺ نے ازراہِ محبت اُنھیں سینے سے لگالیا، اُن کے زخم سے نکلنے والا خون کائنات کے دولہا ﷺ کے چہرۂ مبارک اور داڑھی شریف پر لگنے لگا۔ دیکھنے والوں کو جہاں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی قسمت پر رشک آرہا تھا وہاں آپ ﷺ کی تعظیم بھی پیشِ نظر تھی۔ کوئی صاحب آپ ﷺ کے چہرۂ پاک کو خون سے بچانے کے لیے آگے بڑھتے تو آپ ﷺ سیدنا سعد کو مزید اپنے قریب کر لیتے، اِسی حالت میں سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح جسم سے نکل کر بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگئی۔[1]

(المغازی للواقدی، ج:2، ص:526، دار الأعلمی۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:3، ص:427، دار صادر)

جنازہ و قبر کی کیفیت اور جنت میں شان و شوکت

صحابۂ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں: جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کا جسدِ خاکی اُٹھایا گیا تو اُس کا وزن بہت کم تھا۔ منافق کہنے لگے: اِنھوں نے بنو قریظہ کے بارے میں غلط فیصلہ کیا تھا، اِس لیے جنازہ بہت ہلکا ہے۔ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «لَقَدْ نَزَلَ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ شَهِدُوْا جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ مَّا وَطِئُوا الْأَرْضَ قَبْلَ يَوْمَئِذٍ۔» "ستر ہزار فرشتے (آسمان سے) اُتر کر سعد کے جنازے میں شریک ہوئے ہیں (اُنھوں نے بھی اُٹھایا ہے)، اِن فرشتوں نے آج سے پہلے کبھی بھی زمین پر قدم نہیں رکھے۔"[2] (فضائل الصحابۃ للامام احمد، حدیث: 1491، ورواہ الترمذی فی جامعہ مختصرا، حدیث:3849)

روایت میں ہے: اِقْتَبَضَ إِنْسَانٌ مِنْ تُرَابِ قَبْرِهٖ-يَعْنِيْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ-فَفَتَحَهَا فَإِذَا هِيَ مِسْكٌ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: سُبْحٰنَ اللهِ! سُبْحٰنَ اللهِ! حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهٖ۔ ایک شخص آپ کی قبر مبارک کی مٹی مٹھی بھر کر اپنے ساتھ لایا، بعد میں دیکھا تو وہ مشک تھی۔ جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اِس کا ذکر کیا تو رخسارِ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور زبانِ اقدس پر سُبْحٰنَ اللهِ! سُبْحٰنَ اللهِ! جاری ہوگیا۔ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، رقم:697۔ قال السیوطی: سندہ صحیح، جمع الجوامع، ج:22، ص:88)

جنت میں شان و شوکت: ایک موقع پر کسی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ریشمی حُلّہ نذر پیش کیا، جو نہایت نرم و ملائم تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُس کی نرمی اور خوب صورتی پر تعجب کا اظہار کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا۔» یعنی "قسم بخدا! سعد بن معاذ کو جنت میں جو رومال دیے گئے ہیں وہ اِس سے بھی زیادہ حسین، خوب صورت اور نرم ہیں۔" (صحیح بخاری، حدیث:3248)

---

[1] لَمَّا انْفَجَرَتْ يَدُ سَعْدٍ بِالدَّمِ قَامَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاعْتَنَقَهٗ وَالدَّمُ يَنْفَحُ فِيْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلِحْيَتِهٖ، لَا يُرِيْدُ أَحَدٌ أَنْ يَقِيَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ الدَّمَ إِلَّا ازْدَادَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قُرْبًا حَتّٰى قُضِيَ۔

[2] معلوم ہوا کہ فرشتے محبوبانِ خدا کی وفات کے بعد بھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں، اِسی لیے مسلمان شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بزرگوں کی قبر پر چادر ڈالتے ہیں اور مزار کے گرد تعمیر کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رضائے الٰہی کے لیے مومن کے جنازے کو کندھا دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ربّ تعالیٰ کی نوازشات

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد کے جنازے کے سامنے فرمایا: «اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔» یعنی ”سعد بن معاذ (کی روح آنے کی خوشی میں اُس) کے لیے اللہ تعالیٰ کا عرش جھوم اُٹھا ہے۔“[1]

(صحیح بخاری، حدیث: 3803۔ صحیح مسلم، حدیث: 2466، ترجمہ ماخوذ از شرح نووی)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ارشادِ نبوی ہوا: هٰذَا الَّذِيْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ یعنی ”سعد کے لیے عرشِ الٰہی جھوم اُٹھا اور آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے۔“ (سنن نسائی کبریٰ، حدیث: 2193)

سیدتنا اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کی والدہ رونے لگیں تو آپ ﷺ نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے اور خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «أَلَا يَرْقَأُ دَمْعُكِ وَيَذْهَبُ حُزْنُكِ، فَإِنَّ ابْنَكِ أَوَّلُ مَنْ ضَحِكَ اللهُ إِلَيْهِ[2] وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ۔» یعنی ”آنسو روکو! غم دُور کرو! تمہارے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی منفرد رضا، کرم نوازی اور عزت سے نوازا ہے جو اِس سے پہلے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائی اور اُس کے لیے عرش جھوم اُٹھا ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 4925، إسنادہٗ صحیح)

حرفِ آخر... سیرتِ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اسباق و دُروس

خوب صورت نام کے ساتھ ساتھ اگر کردار بھی حسین ہو تو انسان کے دُنیا سے جانے کے بعد اُس کی یادوں کے چراغ روشن رہتے ہیں اور اُس کا ذکرِ خیر کرنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

سردارِ اَوس اور سچے جاں نثار و وفا شعار کی حیاتِ مبارکہ کے کچھ لائقِ تقلید واقعات کا تذکرہ ہوا، اُن کا اسمِ گرامی ”سعد“ تھا، جس کا معنیٰ ہے: سعادت والا / خوش نصیب... اور اُنھوں نے ایسا کردار پیش کیا کہ قبولِ اسلام کے بعد بہت مختصر وقت گزار کر فقط 37 سال کی عمرِ مبارک میں شہادت پائی، مگر ایسی سعادتیں نصیب ہوئیں کہ اُن کا تذکرہ کر کے قیامت تک اُن کی سعادتوں پر رشک کیا جائے گا۔

آج کے خطبہ میں ذکر کیے گئے اُمور سے جو باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں:

1) انسان کو چاہیے کہ اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے اپنا مال، صلاحیتیں اور اثر و رسوخ، حتّٰی کہ اپنی جان بھی پیش کرنے کے لیے تیار

---

[1] پتا چلا کہ موت سے جسم بے جان ہو جاتا ہے، روح نہیں مرتی۔ نیکوں کی روحیں جسم سے نکلنے کے بعد عرشِ الٰہی کی سیر کرتی ہیں اور جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔

[2] قَالَ الْعُلَمَاءُ: ضَحِكُ اللهِ تَعَالٰى: هُوَ رِضَاهُ بِفِعْلِ عَبْدِهٖ وَمَحَبَّتُهٗ إِيَّاهُ وَإِظْهَارُ نِعْمَتِهٖ عَلَيْهِ وَإِيْجَابُهَا عَلَيْهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ۔ (النووی علی مسلم)

رہے... جیسا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اگر اُمّت میں آج یہ جذبہ موجود ہوتا تو غزہ کے یہ حالات نہ ہوتے!

2) مسلمان کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ عالی کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا یہ تاریخی جملہ قیامت تک اپنی مثال آپ رہے گا: "حضور! اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔"

3) دشمنانِ اسلام سے ڈر جانا اور باطل سے دَب جانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ غزوۂ خندق میں صلح کی تجویز پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دائرۂ ادب میں رہتے ہوئے کافروں سے متعلق جس دلیری کا مظاہرہ کیا، آج اُمّت کو اُس کی بے حد ضرورت ہے۔

4) اللہ، رسول اور دین کے معاملے میں انسان کو اپنے تمام مفادات اور رشتہ داریاں پسِ پُشت ڈال دینی چاہییں۔ اِس مسئلے میں لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کی ہر گز پرواہ نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کا فیصلہ کرتے ہوئے کیا۔

5) اگر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مخلص ہو جائے تو اُدھر سے ہونے والی کرم نوازیاں انسان کی سوچ سے بھی بالاتر ہوتی ہیں۔

قادیانیوں کی حیثیت اور اُن کے حمایتیوں کی مذمت: کچھ روز سے میڈیا پر بعض لوگ قادیانیوں کی حمایت کرتے نظر آرہے ہیں؛ اِس عید پر مختلف علاقوں کی پولیس اور انتظامیہ نے پاکستان کے قانون اور سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کرواتے ہوئے قادیانیوں کو قربانی سے روکا تھا، اُن کے حمایتی کہتے ہیں کہ اس سے قادیانیوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

یہ لوگ اگر سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ پڑھ لیں تو ان کی تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ تقریباً تین دہائیاں قبل قادیانیوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں یہ اپیل کی گئی تھی کہ ہمیں مساجد بنانے اور دیگر اسلامی شعائر استعمال کرنے سے روکا جاتا ہے، یہ ہمارے بنیادی حقوق کے خلاف ہے، چنانچہ سپریم کورٹ کے فل بینچ نے فیصلہ دیا تھا کہ قرآن و سنت اور آئینِ پاکستان کے مطابق قادیانی کافر ہیں اور وہ اسلامی شعائر / اسلامی نام استعمال کر کے دھوکا دیتے ہیں، اگر انھیں اس سے روکا جائے تو ان کے حقوق کی ہر گز خلاف ورزی نہیں ہوتی؛ کیونکہ دھوکا دینا کسی کا حق نہیں۔ سپریم کورٹ نے یہ بھی کہا تھا کہ قادیانیوں کو چاہیے اپنے لیے نئی اصطلاحات بنائیں جیسے ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب والوں نے بنائی ہوئی ہیں۔

چنانچہ نام نہاد دانشور اپنے "لاڈلے قادیانیوں" کو سمجھائیں کہ جو جانور وہ ذبح کرنا چاہتے ہیں اسے "قربانی" نہ کہیں؛ کیونکہ قربانی شعائرِ اسلام سے ہے اور شعائرِ اسلام صرف مسلمان استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی عبادت گاہ بنانا چاہتے ہیں تو اسے "مسجد" کا نام نہ دیں؛ کیونکہ مسجد شعائرِ اسلام سے ہے اور شعائرِ اسلام صرف مسلمانوں کے لیے ہیں۔

ہم قادیانیوں کے حمایتیوں کی سخت مذمت کرتے ہیں اور اداروں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایسے انتشار پھیلانے والے عناصر کو لگام ڈالیں اور قادیانیوں کے بارے میں آئینِ پاکستان اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو پوری طرح نافذ کرتے ہوئے انہیں شعائرِ اسلام پر عمل کرنے / استعمال کرنے سے مکمل طور پر روکیں۔

۲۸ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ / 05 جولائی 2024ء

سیرتِ فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ اور ہماری حالتِ زار

مشمولات

- سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخَینِ کریمَین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گزشتہ آسمانی کتابوں میں ذکر
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کی جلوہ گری اور پادری کا اعلان
- بیت المقدس کی طرف اسلامی لشکر کی روانگی
- فاتحِ بیت المقدس اور دیگر مجاہدین رضی اللہ عنہم کی دُنیا سے بے رغبتی
- پادری کی گفتگو اور مجاہدینِ بیت المقدس کی ثابت قدمی
- تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
- فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا بابرکت و بے تکلّف سفر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ۔ [الانبیاء 105:21]

سرورِ عالَم ﷺ کا یہ بے مثال اعزاز ہے کہ آپ کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی چہار دانگِ عالَم میں آپ کا چرچا تھا؛ کیونکہ ربّ تعالیٰ نے گزشتہ آسمانی کتابوں میں آپ کے اوصافِ حمیدہ کو ذکر بھی فرمایا اور پہلی اُمّتوں کے علما سے آپ کی خوبیاں لوگوں کے سامنے خوب واضح کرنے کا پختہ وعدہ بھی لیا۔[1]

صرف رحمتِ کونین ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی نہیں، بلکہ آپ کے قدموں کی برکت سے آپ کے وفا شعار غلاموں کا ذکرِ خیر بھی گزشتہ آسمانی کتابوں میں موجود تھا، خصوصًا خلیفۂ اوّل بلافصل سیدنا ابو بکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر اِس قدر تفصیل سے تھا کہ اُس کے بارے میں جان کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

دونوں حضرات کی یہ خوبی کئی مقامات پر ظاہر ہوئی۔ جب دورِ فاروقی میں بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر نے محاصرہ کیا تو خود امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے، اُس موقع پر عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری نے فقط آپ کی زیارت کر کے جنگ ختم کر دی تھی اور اپنی قوم سے کہا تھا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اِس ہستی کے اوصاف ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھ رکھے ہیں اور مَیں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ہماری کتابوں کے مطابق یہی شخصیت فاتحِ بیت المقدس ہے۔

آج غزہ کے دَر و دیوار سرزمینِ مقدس کے باسیوں کے خون سے رنگین ہیں اور وہاں کے غیرت مند مسلمان مسلم حکمرانوں کی بے حسی پر بجا طور سے شکوہ کر رہے ہیں... ایسے میں امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فاتحانہ سفر بیت المقدس یاد آتا ہے اور اُس کا تذکرہ کئی پہلوؤں سے اُمّت کی راہ نمائی کرتا ہے۔

ایک طرف امیر المؤمنین سیدنا عمر اور دیگر مجاہدینِ بیت المقدس رضی اللہ عنہم کا جذبۂ جہاد اور دُنیا سے بے رغبتی ہے... دوسری جانب دورِ حاضر کے مسلمانوں کا محبتِ دُنیا میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کو بھلا دینا اور موت سے خوف زدہ ہونا ہے۔ حقیقت میں "دُنیا کی محبت" اور "موت کا خوف" ہی وہ مصیبتیں ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو بے توقیر کر دیا ہے اور کہیں کا نہیں چھوڑا۔

چنانچہ فاتحِ بیت المقدس امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یومِ وصال کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کے سفر بیت المقدس اور موجودہ حالات سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ۔ [اٰلِ عمران 187:3]

فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

مرادِ رسول، فاتحِ بیت المقدس، امیر المؤمنین، امام العادلین، فاروقِ اعظم، خُسرِ مصطفیٰ، دامادِ علیِ مرتضیٰ، ابو حفص عمر بن خطّاب قریشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ نبویہ سے تقریباً 41 سال پہلے مکہ مکرّمہ میں پیدا ہوئے۔

دورِ جاہلیت میں بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اعلیٰ درجہ کے گُھڑ سوار، طاقت وَر پہلوان، عمدہ خطیب و مال دار تاجر تھے اور قریشِ مکہ کی جانب سے شاہی درباروں میں بطور سفیر جایا کرتے تھے۔

اُن کی خوش نصیبی کہ رسول اللہ ﷺ نے دُعا کر کے ربّ تعالیٰ سے اُنھیں مانگا تو اِعلانِ نبوت کے چھٹے سال اپنی زندگی کے 33 ویں برس، ماہِ ذوالحجہ میں اسلام قبول کر لیا، پھر تقریباً سات سال مکہ مکرّمہ اور گیارہ سال مدینہ منوّرہ میں رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں انتہائی قریبی جاں نثار ہونے کا شرف پایا۔ اِس دوران تمام غزوات میں نمایاں خدمات سر انجام دیں اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے جیسے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب ﷺ نے اُسے پسند کرتے ہوئے ویسا ہی حکم فرما دیا۔

وصالِ نبوی کے بعد آپ نے اُمّت پر احسان کرتے ہوئے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کروانے میں مرکزی کردار ادا کیا اور تقریباً اڑھائی سال تک اُن کے مشیرِ خاص رہے۔

خلیفۂ اوّل بلا فصل کے وصالِ مبارک کے بعد امیر المؤمنین قرار پائے اور دس سال تک اِس منصبِ جلیل پر فائز رہتے ہوئے پوری دُنیا میں ریاستِ مدینہ کا جھنڈا لہرایا، اپنی خداداد فِراست سے شعارِ حکمرانی کو نئی جہتیں عطا کیں اور قرآن و سنت کے مطابق عدل و انصاف کا ایسا شفّاف نظام قائم کیا، جس کی مثال قیامت تک پیش کی جاتی رہے گی۔

مسجدِ نبوی میں مصلّائے رسول علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر کھڑے ہو کر نمازِ فجر کی امامت کروا رہے تھے کہ ایک بدبخت نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا، جس کے بعد یکم محرم الحرام، 24ھ،[1] کو مدینہ منوّرہ میں شہادت پائی۔

قیامت تک رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں حاضر ہیں، حدیثِ مبارک کے مطابق حشر کے دن رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک تھام کر گنبدِ خضرا شریف سے باہر آئیں گے اور میدانِ حشر میں اِعزاز پانے کے بعد جنت کے بلند درجہ پر فائز ہوں گے۔

اُنھیں عطائے الٰہی سے بے شمار ایسے اعزازات نصیب ہوئے جنھیں کوشش کر کے حاصل کرنا ممکن نہیں۔

---

[1] زبان زدِ عام یہی تاریخ ہے، تاہم دیگر روایات بھی موجود ہیں۔ ویسے بھی تاریخ کی تعیین مقصود نہیں، بلکہ صاحبِ شہادت کا تذکرہ اور اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرنا مقصود ہے۔

بیت المقدس کی طرف اسلامی لشکر کی روانگی

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں امینِ اُمّت سیدنا ابو عُبَیدَہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کو اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ 16ھ/638ء میں مسلمانوں نے سخت جنگ کے بعد "یَرْمُوک" کو فتح کر لیا، اِس کے ساتھ ہی پورا شام ریاستِ مدینہ کا حصہ بن گیا۔

فتحِ یرموک کے بعد سالارِ لشکرِ اسلام سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ اب فلسطین کے شہر "قِیساریہ"[1] کو فتح کرنے کی تیاری کی جائے یا بیت المَقْدِس کا رُخ کیا جائے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کیا تو مولَی المسلمین سیدنا علیِ مرتضیٰ کرّم اللہُ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کہا: پہلے بیت المقدس کو فتح کیجیے، پھر قیساریہ بھی ان شاء اللہ فتح ہو جائے گا! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی طرح بتایا تھا۔[2] چنانچہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی طرف فوج کو روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔

سرزمینِ بیت المقدس کو کئی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے، خصوصاً شبِ معراج کو آسمانوں کا سفر شروع کرنے سے پہلے سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں رونق افروز ہوئے اور مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ چنانچہ جب مسلمان روانہ ہوئے تو وہ مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا کرنے اور انبیائے ذی شان کے آثار دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ 35,000 مجاہدین مختلف دستوں میں بیت المقدس پہنچے اور عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے یا اسلامی ریاست کا ماتحت بن کر جِزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی، اُن کے انکار پر جہاد کا آغاز ہوا، چند روز بعد جب سپہ سالار سیدنا ابو عُبَیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے تو مسلمانوں نے زوردار انداز میں "لا اِلٰہ الّا اللہ" اور "اللہ اکبر" کی صدائیں بلند کیں، جس سے عیسائیوں پر سخت رُعب طاری ہو گیا۔

پادری کی گفتگو اور مجاہدینِ بیت المقدس کی ثابت قدمی

اُن کا بڑا پادری کہنے لگا: یہ شہر مقدس جس شخص کے ہاتھوں پر فتح ہو گا ہمیں اُس کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہے، مَیں قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر دیکھتا ہوں، اگر یہ وہی شخص ہوا تو ہم ہتھیار ڈال دیں گے، ورنہ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پھر اُس نے دیوار پر چڑھ کر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو عیسائیوں سے کہنے لگا: بے فکر ہو کر اِن سے لڑو اور اپنے شہر کی حفاظت کرو، یہ فاتحِ بیت المقدس نہیں ہے۔[3]

---

[1] اب یہ شہر فلسطین پر ظالمانہ یہودی قبضہ سے قائم ہونے والی ناجائز ریاست "اسرائیل" کا حصہ ہے۔

[2] فقال علیٌّ رضی الله عنه: یا أمیرَ المؤمنین! مُرْ صاحِبَكَ أن یصیر إلیٰ بیتِ المقدس، فیحدقوا بها ویقاتلوا أهلَها، فهو خیرُ الرأیِ وأكبرُهُ، وإذا فتحتَ بیتَ المقدس فاصرِفْ جیشَهُ إلیٰ قَیْسارِیَةَ فإنها تُفتَحُ بعدُ إن شاء الله تعالیٰ، كذا أخبرني رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(فتوح الشام للواقدی، ذكر فتح مدینة بیت المقدس، ج:1، ص:219، 220، دار الكتب العلمیة، الطبعة الأولیٰ)

[3] لیس هو هذا الرجلَ، فأبشروا وقاتِلُوا عن بلدِكم ودینِكم وحریمِكم۔ (فتوح الشام، ج:1، ص:223)

موسم سرد تھا، مگر مجاہدین کا جذبہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ سخت مشکل کے باوجود وہ نہایت دلیری کے ساتھ چار ماہ تک جہاد میں مصروف رہے۔ طویل محاصرہ اور لڑائی سے تنگ آکر عیسائیوں نے اپنے بڑے پادری سے کہا کہ وہ ایک مرتبہ پھر صورتِ حال کا جائزہ لے؛ تاکہ یا تو مسلمانوں کے ساتھ مذاکرات کیے جائیں یا پھر آمنے سامنے لڑائی ہو۔

چنانچہ پادری نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر سالارِ لشکر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کچھ گفتگو کی، آخر میں کہنے لگا: إِنَّكُمْ لَوْ أَقَمْتُمْ عَلَيْنَا عِشْرِينَ سَنَةً مَا فَتَحْتُمُوهَا أَبَدًا۔ تم اگر بیس سال تک اِس شہر کا محاصرہ کیے رکھو تو بھی اِسے کبھی فتح نہیں کر سکتے۔ پھر وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: وَإِنَّمَا تُفْتَحُ لِرَجُلٍ صِفَتُهُ وَنَعْتُهُ فِي كُتُبِنَا وَلَسْنَا نَجِدُ صِفَتَهُ وَنَعْتَهُ مَعَكَ أَبَدًا۔ فاتحِ بیت المقدس کا سراپا اور اُس کے اوصاف ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور وہ اوصاف تمہارے اندر موجود نہیں ہیں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فاتحِ بیت المقدس کے اوصاف کیا ہیں؟ پادری کہنے لگا: تفصیل تو نہیں بتا سکتا، تاہم ہمیں معلوم ہے کہ إِنَّهُ يَفْتَحُ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ صَاحِبُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اِسْمُهُ عُمَرُ يُعْرَفُ بِـ "الْفَارُوقِ"، وَهُوَ رَجُلٌ شَدِيدٌ لَا تَأْخُذُهُ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ۔ فاتحِ بیت المقدس محمد (ﷺ) کا عظیم صحابی ہو گا، اُس کا نام "عمر" ہو گا اور وہ "فاروق" کے لقب سے مشہور ہو گا۔ وہ دین کے معاملے میں نہایت سخت گیر ہو گا اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے گا۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی یہ بات سنی تو خوشی سے مُسکرا کر فرمایا: فَتَحْنَا الْبَلَدَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ ربِّ کعبہ کی قسم! ہم نے اِس شہر کو فتح کر لیا۔ پھر راہب سے فرمایا: تم جن کا ذکرِ خیر کر رہے ہو وہی ہمارے خلیفہ اور نبیِ کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ پادری نے کہا: اگر واقعی ایسی بات ہے تو تم جنگ روک دو اور اُنھیں یہاں بلاؤ، ہم اُنھیں دیکھیں گے، اگر ان کی تمام صفات وہی ہوئیں جو ہمارے علم میں ہیں تو ہم اُن کے لیے شہر کے دروازے بغیر جنگ کے ہی کھول دیں گے اور اُن کو جزیہ بھی ادا کریں گے۔ آپ نے یہ بات منظور فرمالی اور جنگ روک کر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو خط میں تمام تر صورتِ حال لکھ بھیجی۔ (ایضًا، ص:225)

فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کا بابرکت و بے تکلّف سفر

سالارِ لشکر کا خط لے کر سیدنا میسرہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت میں مدینہ منوّرہ پہنچے، مسجدِ نبوی کے باہر سواری کو باندھا، سرورِ عالم ﷺ اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بارگاہوں میں سلام پیش کرنے کے بعد مسجدِ اقدس میں جا کر سو گئے، صبح سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر کے لیے اذان کہی تو اُٹھ کر وضو کیا، امیر المؤمنین کی اقتدا میں باجماعت نمازِ فجر ادا کی، پھر اُنھیں خط پیش کر دیا۔

خط پڑھنے کے بعد امیر المؤمنین نے دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ طلب کیا تو مولیٰ المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے رائے دی کہ آپ کو تشریف لے جانا چاہیے، یوں مسلمانوں کو آسانی سے فتح نصیب ہو گی اور آپ کو بھی قدم قدم

پر اجرِ عظیم عطا ہو گا۔ چنانچہ آپ نے یہ مشورہ پسند فرمایا اور سفر کے آغاز سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے مسجدِ نبوی میں چار رکعات ادا کیں، پھر رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور یارِ غار و مزار رضی اللہ عنہ کے مزاراتِ عالیہ پر حاضر ہو کر سلام عرض کر کے روانہ ہوئے۔

ریاستِ اسلامی کے سربراہ کا یہ عظیم الشان سفر ایسا بے تکلّف تھا کہ عالی شان شاہی سواری کے بجائے سرخ رنگ کے ذاتی اُونٹ پر جلوہ افروز ہوئے، زادِ راہ کے طور پر پانی کا ایک مشکیزہ اور دو تھیلیاں ہمراہ تھیں: ایک تھیلی میں ستّو اور دوسری میں چھوہارے تھے، نیز ایک بڑا پیالہ ساتھ تھا۔[1]

جب آپ شام پہنچے تو سالارِ لشکر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کی نمائندگی کرتے ہوئے استقبال کیا، شہر مقدس میں جلوہ گری ہوئی تو نمازِ فجر کا وقت ہو چکا تھا، فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ نے امامت کروائی اور نماز کے بعد ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر حالات سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ مؤذنِ رسول سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ وصالِ نبوی کے بعد شام میں اقامت پذیر ہو گئے تھے، وہ بھی حاضر ہوئے۔ ظہر کا وقت ہوا تو صحابہ کرام کی خواہش پر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ اُن کی اذان سنتے ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ اقدس یاد آ گیا، زیارتِ نبوی کی آرزو نے بے تاب کر دیا، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور یادِ خدا و عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دل پھٹنے لگے۔[2] نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اِس وقت بھی آپ اپنے ذاتی اُونٹ پر سوار تھے اور کپڑوں میں 14 پیوند لگے ہوئے تھے، مجاہدین نے درخواست کی کہ دشمنوں پر رُعب ڈالنے کے لیے آپ اُونٹ کے بجائے اعلیٰ رومی گھوڑے پر سوار ہوں اور اِس لباس کی جگہ عالی شان سفید مصری لباس زیبِ تن فرمائیں۔ آپ نے اُن کی درخواست قبول فرمائی۔ عمدہ سفید لباس پہن کر اور قیمتی گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم ہی چلے تھے کہ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے اور مجاہدین سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ"، وَلَقَدْ كَادَ أَنْ يُّهْلِكَنِيْ ثَوْبُكُمُ الْأَبْيَضُ وَبِرْذَوْنُكُمُ الْمُهَمْلِجُ۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبُّر ہو وہ (پہلے پہل) جنت میں داخل نہیں ہو گا" قریب تھا کہ تمہارا سفید لباس اور تیز رفتار گھوڑا مجھے ہلاک کر دیتے (کہ مجھے اپنے دل میں تکبُّر کی بُو آنے لگی تھی)۔ سبحان اللہ! بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔

چنانچہ آپ نے پھر سے اپنا وہی پیوند لگا لباس زیبِ تن فرمایا اور قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (فتوح الشام، ج:1، ص:231)

---

[1] وَخرجَ عمرُ مِن المدينةِ وهو على بعيرٍ له أحمرَ، وعليه غِرارتانِ: في إحداهما سَوِيْقٌ وفي الأُخرى تمرٌ، وبين يَدَيْهِ قِرْبَةٌ مَمْلُوءَةٌ مَاءً، وَخَلْفَهٗ جَفْنَةٌ للزَّادِ۔ (المرجع نفسه، ص:227)

[2] فلما قال اللهُ أكبر خَشعتْ جُلُوْدُهم واقْشَعَرَّتْ أبدانُهم، قال فلما قال: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدًا رسولُ اللهﷺ بكى الناسُ بُكاءً شديدًا حتى كادت قُلوبُهم أن تَتَصَدَّعَ عند ذكرِ اللهِ ورسولهٖ۔ (المرجع نفسه:230)

فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ کی جلوہ گری اور پادری کا اعلان

عیسائیوں کو بتایا گیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ تشریف لا چکے ہیں، اُن کا سب سے بڑا راہب دیگر پادریوں کے ساتھ آپ کو دیکھنے کے لیے قلعہ کی دیوار پر چڑھا، فاتحِ بیت المقدس رضی اللہ عنہ سپاہیوں اور اسلحہ کے بغیر فقط سالارِ لشکر کے ہمراہ قلعہ کی طرف جانے لگے تو مجاہدین نے درخواست کی کہ اِس طرح مت جایئے! کہیں عیسائی دھوکا دہی سے کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ توکّل کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، وہی پیوند والا لباس پہنے اکیلے روانہ ہوئے اور قرآنِ حکیم کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ ”ہمیں صرف وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہ ہمارا مالک و مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسا کرنا چاہیے۔“ [التوبہ 9:51]

جب آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو بڑے پادری نے پہلی نظر پڑتے ہی بلند آواز سے کہا: هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ وَنَعْتَهٗ فِيْ كُتُبِنَا وَمَنْ يَكُوْنُ فَتْحُ بِلَادِنَا عَلٰى يَدَيْهِ بِلَا مُحَالَةٍ۔ اللہ کی قسم! یہ وہی ہیں جن کی صفات ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں اور یقیناً اِنھیں کے ہاتھوں پر بیت المقدس اور دیگر شہر فتح ہوں گے۔

پھر اُس نے شہر والوں سے کہا: يَا وَيْحَكُمْ! اِنْزِلُوْا اِلَيْهِ وَاعْقِدُوْا مَعَهُ الْأَمَانَ وَالذِّمَّةَ، هٰذَا وَاللّٰهِ صَاحِبُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ (ﷺ)۔ تم پر افسوس ہے! قلعے سے جلدی اُترو اور اِن کے پاس جا کر امان و ذمہ داری حاصل کرو، خدا کی قسم! یہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے وہی صحابی ہیں۔

چنانچہ وہ جلدی جلدی قلعے کی دیوار سے اُترے، شہر کے دروازے کھول دیے اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلح و امان کی درخواست کی۔ آپ نے اِس شان دار کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر امن و امان اور عہد و پیمان کا اعلان فرمایا۔

بعد ازاں رات اسلامی لشکر کے ساتھ گزار کر اگلے دن بروز پیر نمازِ فجر کے بعد عظیم الشان فتح و نصرت کے ساتھ اُسی دروازے سے مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوئے جس سے شبِ معراج امام الانبیا ﷺ جلوہ گر ہوئے تھے۔[1] پھر آپ نے چند دن بیت المقدس میں ہی قیام فرمایا اور مسجدِ اقصیٰ میں نمازِ جمعہ کی امامت بھی فرمائی۔ (فتوح الشام، ج:1، ص:232، 233) شاعر نے خوب کہا:

نگاہِ خیرِ بشر کا ہے انتخاب عمر — ہے عزم و ہمّت و عدل و وفا کا باب عمر
زمیں بوس ترے آگے قیصر و کسریٰ — یہ تیرا خوف یہ ہے تیرا رُعب داب عمر!

---

[1] ثُمَّ دَخَلَهَا إِذْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنَ الْبَابِ الَّذِي دَخَلَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ۔ (البداية والنهاية 65/7، دار احياء التراث)

فاتحِ بیت المقدس اور دیگر مجاہدین رضی اللہ عنہم کی دُنیا سے بے رغبتی

انسان کو چاہیے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا سے دل نہ لگائے... دُنیا صرف ضرورت پوری کرنے کی حد تک ہو، دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت سے معمور رہے؛ کیونکہ دُنیا کی محبت ایسی بیماری ہے کہ جو شخص اِس میں مبتلا ہو جائے وہ نہ صرف اپنا سُکون گنوا بیٹھتا ہے، بلکہ بے شمار گناہوں کا ارتکاب بھی کرنے لگتا ہے، جیسا کہ ہماری صورتِ حال ہے۔

فتحِ بیت المقدس کے دوران دُنیا سے بے رغبتی کے کئی واقعات رُونما ہوئے، کچھ کا ذکر ہو چکا، مزید دو واقعات پیشِ خدمت ہیں۔

دورانِ سفر ایک موقع پر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے بے تکلّف انداز کو دیکھ کر سالارِ لشکر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ شہر والے اِس حالت میں آپ کو دیکھیں گے تو اچھا نہیں لگے گا۔ (امیر المؤمنین ہونے کے ناطے شاہانہ انداز اختیار کیجیے!) آپ نے فرمایا: «أَوَّهْ! لَمْ يَقُلْ ذَا غَيْرُكَ أَبَا عُبَيْدَةَ جَعَلْتُهُ نَكَالًا لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ»۔ یعنی ابو عبیدہ افسوس! کوئی دوسرا یہ بات کہتا تو مَیں اُسے اُمّت کے لیے نشانِ عبرت بنا دیتا (آپ کے احترام کے پیشِ نظر آپ سے درگزر کر رہا ہوں)۔ مزید فرمایا: إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ، فَمَهْمَا نَطْلُبِ الْعِزَّةَ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ۔ ہم تو سب سے زیادہ بے توقیر لوگ تھے، یہ تمام عزتیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے عطا فرمائی ہیں، (قیامت تک) جب کبھی ہم (اُمّتِ مسلمہ) اسلام کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 207)

فتح کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کی تیاری کی، اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دُنیاوی مال و دَولت ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر سبھی پھسل جاتے ہیں، ہم اپنا مال و دَولت مسلمانوں کے راستوں میں رکھ دیتے ہیں، وہ اُسے اُٹھائیں گے تو ہم کہیں گے کہ مسلمانوں نے معاہدہ توڑ دیا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں گے تو ہم اُن پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے منصوبے کے مطابق اپنا مال اور قیمتی چیزیں راستوں میں رکھ دیں۔ مسلمان مسجدِ اقصیٰ میں آتے جاتے وہ سب دیکھتے، مگر کسی ایک نے بھی اُن میں کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا، صرف اپنی زبانوں سے یہ کہہ دیتے: خدا کا شکر ہے جس نے ایسی مال دار قوم کے شہر کی حکومت ہمیں دے دی ہے، اگر بارگاہِ الٰہی میں دُنیا کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو دُنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا (ربّ تعالیٰ کے حضور دُنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں؛ اِسی وجہ سے اُس نے اپنے دشمنوں کو دُنیا کا مال وافر دیا ہے)۔

چنانچہ کہا گیا: هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ وَصَفَهُمُ اللهُ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ، وَإِنَّهُمْ لَا يَزَالُوْنَ عَلَى الْحَقِّ وَلَا يَقْرَبُهُمْ أَحَدٌ مَا دَامُوْا عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریفیں ربّ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں فرمائی ہیں، یہ ہمیشہ حق پر رہیں گے اور جب تک اِن میں یہ اوصاف موجود ہوں گے دُنیا کی کوئی طاقت اِن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ (فتوح الشام، ج: 1، ص: 233)

حرفِ آخر... تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں

ربِّ کریم نے گزشتہ آسمانی کتابوں میں اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا چرچا بھی فرمایا... آپ کے جاں نثاروں، خصوصًا یارِ غار و مزار سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر بھی فرمایا... اور سرزمینِ بیت المقدس کا تذکرہ بھی فرمایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ "اور بے شک ہم نے نصیحت فرمانے کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ اِس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔" [الانبیاء 105:21]

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

- ایک تفسیر یہ ہے کہ "زمین" سے جنّت کی زمین مراد ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُس کے نیک بندے تشریف لے جائیں گے۔
- جب کہ دوسری تفسیر کے مطابق "زمین" سے سرزمینِ مقدّس فلسطین مراد ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی مدد سے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح کر کے ریاستِ مدینہ میں شامل کیا، بعد کے ادوار میں مختلف حکومتوں کا اُتار چڑھاؤ ہوتا رہا اور عن قریب باری تعالیٰ پھر سے وہاں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے گا۔[1]

آیتِ کریمہ میں ربِّ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ مَیں اپنے صالح و فرماں بردار بندوں کو زمین کا وارث و حاکم بناؤں گا، یقیناً یہ وعدہ ضرور بالضرور سچا ہے اور اسلامی تاریخ اِس کی سچائی پر گواہ ہے۔

قرونِ اُولیٰ کے مسلمان صالح و فرماں بردار تھے تو باری تعالیٰ نے سرزمینِ مقدس فلسطین سمیت پوری دُنیا میں اُنھیں حکومت و سربلندی سے نوازا، دُنیا کی دو بڑی طاقتیں: ایران اور روم امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں ڈھیر ہوئیں۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے اِس قدر جنگی تیاری کر رکھی تھی کہ مسلمان چار ماہ تک محاصرہ کر کے اُن کے ساتھ جہاد میں مصروف رہے، مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا، پھر امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فقط آپ کو دیکھ کر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور آپ سے امان کی درخواست کرنے لگے۔

خطبہ میں فاتحِ بیت المقدس سیدنا فاروقِ اعظم اور دیگر مجاہدین رضی اللہ عنہم کی دُنیا سے بے رغبتی کا تذکرہ ہوا، اِس کے برعکس دُنیا کی محبت کے حوالے سے ہماری جو صورتِ حال ہے وہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔

---

[1] وَثَالِثُهَا: هِيَ الْأَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ يَرِثُهَا الصّٰلِحُوْنَ. وَدَلِيْلُهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا... [الاعراف 137:7] ثُمَّ بِالْآخِرَةِ يُوْرِثُهَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ نُزُوْلِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عليه السلام۔ (التفسير الكبير، ومثله في تفسير الخازن، تحت الآية)

اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ موجودہ دَور میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا اصل سبب دولت یا طاقت کی کمی نہیں، بلکہ اصل وجہ دُنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر ربّ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہونا، موت سے ڈرنا اور جہاد سے منہ موڑنا ہے۔

فتحِ بیت المقدس کا تذکرہ کرتے ہوئے غزّہ کی موجودہ صورتِ حال پر دل خون کے آنسو روتا ہے، اسرائیلی درندے تمام قوانین کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے نوماہ سے غزہ کے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور اُمّت ظالموں کا ہاتھ روکنے کے بجائے عالمی طاقتوں سے اُمّیدیں لگائے بیٹھی ہے، کہ وہ مظلوم فلسطینیوں کو انصاف دلائیں گے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے تقریباً ایک صدی قبل فلسطین کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا وہ آج حرف بحرف سچ دکھائی دے رہا ہے:

تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے[1]

سُنا ہے مَیں نے غلامی سے اُمّتوں کی نجات
"خودی" کی پرورش ولذتِ نمود میں ہے[2]

آج ہمیں ضرورت ہے کہ فاتحِ بیت المقدس، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک سیرت سے سبق لیتے ہوئے دینی غیرت کو بیدار کریں، دُنیا کی محبت کو دل سے نکال کر صالح وفرماں بردار بندے بنیں، پھر یقیناً ربّ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرماتے ہوئے زمین کا وارث وحاکم بنائے گا اور عزتِ رفتہ کو بحال فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل اُمّت میں دینی غیرت کو بیدار فرمائے، بیت المقدس کو ظالم یہودیوں کے پنجہ سے آزاد فرمائے اور غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ ربّ کریم اپنے فضل سے ہمیں بھی اسلام کی خدمت کا جذبہ عطا کرے اور اپنی رضا وخوشنودی کا طلب گار بنائے۔

خالقِ کائنات پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ فرمائے، پیارے وطن کو ہر طرح کے بحرانوں سے نجات عطا کرے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔ آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

---

[1] جَنیوا (Geneva): سویٹزرلینڈ کا معروف شہر جہاں اقوامِ متحدہ کے کئی دفاتر موجود ہیں۔ فَرَنگ: یورپ۔ رَگِ جاں: خون کی سب سے بڑی رگ جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ یعنی مسئلۂ فلسطین کو نہ تو برطانیہ کبھی حل کرے گا، نہ اقوامِ متحدہ؛ کیونکہ اہلِ یورپ کی رگِ جان یہودیوں کے قبضے میں ہے، اُن کی معیشت وریاست پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور وہ ویسا ہی کریں گے جیسا یہودی چاہتے ہیں۔

[2] مَیں نے سن رکھا ہے کہ کسی قوم کو غلامی سے چھٹکارا تبھی ملتا ہے جب وہ اپنی خودی کو پروان چڑھاتی ہے اور دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے زورِ بازو سے ظالموں کا پنجہ توڑتی ہے۔

فہرستِ آیاتِ کریمہ

آیاتِ کریمہ	صفحات
⇐ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ...	391
⇐ اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ...	456
⇐ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا...	87
⇐ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا...	87
⇐ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ۔	136
⇐ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا...	207
⇐ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔	463
⇐ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ...	355
⇐ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ...	417
⇐ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی...	506
⇐ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ...	468
⇐ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ...	468،463
⇐ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ۔	467
⇐ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔	243
⇐ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...	196
⇐ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔	361،61
⇐ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا...	464
⇐ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...	163
⇐ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ...	159
⇐ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔	36
⇐ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ۔	492
⇐ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔	86
⇐ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ۔	203

⇐ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔ 304
⇐ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ 304
⇐ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا... 273
⇐ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ... 473،356،354
⇐ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ 362
⇐ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۚ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا۔ 405
⇐ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ... 497
⇐ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ 507،153
⇐ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ۔ 335
⇐ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ 41
⇐ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ 223
⇐ اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ... 63
⇐ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ۔ 303
⇐ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ... 205
⇐ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ 194،132
⇐ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا... 245
⇐ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ 382،379
⇐ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا۔ 225
⇐ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ۔ 16
⇐ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا... 225
⇐ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا... 497
⇐ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔ 461
⇐ اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ... 235
⇐ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ... 376
⇐ حٰمٓ o وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ o اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ... 318
⇐ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ عَلَیْھِمْ... 343

⇐ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ... 481
⇐ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ 313
⇐ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً... 322
⇐ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ 186
⇐ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا... 283
⇐ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ... 221
⇐ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ... 335
⇐ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ 411
⇐ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ 302
⇐ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ 41
⇐ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ 255
⇐ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ o وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ o قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا... 466
⇐ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ 419
⇐ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ 387
⇐ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ 354
⇐ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ... 165
⇐ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ، فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ... 275
⇐ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ 198
⇐ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ... 21
⇐ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ... 494
⇐ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ... 364،265
⇐ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ 333
⇐ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ... 437،342
⇐ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ 526
⇐ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ... 296
⇐ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ 466

⇐ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ 336
⇐ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ 225
⇐ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ 313
⇐ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۡ وَلَا تُسْرِفُوْا ... 423
⇐ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔـا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ 382
⇐ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ... 365
⇐ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔ 134
⇐ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ 461
⇐ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ... 459
⇐ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ... 453
⇐ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ... 223
⇐ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ... 483
⇐ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ 494
⇐ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ 208،199
⇐ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ... 163
⇐ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ 283،108
⇐ مُتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا۔ 259
⇐ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... 147
⇐ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ 147
⇐ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ... 431
⇐ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ 245
⇐ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ 405
⇐ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... 206،295
⇐ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ... 449،415
⇐ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ 173
⇐ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ... 181

⇐ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا...	492
⇐ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔	14
⇐ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ...	466
⇐ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ...	521،95
⇐ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ...	55
⇐ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ...	69
⇐ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ...	325
⇐ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ...	229،8
⇐ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ...	297
⇐ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔	208،199
⇐ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ...	293
⇐ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۔	469
⇐ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ...	24
⇐ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ...	49
⇐ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا...	167
⇐ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔	366
⇐ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔	208،198
⇐ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ...	483
⇐ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔	161
⇐ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ۔	467
⇐ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔	49
⇐ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔	368
⇐ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا ...	89
⇐ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ...	181
⇐ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...	345
⇐ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔	385

⇐ وَالضُّحٰی o وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی o مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی o 104
⇐ وَالۡفَجۡرِ o وَلَیَالٍ عَشۡرٍ o وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ o وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ... 472
⇐ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ۔ 352
⇐ وَالنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی o مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ... 114
⇐ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی o فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ھِیَ الۡمَاۡوٰی۔ 341
⇐ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ۔ 203
⇐ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا۔ 314،145
⇐ وَاِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِالۡقِسۡطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔ 366
⇐ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ وَاللّٰہُ مَعَکُمۡ وَلَنۡ یَّتِرَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ۔ 196
⇐ وَاَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاھَرُوۡھُمۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ صَیَاصِیۡھِمۡ ... 515
⇐ وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ ... 477
⇐ وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَھَا ... 528
⇐ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ o الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡھُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ 465،352،193
⇐ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ 334
⇐ وَذَکِّرۡھُمۡ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ۔ 2
⇐ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا۔ 213
⇐ وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ... 161
⇐ وَسَیُجَنَّبُھَا الۡاَتۡقَی o الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ... 243
⇐ وَشَاوِرۡھُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ۔ 357،175
⇐ وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡـًٔا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ... 458
⇐ وَقَاتِلُوۡھُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔ 362
⇐ وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ... 24
⇐ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔ 402،17
⇐ وَقِیۡلِہٖ یٰرَبِّ اِنَّ ھٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ 398
⇐ وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡھَا وَھُمۡ عَنۡھَا مُعۡرِضُوۡنَ۔ 251
⇐ وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔ 296

⇐ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ 242
⇐ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ... 206
⇐ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا... 153
⇐ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ o يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ... 348
⇐ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا... 216
⇐ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ... 178
⇐ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ... 427
⇐ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ... 79
⇐ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ 528
⇐ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ... 435
⇐ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ 407
⇐ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ 416
⇐ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ... 413
⇐ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ... 336
⇐ وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ۔ 149
⇐ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً... 129
⇐ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ 468 ،331 ،173
⇐ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا... 365
⇐ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ... 128
⇐ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ 231
⇐ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ 226
⇐ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ 208
⇐ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ 313 ،68
⇐ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ 337
⇐ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ 274
⇐ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ 39

⇐ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ... 357،175
⇐ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ 476
⇐ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ 478،471
⇐ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۔ 122
⇐ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔ 52
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ 268
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ... 232
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً... 448
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ 149،57
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ 423
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ 312
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا... 183
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ... 342
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا... 48
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ... 481
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ 206
⇐ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ... 368،351
⇐ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا... 211
⇐ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ 184
⇐ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ... 443،293
⇐ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ... 407،143
⇐ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ... 415
⇐ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ 96

فہرست احادیثِ نبویہ

اطرافِ احادیث	صفحات
• أَتَاكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ، أَتَاكُمْ سَيِّدُ الشُّهُورِ، فَمَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا۔	333
• أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟ ... فَأَدِّيَا زَكٰوتَهُ۔	344
• أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا حَدَدْتَّ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا۔	496
• اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ؛ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ۔	507،153
• أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ وَكَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ۔	211
• أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ۔	204
• إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ ...	371
• إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ۔	216
• إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ۔	67
• إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ ...	372
• إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ ...	278
• إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَيْلَهَا، وَصُومُوا نَهَارَهَا ...	317
• إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔	268
• أَرْبَعٌ لَّمْ يَكُنْ يَّدَعُهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ: صِيَامَ عَاشُورَاءَ وَالْعَشْرِ ...	473
• أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ...	164
• اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ۔	174
• أَطْيَبُ رِيحٍ فِي الْأَرْضِ الْهِنْدُ ...	42
• أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ۔	392
• اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ۔	26
• أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ...	4
• أَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، يُضَحِّي كُلَّ سَنَةٍ۔	484
• اِقْتَبَضَ إِنْسَانٌ مِنْ تُرَابِ قَبْرِهِ -يَعْنِي سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ- ... سُبْحَانَ اللهِ! سُبْحَانَ اللهِ! ...	517
• أَقْفَى الْعِرْنِينِ، لَهُ نُورٌ يَّعْلُوهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَّمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ۔	113
• اُكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ۔	114
• أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ وَأَشَدُّهُمُ اسْتِعْدَادًا لِّلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ ...	315،236
• أَكْرِمِيهِ، فَإِنَّهُ مِنْ أَشْبَهِ أَصْحَابِي بِي خُلُقًا۔	501
• أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔	303

- أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ... 204
- أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ 256
- أَلَا إِنَّ آلَ أَبِي -يَعْنِي فُلَانًا- لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ. 132
- أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِلَيْلَةٍ أَفْضَلَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ؟ 139
- أَلَا إِنَّهَا لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ. 202
- أَلَا يَرْقَأُ دَمْعُكِ وَيَذْهَبُ حُزْنُكِ، فَإِنَّ ابْنَكِ أَوَّلُ مَنْ ضَحِكَ اللهُ إِلَيْهِ... 518
- اَلْأَبْدَالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ، وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا... 64
- اَلْأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى. 496
- اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِنْهُمَا. 85
- اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّينِ وَنُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. 169
- اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ. 88
- اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ... 195
- اَلرَّجُلُ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهِ وَصَدْرِ فِرَاشِهِ... 15
- اَلرِّيحُ مِنْ رَوْحِ اللهِ... فَرَوْحُ اللهِ تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ وَتَأْتِي بِالْعَذَابِ... 253
- اَلشِّتَاءُ رَبِيعُ الْمُؤْمِنِ قَصُرَ نَهَارُهُ فَصَامَ، وَطَالَ لَيْلُهُ فَقَامَ. 255،254
- اَلْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ. 255
- اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ... 232
- (اَلْكِبْرُ) أَنْ تُسَفِّهَ الْحَقَّ وَتَغْمِصَ النَّاسَ. 16
- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِي آخِرَهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَوَاتِيمَ عَمَلِي رِضْوَانَكَ... 373،233
- اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ... 237
- اَللّٰهُمَّ أَعْطِهِ الْحِكْمَةَ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ. 403
- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ. 474
- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ. 394
- اَللّٰهُمَّ إِنَّ سَعْدًا قَدْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِكَ، وَصَدَّقَ رُسُلَكَ... 516
- اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ... 322
- اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ... 177
- اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّأَنَا أَعْلَمُ... 322
- اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَثَبِّتْ لِسَانَهُ. 367
- اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا... 427
- اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ. 403
- اَللّٰهُمَّ مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ... 294

- اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ۔ 74
- اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ... 399،134
- اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اشْتَكٰى كُلُّهُ... 135
- اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ مَسْمُوْمَةٌ، فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللهِ... 437،163
- اَلْوَجْهُ أَبْيَضُ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، ضَخْمُ الْهَامَةِ، أَحْمَرُ الْمَآقِيْ... 106
- أَمَّا الْحَسَنُ فَلَهُ هَيْبَتِيْ وَسُؤْدَدِيْ، وَأَمَّا حُسَيْنٌ فَلَهُ جُرْأَتِيْ وَجُوْدِيْ۔ 83
- أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ وَّالْمُؤْمِنُوْنَ فَتُجْزَوْنَ بِذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى تَلْقَوُا اللهَ... 246
- أَمَرَنِيْ بِهٖ -يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ- فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا۔ 486
- أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ... إِنِّيْ وَاللهِ مَا آمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابٍ۔ 214
- إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ 83
- إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ۔ 167
- إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ... 324
- أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ۔ 346
- إِنَّ اللهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ، أَحَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ؟ 183
- إِنَّ اللهَ عز وجل قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا... 282،107
- إِنَّ اللهَ عز وجل لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَّنَامَ... حِجَابُهُ النُّوْرُ، لَوْ كَشَفَهُ... 283
- إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ 71
- إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا... 316
- إِنَّ اللهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ... وَإِنَّ اللهَ لَيُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ أَحَبَّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ... 501،358
- إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ 494
- إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَأَشْرَافَهَا، وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا۔ 14
- إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عز وجل... 366
- إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهٖ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ... 313
- أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا۔ 103
- أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ حِيْنَ يُسَلِّمُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا... 404
- إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهُ... 192
- أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ... دُوْنَكَ يَا ابْنَ آدَمَ... 422
- إِنَّ فَاطِمَةَ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَ اللهُ ذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ... 349
- إِنْ كَانَ يَوْمٌ شَدِيْدُ الْبَرْدِ... اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنْ زَمْهَرِيْرِ جَهَنَّمَ... 253
- إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا... 166
- إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً... 191،145

- إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ بَدَأَ رَحْمَةً وَّنُبُوَّةً، ثُمَّ يَكُوْنُ رَحْمَةً وَّخِلَافَةً... 286
- إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ مَّنْ مَلَكَ فِيْهِ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ وَلِسَانَهٗ غُفِرَ لَهٗ. 185
- إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَّكُمْ، فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوْهَا عَنْكُمْ. 257
- أَنَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَأْسَهٗ... 103
- اِنْطَلِقُوْا بِاسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ... 189
- إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ. 25
- إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ... 307
- إِنَّهٗ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ... فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ... 289
- إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللهُ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ، فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ... 28
- إِنِّيْ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ... 112
- إِنِّيْ فَرَطُكُمْ وَأَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ... 221
- إِنِّيْ قَدْ أُمِرْتُ أَنْ أُغَيِّرَ اسْمَ هٰذَيْنِ... 82،12
- اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ. 518
- إِيَّاكُمْ وَالْفِتَنَ، فَإِنَّ اللِّسَانَ فِيْهَا مِثْلُ وَقْعِ السَّيْفِ. 324
- اِئْتِ الْمِيْضَأَةَ، فَتَوَضَّأْ... اَللّٰهُمَّ! إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا... 503
- أَيُّمَا رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى عَشَرَةِ أَنْفُسٍ عَلِمَ أَنَّ فِي الْعَشَرَةِ أَفْضَلَ... 273
- أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ... فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ... 334
- آخٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ... 135
- بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ... 323
- بِاسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ (ﷺ). 485
- بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ. 74
- بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ... 378
- تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ... 474
- تَعَجَّلُوْا إِلَى الْحَجِّ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهٗ. 477،197
- تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ... 209
- تَفَكَّرُوْا فِيْ آلَاءِ اللهِ، وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللهِ. 227
- تَكُوْنُ فِتْنَةُ النَّائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَقْظَانِ... 323
- ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ: أَنْ يَكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ... 433،222
- جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ. 207،169
- جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ... فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ... 215
- حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا... فَعَلَيْكَ خُوَيْصَّةَ نَفْسِكَ، وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ... 217

- حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ... 27
- حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، اَللّٰهُمَّ بِكَ أَجُولُ وَبِكَ أَصُولُ. 412
- حُسَيْنٌ مِّنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا... 13
- خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ.. أَلَسْتَ نَبِيَّ اللهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلٰى! 454
- خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي... 482
- ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا. 436
- رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَمَا أَنْسٰى بَيَاضَ وَجْهِهِ... 103
- رَجُلَانِ مِنْ أُمَّتِي جَثَيَا بَيْنَ يَدَيْ رَبِّ الْعِزَّةِ... فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِأَخِيكَ... 194
- رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى. 192
- رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ... 208،199
- رَسُولُ اللهِ لَيْسَ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ... صَلْتَ الْجَبِينِ... 105
- سُبْحَانَ اللهِ! مَا تَسْتَقْبِلُونَ وَمَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ؟ وَلٰكِنْ شَهْرُ رَمَضَانَ... 334
- سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ. 133
- سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: أَدْوَمُهَا، وَإِنْ قَلَّ. 375
- شَيْطَانٌ يَّتْبَعُ شَيْطَانَةً. 165
- صِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ. 4
- صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ... 482
- طَهِّرُوا هٰذِهِ الْأَجْسَادَ طَهَّرَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ يَّبِيتُ طَاهِرًا إِلَّا... 354
- طُوبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ... 153
- طُوبٰى لِمَنْ وَّجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا. 467
- عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ... 325
- فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ... كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ. 94
- فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. 287،268
- فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ. 374
- فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ... 353
- فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُّخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ. 345
- فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غَفَرَ لَهُمْ جَمِيعًا... 375
- فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ أَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَّاحِدًا... 182
- فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً... 94
- فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ... 386،377

- فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ 96
- فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْإِسْلَامُ... 97
- فَمَسَحَ رَأْسَهُ (رأس عبد الله بن هشام) وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ۔ 182
- فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ۔ 327
- فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا... 347
- فَوَاللهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔ 245
- فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ... 425
- قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَقَامًا، مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ... 285
- قَدْ جَاءَكُمْ رَمَضَانُ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ... 333
- قَدْ عَلِمْتُ الَّذِيْ قُلْتُمْ۔ 23
- قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِّنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِيْ... 145
- الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ... فَأَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ: فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ... 205
- كَانَ أَبْيَضَ مُشْرَبًا بِيَاضِهِ حُمْرَةً، أَهْدَبَ الْأَشْفَارِ أَسْوَدَ الْحَدَقَةِ۔ 106
- كَانَ أَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا۔ 92
- كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ... لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ۔ 407
- كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ آخِرَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ۔ 489
- كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ۔ 374
- كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَكَرَ خَدِيْجَةَ أَحْسَنَ عَلَيْهَا الثَّنَاءَ... 353
- كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا... 253
- كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُوْ قَتَادَةَ وَخَيْرَ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ۔ 156
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ۔ 115
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ضَخْمَ الرَّأْسِ عَظِيْمَ الْعَيْنَيْنِ... 106
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ۔ 121،98
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ، وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ... 337
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ... 337
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا وَدَّعَ رَجُلًا... وَيَقُوْلُ: أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ... 216
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ضَلِيْعَ الْفَمِ أَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْسَ الْعَقِبَيْنِ۔ 114،106
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا... أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ، سَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ... 106
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ۔ 374
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهِ... 104

- كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَجِلًا، لَيْسَ بِالسَّبْطِ وَلَا الْجَعْدِ... 103
- كَانَ عَظِيْمَ الْهَامَةِ أَبْيَضَ مُشْرَبًا حُمْرَةً... 102
- كَانَ يَرَى بِاللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرَى بِالنَّهَارِ فِي الضَّوْءِ. 107، 282
- كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ... 285
- كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفْرِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ. 93
- كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. 324
- كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. 164
- كُلُّ جَسَدٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ... 247
- كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ... 392
- كُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ: أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ. 106
- كُنْتُ قَاعِدَةً أَغْزِلُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ فَجَعَلَ جَبِيْنُهٗ يَعْرَقُ... 105
- كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَحْسَنَهُمْ خُلُقًا. 117
- كِلَا كُمَا قَتَلَهٗ. 363
- لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهٗ... 149
- لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَّا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا... 476
- لَا حَسَدَ إِلَّا فِيْ اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ... 401
- لَا زَكَاةَ فِيْ مَالٍ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. 346
- لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ. 59
- لَا نَبْرَحُ حَتّٰى نُنَاجِزَ الْقَوْمَ... 457
- لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ! وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ... 385
- لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهٗ... 193
- لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ... 5
- لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ... 198
- لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ. 508
- لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ. 525
- لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ. 16
- لَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ... 209
- لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ. 48
- لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ. 174
- لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ. 457
- لَعَلَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. 362

- لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ۔ 6
- لَقَدْ نَزَلَ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ شَهِدُوْا جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ... 517
- لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ 373
- لَمَّا فَرَغَ سُلَيْمَانُ ابْنُ دَاوٗدَ مِنْ بِنَاءِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللهَ ثَلَاثًا... 123
- لَنْ يُّنْجِيَ أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ... 191
- لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ۔ 462
- لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَّابْتَغٰى ثَالِثًا... 394
- لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَّابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ... 394
- لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيْهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ... كَانَتْ بَدِيْهَتُهٗ تُنْبِيْكَ بِالْخَبَرِ 96
- لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔ 505
- لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ۔ 304
- لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهٖ۔ 213
- لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهٗ۔ 182، 264، 407
- لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ 182
- مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى سَمِعَهٗ مِنَ اللهِ، يَدَّعُوْنَ لَهُ الْوَلَدَ، ثُمَّ يُعَافِيْهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ۔ 86
- مَا أَرٰى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ۔ 298
- مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِيْ ذَرٍّ۔ 25
- مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔ 207
- مَا الْعَمَلُ فِيْ أَيَّامٍ الْعَشْرِ أَفْضَلَ مِنَ الْعَمَلِ فِيْ هٰذِهٖ... 473
- مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلٰى عَبْدٍ مِّنْ نِعْمَةٍ... فَيَقُوْلُ: مَا شَاءَ اللهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ... 215
- مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَّمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيْهِ... إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً... 58
- مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ۔ 452
- مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔ 397
- مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ۔ 117
- مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ... 482
- مَا شَأْنِيْ أَجْعَلُكَ حِذَائِيْ فَتَخْنِسُ؟ 403
- مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هِرَاقَةِ دَمٍ... 493
- مَا مِنِ امْرِئٍ يَّخْذُلُ امْرَأً مُّسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ تُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهٗ... 136
- مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللهِ أَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ... 473
- مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ... فَأَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ، وَالتَّكْبِيْرِ... 473
- مَا مِنْ شَيْءٍ لَّمْ أَكُنْ أُرِيْتُهٗ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتّٰى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ... 283

- مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ 276
- مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابَّيْنِ فِي اللهِ يَسْتَقْبِلُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ... 499،388
- مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلَ مِنْهُ طَيْرٌ... 422
- مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔ 183
- مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ... أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ... 354
- مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ 244
- مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ 202
- مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ 477،197
- مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ أَنْ يُرَى الْهِلَالُ قُبُلًا... وَأَنْ يَظْهَرَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ۔ 315
- مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ۔ 306
- مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ مُهِمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ 406
- مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ... 371
- مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ۔ 74
- مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ... 356
- مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ... 373،233
- مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ 197
- مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ 387
- مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ... 387
- مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔ 216
- مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ... 409
- مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ 326
- مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ 326
- مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ۔ 374
- مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ 373
- مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ 9
- مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔ 195
- مَنْ وَسَّعَ عَلَى عِيَالِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ لَمْ يَزَلْ فِي سَعَةٍ سَائِرَ سَنَتِهِ۔ 5
- مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟... 391
- مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ 378
- نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔ 234
- هٰذَا الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ 518

- هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ أُمَّتِكَ عَلَيْهِ أَمَانَةٌ لَّا يَسْتَطِيْعُ أَدَاءَهَا وَهُوَ يَزِيْدُ عَلَيْهَا۔ 287
- هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هَا هُنَا، وَاللهِ! مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ... 282،107
- هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ... 25
- وَأَحِبَّ الْعَرَبَ مِنْ قَلْبِكَ وَلْتَرُدَّ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ قَلْبِكَ۔ 218
- وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا... فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ۔ 252
- وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ۔ 367
- وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا۔ 517
- وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ... عَشْرُ الْأَضْحِيَّةِ وَ"الْوَتْرُ" يَوْمُ عَرَفَةَ... 472
- وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ... اَلَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ 395،237
- وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ إِلَيَّ... 97
- وَتَخْرُجُ الْأُذُنَانِ بِبَيَاضِهِمَا مِنْ بَيْنِ تِلْكَ الْغَدَائِرِ... 112
- وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ سَاقَيْهِ۔ 94
- وَكَانَ أَحْسَنَ عِبَادِ اللهِ شَفَتَيْنِ وَأَلْطَفَهٗ خَتْمَ فَمٍ۔ 114
- وَكَانَ الصِّبْيَانُ يُصْبِحُوْنَ رُمْصًا شُعْثًا، وَيُصْبِحُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دَهِيْنًا كَحِيْلًا... 104
- وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ۔ 381
- وَلَمْ يَخْتَضِبْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِيْ عَنْفَقَتِهٖ... 115
- وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ... 208،199
- وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ 134
- وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِيْ حَاجَتِهٖ... 503
- يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِذَا تَحَوَّلَتْ هٰذِهِ التُّرْبَةُ دَمًا فَاعْلَمِيْ أَنَّ ابْنِيْ قَدْ قُتِلَ۔ 7
- يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أُوْصِيْكُمْ بِمَا أَوْصَانِيَ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ: مِنَ الْعَمَلِ بِطَاعَتِهٖ... 413
- يَا بُنَيَّ! إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ۔ 185
- يَا سَعْدُ! إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ... حَكَمْتَ بِحُكْمِ اللهِ... 515
- يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ، كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔ 376
- يَا غُلَامُ! إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ... 184
- يَا غُلَامُ! سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ۔ 185
- يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ 102
- يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ 154
- يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔ 328
- يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهٗ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ... 342
- يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْآكِلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا... 329،158

مصادر و مراجع

⇐ القرآن الکریم

⇐ ابلق گھوڑے سوار، مولانا محمد الیاس عطار قادری (پ:1950ء)، مکتبۃ المدینہ

⇐ الأجوبة المرضية فيما سئل السخاوي عنه من الأحاديث النبوية، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (م:۹۰۲ھ)، دار الرایۃ

⇐ إحياء علوم الدين (احیاء العلوم)، امام ابو حامد محمد غزالی (م:۵۰۵ھ)، دار المعرفۃ

⇐ أخبار أبي حنيفة وأصحابه، ابو عبد اللہ حسین بن علی صمیری (م:۴۳۶ھ)، عالم الکتب

⇐ الأدب المفرد، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:۲۵۶ھ)، مکتبۃ المعارف

⇐ إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (م:۹۲۳ھ)، المطبعۃ الکبریٰ الأمیریۃ، مصر

⇐ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی (م:۱۱۷۴ھ)، دار القلم

⇐ استجلاب ارتقاء الغرف بحبّ أقرباء الرسول ﷺ وذوي الشرف، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (م:۹۰۲ھ)، دار البشائر الاسلامیۃ

⇐ الإستيعاب في معرفة الأصحاب، ابو عمر یوسف ابن عبد البر نمری قرطبی (م:۴۶۳ھ)، دار الجیل

⇐ أسد الغابة في معرفة الصحابة، عز الدین ابو حسین علی بن محمد جزری ابن الأثیر (م:۶۳۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ اسلامی تبرکات میں ملاوٹ، از مولانا سید زعیم الدین نعیمی، ادارہ سوادِ اعظم، لاہور

⇐ الأسماء والصفات، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مکتبۃ السوادی

⇐ أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل، شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی (م:۹۷۴ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ الإصابة في تمييز الصحابة، شہاب الدین ابو الفضل احمد ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ الإصابة في معرفة الصحابة، شہاب الدین ابو الفضل احمد ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ امام احمد رضا محدّثِ بریلوی اور تحریک پاکستان، سید صابر حسین شاہ بخاری، بزم رضا پاکستان جامعہ نظامیہ رضویہ

⇐ أنفاس العارفين، شاہ ولی اللہ محدثِ دہلی (م:۱۱۷۴ھ)، مطبع مجتبائی، دہلی

⇐ الآداب للبيهقي، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ

⇐ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، زین الدین ابن نجیم مصری (م:۹۷۰ھ)، دار الکتاب الإسلامی

⇐ بحر العلوم (تفسیر سمرقندی)، امام الہدیٰ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی (م:۳۷۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ البدایۃ والنہایۃ، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی (م:۷۷۴ھ)، دار احیاء التراث
⇐ برطانوی مظالم کی کہانی عبد الحکیم اختر شاہ جہان پوری کی زبانی، عبد الحکیم خان اختر شاہ جہان پوری (م:1993ء)، فرید بک سٹال
⇐ بہارِ شریعت، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:۱۳۶۷ھ/1948ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ بهجة الأسرار ومعدن الأنوار، ابو الحسن علی بن یوسف شطنوفی (م:۷۱۳ھ)، مؤسسۃ الشرف
⇐ پیر پنجمیر چھ ستمبر، رئیس التحریر مفتی فیض احمد اویسی (م:2010ء)
⇐ تاج العروس من جواهر القاموس، محمد بن محمد مرتضیٰ زُبیدی (م:۱۲۰۵ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ذہبی (م:۷۴۸ھ)، دار الغرب الاسلامی
⇐ التاريخ الأوسط، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:۲۵۶ھ)، دار التراث
⇐ تاريخ الخلفاء، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، مکتبۃ نزار مصطفی الباز
⇐ تاريخ الرسل والملوك [تاریخ طبری]، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ)، دار المعارف
⇐ التاريخ الكبير، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:۲۵۶ھ)، دائرۃ المعارف العثمانیۃ
⇐ تاريخ بغداد، ابو بکر احمد بن علی خطیبِ بغدادی (م:۴۶۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تاريخ مدينة دمشق، ثقۃ الدین ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر (م:۵۷۱ھ)، دار الفکر
⇐ تاریخِ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی (م:1997ء)، زاویہ پبلشرز
⇐ تبیان القرآن، علامہ مفتی غلام رسول سعیدی (م:2016ء)، فرید بک سٹال
⇐ التحبير لإيضاح معاني التيسير، عز الدین ابو ابراہیم الامیر محمد بن اسماعیل کحلانی (م:۱۱۸۲ھ)، مکتبۃ الرشد
⇐ تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر مسعود احمد نقشبندی (م:2008ء) ضیاء القرآن پبلی کیشنز
⇐ تحریکِ پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا کا کردار 1920ء سے 1947ء تک، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی) جامعہ کراچی
⇐ التدوين في أخبار قزوين، ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی (م:۶۲۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تذکرۂ مجددینِ اسلام، علامہ غلام مصطفیٰ مجددی (م:2022ء)، مکتبہ نبویہ
⇐ الترغيب والترهيب، زکی الدین عبد العظیم منذری (م:۶۵۶ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تعلیلاتِ خادمیہ، امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی (م:2020ء)، علامہ فضلِ حق پبلیکیشنز

⇐ تفسیرِ خزائن العرفان، صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی (م:۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ تکمیل الإیمان، ابو المجد شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی (م:۱۰۵۲ھ)، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ
⇐ التنویر شرح الجامع الصغیر، امیر ابو ابراہیم محمد بن اسماعیل حسنی کحلانی (م:۱۱۸۲ھ)، مکتبۃ دار السلام
⇐ تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی (م:۷۴۲ھ) مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ التیسیر بشرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد عبد الرؤوف مناوی (م:۱۰۳۱ھ)، مکتبۃ الإمام الشافعی
⇐ الثقات، ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی (م:۳۵۴ھ)، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن
⇐ جامع الأحادیث، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، مکتبۃ الشاملۃ
⇐ الجامع الصغیر، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، المکتبۃ الشاملۃ
⇐ الجامع الکبیر [جمع الجوامع]، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، الازہر الشریف
⇐ جامع بیان العلم وفضلہ، ابو عمر یوسف بن عبد البرّ (م:۴۶۳ھ)، دار ابن الجوزی
⇐ جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م:۲۷۹ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ الجامع لأحکام القرآن [تفسیرِ قرطبی]، ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی (م:۶۷۱ھ)، دار الکتب المصریۃ
⇐ جمالِ بلال، مولانا محمد علی رضاء القادری، اکبر بک سیلرز
⇐ چشمۂ فیض گنج بخش، مولانا ریاست علی مجددی، مکتبہ حنفیہ
⇐ چند واقعاتِ کربلا کا تحقیقی جائزہ، عبدِ مصطفیٰ محمد صابر قادری، عبد مصطفیٰ آفیشل
⇐ حدائقِ بخشش (نعتیہ دیوان)، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی (۴۳۰ھ)، مطبع السعادۃ
⇐ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ملک العلما سید ظفر الدین بہاری (م:1962ء)، اکبر بک سیلرز
⇐ خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس، مفتی محمد جلال الدین قادری (م:2008ء)، مکتبہ رضویہ، گجرات
⇐ خیر المجالس (فارسی)، خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (م:۷۵۷ھ/1356ء)، مسلم یونیورسٹی
⇐ الخیرات الحسان، شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی (م:۹۷۴ھ)، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی
⇐ الدرّ المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار، علاء الدین محمد بن علی حصکفی (م:۱۰۸۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ الدعوات الکبیر، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، غراس للنشر والتوزیع

⇐ دلائل النبوۃ، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ دلیل العارفین [ملفوظاتِ خواجہ اجمیری]، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م:1235ء) مطبع منشی نول کشور
⇐ دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، محمد علی بن شافعی صدیقی (م:۱۰۵۷ھ)، دار المعرفۃ
⇐ دیوانِ سالک، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ الذیل علی طبقات الحنابلۃ، زین الدین عبد الرحمٰن ابن رجب سلامی حنبلی (م:۷۹۵ھ)، مکتبۃ العبیکان
⇐ ردّ المحتار علی الدرّ المختار، سید محمد امین ابن عابدین شامی (م:۱۲۵۲ھ)، دار المعرفۃ
⇐ الرسالۃ القشیریۃ، شیخ عبد الکریم بن ہوازن قشیری (م:۴۶۵ھ)، دار المعارف
⇐ روح البیان، ابو الفداء اسماعیل حقی بن مصطفی حنفی (م:۱۱۲۷ھ)، دار الفکر
⇐ الروض الفائق فی المواعظ والرقائق، شیخ شعیب مکی الحریفیش (م:۸۱۰ھ)، شرکۃ ومطبعۃ مصطفی البابی و أولادہ، مصر
⇐ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ (م:۷۵۱)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ زبدۃ الأسرار وزبدۃ الآثار، شیخ محقق ابو المجد عبد الحق محدثِ دہلوی (م:۱۰۵۲ھ)، مطبع بکسلنگ کمپنی
⇐ زلف وزنجیر، رئیس القلم علامہ ارشد القادری (م:2002ء)، شبیر برادرز
⇐ الزھد، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی قرشی (م:۲۸۱)، دار ابن کثیر
⇐ الزھد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م:۲۷۵ھ)، دار المشکاۃ للنشر والتوزیع
⇐ الزھد، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، شیخ محمد بن یوسف صالحی شامی (م:۹۴۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، محمد ناصر الدین البانی (م:1999ء)، مکتبۃ المعارف
⇐ سننِ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (م:۲۷۳ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ سننِ ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م:۲۷۵ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ سننِ کبریٰ، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ سننِ کبریٰ، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی (م:۳۰۳ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ سننِ نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی (م:۳۰۳ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ سوانحِ کربلا، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مکتبۃ المدینۃ

⇐ سیر أعلام النبلاء، شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م:۷۴۸ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ سیَر العارفین از زبدۃ العارفین، مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی (م:۹۴۲ھ)، مطبع رضوی، دہلی

⇐ السیرۃ النبویۃ، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر (م:۷۷۴ھ)، دار المعرفۃ

⇐ السیرۃ النبویۃ، جمال الدین ابو محمد عبد الملک بن ہشام بصری (م:۲۱۳ھ)، مصطفی البابی مصر

⇐ شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م:۱۱۲۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ شرح السنۃ، ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (۵۱۶ھ)، المکتب الإسلامی

⇐ شرح صحیح البخاری، ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال (م:۴۴۹ھ)، مکتبۃ الرشد

⇐ شعب الإیمان، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مکتبۃ الرشد

⇐ الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م:۲۷۹ھ)، المکتبۃ التجاریۃ مصطفی احمد الباز

⇐ صحیح ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی (م:۳۵۴ھ)، دار ابن حزم

⇐ صحیح ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق سلمی (م:۳۱۱ھ)، المکتب الإسلامی

⇐ صحیح مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج قشیری (م:۲۶۱ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ صراط الجنان فی تفسیر القرآن، مفتی محمد قاسم عطاری، مکتبۃ المدینہ

⇐ صفۃ الصفوۃ، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، دار الحدیث

⇐ الصواعق المحرقۃ علی أھل الرفض والضلال والزندقۃ، شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی (م:۹۷۴ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری (م:1998ء)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

⇐ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی (م:۷۷۱ھ)، دار ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع

⇐ الطبقات الکبریٰ [لواقح الأنوار القدسیۃ فی مناقب العلماء والصوفیۃ]، ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد شعرانی (م:۹۷۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد ہاشمی (۲۳۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ عظمتوں کے چراغ، ایڈووکیٹ ولی مظہر، مجلس کارکنانِ تحریکِ پاکستان

⇐ العظمۃ، ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد انصاری اصبہانی (م:۳۶۹ھ)، دار العاصمۃ الریاض

⇐ عقائد وعبادات، مفتی محمد صدیق ہزاروی، مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان

⇐ علم القرآن، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:191ء)، مکتبۃ المدینۃ

⇐ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م:۸۵۵ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ عمل الیوم واللیلۃ، احمد بن محمد ابن السُّنّی دِیْنَوَری (م:۳۶۴)، دار القبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ

⇐ عہدِ ایّوبی کی نسلِ نَو اور القدس کی بازیابی (ترجمہ هكذا ظهر جيل صلاح الدين: داکٹر ماجد عرسان کیلانی)، مترجم: پروفیسر محمد عبد الرسول، اردو سائنس بورڈ، لاہور

⇐ عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير، فتح الدین ابو الفتح محمد یعمری (۷۳۴ھ)، دار القلم

⇐ عيون الأخبار، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری (م:۲۷۶)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ عيون الحكايات، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ غرائب القرآن ورغائب الفرقان [تفسیر نیشاپوری]، نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری (م:۸۵۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ غريب الحديث، ابو سلیمان حمد بن احمد الخطابی (م:۳۸۸)، دار الفکر

⇐ غريب الحديث، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینَوری (م:۲۷۶)، مطبعۃ العانی

⇐ الفتاوى الهندية [فتاوی عالم گیری]، مولانا شیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند، المطبعۃ الکبری الامیریۃ

⇐ فتاوی امجدیہ، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:۱۳۶۷ھ / 1948ء)، دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ

⇐ فتاوی اہل سنت (احکامِ زکوٰۃ)، مجلسِ افتاء دعوتِ اسلامی، مکتبۃ المدینہ

⇐ فتاوی رضویہ، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ

⇐ فتاوی شارح بخاری، فقیہِ اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی (م:2000ء)، دائرۃ البرکات کریم الدین پور، گھوسی ضلع مئو

⇐ فتاوی مصطفویۃ [المكرمة النبوية في الفتاوى المصطفوية]، مفتیٔ اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خان قادری (م:۱۴۰۲ھ)، مطبوعہ شبیر برادرز

⇐ فتح الباری شرح صحیح البخاری، شہاب الدین ابو الفضل احمد ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، دار المعرفۃ

⇐ فتح الرباني والفيض الرحماني، غوث اعظم ابو محمد شیخ عبد القادر جیلانی (م:561ھ)، دار الریان للتراث

⇐ فتح القريب المجيب على الترغيب والترهيب، ابو محمد حسن بن علی فیومی (م:۸۷۰ھ)، مکتبۃ دار السلام

⇐ فتوح الشام، ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (م:۲۰۷ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ فتوح الغیب، غوث اعظم ابو محمد شیخ عبد القادر جیلانی (م:۵۶۱ھ)، مؤسسۃ الشرف

⇐ الفتوحات المکیۃ، امام محی الدین ابو بکر محمد بن علی ابن عربی (م:۶۳۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ فرموداتِ قائدِ اعظم... رَوِش رَوِش روشن، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ

⇐ الفروسیۃ المحمدیۃ، محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ (م:۷۵۱)، دار ابن حزم

⇐ فضائل الأوقات، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مکتبۃ المنارۃ

⇐ فضائل الصحابۃ، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ فوائد الفؤاد (ملفوظاتِ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین)، خواجہ امیر حسن دہلوی (م:۷۳۶ھ)، ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز

⇐ فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، حاجی محمد مرید احمد چشتی (م:2014ء)، انجمن قمر الإسلام سلیمانیہ

⇐ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد عبد الرؤوف مناوی (م:۱۰۳۱ھ)، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ

⇐ فیضانِ اعلیٰ حضرت، مولانا محمد ریحان احمد قادری، شبیر برادرز

⇐ قصر الأمل، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی (م:۲۸۱)، دار ابن حزم

⇐ قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، شیخ ابو طالب محمد بن علی حارثی مکی، (م:۳۸۶ھ) دار الکتب العلمیۃ

⇐ الکاشف عن حقائق السنن، شرف الدین حسین بن عبد اللہ طیبی (م:۷۴۳ھ)، مکتبۃ نزار مصطفی الباز

⇐ کتاب التوابین، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ ابن قدامۃ مقدسی حنبلی (م:۶۲۰ھ)، دار ابن حزم

⇐ کتاب الفتن، ابو عبد اللہ نعیم بن حماد خزاعی مروزی (م:۲۲۸ھ) مکتبۃ التوحید

⇐ کشف الخفاء ومزیل الإلباس، ابو الفداء اسماعیل بن محمد عجلونی (م:۱۱۶۲ھ)، المکتبۃ العصریۃ

⇐ کشف المشکل من حدیث الصحیحین، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، دار الوطن

⇐ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن [تفسیرِ ثعلبی]، ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی (م:۴۲۷ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ الکشکول، بہاء الدین محمد بن حسین ہنذانی (م:۱۰۳۱)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، علاء الدین علی بن حسام الدین ہندی (م:۹۷۵ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ الکوثر الجاری إلی ریاض أحادیث البخاری، احمد بن اسماعیل کورانی حنفی (م:۸۹۳ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ الکامل فی التاریخ [تاریخِ ابن اثیر]، عز الدین ابو الحسن علی جزری (م:۶۳۰ھ)، دار الکتاب العربی

⇐ الکامل فی ضعفاء الرجال، حافظ ابو احمد عبد اللہ ابن عدی جرجانی (م:۳۶۵ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، محمد بن علی تھانوی (م:۱۱۵۸ھ)، مکتبۃ لبنان ناشرون
⇐ کشف المحجوب (فارسی)، فیضِ عالم سید علی بن عثمان ہجویری (م:۴۶۵ھ)، سنگِ میل پبلی کیشنز
⇐ کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجۃ [حاشیہ سندھی علی سنن ابن ماجہ]، نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندی (م:۱۱۳۸ھ)، دار الجبل
⇐ کلام میاں محمد بخش (م:1907ء)، چشتی کتب خانہ
⇐ کلیاتِ اقبال، شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال (م:1938ء)، مکتبہ جمال
⇐ لباب التأویل فی معانی التنزیل [تفسیر خازن]، علاء الدین ابو الحسن علی بن محمد خازن (م:۷۴۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ لسان العرب، جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم ابن منظور افریقی (م:۷۱۱ھ)، دار صادر
⇐ لطائف المعارف فیما لمواسم العامّ من الوظائف، زین الدین عبد الرحمٰن ابن رجب حنبلی (م:۷۹۵ھ)، المکتب الاسلامی
⇐ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، شیخ محقق ابو المجد عبد الحق محدثِ دہلوی (م:۱۰۵۲ھ)، دار النوادر
⇐ مآثرِ عالم گیری، مرتب: محمد ساقی مستعد خان، مترجم: محمد فداء علی طالب، بک لینڈ کراچی
⇐ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر ہیثمی (م:۸۰۷ھ)، مکتبۃ القدسی
⇐ مدارج السالکین، محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ (م:۷۵۱)، دار الکتاب العربی
⇐ مدارج النبوۃ، شیخ محقق ابو المجد عبد الحق محدثِ دہلوی (م:۱۰۵۲ھ)، مرکزِ اہلِ سنت برکاتِ رضا، ہند
⇐ المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرحی المناوی، ابو الفیض احمد بن محمد غُمَارِی (م:۱۳۸۰ھ)، دار الکتبی
⇐ المدخل للشیخ ابن الحاج، ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن الحاج المالکی (م:۷۳۷ھ)، دار التراث
⇐ مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، الکبیر پبلیکیشنز
⇐ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ابو الحسن نور الدین علی بن سلطان محمد قاری (م:۱۰۱۴ھ)، دار الفکر
⇐ المستدرک علی الصحیحین، الحاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری (م:۴۰۵ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ المستند المعتمد فی شرح المعتقد المنتقد، الشاہ احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، النوریۃ الرضویۃ، بلشنگ کمپنی
⇐ مسند أبی یعلی الموصلی، حافظ احمد بن علی تمیمی (م:۳۰۷ھ)، دار الحدیث، قاہرہ
⇐ مسند الإمام أحمد بن حنبل، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ مسند الإمام الأعظم، ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت (م:۱۵۰)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ مسند البزار [البحر الزخار]، ابو بکر احمد بن عمرو بزار (م:۲۹۲ھ)، مکتبۃ العلوم والحکم
⇐ مسند الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی (۲۵۵ھ)، دار المغنی
⇐ مسند الفاروق، ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی (م:۷۷۴ھ)، دار الفلاح
⇐ مشکوۃ المصابیح، ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیبِ تبریزی (م:۷۴۱ھ)، مکتبۃ البشریٰ
⇐ مصنف ابن ابی شیبۃ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد ابنِ ابی شیبۃ کوفی (م:۲۳۵ھ)، مکتبۃ العلوم والحکم
⇐ المصنف، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی (م:۲۱۱ھ)، المجلس العلمی
⇐ مَطْلَعُ القمرین فی إبانۃ سبقۃ العمرین، امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، مکتبہ بہارِ شریعت
⇐ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع (م:1976ء)، مکتبہ معارف القرآن
⇐ معالم التنزیل فی تفسیر القرآن [تفسیرِ بغوی]، محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (۵۱۶ھ)، دار طیبہ
⇐ المعجم الأوسط، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م:۳۶۰ھ)، دار الحرمین، قاہرہ
⇐ المعجم الصغیر، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م:۳۶۰ھ)، المکتب الإسلامی
⇐ المعجم الکبیر، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م:۳۶۰ھ)، مکتبۃ ابن تیمیہ
⇐ معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی (م:۴۳۰ھ)، دار الوطن
⇐ المغازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (م:۲۰۷ھ)، دار الأعلمی
⇐ مفاتیح الغیب [تفسیر کبیر]، فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ رازی (م:۶۰۶ھ)، دار احیاء التراث العربی
⇐ المفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی (م:۵۰۲ھ)، دار القلم
⇐ مقدمہ حسنات الحرمین، پروفیسر محمد اقبال مجددی (م:2022ء)، مکتبہ سراجیہ
⇐ مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، سید نجیب اشرف ندوی، ایم اے رفیق، دار المصنفین، مطبع معارفِ اعظم
⇐ المقفی الکبیر، تقی الدین ابو العباس احمد مقریزی (م:۸۴۵ھ)، دار الغرب الاسلامی
⇐ مکارم الأخلاق، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م:۳۶۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ مکتوباتِ امام ربانی، مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی (م:۱۰۳۴ھ)، پروگریسو بکس
⇐ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان (م:1981ء) مکتبۃ المدینہ
⇐ المنتخب من ذیل المذیل، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ)، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات

⇐ المنتظم فی تاریخ الأمم والملوك، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج (شرح نووی علی مسلم)، محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (م:۶۷۶ھ)، دار احیاء التراث
⇐ مہرِ منیر، مولانا فیض احمد فیض، کتب خانہ درگاہِ مہریہ غوثیہ
⇐ المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی (م:۹۲۳ھ) المکتبۃ التوقیفیۃ قاہرہ
⇐ موبائل فون شریعت کے آئینے میں، مفتی محمد اظہر عطاری المدنی، مکتبہ فیضانِ شریعت
⇐ موبائل فون کے ضروری مسائل، مولانا محمد طفیل احمد مصباحی، فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن
⇐ الموطأ للإمام مالك، امام دار الہجرہ مالک بن انس اصبحی (م:۱۷۹ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ نخب الأفكار فی تنقيح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م:۸۵۵ھ)، وزارۃ الاوقاف
⇐ نضرة النعيم فی أخلاق الرسول الكريم، تحت إشراف صالح بن عبد اللہ مکی، دار الوسیلۃ
⇐ نظامی بنسری (راجکمار ہردیو کی ڈائری)، دوست پبلی کیشنز
⇐ النهاية فی غريب الحديث والأثر، مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن اثیر جزری (م:۶۰۶ھ)، المکتبۃ العلمیۃ
⇐ نور العرفان، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، پیر بھائی کمپنی
⇐ الوابل الصيب من الكلم الطيب، محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ (م:۷۵۱)، دار الحدیث
⇐ الوافی بالوفیات، صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی (م:۷۶۴ھ) دار احیاء التراث
⇐ الورع، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی قرشی (م:۲۸۱)، الدار السلفیۃ
⇐ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، ابو العباس احمد بن محمد اربلی (م:۶۸۱ھ)، دار صادر
⇐ وقار الفتاوی، مفتی محمد وقار الدین قادری (م:۱۴۱۳ھ)، بزم وقار الدین

مجلات واخبارات

⇐ باغِ فردوس، مجدّدینِ اسلام نمبر، جامعہ اشرفیہ
⇐ ماہنامہ فیضانِ مدینہ
⇐ ماہنامہ نقوش، لاہور نمبر، ادارہ فروغِ اردو
⇐ مجلہ النظامیہ، مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان
⇐ مجلہ ہلال [افواجِ پاکستان کا مجلہ]، ہلال پبلی کیشنز
⇐ ہفت روزہ چٹان، لاہور

تعارفِ نظامیہ و خطباتِ نظامیہ

جامعہ نظامیہ رضویہ کا آغاز شارحِ بخاری شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ / مئی 1956ء کو کیا۔ اُن کے فیصل آباد تشریف لے جانے کے سبب شعبان المعظّم ۱۳۸۲ھ / جنوری 1963ء کو مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ 26 اگست 2003ء کو اُن کے وصال کے بعد سے جانشینِ مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی مدظلہٗ ناظمِ اعلیٰ ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ سے ہزاروں مفتیانِ عظام، علمائے ذوی الاحتشام، قرّائے ذی شان اور حفّاظِ کرام فراغت حاصل کر کے دُنیا بھر میں مختلف مناصب پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، فاضلات کی تعداد بھی حوصلہ افزا ہے۔ نیز اِس وقت جامعہ اور اُس کی تقریباً 45 برانچز میں 8000 کے قریب طلبہ اور طالبات علمِ دین حاصل کر رہے ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے 1994ء میں مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جس کے بنیادی مقاصد میں ابنائے نظامیہ کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ عوام و خواص کے عقائد کا تحفّظ اور فکرِ رضا کی ترویج و اِشاعت بھی تھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے زیرِ اہتمام متعدد علمی و فکری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دسمبر 2019ء سے تاحال بلا تعطل علمی و تحقیقی خطبۂ نظامیہ بھی نشر کیا جاتا ہے، اب تک 250 سے زائد خطبات نشر ہو چکے ہیں۔ احباب کے پُرزور اِصرار پر 1444ھ کے خطبات کی اِشاعت کے بعد اب 1445ھ میں نشر ہونے والے 53 خطباتِ نظامیہ نظرِ ثانی اور دیگر مراحل طے کرنے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیے گئے ہیں۔